تعلیمی نمبر

بمبئی

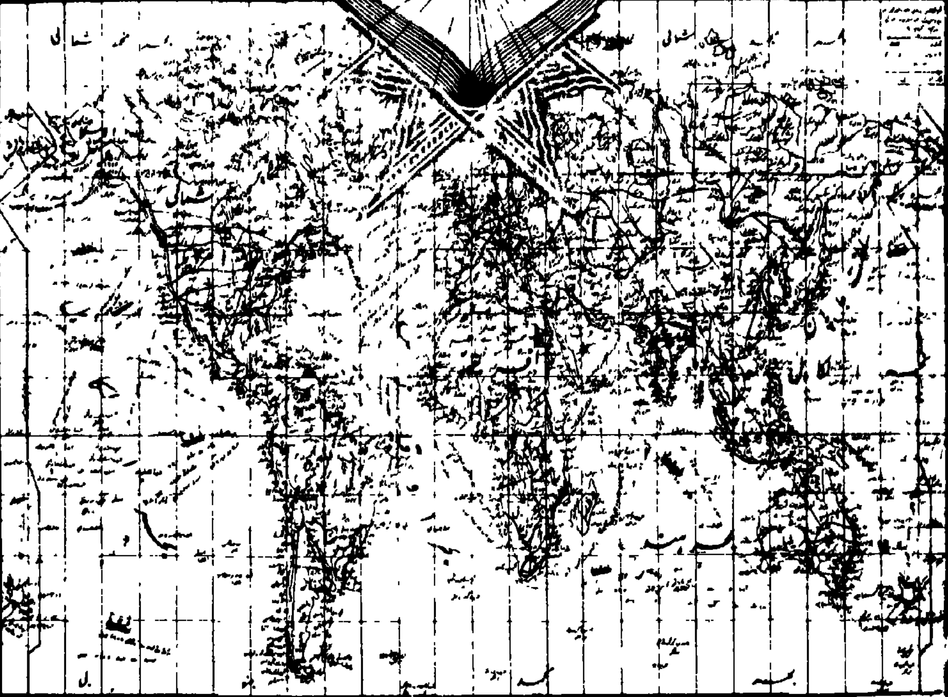
ماھنامہ

بیت اللہ

رسول اللہ

کلام اللہ

دینی تعلیمی اور حج سے متعلق معلوماتی رسالہ



وزیرِ اعلیٰ صوبۂ بمبئی کا یادگار تاریخی پیغام

آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن کے نام

جناب محترم شری مرارجی بھائی ڈیسائی چیف منسٹر صوبۂ بمبئی نے آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن کے موقع پر حسبِ ذیل پیغام مرحمت فرمایا ہے :-

چیف منسٹر
گورمنٹ آف بمبئی

سکریٹریٹ بمبئی
۳ جنوری سنہ ۱۹۵۵ء

اگر معقول طور پر سمجھا جائے اور عادات سے بیرونی کی جائے تو ایک قیمتی مذہب صحیح اور مؤثر طریقہ پر کسی قوم کے لئے باعث تقویت ہو سکتا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ بسا اوقات مادہ پرست افراد اپنے ذاتی مقاصد اور خود غرضی کی خاطر مذہب کا نامناسب استعمال کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مذہب کے اصول عام طور پر بھلا دیے جاتے ہیں۔ اور صرف رسم و رواج اور روایات پر زور دیا جاتا ہے۔

ہند میں متعدد مذاہب کے پیرو آباد ہیں۔ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس بات کی نگرانی رکھے کہ ہر بچہ اور بچی کو اس کے مذہب کی تعلیم حاصل ہو اور ساتھ ہی ساتھ ان میں دوسرے مذاہب کے احترام کا جذبہ بھر دیا جائے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہی "سیکولرزم" کی جان ہے۔

سیکولرزم کا مطلب لامذہبیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک نظریہ ہے جو ہر مذہب کے احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کانفرنس اس بنیادی اصول اور ہمہ گیر نقطۂ نظر پر اپنے غور و فکر کا دارومدار رکھے گی، اور اس کے ساتھ بلند اخلاقی کردار اصولوں اور ان کے روحانی تقاضوں پر زور دے گی، اور اس معاملہ میں صحت مند رہنمائی کرے گی۔

مرارجی ڈیسائی

ماہنامہ

البلاغ

تعلیمی نمبر

قیمت: فی پرچہ

[illegible]

سالانہ چندہ صہ

مدیر مسئول:- محی الدین منیری

جلد ۱ ربیع الآخر، جمادی الاول، جمادی الآخر ۱۳۷۴ھ دسمبر ۱۹۵۴ء، جنوری، فروری ۱۹۵۵ء شمارہ ۷-۸-۹

ان بزرگوں کے مضامین سے خصوصی طور پر استفادہ کیجئے

1. شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی
2. مفکر ملت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
3. مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب
4. حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی
5. حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب

ادارۂ تحریر

مولانا حامد الانصاری غازی

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

مولوی عبد الرشید ندوی

پرنٹر پبلیشر محمد یوسف نے [illegible]



Secretariat, Bombay, 1.

January, 3, 1955.

True religion, if intelligently understood and faithfully followed, is a proper and effective source of strength to any people. But the difficulty is that religion is very often exploited by interested parties for their own personal and selfish ends, with the result that the fundamentals of religion are very often forgotten and it is the ceremonial and the rituals that are emphasised. In India, there are followers of many religions and I believe that it is the duty of the State to see that every child is given basic training in his or her religion and at the same time to inculcate in him or her respect for other religions. This is, in fact, the essence of secularism which is not an irreligious concept but a concept which teaches respect for all religions. I hope the deliberations of this Conference will be based on this fundamental and all-embracing approach and that the Conference will emphasise the broad moral and ethical principles which are common to all religions and give a healthy lead in this direction.

Morarji Desai

(Morarji Desai).

فہرست مضامین

پرنٹر پبلشر محمد یوسف صفی قادری پریس نور منزل محمد علی روڈ بمبئی میں چھپوا کر
دفتر انجمن خدام النبی صابو صدیق مسافر خانہ کرناک روڈ بمبئی نمبر ۳ سے شائع کیا،

شذرات

ازجناب سیٹھ احمد غریب صاحب امیر انجمن خدام النبی جنرل سکریٹری آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن بمبئی

اللّٰہ اکبر! آج انجمن خدام النبی ایک اہم فرض کی توفیق سے عہدہ برآ ہو رہی ہے "البلاغ" کا تعلیمی نمبر اپنی ظاہری اور باطنی خصوصیات کے ساتھ علماء، طلباء اور عام مسلمانوں کی خدمت میں حاضر ہے نبی کے خدام کا عمل اللہ کے نیکوکار بندوں کے سامنے ہے۔ اللہ کا نام واقعی اسم اعظم ہے، اس کے نام پر جو کام شروع کیے جاتے ہیں، ان کی کامیابی کے لئے غیب سے سامان ہو جاتے ہیں،

ایک سادہ سا خیال دل سے زبان پر آیا، اللہ کے نام پر کام شروع ہوا، اور تھوڑے سے وقت میں بڑا کام پورا ہو گیا، اس سے نہ تو نام آوری مقصود ہے، نہ دنیا میں سر اونچا کرنا ہے نہ کوئی صحافتی کارنامہ انجام دینا ہے، نہ تجارت کا خیال ہے، بلکہ مقصد دین کی خدمت کرنا ہے، نہ ستائش کی تمنا نہ شکایت سے غرض، اصل چیز اسکی رضا ہے جس کے پاس دنیا اور آخرت کے خزانے ہیں،

دعا ہو کہ جب اللہ اپنے دین کے خادموں کو باریاب کرے تو ان کا اخلاص اور خالص نیت بھی حضوری کا شرف حاصل کرے، اس ستار العیوب اور غفار الذنوب کے سامنے انکی لغزشیں اور غلطیاں نہ پیش ہوں۔ کہ کون انسان غلطی سے خالی ہے۔

شکریہ و سپاس | مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ: جس نے اللہ کے بندوں کا شکریہ نہ ادا کیا، وہ اللہ کے شکریے سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکے گا،

ہم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہیں کہ اس نے آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن کے یادگار تاریخی موقع پر دین کے مہمانوں کی خدمت کا موقع عنایت فرمایا۔ ع ہمیشہ رہے نام اللہ کا!

اس کے بعد ان سچے مخلص، بے لوث اور بے ریا کارکنوں کا شکریہ جنہوں نے چاہا کہ وہ صرف اللہ سے اپنا اجر چاہیں، زندگی بھر انہوں نے خدمت کی، اللہ کا حکم پہنچا تو ان اصحاب کا خلوص ہم کو چھوڑ کر سبقت کر گیا، انا للہ و انا الیہ راجعون ہم ان کے شکر گذار ہیں، ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس کی حیات طیبہ عطا فرمائیں، اور ان کے وارثوں کو انہی کے اسوۂ حسنہ پر چلنے اور دین کی خدمت کرنے کا صحیح جذبہ مرحمت فرمائیں۔

اس کے بعد ان احباب اور اکین کا شکریہ جو اس دنیا میں خلوص کے ساتھ صرف اللہ کی رضامندی کے لیئے خدمت کی اس راہ میں سرگرم ہیں، اور انبیاء کی صحیح تعلیم وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ پر عمل پیرا ہیں، نہ ان کو نام کی پرواہ ہے نہ اللہ کے بندوں کی طرف سے اچھے انعام اور بہتر بدلے کا خیال، وہ صرف اپنے پروردگار سے انعام کی نیک امیدوں کے ساتھ اپنے

نام چھپائے ہوئے کام کر رہے ہیں، ہم ان حجاج کرام کے بھی شکر گذار ہیں کہ جو ہم کو موقع دیتے ہیں اپنی خدمت کا، ہمیں مفید مشوروں سے سرفراز فرماتے ہیں جس سے ہمارے خلوص میں ترقی، نیتوں میں پاکیزگی اور کاموں میں للّٰہیت پیدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد ہم البلاغ کے ادارۂ تحریر میں مولانا غازی حامد الانصاری صاحب، مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری اور مولوی عبد الرشید صاحب ندوی کے شکر گذار ہیں کہ انھوں نے ایک گمنام خادم نبی کو اس کا موقع دیا کہ اس کا (ادارۂ البلاغ) نام دنیا والوں کے سامنے آئے۔ اور وہ خود گمنام رہ کر نمود و ریا کی دنیا سے دور رہیں، انھوں نے اپنا نام اور انعام اللہ سے چاہا، اس سے بہتر نہ کوئی دوسری چاہت ہو سکتی ہے اور نہ خواہش، نہ امیدواری نہ آرزومندی۔ آج ہم ان کا اجر و ثواب ضرور کم کر رہے ہیں، کہ ان کے دینی جذبے کو دنیا والوں کے سامنے لا رہے ہیں، یہ صرف ان کی خدمات اور خلوص بھرے حیثیات کو تقاضہ ہے کیونکہ اگر ان کی رہبری نہ ہوتی تو البلاغ وہ البلاغ نہ ہوتا جس کو آپ دیکھ رہے ہیں، ہم اپنی دعاؤں کی قدر و قیمت سے واقف ہیں، مگر دعا عبادت کی روح ہے اور خیر خواہی کا جوہر الحمد للہ مسلمان ہیں اور اللہ اور اس کے رسول سے نسبت رکھتے ہیں، گرچہ ہم نسبتیت نہ رکھیں، اسی نسبت پر پورا اعتماد ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے ان تینوں کے لیے دعا کرتے ہیں، آمین ثم آمین۔

شکریہ و سپاس کے اس مسرت بخش مرحلے پر اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ انجمن خدام النبی کو اپنی خدمات کے سلسلہ میں ہر ادارے اور ہر طبقے کا مخلصانہ تعاون حاصل ہے، انجمن کا کام اللہ کے اعتماد سے شروع ہوتا ہے، اور اللہ کے بندوں کے اعتماد پر روز افزوں ترقی کی راہیں طے کرتا ہے،

حجاج کی سرگرم خدمت کے سلسلہ میں انجمن کی دلیل کافی وزنی ہے، اسے حکومت اور عوامی رہنماؤں کا تعاون حاصل ہے، حکومتِ ہند کا محکمۂ خارجہ اور حج سے متعلق شعبہ اور اس کے ارکان حجاج کے کاموں سے براہِ راست دلچسپی لیتے ہیں، اور مشکلات کے دور کرنے کے لیے خاص توجہ فرماتے ہیں، ہم اس سلسلہ میں محترم پنڈت جواہر لال جی وزیر اعظم ہند اور ان کے رفقاء کے شکر گذار ہیں، ہم مسلمانوں کی طرف سے مراجی بھائی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی رہنمائی میں حجاج کرام و مقامی حکومت کی طرف سے پوری پوری سہولتیں حاصل ہیں۔ جناب محترم مصطفےٰ فقیہ صاحب ہمارے خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کا ایمانی جذبہ انجمن کے لیے ہمدردانہ ہے،

سعودی عرب کی حکومت انجمن خدام النبی کو مسلمانانِ ہند کا ایک دینی اور ذمہ دار ادارہ سمجھتی ہے، وزارتِ شئون حج جناب محترم شیخ محمد سرور الصبان صاحب کی رہنمائی میں حجاج کی خدمت کا بینار یکارڈ قائم کر رہی ہے، سعودی قونصل جنرل جناب محمد یوسف فوزان صاحب ہر ہر مرحلہ پر حجاج کی خدمت کے لیے آمادہ رہتے ہیں، ہم ان کی حکومت اور ان کے بیحد شکر گذار ہیں،

انجمن کو مرکزی حج کمیٹی اور جمعیۃ علمائے ہند کا خاص تعاون حاصل ہے، جناب محترم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند انجمن اور اس کے خدام سے قلبی، قریبی اور مخلصانہ ربط، رشتہ اور تعلق رکھتے ہیں، وہ صحیح مشوروں سے ہمت افزائی فرماتے ہیں، اہم اور اہم کاموں میں مدد دیتے ہیں، اور ہر کام کا اعتراف فرماتے ہیں، دوسروں کے لیے ایک نمونہ قائم کر دیتے ہیں، حضرات علمائے کرام میں جناب محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، مہتمم دار العلوم دیوبند نے مناسک و مسائلِ حج کی تبلیغ میں عاملانہ،

جیسا مشکل ہو اندازہ میں رہنمائی فرمائی، ہم ان دونوں بزرگوں کے خاص طور پر ممنون ہیں، انجمن کو جمعیۃ علماء صوبہ بمبئی کے مخلص ارکان کا تعاون حاصل ہے جن کے خدام اور جمعیۃ کے کارگذار مل جل کر کام کرتے ہیں،

انجمن سے پہلے پورٹ حج کمیٹی کا تعاون تاریخی اہمیت رکھتا ہے، کمیٹی کے سابق چیرمین جناب محترم حاجی حسن علی صاحب حجاج کرام کی خدمت سے جو ذاتی محبت، دلی لگاؤ اور شیفتگی رکھتے ہیں، اور اس میں اعلیٰ درجہ کا جو خلوص پایا جاتا ہے، اس کی مثال ملنی مشکل ہے، یگانے اور بیگانے سب ان کی اعلیٰ اہلیت تدبر اور محنت پسندی کے قائل ہیں، ان کا شکریہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے، حج مسلمانوں کی اجتماعی عبادت ہے، اس راہ میں مل جل کر ہی خدمت کی جا سکتی ہے، اگر حج کمیٹی کے موجودہ اراکین نے ماضی کی خوشگوار روایات کو ترقی دی، تو حجاج کی بہت سی مشکلات حل ہو سکیں گی،

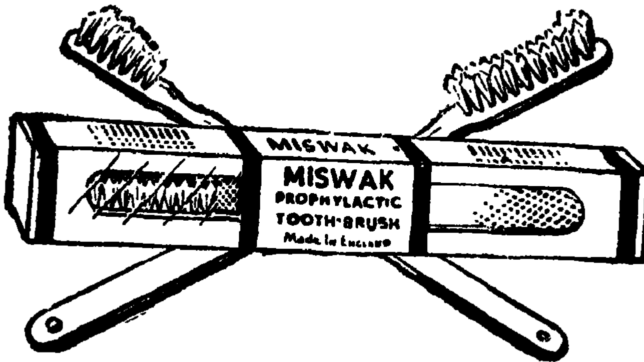
انجمن خدام النبی کی خدمت کا دائرہ "دین" کے ایک لفظ میں سمویا ہوا ہے، انجمن نے حجاج کا کام اپنے ہاتھ میں لیا، غیر ملکی حکومت کے عروج کا زمانہ تھا، حکومت آج کی طرح ہمدرد نہ تھی، قدم قدم پر مشکلات تھیں، دور دراز کا سفر، زاد راہ کم، حج کا ذوق و شوق زیادہ، بیل گاڑیوں، اونٹوں، ریل اور دخانی جہاز کا سفر، راستے میں پانی ملنا مشکل، ایسے میں حجاج کی خدمت کا خیال کرنا بھی دشوار تھا، مگر تب سے خدام انجمن کی عمارت کو لیکر کھڑے ہوگئے، پیاسے حاجیوں کو پانی پلانے سے کام شروع ہوا، اس کے اراکین کو قطعاً عار محسوس نہیں ہوئی، وہ پانی کی بالٹیاں لے کر گودی پہنچے، اللہ کی رضاجوئی کے لیے عبدیت کا ثبوت دیتے ہوئے کام میں لگے رہے، راستے میں رکے بغیر آگے بڑھتے رہے، آزادی کا دور آیا، مقامی اور مرکزی حکومتوں میں حجاج کی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا، مگر دوسری جنگ اور غلافی کی پیداوار حکومتوں سے حجاج کو سابقہ پڑا، (۱) پاسپورٹ پر فوٹو، (۲) ایکسچینج کنٹرول (۳) غلہ، کپڑا اور شکر کے کنٹرول (۴) صحت کے سرٹیفکیٹ، ایکسچینج کی، (۵) مزید انکم ٹیکس سرٹیفکیٹ، (۶) سرکاری قوانین سے عام ناواقفیت، (۷) بمبئی میں حجاج کا کبھی وقت سے پہلے، کبھی وقت کے بعد آنا، (۸) ہوائی سفر کا عدم انتظام (۹) گودی پر جانے اور آنے پاسپورٹوں کی چیکنگ (۱۰) بیمار حاجیوں کے علاج کی مشکلات (۱۱) گودی پر جانے اور آنے کے لیے زیادہ کرایوں میں حجاج کے دھوکے، (۱۲) مقامی گروہوں کی شیطانی ستم ظریفی، (۱۳) حجاج کی ضرورت کی اشیاء اور تبرکات کی ارزاں خریداری کا فقدان، (۱۴) غیر ملکی زر مبادلہ اور عازمین حج کی گوناگوں پریشانی (۱۵) جہاز پر قلیوں کی من مانی، انجمن نے ان مشکلات پر تھوڑا تھوڑا، ایک کے بعد دوسرے کام کو قبضہ میں لیا، اللہ کا شکر و احسان ہے کہ یہ مشکلات قابو میں آگئیں، اور حجاج کرام کا بڑا بوجھ ہلکا ہوگیا۔

انجمن نے بڑا کام کیا، جو حجاج کے لیے مسائل و مناسک حج کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لیے مستند عالموں، ادیبوں، صحافیوں اور شاعروں کو تیار کر دیا، پہلے حجاج کی خدمت کا ذوق احساس صرف انجمن کے کارکنوں کے قلوب میں تھا پھر یہ جذبہ بمبئی میں ابھرا، اب سارے ہندوستان میں پھیل گیا، باہر کے مسلمان آرزو کرتے ہیں کہ ایسی جماعت اور ایسا نظم ان کے یہاں بھی کام کرے، والامر بید اللہ الکریم۔

نشر و اشاعت کی ہمہ گیری میں البلاغ کا اجرا بڑا کارآمد ثابت ہوا، یہ خیال ایک نئی ایجاد کی طرح عمل میں آیا، ہفتہ وار "البلاغ" کا پہلا نمبر جمعہ کے مبارک دن ۹ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ (۱۴ مئی ۱۹۵۴ء) شائع ہوا، جس میں اسی قلم نے یہ لکھا تھا۔ "انجمن کی خدمات کی ایک کڑی، رسالہ اور اخبار، البلاغ، آپکے ہاتھوں میں ہے، ہر مسلمان کی دعائیں شامل حال رہیں تو انشاء اللہ یہ خدمت بھی دوسری خدمات کی طرح کامیابی کے ہر مرحلہ پہ پہونچ سکے گی۔"

چارسو سے زائد صفحات کا البلاغ آپ کے ہاتھوں میں ہے، آٹھ ماہ پہلے اللہ نے جو بات قلم سے نکلوائی، عام دعاؤں کے نتیجہ میں اس کا ثمرہ موجود ہے، ہم کوئی غلطی کریں تو روکا جائے، اور صحیح راستے پر ہوں تو دعا کی جائے، یہ میں نے پہلے بھی لکھا تھا اور یہی اب بھی تمنا کرتا ہوں۔

البلاغ کی لوح پر ـــــ پہلے دن یہ لکھوایا گیا تھا دینی۔ تعلیمی۔ اور حج سے متعلق معلوماتی رسالہ۔ اور اخبار، میں آٹھ ماہ تک حج کی بھرپور معلومات دی گئیں، اب آپ لوح پر لکھے ہوئے "دینی۔ تعلیمی" الفاظ کو دیکھیے، اور "آل انڈیا دینی، تعلیمی کنونشن" کے نام اور کام پر غور فرمائیے، نیتوں کے خلوص کی کرامت اور اللہ کی کارسازی کا صدقہ البلاغ کا تعلیمی نمبر آپکے سامنے ہے، اگر خدمت کا درجہ رکھتا ہے تو انجمن کے خدام اور کی اسلامی تعلیمگاہوں اور دینی مدرسوں پر اس طرح کی معلومات کا ذخیرہ اس کے کارکنوں کے لیئے دعا فرمائیے۔ واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ۔



ہر کمال کے لئے زوال ہے،

افکار و مطالعات

علمی ... تعلیمی ... تمدنی

حامد الانصاری غازی

البلاغ صحافت کی تاریخ میں ایک نیا کام، نیا پروگرام اور نیا تجربہ لیکر آیا، اس نے حج کی تبلیغ اور دینی تعلیم کو اپنا موضوع بنایا، جب دینی تعلیم کے لیے ایک مستقل رسالہ جاری ہوا تو دینی کنونشن کا منصوبہ بھی ابھر آیا۔

البلاغ کے اس نمبر کی تیاری میں خلوص، محنت، دولت اور وقت ہر قسم کا سرمایہ صرف ہوا ہے، ہمارے عزیز ساتھی محی الدین منیری صاحب نے مدیر البلاغ کی حیثیت سے اپنی علمی، فکری اور جسمی توانائیوں کے خرچ کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، اسلامی درسگاہوں کی اس انسائیکلوپیڈیا کے تیار کرنے میں ان کی دماغی اور عملی محنت یادگار رہے گی۔ ایک مخلص اور بے ریا انسان اتنا ہی کر سکتا ہے۔

البلاغ کے ادارہ میں مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کا وجود علمی قدر و قیمت رکھتا ہے، قاضی صاحب رجال الہند والسند کے مصنف کی حیثیت سے فضل و کمال کا خاص درجہ رکھتے ہیں، ان کی رفاقت رہنمائی اور علمی نگرانی میں یہ نمبر تیار ہوا ہے، ہمارے رفیق ادارہ مولوی عبدالرشید ندوی صاحب البلاغ کے خاص ستون ہیں، ان کے اداریات قارئین محترم سے خراج تحسین پا چکے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک بنیادی حقیقت کا اظہار کرنا ضروری ہے، البلاغ کا بنیادی خیال جناب محترم الحاج احمد غریب صاحب کے دینی احساس کا مظہر ہے، اس تحریک کے مؤسس اول وہی ہیں، وہ گجراتی کے ادیب ہیں اور دین علمی اہمیت کے مالک ہیں، اللہ نے ان کو صورت، سیرت، دولت اور خدمت کا ذوق و سلیقہ بہرہ ور کیا ہے، البلاغ کے موجد کی حیثیت سے انھوں نے اپنی ایجاد سے کام لینے کے لیے حسن اخلاق اور مادی ذرائع کو خرچ کیا ہے، دو اس دنیا داری اور دنیا سازی کے ماحول میں محض خدا کا انعام ہے، بارش کس زمین پر ہو یہ اللہ کا کام ہے، البلاغ کا یہ نمبر محض خدا کے فضل و انعام کا ثمرہ ہے۔

اسلامی درسگاہوں کی یہ انسائیکلوپیڈیا کلیات العلوم یا دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے، ساڑھے چار سو صفحہ کی یہ ضخیم کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے پہلی چیز ہے، وقت آئے گا جب مشرق و مغرب کے علمی اداروں میں اس کے نسخے جواہرات کے برابر قیمتی سمجھے جائیں گے، تاہم یہ اعتراف کرنا ناگزیر ہے کہ وقت کی کمی اور مضامین کے موصول ہونے میں بے ترتیبی کی وجہ

مستقبل کے پردے میں سب کچھ ہے

سے ہر قسم کا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، مضامین کی اہمیت کے لحاظ سے جس ترتیب کی ضرورت تھی اس کی کوشش کی گئی مگر ناممکن رہی، بعض مضامین زبردست اہمیت کے حامل تھے دیر سے موصول ہوئے اور شریک اشاعت نہ ہو سکے، بعض مضامین کم اہم تھے وقت سے پہلے موصول ہوئے اور شائع ہو گئے، بہت سے مضامین وقت کی گرانباری کی وجہ سے زبان و بیان کے معیار پر نہیں لائے جا سکے، بہر حال یہ نقش اوّل ہے، اور اپنی جگہ ہماری علمی تاریخ میں کوئی اس کی مثال نہیں،

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کا ایک قدیم مضمون تبرکاً شامل کر دیا گیا ہے، مضمون تاریخی حیثیت اور افادیت کا مالک ہے، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا مضمون زیر نظر مقصد کے لحاظ سے اولیت رکھتا ہے، حضرت علامہ طیب صاحب قاسمی، مولانا محمد میاں صاحب اور پروفیسر غلام دستگیر رشید ایم اے کے مضامین دینی تعلیم کے متعلق بنیادی رہنمائی کرتے ہیں، اگر کسی اہم دینی تعلیمی ادارہ کا ذکر رہ گیا ہے تو اس کی ذمہ داری وہاں کے ذمہ دار حضرات پر ہے، اتنے عظیم کام کے لیے جتنا وقت درکار تھا اس کا چوتھائی حصہ ملا، جو کچھ میسر ہوا اہل علم اور عام مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا، یہ نقش اوّل ہے، کسی دن اس موضوع پر نقش ثانی بھی تیار ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں آ سکے گا۔

(ادارہ)

فلسفۂ اخلاق کا ایک مانا ہوا مسئلہ ہے کہ ہر انسان پر ایک فرض عائد ہوتا ہے اور ہر فرض اپنے ساتھ ایک ذمہ داری لاتا ہے اور ہر ذمہ داری انسان کے لیے کام کا عنوان بن کر آتی ہے، انسان وہ ہے جو زمانہ کا بدلتا ہوا مزاج پہچانے، وقت کی نبض پر انگلی رکھ کر اس کی کمزوریوں کو معلوم کرنے کی ہمت پیدا کرے، تاریخ کے ہر نئے موڑ پر اپنے اور اپنی ملت کے فائدہ اور نقصان کو سمجھے، جو چھلکے کو پھینک دے، مغز اور جوہر کو اپنے لیے خاص کر لے، زندگی کی جدوجہد میں حوصلہ نہ ہارے، اور مایوسی سے ہاتھ نہ ملائے، رات ہو تو صبح صادق کا انتظار کرے، خزاں ہو تو بہار سے نامہ و پیام کرے، طوفان ہو تو خود طوفان بنے بلکہ تناور درخت کی طرح کھڑا رہے، یا روشنی کے اس مینار کی طرح جس سے سمندر کے ہزاروں طوفان ٹکرا کر پسپا ہو جاتے ہیں، مگر وہ اپنے قدموں کے نیچے سے زمین نہیں چھوڑتا،

مقصد کا عشق، طلب کی دیوانگی، آرزوؤں کا سوز، عمل کے وقت صحیح قوت عمل، اور فیصلہ کے وقت صحیح قوت فیصلہ، جوش مجبور کرے تو ہوش سے کام لے، خدا پر بھروسہ رکھے اور ناخدا کو پہچان لے، اپنی آن کو نہ جانے دے، مگر وقت کے فرمان کی خلاف ورزی نہ کرے، جو آدمی اس کارزار حیات میں دین اور دانش کو رہنما بنا کر چلے گا اس کا دین اور اس کی دنیا دونوں کامیاب ہوں گی،

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے، تقسیم سے جو ان کا تناسب تھا وہ آج بھی ہے، پنڈت جواہر لال نہرو کا ارشاد ہے کہ

> "مسلمانوں کی تعداد کو دیکھ کر انھیں اقلیت نہیں کہا جا سکتا، کوئی اکثریت انھیں کیسے دبا سکتی ہے"
>
> (پیام بنام نیویارک ٹائمز جولائی ۶۲ء)

غمناک ماضی کو یاد کرنا بزدلی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم مسلمان جمہوری ہندوستان میں ایک روشن مستقبل کے مالک ہیں ہمیں خدا پر اعتماد ہے اور اپنے جمہوری کردار پہ بھروسہ۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہم ایک سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) کے شہری ہیں لیکن یہ اس سے بھی زیادہ صحیح ہے کہ ہم اور ہماری حکومت لامذہب نہیں، نہ یہاں کے حکام لامذہب ہیں، نہ عوام، نہ جمہوری نظام، اسٹیٹ کے لادین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ریاست کسی ایک مذہب کی نہیں ہے بلکہ ہر مذہب اور ہر مذہب کے لوگ اس اسٹیٹ کے مالک ہیں، اس ریاست کو صرف اس لیے لامذہبی کہا جاتا ہے تاکہ کوئی مذہب اپنے غلبہ اور اپنی عددی اکثریت کی بنا پر "راج گرو" ہونے کا دعویٰ نہ کرے، اس کا لامذہب ہونا مذہبی لوگوں کی مخالفت کے لیے نہیں، بلکہ تمام مذاہب، مذہبی روایات، تعلیمات اور آئینی حقوق کی ضمانت کے لیے ہے، ہمارے جمہوری قانون کی اصل سمجھنے میں بہت سے مخلص قسم کے مذہبی رہنماؤں کو بڑی غلط فہمی ہے، ہندوستانی جمہوریہ کا لامذہبی ہونا اس بات کی گارنٹی ہے کہ یہاں کے تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہب کو ترقی دینے، انسانیت کے روحانی رشتوں کو استوار کرنے اور سچے مذہبی اخلاق پھیلانے کا اتنا ہی بڑا میدان ہے جتنا بڑا خود ہندوستان ہے۔

ہمارے دستور کا دیباچہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ بہت سے مذاہب جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ایک سیکولر اسٹیٹ ہی میں ترقی کر سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ سیکولرازم صحیح ہو، روس جیسے لامذہب ملک میں بھی مذہب کی آزادی کا نعرہ لگایا جا رہا ہے اگر ہم سچائی اور انصاف کے اصول پر قائم ہیں، ہمارا دل جمہوریت کے لیے پاک وصاف ہے تو ہندوستان ایسے ملک میں جو دنیا کی تاریخی قوموں، تمدنوں، زبانوں، تہذیبوں اور مذہبوں کا سنگم ہے، اسٹیٹ کا لادینی ہونا کسی مذہب کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے،

تاریخ کے اس مرحلہ پر آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن جمعیۃ علمائے ہند کی رہنمائی میں بمبئی میں ہو رہا ہے، مجدد الف ثانیؒ، نظام الدین اولیاؒ، بختیار کاکیؒ، اور سلطان الہند معین الدین چشتیؒ کے دیس میں ہر مکتب خیال کے علما، صلحا، اور ماہرین تعلیم دینی تعلیم کے مسئلہ کا کوئی سنجیدہ حل تلاش کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں، ٹیپو سلطان، ظفر بادشاہ، میر حسن عسکری، سید احمد شہید، اشفاق اللہ خان، بریگیڈیر عثمان اور شفیع قدوائی کا خون ہمارے لیے یہ ضمانت دیتا ہے کہ ہم سچے مسلمان اور اچھے ہندوستانی ہونے کا حق رکھتے ہیں اور اس حق کے حاصل کرنے میں ہمیں اپنے جمہوری ملک کے قومی بھائی بہن کا تعاون حاصل ہو سکے گا، دینی تعلیم کے اہم مسئلہ نے وحدتِ کلمہ کی بنیاد پر ملک وملت کے تمام بہی خواہوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، کنونشن کا مقصد دو جملوں میں ادا کیا جا سکتا ہے،

قومی بنیادی تعلیم ہر بچہ کا پیدائشی حق ہے، دینی بنیادی تعلیم ہر بچہ کا پیدائشی فریضہ ہے، یہ حق اور فرض کا معاملہ ہے جس سے سب کا فائدہ ہے اور کسی کا نقصان نہیں،

عروس البلاد بمبئی کو دینی کنونشن میں آنے والے ماہرین تعلیم اور علمی عمائدین کے میزبان ہونے کا تاریخی فخر حاصل ہے! بمبئی اپنے خوبصورت اور دلکش ساحل کی وجہ سے تمام ملکی شہروں پر فوقیت رکھتا ہے، ۷۰ لاکھ کی یہ آبادی سیاسی، تعلیمی سماجی اور تہذیبی اعتبار سے بین الاقوامی مزاج رکھتی ہے، اس شہر کا مزاج ہندوستان کے دوسرے شہروں کے مزاج سے الگ ہے، یہاں دینی اور دنیاوی تمدن یکسان بلند ہیں، شہر کی مسجدیں بالا بال کی عمارتوں سے کم نہیں، یہاں بیک تعلیم کا سلسلہ جاری ہے، سماجی تعلیم و تعلیم بالغان پر بڑی توجہ صرف ہو رہی ہے، سرکاری اور امدادی اسکولوں کے ساتھ یہاں محفلوں، انجمنوں، بزموں اور مسجدوں کے صدہا مکتب موجود ہیں، جو بعض مخلص مسلمانوں کی وجہ سے چل رہے ہیں بمبئی کی ہر شاہراہ، ہر بازار، ہر بلڈنگ کاروبار اور تجارت کا دوسرا نام ہے، انڈونیشیا کے وزیر اعظم علی شاستری نو جوجو نے ہند پارلیمنٹ کے سامنے یہ انکشاف کیا تھا کہ انڈونیشیا کو ہندوستان کے تاجروں نے حلقہ بگوش اسلام بنایا ہے، اگرچہ اس دور کا مزاج جدید ہے تاہم دینی کنونشن کا کام پھر ایک بار ان ہی تاجروں کے ہاتھ میں ہے، پہلی صدی ہجری سے اسلام اور تجارت کا ساتھ رہا ہے، یہ رفاقت چودہ سو سال بعد بھی باقی ہے، فالحمد و الشکر۔

کنونشن کا بار امانت جس نے سب سے پہلے ایک قدم آگے بڑھ کر اٹھایا، وہ خدا کے فضل سے ایک تاجر ہے، نام کا غریب، دل کا غنی اور خدمت کا دھنی، خدمت انجمن خدام النبی کے حلقوں میں ہو، یا مسلمانوں کی ملی جماعت جمعیۃ علمائے ہند کی رہنمائی میں، جب کتاب اللہ، رسول اللہؐ اور بیت اللہ کا نام آجاتا ہے تو اس مجموعۂ کمال انسان کا جذبۂ خدمت ابھر کر عزم و ہمت کے ہمالہ پر پہنچ جاتا ہے، الحاج احمد غریب کی شخصیت واقعی عجیب و غریب ہے۔ اگر ان کی بات مان لی جائے تو سارے کام انجام پاتے رہیں، اور کہیں ان کا نام نہ آنے پائے، ان جملوں سے نہ تعارف مقصود ہے، نہ ستائش، نہ خوشامد، نہ خوشنودیٔ مزاج، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے لیے دعا کی جائے کہ وہ اپنی دنیا سے دین اور دین سے دنیا کو ترقی دیتے رہیں، ہر مکتبِ خیال کے اصحابِ خیر، نیز ارکان اور خدام دین کی اس مہم میں ان کے ساتھ ہیں، حق تعالیٰ دین کے ان خدام کو ہر مرحلہ پر کامیابی کی معراج عطا فرمائے، آمین

——— ٭٭٭ ———

عروس البلاد بمبئی کا ذکر ہوا ہے تو عروس البلاد بغداد کا ذکر بھی سن لیجیے، علامہ ابن خلدون سلطنت اور شہریت کے ابواب میں لکھتے ہیں کہ:-

"بغداد بیس شہروں کے سنگم سے ایک شہر بن گیا تھا جس میں ۶۵ ہزار حمام تھے اس کی سرحدیں وسیع اور آبادی بے شمار تھی!"

قرطبہ، قیروان، قاہرہ اور کی شان بھی کچھ کم نہ تھی، ابن خلدون لکھتے ہیں:-

جب ہزاروں انسانوں کی محنت کا سرمایہ متحد ہو کر یکجا ہو جاتا ہے، تب ایک شہر وجود میں آتا ہے

مستقبل ... [illegible]

اور اس شہر کی عمر سلطنت کے عمر کے برابر ہوتی ہے۔"

یہ تو دنیا کے شہر کا حال ہے۔ کنونشن میں آنے والے ماہرین تعلیم اور دینی مفکرین کو ایمان و اعتقاد کا ایک عظیم شہر آباد کرنا ہے، اس کام کو بھی ہزاروں انسانوں کی ایمانی محنت کا سرمایہ درکار ہے، یہ کام ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کے اتحاد اور سنجیدہ کوششوں کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔

عبرت کے لیے علامہ ابن خلدون کے یہ الفاظ کافی ہیں :۔

"فاس و مغرب کے شہر تعلیم سے خالی ہو چکے ہیں، قرطبہ اور قیروان کی یونیورسٹیاں ٹوٹ چکی ہیں، نہ استاد باقی رہے، نہ علوم، اندلس میں اب علوم و فنون کا نام و نشان ہی باقی نہیں رہا، اس لیے کہ مسلمانوں کی آبادی گھٹ گئی، اور عیسائیوں نے کامل غلبہ پا لیا، مسلمان بدحال ہو گئے، تو ان کے علوم کیونکر برقرار رہتے۔"

———— ※ ————

سر رادھا کرشنن اور مذہب

ہندوستان کے نائب صدر جمہوریہ رادھا کرشنن صاحب ایک زبردست فاضل، محقق، فلسفی اور بلند نظریات کے مالک انسان ہیں، انھوں نے ۲۹ دسمبر ۱۹۵۴ء کے جلسے میں کملا نہرو پارک میں فرمایا کہ مذہب انسانیت کی راہ میں رکاوٹ بنتا جا رہا ہے، ان کے ان جملوں سے غلط فہمی نہ ہونی چاہیے، ان کا اشارہ ان مذاہب کی طرف ہے، جو رسوم و رواج کا شکار ہو کر جامد بن چکے ہیں، انھوں نے اسی جلسہ میں یہ تسلیم کیا کہ تمام مذاہب نے زندگی کی اصل قدروں کو نمایاں کیا ہے، اسلام کے متعلق ان کا نقطۂ نظر دہلی کی تقریر میں موجود ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ سیکولرازم بے مذہبیت نہیں بلکہ مذہبی جنون سے بچنے کا نام ہے، اسلام نے دنیا کو بہت کچھ دیا، مسلمانوں کا مستقبل بہت شاندار ہے بشرطیکہ مسلمان اپنی زندگی کی بنا اسلام کے بنیادی اصولوں پر رکھیں، یورپ کا احیا، مسلمان سائنسدانوں ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے، مگر اب مسلمانوں میں جمود ہے، ہمیں امید ہے کہ بمبئی کا دینی کنونشن اس جمود کو توڑنے کے لیے دینی کردار اور جمہوری کیریکٹر کا مظاہرہ کرے گا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک بار کہا تھا کہ مذہب آدمی کو روکتا ہے، اور نیچے طبقے کو بڑھاتا ہے، اوہام پیدا کرتا ہے۔ (پونا ۱۲ دسمبر یوتھ کانفرنس) لیکن یہی پنڈت جی ۲ فروری ۱۹۴۰ء کو فرماتے ہیں کہ ہندوستان نے صدیوں پہلے باہر سے آنے والے مذاہب کا خیر مقدم کیا ہے (نہرو یونائیٹڈ انڈیا)

دنیا کے بڑے رہنما جب دین پر کچھ کہتے ہیں تو وہ دین کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ ان غلط رواجی باتوں پر تنقید کرتے ہیں جو مذہب کے نام پر رواج پا جاتی ہیں۔

———— ※ ————

ربنا لک الحمد

محی الدین منیری

تمام خوبیاں، جملہ تعریفیں اور ساری ستائش اسی یگانہ اور یکتا خدا کے لئے ہے جس نے عدم کے خلا کو وجود کا سرمایہ عطا کیا۔ درود و سلام حضرت پیغمبر اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جو دین و دنیا کے سردار، انسانی قدروں کے معلم، ایمان و اعتقاد کے شارع، دین و دیانت کے داعی، مساوات کے حامی اور پیغمبرانہ اسوۂ حسنہ کے حامل ہیں۔

البلاغ کا تعلیمی نمبر جو مرتب ہوا، یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کا ثمرہ ہے یا اللہ کے ان نکوکار بندوں کی نیک نیتی کا نتیجہ جنہیں خدا نے اس قسم کے نیک کاموں کے لئے چن لیا ہے، کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا تھا۔ بڑے اداروں سے بڑی توقعات تھیں مگر مضامین کے بارے میں ان سے مایوسی ہوئی۔ خطوط لکھے گئے، تار دیے گئے۔ یاد دہانی کی گئی، اگر ان صفحات میں کسی مشہور درسگاہ کا تذکرہ نہ مل سکے تو ہماری طرف سے عذر قبول کیجیے۔

یہ شمارہ اپنی ضخامت کے لحاظ سے عام معیار سے کہیں زیادہ ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس میں معلومات کا بڑا ذخیرہ آگیا ہے۔ اس عظیم کام کے آغاز اور انجام میں اولین تخیل جناب محترم الحاج سیٹھ احمد غریب امیر انجمن خدام النبی کا کارفرما ہے، ان کا شکریہ ادا کرنا میرے منہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ اللہ نے ان کو انجمن خدام النبی اور البلاغ کی سرپرستی عطا فرمائی ہے۔ اور یہ بلاغ ان کے جذبات صادقہ کا ظہور ہے۔ ان کی نیک نیتی، خلوص اور علمی اور عملی حوصلہ مندی ایک خداداد جوہر ہے۔ خدا جسے دولت دیتا ہے، وہ صرف بھی کرتا ہے مگر اصل شے یہ ہے کہ مال خیر کار خیر میں صرف ہو، یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقام ہے، نیکی کی راہ میں پیش قدمی، اور برائیوں کے مرحلوں سے انتہائی دوری اس کام میں ان کے بھائی برابر کے شریک ہیں۔ این خانہ ہمہ آفتاب است، اللہ دلوں کا مالک ہے وہی اس طرح دین و دنیا کو جمع کرسکتا ہے۔

البلاغ کے اس نمبر کی کامیابی میں ایک انسان کی حیثیت سے جو کچھ بھی ہوسکا وہ کیا گیا۔ جن بزرگوں، دوستوں، اداروں، مدرسوں، کالجوں اور اسکولوں نے ہماری دعوت پر لبیک کہا ان کا دلی شکریہ۔ ان کا اور البلاغ کا تعلق تاریخی سند بن چکا ہے، اور تاریخ کے ہر دور میں اس تعلق کا نقش قائم رہے گا۔

خدمت کے اہم مرحلوں میں اچھے ساتھیوں اور مخلص رفقا کا ملنا بجائے خود ایک بڑی نعمت ہے، مجھے فخر ہے کہ البلاغ کی اس علمی مہم میں مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کی خداداد علمی صلاحیتوں نے تعاون کا پورا پورا حق ادا کیا ہے، مولوی عبدالرشید صاحب ندوی البلاغ کے ادارے میں بڑے مفید اور معاون ثابت ہوئے۔ ان حضرات کے تعاون ہی سے البلاغ نے ایک علمی معیار قائم کیا ہے۔ میں اس سلسلے میں الحاج احمد غریب صاحب کے نقطۂ نگاہ سے حرف بحرف متفق

البلاغ کے پرنٹر و پبلشر عالی جناب الحاج محمد یوسف صاحب کا ذکر نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی۔ اللہ جزائے خیر عطا کرے، موصوف نے ہر مرحلہ پر بڑی حوصلہ مندی سے ساتھ دیا۔

دینی تعلیم کے مقصد کے لئے اتنا ضخیم شمارہ مرتب ہوجانا بڑی کامیابی ہے۔ ہم اس کامیابی کے لئے خدائے بزرگ برتر کی بارگاہ میں شکر گذار ہیں۔

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اور ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے نفس واحد حضرت آدمؑ سے ان گنت انسانوں کی دنیا کو آباد کیا۔ جس نے حضرت نوح کی طوفان میں ناخدائی کی، اور کشتی نوح کو طوفان سے بچاکر جودی پر لگایا۔ جس نے حضرت خلیل کے لئے نار نمرود کو گلزار ارم بنایا۔ جس نے فرعون کی باطل خدائی کو دریائے نیل میں ڈبویا۔ شداد کی جنت، نمرود کے دعوے اور قارون کی دولت کا کرشمہ سب اسی اللہ کی نافرمانی کا نتیجہ تھا جس کے اثرات اللہ نے صرف انسانیت کی عبرت کے لئے باقی رکھ چھوڑے ہیں

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اے ہمارے پروردگار! ساری تعریفیں تجھے ہی زیبا ہیں تونے انسانیت کو تباہی سے بچانے اور جنت کے راستہ پر لگانے کے لئے نبوت کے مقدس سلسلہ کو جاری کیا۔ اور اسکو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت پر ختم کیا۔ تیری کتاب اور تیرے رسول کے اقوال وکردار آج بھی دنیا والوں کو تباہی سے بچانے اور امن وسلامتی کے راستہ پر لگانے کے لئے آواز دے رہے ہیں۔ اور اے اللہ! انسان کے انبوہ در انبوہ کفر وشرک اور ہلاکت وبربادی کی طرف جا رہے ہیں۔ تو رحم فرما، اور انسانیت کے اس مقدس گروہ کو ہلاکت سے بچالے۔ اے اللہ! تیرے مسلمان بندے بھی دنیا کے مکروہات سے متاثر ہو رہے ہیں۔ پروردگار اپنے مقدس رسول کی امت کو اب زیادہ ابتلاء و آزمائش میں مبتلا نہ کر کہ تیرے کمزور بندوں میں تاب نہیں کہ وہ اب مزید آزمائشوں کو برداشت کرسکیں۔

اس شمارہ میں جگہ کی قلت کی وجہ سے بعض مضامین کو روکنا پڑا۔ مولانا سید عباس صاحب رائیدرگ کا ایک قیمتی مضمون جگہ کی قلت کی وجہ سے روکنا پڑا اور دوسرے کئی مضامین اور مدرسوں کے حالات بروقت نہ پہونچنے کی وجہ سے روک دیے گئے گنجائش نکل آئی تو انشاءاللہ آئندہ شماروں میں یہ مضامین قارئین کی خدمت میں پیش کردیے جائیں گے۔

آخر میں آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن کے عمائدین واکابر کی توجہ اسطرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ شمالی ہندوستان اور گجرات کے علاقوں میں دینی مدارس کا جال بچھا ہوا ہے۔ مگر ان میں بہت سے مالی پریشانیوں میں سسک رہے ہیں۔ جہاں تعلیم کے لئے اور نظام سوچے جارہے ہیں وہاں ان مدرسوں کو زندگی بخشنے کے مسائل پر بھی سوچ لیا جائے تو ان کی افادیت دوگنی ہوسکتی ہے۔

آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن میں آنے والے ماہرین تعلیم اور عمائدین ملک اس مسئلہ پر سوچیں تو انشاءاللہ کوئی حل نکل آئے گا

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تعلیمی نمبر تکمیل کو پہونچا۔

دینی تعلیمی کنونشن کا علمی پس منظر!

علمائے کرام اور ماہرین تعلیم کیلئے لمحۂ فکریہ

ازحضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علمائے ہند

جمعیۃ علمائے ہند کی رہنمائی میں ۸ تا ۹ جنوری ۱۹۵۵ء کو آل انڈیا تعلیمی کنونشن کا عظیم الشان اجلاس بمبئی میں ہو رہا ہے، ایک طرف جمہوری ہندوستان ایک لادینی اسٹیٹ ہے، دوسری طرف یہاں کے عوام سو فی صدی مذہبی رجحانات کے پابند ہیں۔ اس لئے دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے،

دینی کنونشن کا اجلاس ہماری تاریخ کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے اور ایک عظیم ذمہ داری۔!

یہ تاریخی اور عظیم ذمہ داری الحاج سیٹھ احمد غریب صاحب کو سپرد کی گئی۔ کام بڑا ہے اس لئے اس سلسلہ میں بڑی جدوجہد ہو رہی ہے، بمبئی کے عمائدین، ارباب علم اور ماہرین تعلیم کے تعاون سے کنونشن کے مقاصد بروئے کار آرہے ہیں۔ جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کنونشن کے اصل روح رواں ہیں۔ مضمون ذیل اس اجتماع کا حقیقی پس منظر پیش کرتا ہے۔ اس لئے خاص قدر و قیمت کا حامل ہے۔

—— ادارہ ——

اسلام ایک زندہ مذہب ہے، اس کی بنیاد اور اساس محکم اور مضبوط ایسے اصولوں پر قائم ہے۔ جن کی صداقت روز روشن کی طرح عیاں ہے، وہ فقط ایک سماجی، مذہبی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ اس سے بالاتر ایسے عقاید اور اعمال پر مبنی ہے جنکی افادیت خود آپ اپنی زندہ شہادت ہے۔

ایک ایسا مذہب جو حیات بعد الموت کے بنیادی عقیدہ پر کائناتِ انسانی کو رشد و ہدایت کی دعوت دیتا ہو اور معاش و معاد کی فلاح و بہبود کا پیغام سناتا ہو، ظاہر ہے کہ اس کی اہمیت کس درجہ اور کس مرتبہ پر قائم اور باقی رہنی چاہیئے۔ اس کا انکار کوئی بھی صاحب بصیرت نہیں کرسکتا۔

انسان کی انسانیت معراجِ ترقی پر جب ہی پہنچ سکتی ہے، جب انسان کے سامنے یہ تصور یقینِ محکم کی حیثیت اختیار کرے۔ کہ ذاتِ واحد یکتا کے سوا کائناتِ ہست و بود میں کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے۔ اور ربوبیت اور پروردگاری یا دوسرے لفظوں میں وجود و بقا۔ اور عزت و ذلت اور موت و زندگی سب اسی کے ہاتھ میں ہے،

اگر یہ بین حقیقت ہے اور آفتاب کی طرح روشن تو پھر ایک دوسری حقیقت بھی خود بخود نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ وہ یہ کہ جب انسان کی زندگی ایک سب سے بلند طاقت کے ہاتھ میں ہو تو بلاشبہ اس بلند طاقت کو ہی یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی ہدایت و گمراہی، صداقت و بطالت کا فیصلہ کرے۔ اور وہی یہ رہنمائی دے کہ انسان کس راہ پر چل کر اس فانی دنیا میں سچا انسان اور خدا کے بندوں کا صحیح خادم بن سکتا ہے۔ اور بعد الموت ابدی اور سرمدی حیات کے حصول کے لئے اور خدائے قدوس کی رضا حاصل کرنے کی خاطر، دوسرے لفظوں میں معراجِ انسانیت کے رتبۂ عالی اور مرتبۂ سعادت تک پہنچنے کے لئے کون سا راستہ صحیح اور درست ہے۔ اسی حقیقت کو آشکارا کرنے کے لئے وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ اور رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ کہکر انسان کو اس کی سعادت کبریٰ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ تب ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ ہم اپنی دنیوی ترقی اور معاشی عروج جد و جہد کے ساتھ ساتھ اس نظامِ حیات کی تعلیم اور اس کے حصول کی جد و جہد کو بھی فراموش نہ کریں۔ اور اپنا سرمایۂ حیات سمجھ کر اس کے لئے اپنی کوشش صرف کر دیں۔

یہی وہ نظامِ حیات ہے جس کا دوسرا نام (دین) ہے اَلدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

جمہوری نظام اور لادینی نصب العین

اس نصب العین کو پیشِ نظر رکھ کر جب ہم اپنے ملک و وطن کے جمہوری نظام پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ نقوش ابھرے ہوئے سامنے آتے ہیں کہ عنقریب ایک وقت ایسا آنے والا ہے، جب کہ قومی حکومت اور وطنی نظامِ سلطنت بیسک پرائمری تعلیم کو مفت مگر جبری اور لازمی قرار دینا چاہتی ہے۔ یعنی اس کی یہ خواہش ہے اور بجا خواہش ہے، کہ موجودہ اور آنے والی نسلوں میں کوئی بھی جاہل نہ رہے۔ اور ہر ایک بچہ اور بچی نوشت و خواند سے بہرہ ور ہو، اور اس کو عملی شکل دینے کے لئے غالباً ۵ یا ۶ برس کی عمر سے ۱۱ برس کی عمر تک ہر ایک بچہ اور بچی کو اس تعلیم کا حاصل کرنا لازمی قرار اور کسی فرقہ، جماعت یا فرد کو اس سے مستثنیٰ نہیں رکھا جائے گا۔ ساتھ ہی نظامِ حکومت کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ سیکولر اسٹیٹ یا جمہوری ریاست کسی بھی فرقہ کی مذہبی تعلیم کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لے گی۔ ایسی صورت میں یہ سوال خود بخود ابھر آتا ہے کہ جب کہ اس عمر میں عام طور سے بچوں کو یہ مذہبی بنیادی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ بچپن کے یہ نقوش ہمیشہ ہمیشہ اس کے دل پر ثبت اور دائم رہیں۔ تو ایسی کون سی شکل ہو سکتی ہے کہ جس سے بیسک پرائمری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی بنیادی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہ سکے میں بار بار دینی تعلیم اور مذہبی تعلیم کا نام لیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس دنیا میں خاص طور سے ہمارے ملک میں کچھ ایسے بھی انسان ہوں کہ جو مذہب اور دھرم کا نام سنکر ہی چونک جاتے ہوں اور یہ خیال

بیشک علمائے دین انبیاء کے وارث ہیں۔

کرنے لگتے ہیں کہ گذشتہ تاریخ ہند میں اور موجودہ تاریخ جمہوریت میں سب سے انسانوں نے اپنے اغراض فاسدہ اور سیاسی مقاصد کو دھرم اور مذہب کی آڑ لیکر حاصل کرنیکی کوشش کی ہے، اور یہ حضرات اپنے دماغ میں اس غلط تصور کو قائم کرکے مذہبی بنیادی تعلیم کے مخالف نظر آتے ہیں، تو ایسے لوگوں پر بھی یہ واضح ہونا چاہیئے کہ کوئی صداقت غلط استعمال کرنے والوں کے استعمال کی بنا پر جھوٹ، فریب اور بطالت نہیں بن سکتی، وہ ہر حال میں صداقت ہی رہے گی۔

دینی تعلیم اور عالم انسانی

جب کہ یہ حقیقت آشکارا ہے کہ جس کو اسلام دین حق یا پیغام صداقت کہا جاتا ہے اس کی بنیاد ہی سلامتی پر قائم ہے، اور اس کی بنیادی تعلیم میں سب سے زیادہ ابھرے ہوئے نقوش بغیر کسی تاویل کے یہ نظر آتے ہیں کہ دین اور منہاج دین نیک خواہی اور انسانی مساوات کی سب سے بڑی دعوت پیش کرتا ہے، اور یہ پیام سناتا ہے کہ جب خدا ایک ہے تو ساری کائنات انسانی اس کا کنبہ ہے (الخلق عیال اللہ) اور یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی اور انما المؤمنون اخوۃ [illegible] تو ایسے دین و مذہب کی بنیادی تعلیم کائنات انسانی کے لئے رحمت و محبت تو بن سکتی ہے، زحمت و نفرت کا باعث نہیں بن سکتی اور کوئی بھی غلط استعمال کرنے والا اس کو غلط استعمال کرے تو زندہ مذہب کا زندہ پیغام خود بخود اس کی تردید کر دیتا ہے اور اس کو جھٹلا دیتا ہے، اس لئے کم بینی اور کوتاہ بینی اگر مذہبی راستے سے کبھی کبھی تحریف دین بن جاتی ہے تو یہی تنگ نظری اور کوتاہ نظری اس سے بھی زیادہ ہولناک شکل میں سیاست کو غلط استعمال کرنے کی بنا پر بن کر آجاتی ہے، اس لئے مذہبی بنیادی تعلیم کے بارے میں اس بات کی گنجائش مطلق نہیں ہے کہ وہ نفرت یا علیحدگی پسندی کی داعی بن سکے، بلکہ اس کے برعکس انسانیت کے باہمی تعاون و اشتراک اور صحیح معنوں میں اخوت انسانی و مساوات کی داعی ثابت ہوگی۔

اور یہی نہیں بلکہ میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک حقیقی اسلام کی تعلیم کا تعلق ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ اس سے آشنا اور واقف بنتا ہے اسی قدر اس کے دل میں اپنے وطن اور وطن میں رہنے والوں کی محبت و خدمت کا زیادہ سے زیادہ جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کی روشن مثال خود اسی ملک کے اندر آزادی کی جد و جہد کی تاریخ ہے جس میں علمائے حق نے جس بڑی تعداد میں خود کو اور اپنے پیرووں کو آزادی کی جنگ میں اور باہمی تعاون و اشتراک کی زندگی میں پیش پیش میدان میں لاکر کھڑا کر دیا، مذہب سے ناآشنا زندگی اس کا مقابلہ نہ کر سکی۔

بہرحال زیر بحث امر یہ ہے کہ ایک طرف بچہ یا بچی بیک پرائمری تعلیم حاصل کرکے ایک بہترین شہری بن سکے تو ساتھ ہی ساتھ مسلمان بچے دینی اور اسلامی بنیادی تعلیم حاصل کرکے خدائے واحد کی توحید کے علمبردار اور بلا لحاظ مذہب و ملت خدا کے بندوں کے سچے خدمت گذار بن سکیں۔

ماہرین تعلیم کے لیئے ایک لمحہ فکریہ

اس پوری صورت حال کا جائزہ لینے اور ہندوستان کے دستور

بن جانے کے بعد جمعیۃ علماء ہند تقریباً پانچ سال سے جماعتی حیثیت سے اس پر غور کر رہی ہے کہ دینی و دنیوی بیک تعلیم کو ساتھ جاری رکھنے کے لئے کون سا طریقۂ کار اختیار کیا جائے، اس سلسلہ میں بعض تعلیم جدید و قدیم کے ماہرین سے بھی گفتگو کی گئی ہے اور بعض ذمہ داران حکومت سے بھی تبادلۂ خیالات کا موقع ملا ہے۔ اور بار بار جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے سامنے اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا ہے۔ اور ایک نمونہ کے طور پر ایسا نصاب تعلیم بھی مکمل کر لیا گیا ہے اور جو جمعیۃ ہند کے مختلف حصوں میں مقبول ہو رہا ہے جس میں ضروری عقائد، ارکانِ اسلام، اخلاقِ اسلامی اور سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بقدر ضرورت حصہ سمو دیا گیا ہے۔ تمام اہم ضروریات کو زیر نظر رکھتے ہوئے ایسا اختصار اختیار کیا گیا ہے کہ اگر حکومت کے ذریعہ کسی پہلو سے بھی دونوں قسم کی بنیادی تعلیم کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک (متوامل) نہ کیا جا سکے تو پرائیویٹ طور پر اگر بچہ ایک گھنٹہ روزانہ وقت دیدے تو پانچ سال کے اندر وہ پورے کورس کی تکمیل کر سکے گا۔

دینی تعلیمی کنونشن تاہم یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس اہم اور نازک مسئلہ میں صرف جمعیۃ علمائے ہند کے دائرہ میں ہی محدود رکھنا مناسب نہیں ہے اور اس دائرہ سے باہر جو ارباب حل و عقد میں نیز غیر مسلم، صاف دماغ اور ماہرین تعلیم سے بھی اس معاملہ میں مشاورت کرنا ضروری ہے تاکہ ہم کسی صحیح حل کو تلاش کر سکیں اور اس انتہائی ضروری مسئلہ میں متفقہ رہنمائی مل سکے، اس لئے مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا کہ بمبئی میں جہاں اس دینی بنیادی تعلیم سے شغف رکھنے والے ہیں، ارباب خیر موجود ہیں ایک ایسا اجتماع یا دینی تعلیمی کنونشن بلایا جایا جو اس معاملہ میں صحیح معاون و مددگار ثابت ہو، چنانچہ یہ مسرت اور خوشی کا مقام ہے کہ بمبئی کے اہل خیر حضرات نے پوری خوش دلی اور مکمل تعاون اور اشتراک کیساتھ اس اجتماع یا کنونشن کا بمبئی میں انعقاد منظور فرمایا۔ اور جمعیۃ علمائے ہند کی اس تجویز پر لبیک اور خوش آمدید کہتے ہوئے استقبالیہ کمیٹی کی اور ایک کمیٹی فوراً کر کے کام شروع کر دیا اور چند ہی دنوں میں استقبالیہ کمیٹی کی صورت میں سرگرمی کے ساتھ کام شروع ہو گیا۔

رب العالمین سے دعا اللہ رب العالمین سے یہ دعا ہے کہ وہ اس کار خیر کو کامیاب فرمائے اور اس مادی دور ابتلاء میں دینی مذہبی تعلیم کے مسئلہ کو اپنے فضل و کرم سے اس طرح حل کرنے کی صورت پیدا کر دے کہ ہم اپنے دینی و دنیوی دونوں مقاصد میں شاد کام ہو سکیں، اور اگر ایک طرف مل جل کر اپنے وطن کی صحیح خدمت انجام دیں تو دوسری طرف اپنے دین کی سچی تعلیم کے ذریعہ سعادت دارین حاصل کریں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ۔

علم دین کی ایک مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

کنونشن میں آنے والے ماہرین تعلیم کے لئے؟

بنیادی مذہبی تعلیم پر

چند اصولی تجویزیں

مفکر ملت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم مدرسۂ عالیہ دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

برِاعظم ایشیا کی سب سے بڑی دینی یونیورسٹی کے مہتمم ہیں۔ آپ نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں گھوم کر عام مسلمانوں کی مذہبی نفسیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ مندرجۂ ذیل مضمون حضرت موصوف کے تعلیمی تجربات کا نچوڑ ہے۔

مولانا نے دینی تعلیم کو ایک خدائی نصب العین قرار دیا ہے اور انبیائے کرام کے تعلیمی منصب کو اجاگر کرنے کے بعد بیسک تعلیم۔ بنیادی مذہبی تعلیم۔ اور نصاب کی اصولی حدت پر نہایت ہی عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے اور بجا طور پر جمعیۃ علماء ہند اور بمبئی کے مقامی عمائدین کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

آپ نے دس عملی تجاویز پیش کی ہیں جس میں سب سے اہم یہ ہے کہ بنیادی مذہبی تعلیم کے نصاب کی بنیاد کتاب و سنت ہو اور یہ نصاب دین کے تمام شعبوں کو سامنے رکھ کر اصولی رنگ میں تیار کیا جائے۔ تاکہ تمام مسلمانوں کے لئے نصاب کی اہمیت برقرار رہے موصوف نے سرکاری بیسک تعلیم کو قبول کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ مگر اس امر سے آگاہ کیا ہے کہ ابتدائی دینی تعلیم کے ساتھ اعلیٰ دینی تعلیم کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ ہمیں امید ہے کہ کنونشن کے موقع پر آنے والے تعلیمی عمائدین اور مفکرین ان تجاویز کا گہرا مطالعہ فرمائیں گے۔

مدیر

دینی تعلیم بحیثیت نصب العین

انسانی دل و دماغ کی تعمیر اور اسکی ذہنی قوتوں کے نشو و ارتقا کا واحد ذریعہ تعلیم و تربیت ہے۔ پند و نصیحت ۔ وعظ و تلقین اور تذکیر و موعظت بلاشبہ نافع اور ضروری ہیں۔ لیکن اُن سے ذہن بنایا نہیں جا سکتا۔ یہ چیزیں بنے بنائے ذہن میں صرف روحانی انبساط، شگفتگی اور وسعت پیدا کر سکتی ہیں۔ اس لئے کسی قوم کے ذہن بنانے اور دل و دماغ کو کسی خاص سانچے میں ڈھالنے کے لئے صرف تعلیم ہی ایک موثر اور پائیدار ذریعہ ثابت ہوئی ہے جس نے تاریخی طور پر ہمیشہ ہی ذہن سازی کا اثر دکھلایا ہے۔

مسئلہ تعلیم کی اہمیت اور اولیت کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے خلافت کا مسئلہ اٹھا کر تخلیق آدم کے بعد سب سے پہلے جس مسئلہ کی طرف توجہ منعطف فرمائی وہ مسئلہ تعلیم تھا۔ اور وہ بھی اس شان سے کہ آدم کو سکھانے پڑھانے کا ذمہ بلا واسطہ خود ہی لیا۔ خود ہی انھیں تعلیم دی۔ اور پھر خود ہی انھیں امتحان مقابلہ میں کامیاب ہونے کا موقعہ عطا فرمایا۔ جس سے خلافت اور تنظیم عالم کا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا۔

پھر انسانوں سے دنیا آباد ہو جانے پر تمام انسانی حلقوں میں، ہر ملت میں اور ہر قوم میں انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار مقدسین کا یہ قافلہ دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک گھمایا گیا۔ جو اپنے نقطۂ آغاز سے لے کر نقطۂ انتہا و تکمیل تک کے ہزارہا سالہ سفر میں وقتاً فوقتاً انسانی حلقوں میں پہونچتا رہا۔ لیکن اسکی غرض تعلیم و تربیت کے سوا بھی کچھ تھا؟ نہیں بلکہ اس پاک گروہ کے آخری فرد اکمل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی اس بنیادی غرض و غایت (تعلیم و تربیت) پر اپنی مہر تصدیق ان الفاظ میں ثبت فرما دی کہ

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً ——— میں بھیجا ہی گیا ہوں معلم بنا کر ——— اور

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ ——— میرے بھیجے جانے کی غرض و غایت ہی تکمیل اخلاق ہے۔

پس اگر بعثت انبیاء کی غرض و غایت ہی تعلیم و تربیت تھی اور بلاشبہ یہی تھی تو اندازہ کیجئے کہ رب العلمین نے مکتب عالم میں سوا لاکھ سچے معلموں اور پاکباز اوستادوں کو بھیج کر مسئلہ تعلیم کو کس درجہ اہم بنایا اور کس حد تک اس مسئلہ پر اپنی مخصوص عنایت و عطوفت مبذول فرمائی۔

پھر اس اہتمام و توجہ کا عالم یہ ہے کہ ان سارے معصوم استادوں کی تعلیم کی کفالت بھی حق تعالیٰ نے بذات خود فرمائی اور بلا توسط کتاب و اوستاد بنفس کریم خود انھیں سکھا پڑھا کر دنیا کی تعلیم گاہ میں بھیجا تاکہ وہ انسانوں کی جبلی جہالت کو مٹا کر انھیں تعلیم یافتہ بنائیں۔ اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ ان کی سیرتوں کو بھی اپنے ہی اخلاق کا نمونہ بنا کر بھیجا۔ تاکہ وہ متعلیم بنی آدم کے ساتھ انھیں اخلاق پر ان سارے انسانوں کی سیرتوں کو بھی ڈھالنے کی جد و جہد فرمائیں ——— اور اس طرح تعلیم و تربیت کا نظام اس عالم میں تا ابد چلتا رہے۔

منصب تعلیم اور انبیاء کرام

یہ نفوس قدسیہ ہر خطہ زمین اور ہر ملت انسانی میں آفتاب و ماہتاب بن کر نمایاں ہوئے اور کسی خطہ زمین کو اپنی نور کی بارش سے محروم نہیں فرمایا۔ بتصریح حافظ ابن کثیر محدث عراق میں حضرت ابراہیم ۔ حجاز میں حضرت ہود و صالح شام میں حضرت عیسیٰ و یحییٰ ۔ مصر میں حضرت موسیٰ و یوسف ۔ مغربی دمشق میں حضرت صادق و صدوق و شلوم آذربائیجان میں حضرت حنظلہ ابن صفوان ۔ موصل و نینوی میں حضرت یونس ۔ اردن میں حضرت شموئیل ۔ سبا و یمن کے لئے حضرت سلیمان ۔ ہند میں حضرت آدم و شیث ۔ سدوم وغیرہ کے علاقوں میں حضرت لوط اور آخر میں پورے عالم کے لئے حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین آئے ۔ علمی کمالات اور عمل و اخلاق کی پاکیزہ سیرتوں کے ساتھ آئے اور ہر نوع کے اخلاقی، طبیعی، ریاضی، عقلی اور آسمانی علوم سے دنیا کو نوازتے ہوئے آئے ۔ جنہوں نے بنی نوع انسان کی فطری صلاحیتوں کو ابھار کر انھیں سعادت و خلافت کے بلند مقامات تک پہونچایا جس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس اندھیری دنیا کا اجالا صرف مسئلہ تعلیم ہی سے وابستہ ہے ۔ اگر علم کا آفتاب ان انبیاء مقدسین کے آفاق سے طلوع نہ ہوتا ۔ اور یہ مقدسین روم و شام مصر و عراق ہند و سندھ فارس و ایران اور دنیا کے سمت سمت میں نہ چمکتے تو دنیا کی فطرتوں میں کبھی بھی چاندنہ پڑتا اور یہ انسانوں کی بھیڑ ڈھوروں اور ڈنگروں کا گلہ ہوکر رہ جاتی ۔

غور کرو تو خود ان انبیاء مقدسین کی عظمت اور تمام عالم بشریت بلکہ ــــ تمام جہانوں پر فوقیت وفضیلت کا راز بھی اس علم ہی میں پوشیدہ ہے ۔ نبی کو غیر نبی پر فضیلت وحی الہی سے ہے اور وحی کا حاصل بجز القاء علم کے اور کیا ہے؟ اس علم ہی سے اون کی فطری صلاحیتیں عقیدہ و عمل اور خلق و سیرۃ کے روپ میں چمکتی ہیں ۔ اور دنیا اس چمک سے راہ مستقیم پاتی ہے جس کا حاصل وہی علم اور تعلیم ہے ۔

بہرحال مقام نبوۃ سے لے کر بارگاہ الوہیت تک علم و تعلیم کا ایک غیر منقطع نظام ہے جو مختلف صورتوں سے اپنے آپ کو نمایاں کرتا رہا ہے جس سے واضح ہے کہ بارگاہ الہی کی جو توجہ اور ازلی عنایت نیز انبیاء علیہم السلام کی جو عطوفت و سعی مسئلہ تعلیم و تربیت پر منعطف رہی ہے وہ کسی اور مسئلہ کے حصہ میں نہیں آسکی ہے ۔

جمعیۃ علماء کی رہنمائی

اس لئے آج کے دور میں جو جماعتیں اور جمعیتیں مسئلہ تعلیم کو مرکز توجہ بنائے ہوئے ہیں اور ان میں خصوصیت سے جمعیۃ العلماء ہماری ہر جہتی تبریک و تہنیت کی مستحق ہے جس نے اس دور میں جبکہ مسلمان ہندوستان میں دین و علم کے لحاظ سے بظاہر اسباب پسماندہ اور بے بس محسوس ہو رہے ہیں علم اور دین کو سہارا لگا کر اپنے حقیقی فرض کو ادا کیا ہے ۔ یا بالفاظ دیگر منشاء خداوندی اور منشاء نبوۃ کے تقاضوں کو پورا کرنے پر اپنی ہمتیں اور مساعی مرکوز کردی ہیں ۔ حتیٰ کہ عروس البلاد بمبئی میں تعلیمی کنونشن کے نام سے اوروں کی ہمتوں اور مساعی کو بھی اس مسئلہ پر جمع کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔ کوئی شک نہیں کہ یہ حق کی مخفی آواز پر علانیہ لبیک ہے جس کے لئے وہ تمام ملک کی طرف سے شکریہ و تحسین کی مستحق ہے ۔

اگر ۱۸۵۷ء کے انقلاب پر دینی نبض شناسوں نے قوم کے دل و دماغ کی تعمیر کے لئے تعلیمی مدارس کا سلسلہ جاری کرکے قوم کو سنبھالا تھا کہ اس کے بغیر اس کے سنبھلنے اور پنپنے کی کوئی دوسری صورت نہ تھی تو آج کے دور میں ان ہی بانیان مدارس کے اخلاف رشید کا بھی بلاشبہ یہی فریضہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ ۱۹۴۷ء کے دوسرے انقلاب میں بھی قوم کی بے بسی اور ناتوانی کا مداوا اس علم و تعلیم کی قوت سے کریں جو ہر قوۃ کا سرچشمہ اور ہر طاقت کا میگزین ہے۔

یہ ضرور ہے کہ ۱۸۵۷ء میں تعلیم نے نفس اسلام کو سنبھالا تھا۔ جسے چہار طرف سے خطرات نے گھیر لیا تھا، اور آج ۱۹۴۷ء میں اسلام کے نونہالوں کو سنبھالنے اور اسلام پر باقی رکھنے کے لئے یہ جدوجہد کی جا رہی ہے۔ جن کے علم و دین پر تعلیمی ناموں سے یلغار کا سلسلہ جاری ہے؛ تاہم دونوں مساعی جبکہ وقت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں تو علمی شکریہ کی مستحق ہیں۔ جن میں کفایت کافی نہیں ہو سکتی۔

بنیادی اتحاد؟

بمبئی کے اس ۸، ۹ جنوری والے کنونشن کا اساسی مقصد اور نصب العین بنیادی مذہبی تعلیم کے نصاب اور اس کے طریق کار پر غور ہے۔ مگر ایسے انداز سے کہ ہندوستان کے تمام مسلم فرقوں اور تمام مکاتیب خیال کے افراد کے لئے وہ یکساں قابل قبول اور قابل عمل ہو۔ اور ہو بھی اس جامعیت کے ساتھ کہ جہاں اس میں محبت آلہ و رسول خدا پرستی، اطاعت نبوی، پیروی اسوۂ حسنہ اور اُخروی فلاح و بہبود کا سامان ہو وہیں تمدنی تقاضوں وقت کی ضرورتوں اور ملک کی مصالح کے ساتھ ہم آہنگی کے مواد بھی فراہم ہوں یعنی اس میں دین و دنیا دونوں کی کامیابی کی راہیں کھلی ہوں۔ نہ وہ انقطاع پسند متقشف قسم کے دیندار بنائے اور نہ بے دین قسم کے دنیادار تیار کرے۔ بلکہ دینی فکر و عمل کے ساتھ دنیوی زندگی کے تمام گوشوں سے گذرنے اور ان میں کام کرنے کی اہلیت پیدا کردے۔ یا بالفاظ دیگر دیندار اور دنیادار کی تقسیم مٹا کر دین و ملک دونوں کا سچا حامل اور سچا خادم بنا سکے۔

ظاہر ہے کہ ایسی ہمہ گیر اور مقبول الکل تعلیم اصول و کلیات ہی کے رنگ کی ہو سکتی ہے۔ ورنہ جزئیات اور فروع میں پہونچکر بہرحال اختلافات کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے بنیادی مذہبی تعلیم کے نصاب کی تیاری کے معنے یہی ہو سکتے ہیں کہ اعتقادات عبادات معاملات معاشرت قومیات اور سیاسیات میں فروعی اور اختلافی جزئیات سے بالاتر صرف وہی حصے زیر تعلیم آئیں جو اصولی اور کلیاتی ہوں اور پھر اسی کے لازم معنی کے طور پر اس نصاب کے لئے لٹریچر، اور کتابیں بھی وہی ہوں جنھیں سارے فرقوں کا کلی اعتماد حاصل ہو اور ان کے مصنفوں پر سب کے سب مطمئن ہوں۔ اور بلا تفریق مشرب و مسلک سارے ہی انھیں بلا جھجک قبول کرلیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا لٹریچر کتاب و سنت کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا جس کے سامنے سب کی گردنیں بھی جھکی ہوئی ہوں اور جو کامل یکسانی کے ساتھ دین و دنیا دونوں کی بہبودی اور فلاح کی راہیں بھی کھولتا ہو۔

نصاب تعلیم کا مسئلہ

اس لئے بنیادی مذہبی تعلیم کے نصاب کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام شعبوں اعتقادات عبادات اخلاق، معاشرات اور عام قومی و سیاسی اور ملکی معاملات کا تعلیمی ڈھانچہ کتاب و سنت

کے اس مخصوص حصہ سے تیار کیا جائے جوان ضروریات کے بارہ میں اصولاً مشعل راہ ہے۔ گویا نصاب بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ بنے بنائے قدرتی نصاب میں سے ضروریات کے مطابق اجزاء کا انتخاب کرکے انھیں فصول و ابواب اور عنوانات پر ترتیب دے دیا جائے۔ اور ان کے نیچے سادہ مگر جامع ترجمہ کردیا جائے جس سے مدلول نص کی مطلب خیز وضاحت ہوجائے۔ معلم کا کام اتنا ہی ہوگا کہ وہ اپنے سادہ بیان کے ساتھ ان اصول وکلیات کو مثالوں سے واضح کرکے بچوں کے ذہن میں اتار دے۔ اور ان نصوص کے مدلولات کو الفاظ پر منطبق کرتے ہوئے بچہ کے دل ودماغ میں پیوست کردے۔

البتہ یہ احتمال پھر بھی رہتا ہے کہ ان نصوص ہی کی تشریح میں دو خیال ہو جائیں۔ اور کوئی فرقہ اپنے ذہن میں ان کی کوئی دوسری شرح لئے ہوئے ہو جس سے نصاب میں پھر اسی اختلافی بنیاد کے قائم ہو جانے کا خطرہ سامنے آجائے۔

وحدت نصاب تو اس کا حل اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہر فرقہ دگروہ ان آیات و روایات کی وہی تشریح کرے جو اس کے نزدیک دیانتہً متوارث ہے۔ اور وہ اسے ترک نہیں کرسکتا اس صورت میں مادہ نصاب تو کم از کم ایک اور یکساں رہے گا۔ اور ظاہر ہے کہ ایک ایسی قوم میں جس میں اسوقت گروہ بندیوں کی کمی نہیں نصاب تعلیم میں اتنی وحدت اور یکسانیت کا منظر عام پر آجانا کہ مادۂ نصاب سب کا سب ایک کہلائے اور سب اس پر جمع شدہ اور متفق دیکھے جائیں کوئی معمولی کامیابی نہیں ہے۔ وحدت نصاب کا عنوان خود ایک وزن رکھتا ہے جس کا اثر مسلمانوں کے مستقبل پر بھی پڑے گا۔ اور ان کی ملی پوزیشن بھی اس سے اچھا اثر لے گی۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہوگا کہ یہ اتنا ہی قدر مشترک باہمی ربط و اختلاط کا ذریعہ بنکر آئندہ اس تشریحی اختلاف کو بھی کم اور معتدل بنادے۔

اس مرحلہ پر غور طلب بات یہ ہے کہ مخصوصات قرآن وحدیث کے اس مجموعی نصاب سے دین کا ایک ڈھانچہ تو یقیناً بچہ کے ذہن میں بیٹھ جائے گا۔ لیکن اس ڈھانچہ میں رنگ بھر اجانا اور اس کے خدّوخال کو مشخص بناکر نمایاں کیا جانا بغیر تاریخ کے ممکن نہیں۔ یعنی جب تک دین کے ساتھ سیرت کا پہلو شامل نہ ہو اس وقت تک دین کا حقیقی تعارف نہیں ہوسکتا۔ نصاب میں سیرۃ کی اہمیت بنیادی مذہبی نصاب کا ایک اہم جزو یہ بھی ہونا چاہیئے کہ شریعت کے ساتھ سیرۃ بھی متعلموں کے ذہن میں اوتاری جائے، جس میں اولین مرتبہ سیرۃ نبوی اور تعامل رسالت کا ہے۔ جس سے کلیات دین کی جزئی تشخیص ہوتی ہے۔ اور ثانوی درجہ میں صحابہ و تابعین کی سیرتیں ہیں۔ جن سے دین کے ڈھانچہ کا رنگ و روغن سامنے آسکتا ہے۔ اس کی مروجہ صورت تو یہ ہے کہ سیرۃ کی کوئی بڑی یا چھوٹی کتاب داخل نصاب کردی جائے۔ لیکن میرے خیال ناقص میں شاید یہ اس سے زیادہ بہتر ہوگا کہ اس آیات وروایات کے نصاب میں ہر باب اور ہر فصل سے متعلق سیرۃ نبوی کا حصہ ان ہی نصوص کے تحت لایا جائے۔ یعنی آپ کے کلمات طیبہ افعال طاہرہ اور آپ کا پاکیزہ کردار ہر ہر تعلیمی جزو کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اور پھر اسی باب سے متعلق اس سیرۃ مقدسہ کے نیچے صحابہ و تابعین ائمہ مجتہدین اور صلحائے امت کے چیدہ چیدہ واقعات بھی

بطور نظائر و شواہد کے جزو نصاب ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ سیرۃ نبوی اولیاء امت کی یہ سیرتیں استقلالی شان سے نہیں، بلکہ کتاب و سنت کے آثار و لوازم کے طور پر بطور تابع کے سامنے لائی جائیں جس میں اصل موضوع وہ آیات و روایات ہی رہیں۔ اس سے جہاں دین کے عملی نقشہ کی پوری ہیئت کذائی سامنے آجائے گی وہیں دین کی تاریخ بھی اپنے اپنے موقعہ پر مستقیم کے ذہن میں بیٹھ جائے گی۔ اور اسی کے ساتھ بچے کے ذہن پر یہ اثر بھی پڑے گا کہ ان اہل اللہ نے اگر اس تعلیم کو اپنا کر جزو نفس بنایا تو آج ان کی زندگی اسکی بدولت ایک مثالی سیرۃ بن گئی جو نمونہ کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کی جارہی ہے اس سے تعلیم کتاب سنت کا ایک عظیم انقلابی تعلیم ہونا ذہن نشین ہو کر اس کا یہ انقلابی اثر بھی ذہنوں پر پیوست ہو جائے گا۔

تعلیم اور زبان

یہ تعلیم بلاشبہ اردو میں ہوگی۔ اور تفہیم کا سارا بار بھی اسی مادری زبان پر رہے گا لیکن جبکہ اصل نصاب کی تمام تر بنیاد کتاب سنت پر رکھی گئی ہے جو عربیت کا مغز ہیں تو ضروری ہوگا کہ اسی ذیل میں بہت ہی لطیف اور ہلکے پیرایہ میں بچوں کو عربیت آشنا بھی بنا دیا جائے اور ایسا طریقۂ تعلیم اختیار کیا جائے جو کم سے کم وقت میں بلا کسی خاص محنت و جانفشانی کے ضمناً عربیت سے لگاؤ اور گونہ مناسبت پیدا ہو جائے، جس سے بچہ کتاب و سنت کے ترجمہ کو کسی قدر یا تسانہ بطہ بھی سمجھنے لگے۔ اس کے لئے اس قسم کا کوئی ایک آدھ رسالہ بھی جزو نصاب بنا دیا جائے تو کافی ہو جائے گا ظاہر ہے کہ عربیت آشنائی یا عربیت کے مواد کی فراہمی کوئی اختلافی مسئلہ نہیں جس میں فرقہ واریت کا احتمال ہو۔ بالخصوص جبکہ اوس میں عربیت کے تمام قواعد کی امثلہ اور نظائر و شواہد بھی کتاب و سنت ہی سے پیش کئے جائیں تو ایک طرف عربیت کی تمرین ہو جائے گی۔ اور دوسری طرف علوم کتاب و سنت بھی خود بخود ذہنوں میں بیٹھتے رہیں گے۔ جو اصل مقصد ہیں۔

سرکاری بیسک تعلیم

ہاں اس مادّہ نصاب کی ترتیب و انتخاب میں جو کتاب سنت سے فراہم کیا جائے یہ بھی ضروری ہے کہ حکومت کی بنیادی بیسک تعلیم کے نصاب کو بھی سامنے رکھا جائے۔ اولاً اس لئے کہ اوس میں جو امور ملکی بہبود و فلاح کے سامنے آئیں جو عقلاً اور تجربۃً قابل قبول ہوں تو اونھیں اس نصاب میں قبول کرتے ہوئے اون کے ماخذ بھی کتاب سنت سے پیش کر دیے جائیں۔ تاکہ وہ کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن کے مصداق بن کر جزو نصاب ہوں اور ثانیاً اس لئے کہ جن امور سے کسی بھی مذہبی عقیدہ و عمل پر زد پڑتی ہو اوس کے زہر کا تریاق کتاب سنت سے اس نصاب میں شامل ہو جائے۔ حاصل یہ کہ نفیاً اور اثباتاً بیسک تعلیم کے نصاب سے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کی جائے۔ اوس میں قومی اور ملکی معاملات کے سلسلہ کے بہت سے عنوانات اور شقوق و جواب ایسے مل جائیں گے جو انفرادی طور پر سوچنے سے نہیں مل سکتے تھے۔ اور جبکہ ان تمام اصولی شقوق و جواب کے بارہ میں شرعی ماخذ مہیا کر کے شامل نصاب کر دیے جائیں گے تو نصاب کا یہ معاملاتی حصہ کافی جامع اور بصیرت افروز ہو جائے گا۔ اور ملکی معاملات کے سمجھنے میں آئندہ نسلوں کو بہت کچھ کام دے گا۔

ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس نصاب کو بالکل آخری چیز نہ سمجھا جائے اور نصاب خواں کو یہ باور نہ ہونے دیا جائے

کہ اس نے دینی تعلیم مکمل کر لی، اور اب اسے کسی بڑے دینی ادارہ میں پہونچکر کسی استفادہ کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ درنہ ان ابتدائی مکاتب کی اس ابتدائی تعلیم کو انتہائی باور کر لینے کا نتیجہ مدارس دینیہ سے استغناء اور تکمیل علوم و فنون سے بے نیازی کی صورت میں نکلے گا جو مدارس کی تخریب اور علماء کی پیداوار بند ہو جانے پر منتج ہوگا۔ اور یہ یقیناً ایک خطرناک نتیجہ ہے اس لئے اسی بنیادی مذہبی تعلیم کے نصاب کا ایک جزو تکمیل علوم اور تحصیل فضائل و کمالات کی ترغیب اور اس تعلیم کے اس ابتدائی حصہ کو تشنۂ تکمیل باور کرانا بھی ہو تاکہ نئے ابتدائی مکاتب پرانے بنے بنائے مدارس کی بے رونقی اور تخریب کا باعث نہ بن جائیں۔

لازمی تعلیم کے نقائص

اس جدید تعلیمی سسٹم کے سلسلہ میں یہ بات بھی کافی توجہ طلب ہے کہ ان جدید مکاتب سے جبری تعلیم کے بعض نقائص اور مضرات کا تدارک ضرور ہو جائے گا لیکن حفظ قرآن کے شخصی خانگی اور جماعتی مکاتب کو جو دھکا لگیگا اس کا کوئی علاج اس جدید نصاب سے نہیں ہو سکتا۔ ۶ سال سے بارہ ہی سال تک کی عمر حفظ قرآن کی ہے۔ اس عمر میں جبری تعلیم میں پورا وقت دے کر اور پھر خارج میں ایک دو گھنٹہ بنیادی مذہبی تعلیم میں لگا کر نا ممکن ہے کہ بچہ حفظ قرآن کی محنت بھی برداشت کر سکے جس کا حاصل حفظ قرآن کا انقطاع اور حفاظ کی پیداوار کا انسداد ہے ظاہر ہے کہ اس کا علاج نہ بنیادی مذہبی تعلیم کا اجراء ہے اور نہ عمر اور وقت کا بڑھا دیا جانا بھی دائرۂ امکان میں ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ مستقلاً غور و فکر کا مستحق ہے۔ بجز اس کے کہ خصوصی طور پر حفظ قرآن کرنے والے بچوں کو اگر کلیتہً بیسک تعلیم سے مستثنیٰ نہیں کرایا جا سکتا تو کم از کم اس ۶ سالہ وقت ہی کو مستثنیٰ کرنے کی جد و جہد کی جائے تاکہ حفظ قرآن کے بعد (جس کا سرٹیفکٹ بچہ کے پاس ہونا چاہئیے) بارہ سالہ عمر میں اسے بیسک تعلیم میں داخل کیا جائے۔ اب اگر اس حفظ قرآن کی مدۃ میں اس کا ایک گھنٹہ یومیہ لیکر اسکی بنیادی مذہبی تعلیم بھی جاری رکھی جائے تو حفظ قرآن کے بچوں کی حد تک یہ دونوں مرحلے بیسک تعلیم سے پہلے پہلے نمٹ سکتے ہیں، اندریں صورت اگر یہ مخصوص بچے بارہ سال میں بیسک تعلیم میں لئے جائیں تو اس میں نہ کوئی قانونی پیچیدگی پیدا ہوتی ہے اور نہ قانون کی خلاف ورزی ہی لازم آتی ہے۔ جبکہ حکومت سے ایسی رعایتیں ان خاص بچوں کے بارہ میں حاصل کر لی جائیں۔

تعلیم کے ساتھ تربیت

اب جہاں تک بنیادی مذہبی نصاب کا تعلق ہے جس کی تفصیلات ابھی عرض کی گئیں، اس سے تعلیم کا مسئلہ تو حل ہو جاتا ہے، لیکن تربیت اور ذہن سازی کا منصوبہ حل طلب باقی رہ جاتا ہے۔ کیوں کہ ذہن کا غذ اور اس کے سیاہ نقوش سے نہیں بنتا بلکہ استاد کے ذہن سے بنتا ہے۔ تعلیم کی راہ سے درحقیقت استاد ہی اپنا ذہنی نقشہ شاگرد کے ذہن میں ثبت کرتا ہے۔ اس لئے نصاب سے زیادہ استاد کی شخصیت کو دیکھا گیا ہے۔

بقول امام ابن سیرین

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم — یہ علم ہی تمہارا دین ہے۔ اس لئے پہلے اسے دیکھ بھال لو جس سے یہ دین حاصل کرو گے۔

اور سب جانتے ہیں کہ فرقوں اور گروہوں کی لائن میں مسلم کی ذہنیت اپنے گروہ اور فرقہ کی امانت اور نمائندہ ہوتی ہے جسے وہ خود سے کبھی تبدیل نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی فرقہ وارانہ مختلف ذہنیتیں انتخاب معلم میں نزاع و اختلاف کا سبب بن سکتی ہیں۔ اور وحدت نصاب حاصل کر لئے جانے کے باوجود بھی یہ بنیادی مذہبی تعلیم کا مسئلہ بدستور ایک اختلافی ہی مسئلہ باقی رہ سکتا ہے۔ اور وہی نزاعی صورت جوں کی توں قائم رہ سکتی ہے جس کے مٹانے کے لئے یہ ساری جد وجہد کی جا رہی ہے۔

دینی تعلیم گاہیں پھر اس انتخاب معلمین کو سہل اور نافذ العمل بنانے کی موزوں تدبیر مدارس دینیہ ہیں۔ جن میں فارغ التحصیل طلبہ کا ایک جم غفیر ہر وقت رہتا ہے جو قرآن و حدیث اور دینیات کی تعلیم سے فارغ ہو کر تکمیل فنون کے لئے مدارس میں قیام پذیر رہتے ہیں۔ یوں ہی فضلاء مدارس کی فہرستیں اور ملازمتوں کی امیدوارانہ درخواستیں مدارس میں ہر وقت جمع رہتی ہیں۔ جن میں سے ہونہار اور قابل افراد کا انتخاب آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ جو مدارس کے لئے غیر تعلیمی اداروں کی نسبت زیادہ سہل ہے۔ اور ایسے مدارس یقیناً ہر گروہ اور ہر فرقہ کے یہاں موجود ہیں، اس لئے انتخاب معلمین کا مسئلہ ہر فرقہ و گروہ اور اس کے مدارس کے ہاتھ میں رہ کر بلا اختلاف و نزاع حل ہو سکتا ہے۔

علماء اور مفکرین کی ذمہ داری لیکن تدوین نصاب، قواعد تعلیم اور ضوابط انتخاب معلمین وغیرہ کی مہمات پھر اصولی اور ہنگامی حالات کو پیش نظر رکھ کر آیات و روایات اور اجزاء سیرۃ و سوانح کا انتخاب بلا شبہ چند مفکر علماء کے اجتماع ہی سے حل ہو سکتا ہے۔ اس لئے ایسے افراد کی ایک کمیٹی کا بنا دیا جانا ضروری ہوگا جو عصری حالات اور شرعی روایات پر پورا پورا عبور رکھتے ہوں۔ اور ان میں واقعات سامنے رکھ کر ان کے شرعی ماخذ تلاش کرنے کا جوہر اور سلیقہ بھی موجود ہو۔ نیز وہ ان ماخذوں کو ایک طبعی ترتیب سے ابواب و فصول پر تقسیم کر کے ایسا جامع اور مختصر مجموعہ تیار کر دیں جو کم سے کم وقت میں زیر تعلیم لایا جا سکے۔

امید ہے کہ مذکورۂ بالا معروضداشتوں کی روشنی میں یہ مسئلہ بلا اختلاف یا کم سے کم غیر معتد بہ اختلاف کے ساتھ طے ہو جائے گا۔ اور اس تعلیمی وحدت کے منظر عام پر آنے سے مسلمانان ہندوستان کی یک جہتی میں ہر جہتی اضافہ ہوگا۔

اس کنونشن کے مقاصد مادی سے زیادہ روحانی ہیں۔ ان مقاصد سے ہمارے ایمان و اعتقاد کا سرمایہ وابستہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بحیثیت ہندوستانی ہمارے بچوں پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ اہم ہیں۔ لیکن یہ بات بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ نئی نسل ان اخلاقی روایات سے محروم نہ ہو جو الہام الٰہی کے نتیجہ میں انسان کی بہتری اور بھلائی کے لئے نازل ہوتی ہیں۔

چند عملی تجاویز

اس تمام بحث و نظر کا خلاصہ چند تجاویز کی شکل میں حاضر ہے :۔

۱۔ بنیادی مذہبی تعلیم کا بنیادی ماخذ اور سرچشمہ محض کتاب سنت ہو۔

۲۔ دین کے تمام شعبوں کے لئے یہ نصاب اصولی رنگ میں تیار کیا جائے

۳۔ اس نصاب کی تشریحی توضیح اور فقہی تشریح میں ہر فرقہ آزاد رہے گا لیکن سب کا نصاب ایک ہوگا۔

۴۔ مسائل کے ہر باب سے متعلق سیرت نبوی اور سوانح صلحا کو جزو نصاب قرار دیا جائے۔

۵۔ ترتیب نصاب کے سلسلہ میں بنیادی تعلیم کا نصاب بھی پیش نظر رکھا جائے۔

۶۔ ابتدائی دینی اور دنیاوی تعلیم کو اعلیٰ اور انتہائی تعلیم سے غفلت کا ذریعہ نہ بننے دیا جائے۔

۷۔ حفظ قرآن کے اہم دینی نصب العین کی راہیں مسدود ہونے سے بچائی جائیں۔

۸۔ معلمین کے انتخاب کا تعلق دینی مدرسوں اور تعلیم گاہوں سے قائم کیا جائے

۹۔ دینی نصاب کی ترتیب و تدوین کے لئے تعلیمی ماہرین اور مستند علماء کا ایک ادارہ قائم کیا جائے۔

۱۰۔ تعلیم کے ساتھ فی الجملہ عربیت کا ذوق پیدا کرنے کی گنجائش بھی نصاب کے ساتھ رکھی جائے۔

بمبئی کے علمی عمائدین کو خراج تحسین اگر بمبئی کے حوصلہ مند اور اصحاب وسائل مسلمان بنیادی مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں تو وہ بلاشبہ اس کے اہل ہیں۔ اور ان کا روایتی جوش عمل اس دس نکاتی منصوبہ کو عملی جامہ پہنا سکتا ہے۔ امید ہے کہ وہ اس نازک مرحلہ سے اپنے جوش عمل کو لئے ہوئے حزم و احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ جائیں گے۔ اور ان کا یہ اقدام مسلمانان ہند کے لئے ایک مثالی نمونہ ہوگا، جس کے لئے وہ یقیناً امام کہلائے جانے کے مستحق ہوں گے۔ وبا اللہ التوفیق۔

سیکولرازم کے دور میں دینی تعلیم کی قدریں

دینی تعلیم کا اہم مسئلہ اور اس کا حل

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند

دینی تعلیمی کنونشن کا بڑا مقصد یہ ہے کہ مسلمان تعلیم خاص کر دینی تعلیم کے متعلق اپنا فرض محسوس کریں، یہ ہے اس یادگار مضمون کا سرنامہ جو مولانا محمد میاں نے البلاغ کے لئے پیش فرمایا ہے۔ پورا مضمون مطالعہ کرنے سے پہلے اس مضمون کے چند جواہر پارے ملاحظہ فرمالیجئے۔ مولانا فرماتے ہیں:ــــــــــ

۱۔ اسلام کے دعوی کے ساتھ علم کی اشاعت ایک عظیم مقصد ہے۔ ہماری تمام کوششیں اس مہم کے لئے وقف ہوجانی چاہئیں۔ اور ہر چھوٹی بڑی جماعت کو اس راہ میں تعاون کرنا چاہئے۔

۲۔ تعلیم کا مسئلہ پھر ایک بار اپنے خیرخواہوں کے سامنے ہے اور ہم سے عملی مشکلات کے حل کا مطالبہ کر رہا ہے، اس راہ میں حکومت کی مشکلات بھی نظرانداز نہ کی جائیں۔

۳۔ اگر سکولرازم مذہبی تعلیم کے بارے میں غیرجانبدار ہے تو وہ اقلیت واکثریت دونوں کے لئے یکساں مبارک ہوگا۔ اور ترقی کرے گا۔ اور اگر سکولرازم نے ان حدود کو توڑنے کی کوشش کی تو پھر اس کے لئے زندقہ الحاد اور ارتداد کا نام دینا صحیح ہوگا۔

۴۔ آج اہم سوال یہ ہے کہ براعظم ہند کے سدابہار چمن کا وہ گل نورس جس کا نام مسلم ہے کس طرح تروتازہ اور سرسبز وشاداب رہے۔ دینی تعلیمی کنونشن کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ تعلیم اور خاص کر دینی تعلیم کے متعلق ہم اپنا فرض خود محسوس کریں۔ اور کلام اللہ اور سنت رسول اللہ نے جو فرائض ہمارے ذمہ عاید کئے ہیں ان کو انجام دینا شروع کردیں۔

۵۔ زمانہ مسلمانوں کو پھر بیدار کر رہا ہے، ان کا ماضی ان کو مستقبل کے لئے بہترین درس ہے۔ وہ اس سبق کو ازسرِنو یاد کریں۔ وہ دینی تعلیم کی راہ میں جیت کام ہو کر پھر سیل رواں بن سکتے ہیں۔ جس کو نہ کوئی بند روک سکتا ہے، نہ پہاڑوں کی چٹانیں اس کی روانی کے لئے سدِ راہ بن سکتی ہیں۔

ان جواہر پاروں کی روشنی میں مکمل مضمون مطالعہ فرمائیے۔ (منیری)



مسئلہ تعلیم کی بنیادی اہمیت مسئلہ تعلیم ہر ایک ایسی قوم کے لیے جو کشمکش حیات میں پیچھے رہنا نہیں چاہتی، سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

روٹی کا سوال جس سے مشرق و مغرب کی فضائیں پرشور ہیں بیشک اہمیت رکھتا ہے۔ مگر تعلیم کے بغیر یہ بھی حل نہیں ہو سکتا کیونکہ تعلیم ہی مزدوری کی جد و جہد میں وہ شائستگی پیدا کر سکتی ہے جو اس کو طوائف الملوکی اور انارکی سے نکال کر تہذیب و تمدن کے نئے قابلِ قبول بنا سکے۔ تعلیم جس طرح ارباب دولت اور خواص کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ سرمایہ و محنت کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھا سکیں اسی طرح ایک عامی اور مزدور کے لئے بھی ضروری ہے تاکہ اسکی سرگرمی اور محنت پسندی کے ثمرات روز افزوں ترقی کریں۔ اور اس کا نظام متصادم اور نبرد آزما طاقتوں کا مقابلہ کر سکے۔ اور اپنا حق اور انصاف حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

اسلامی عہد میں تعلیمی نظام گذشتہ دور میں ہندوستان ایک ایسی قوم کی سلطنتوں کا شکار رہا جس کو صرف کلرکوں کی ضرورت تھی۔ عوام کی تعلیم اس کے سامراجی مقاصد کے لئے خطرناک تھی۔ اس لئے تعلیم کو مشکل بھی بنایا گیا۔ اور گراں بھی اتنا کر دیا گیا کہ دولت مند اور خوش حال طبقہ کے علاوہ عوام کی ہمتیں پست ہو گئیں اور مجبوراً ان کو اپنے بچوں کی جہالت پر قانع ہونا پڑا۔ اگر پرائیویٹ اسکولوں، پاٹ شالوں اور عربی مدارس کا وجود نہ ہوتا تو اس دور میں ایک فیصدی تعلیم یافتہ بھی مشکل سے دستیاب ہوتا۔

اس دور کے پہلے سلاطین کے عہد حکومت کے متعلق تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ

- "ہر گاؤں میں ایسے مدرسے موجود تھے جن میں نوشت و خواند اور حساب کی تعلیم ہوتی تھی" (سر تھامس منرو)
- "انڈیا اسکولوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر اکتیس لڑکوں پر ایک اسکول تھا۔" (ریونڈ وارڈ)
- "صرف بنگال میں اسی ہزار مدرسے تھے" (پروفیسر ماکس میلر)
- "سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے" (قلقشندی)
- "سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں پایۂ تخت دہلی سے تقریباً سات سو میل کے فاصلہ پر شہر ٹھٹھہ (سندھ) کی بھی یہ حالت تھی کہ یہاں چار سو کالج مختلف علوم و فنون کے موجود تھے۔" (کپتان الگزنڈر ہملٹن)

آزاد ہند میں مذہبی تعلیم کا مسئلہ:۔ بہرحال دورِ سلاطین کے بعد برطانوی سامراج کا دور بھی ختم

ہوگیا۔ اب ہندستان آزاد ہے اور ہندوستانی جمہور اپنے نمایندوں کے ذریعہ اپنے ملک کی حفاظت و ترقی کے ذمہ دار ہیں۔ آج پھر مسئلہ تعلیم پوری اہمیت کے ساتھ ملک کے خیرخواہوں کے سامنے پیش ہے، اور اُن سے عملی مشکلات کے حل کا مطالبہ کر رہا ہے۔

ایک مسلمان جس کا مذہبی عقیدہ یہ ہے کہ علم ہی وہ گوہر نایاب اور جوہر عالمتاب ہے۔ جس نے انسان کو مسجود ملائک بنایا یہی وہ دولت لازوال ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں نوع انسانی کو عطا ہوئی۔ جس کے متعلق سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من اخذہ اخذہ بحظ وافر ۔ ہر ایک طالب کو اس دولت سے پورا حصہ حاصل کرنا چاہیئے۔

یہی وہ شرافت و عظمت ہے جسکی اشاعت کے لئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا۔ انی بعثت معلماً کس طرح ممکن ہے کہ اسلام کے دعوے کے ساتھ وہ کسی ایسی جدوجہد کی مخالفت کرے جس کا مقصد علم کی اشاعت ہو۔ اس لئے ہماری تمام کوششیں اس مقصد عظیم کے لئے وقف ہونی چاہئیں۔ اور ہر چھوٹی بڑی جماعت کو اس مہم میں پورا تعاون کرنا چاہیئے۔

اس سرگرم حمایت کے ساتھ احساس فرض کا تقاضہ ہے کہ جسطرح حکومت کی وہ مشکلات نظر انداز نہ کی جائیں جو ایسے وسیع ملک کو تعلیم یافتہ بنانے میں پیش آسکتی ہیں۔ جس میں زیر تعلیم نونہالوں کی تعداد تقریباً بارہ کروڑ ہوگی۔ اسی طرح ان اسکیموں کے دور رس نتائج بھی عاقبت اندیش نظروں سے اوجھل نہ ہوں، جو اس عظیم الشان مہم کو سر کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے منظور کی جائیں۔

سکولر تعلیم اور دینی تعلیم

ایک سیکولر (اور غیر فرقہ وار) حکومت کے سیکولر نظام میں نصاب تعلیم بھی لامحالہ سیکولر ہوگا۔ لیکن یہ سیکولرزم اگر مذہبی حدود میں مداخلت اور دراندازی نہ کرے اور مذہبی نظریات کے بارہ میں قطعاً غیرجانبدار رہے، تو بیشک یہ سیکولرزم اکثریت کی طرح ملک کی ہر ایک اقلیت کے حق میں بھی مبارک ہوگا جس کے سایہ میں ملک کا ہر ایک مذہبی فرقہ پھلے پھولے گا۔ اور ترقی کرے گا۔ لیکن اگر اس سیکولرزم کے قدم ان حدود سے آگے بڑھے تو پھر اس سیکولرزم کے لئے زندقہ۔ الحاد۔ ارتداد اور مذہبی ممسوخیت وغیرہ کا ہر ایک لفظ صحیح ہوگا (معاذ اللہ)

جمعیۃ علماء ہند جس کا قدم جنگ آزادی کے میدان میں سب سے آگے رہا ہے، دوسو برس کے خزاں زدہ اور جھلسے ہوئے گلشن وطن کو پھر سدا بہار دیکھنا چاہتی ہے۔ گلشن وطن کی رونق اسی میں ہے کہ اس کا ہر ایک خیابان سرسبز شاداب ہو اور اس کے رنگ برنگ گل و غنچے تروتازہ ہوں۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن

گلدستہ کا کوئی پھول بھی اگر مرجھایا ہوا ہو تو وہ سجاوٹ کے قابل نہیں رہتا۔ نیز سنگے گلدان کے بجائے اسکی جگہ

خاکروب کی نوکری ہوتی ہے۔

دینی تعلیمی کنونشن کا مقصد

آج اہم سوال یہ ہے کہ پراچین ہندوستان کے سدا بہار چمن کا وہ گل نورس جس کا نام "مسلم" ہے کس طرح تروتازہ، سرسبز اور شاداب رہے۔ کل ہند تعلیمی کنونشن جس کا سہرا عروس البلاد بمبئی کے سر ہے۔ اسی اہم سوال کو حل کرنے کے لئے منعقد کی جا رہی ہے۔ اس موقع پر ہمیں کچھ مطالبے حکومت سے کرنے ہیں اور کچھ ذمہ داریاں اپنی محسوس کرنی ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرانا ہی اس کنونشن کا اہم منشاء اور مقصد ہے۔ کیونکہ جمہوری نظام حکومت میں عمل کی تمام تر ذمہ داری جمہور پر ہوتی ہے۔ اسمبلی یا پارلیمنٹ صرف اصول اور دستور طے کرتی ہے۔ اصول کو بروئے کار لانا جمہور کا کام ہوتا ہے۔

چند سنجیدہ مطالبات

یہ مطالبہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ بیسک تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم کو لازم اور ضروری قرار دیا جائے۔ لیکن اگر بالفرض یہ مطالبہ تسلیم کر لیا جائے اور حکومت ہر فرقہ کے لئے اس فرقہ کی مذہبی تعلیم لازم قرار دیدے تو کیا اس مطالبہ کے باعث بڑھے ہوئے مصارف ہندوستانی عوام برداشت کر سکیں گے؛ تقریباً بارہ کروڑ بچوں کی تعلیم کا تمام خرچ جمہور کے ذمہ ہوگا۔ اور جب ہر فرقہ کی مذہبی تعلیم کا انتظام بھی حکومت کی طرف سے ہوگا تو یہ میزانیہ سہ چند و چہار چند ہو چکا ہوگا۔ کیا ہندوستانی عوام ان ٹیکسوں کو برداشت کر لیں گے؟۔ اور اگر بالفرض کسی طرح یہ جرعہ تلخ زیر حلقوم کر لیا جائے تو کیا یہ شکل مسلم اقلیت کے لئے مفید ہوگی۔

اردو کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔ لاکھوں دستخطوں کی مہم سے جو توقعات وابستہ کی گئی تھیں وہ غور دخوض کے پھیلے ہوئے دامنوں میں اس طرح الجھ گئی ہیں کہ ان کے سلجھنے کی توقع بھی اب موہوم ہو چکی ہے۔

مختصر یہ کہ اس مطالبہ کے نتیجے میں یہ تو ضرور ہوگا کہ سیکولر تعلیم اکثریت کی مذہبی تعلیم کا رنگ اختیار کر لے، کیونکہ یہ ایک اسکول ہی اس خاص فرقہ کے بچوں کی اکثریت ہوگی۔ لیکن یہ بہت مشکل ہوگا کہ اقلیت کے دس پانچ بچوں کے لئے بھی مذہبی تعلیم کا انتظام اس اہمیت کے ساتھ ہو سکے۔

چند بنیادی نکات

لہذا اس مہنگے اور مضرت سے بھرپور مطالبہ کے بجائے ہمارا ہلکا پھلکا مطالبہ یہ ہونا چاہئے کہ:۔

۱۔ بیسک لازمی تعلیم کے اسکولوں میں ایک گھنٹہ پیریڈ۔ مذہبی تعلیم کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ اس گھنٹہ میں مذہبی تعلیم کا انتظام حکومت کی طرف سے نہ ہو بلکہ اس فرقہ کے افراد اس گھنٹہ میں مذہبی تعلیم کا انتظام اپنی طرف سے کریں۔

۲۔ وہ پرائیوٹ اسکول جن میں بیسک تعلیم کے ضروری مضامین کے ساتھ مذہبی تعلیم

بھی دی جاتی ہو، حکومت ان کی حوصلہ افزائی کرے۔ یعنی ان اسکولوں میں تعلیم پانے والے بچوں کو امتحانات میں شرکت کا موقع دیا جائے۔ اور اسکولوں کا کم از کم نصف خرچہ حکومت برداشت کرے۔

یہ کنونشن اگرچہ خاص بنیادی مذہبی تعلیم سے متعلق ہے، بیسک تعلیم کا نصاب اور اس کا سلیبس اس کے حدود بحث سے خارج ہے، لیکن نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ ہندوستان کے تمام ہی ٹیچروں اور پڑھنے والے بچوں پر احسان ہوگا اگر کنونشن کی کوئی کمیٹی ان مضامین پر بھی ایک نظر ڈال لے جو پرائمری تعلیم کے لئے ضروری اور لازمی قرار دیے گئے ہیں۔ صوبہ یوپی کے پرائمری اسکولوں کا موجودہ نصاب اگر آپ ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ پانچ چھ سال کے بچوں کی تعلیم کا خاکہ پیش کیا گیا ہے یا نصاب بنانے والوں نے اپنی قابلیت کا عجیب و غریب مظاہرہ کیا ہے۔

صرف ایک مثال

مثال کے طور پر صرف ایک مضمون (تاریخ) کا سلیبس ملاحظہ ہو۔

حکومت کا اجراء۔ انتظام حکومت کی تدوین۔ راجا۔ آزادی سے شخصی حکومت۔ یونان کی جمہوریت۔ ہندوستان کی جمہوریت۔ دوسرے ملکوں کی جنگ آزادی۔ ایران کے مخالف یونان۔ امریکہ کی جنگ آزادی۔ جارج واشنگٹن۔ فرانس کا انقلاب حکومت۔ ہٹلر کا مخالف روس۔ دنیا کے کچھ مذہبی پیشوا۔ کینفوکشن اور لوکے۔ یسوع مسیح (علیہ السلام) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سقراط۔ پنیٹو۔ ارسطو۔ شکیسپیر۔ نیوٹن۔ زمانہ قدیم کی مشہور کتابیں رامائن۔ مہا بھارت۔ کچھ مشہور سفراء۔ جے، لوزن اور ان کے آزاد کردہ گروہ۔ ہوان سانگ۔ مارکوپولو۔ کولمبس۔ واسکوڈی گاما۔ لیگ سن اور دریک اسکاٹلے اور لونگسٹن۔ اسکاٹ اور اس کا قطبی سفر وغیرہ وغیرہ۔

اس وقت نہ الفاظ پر تبصرہ مقصود ہے کہ کیا ہندوستانی بچے یہ ثقیل انگریزی الفاظ ادا کر سکیں گے۔ اور نہ یہ اعتراض ہمارے سامنے ہے کہ ہندوستان اور پوری ایشیا کو چھوڑ کر نصاب بنانے والوں کا رخ یورپ کی طرف ہی کیوں ہے۔

عرض کرنا یہ ہے کہ یہ چوتھی کلاس کے صرف ایک مضمون (تاریخ) کا سلیبس ہے۔ اگر اس سلیبس کے بموجب پوری طرح تعلیم ہو تو کیا وہ نو سالہ بچے کے دماغ کے لئے قابل برداشت ہو۔ اور اگر بالفرض بچہ کسی طرح رٹ رٹا کر کامیاب بھی ہو جائے تو کیا اسکی ذہنی اور دماغی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوگا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ اعلیٰ اور بہتر ڈگری حاصل کر لینے کے بعد بھی فن سے مناسبت نہیں ہوتی۔ اور ملک ایسے نوجوانوں سے محروم رہتا ہے جن کی ڈگریاں ان کی قابلیت کا صحیح معیار ہوں۔ بہر حال مذہب و فرقہ کے سوال سے قطع نظر ایک اہم ترین مسئلہ جس پر آئندہ نسلوں کے دماغی اور ذہنی نشو و نما کا مدار ہے یہ ہے کہ کورس اور کورس

کے مضامین سہل الحصول اور کثیر المنفعت ہوں۔

لسانی جھگڑے آج ہمارے سامنے اردو ہندی گجراتی وغیرہ کے قصے ضرور پیش ہیں۔ جو ترقی ملک کی رفتار کو سست کر رہے ہیں۔ ایک اور خطرناک جدوجہد جاری ہے، جو سیکولرزم کی اصل روح کو فنا کر دیتی ہے۔ یعنی غیر مذہبی اور سیکولر تعلیم میں یہی کوشش کی جاتی ہے کہ اکثریت کو جس طرح تعداد و شمار کے لحاظ سے غلبہ حاصل ہے، ایسے ہی اس کے مذہبی رجحانات بھی نصاب تعلیم میں نمایاں رہیں۔

لیکن وہ تعلیم جس سے جمہوریت کی روح تازہ ہو۔ وہ اخلاق جو سیکولرزم کو کامیاب بنا سکیں، وہ کردار جو ملک کو انسانی ہمدردی، پریم اور محبت کا ساگر بنا سکے، ان کی طرف نہ اساتذہ کو توجہ ہے اور نہ کورس تجویز کرنے والے ماہرین تعلیم اور ڈائرکٹر صاحبان کو۔

اس لئے ترقی ملک کی تمام اسکیموں اور تمام پلانوں میں سب سے مقدم یہ ہے کہ ایک ایسے نصاب تعلیم کی طرف جو پورے ملک کے تمام نونہالوں میں یکسانیت کے ساتھ۔ جمہوریت۔ انسانی ہمدردی۔ مساوات جیسے اعلیٰ جذبات پیدا کر سکے۔ مرکزی حکومت خود توجہ کرے اور اقلیت و اکثریت کے منتخب اور ممتاز ماہرین تعلیم کا ایک بورڈ بنا کر ایک ایسا نصاب تیار کرائے جو آنے والی نسلوں میں شرافت، تہذیب، اعلیٰ حقوق اور پیشوایان دین کے صحیح احترام کا جذبہ پیدا کر سکے۔

یہ تعلیمی کنونشن اگر مرکزی حکومت کی توجہ اس طرف منعطف کرا سکا تو نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ پورے ملک کے لئے آیۂ رحمت ہوگا۔

کنونشن کے بعد جمہور کی ذمہ داری یہ چند مطالبات ہیں جن کا تعلق حکومت سے ہے۔ مگر اس جمہوری دور میں ہیں اس کا بھی پورا لحاظ رکھنا ہوگا کہ صرف چند تجاویز منظور کر لینے سے ہمارا کام ختم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہم نے اس تعلیمی کنونشن ہی کو اپنے سفر کی آخری منزل تصور کر لیا، تو ہم سب سے زیادہ محروم القسمت اور فریب خوردہ قرار دیئے جائیں گے۔ اس تعلیمی کنونشن کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ تعلیم بالخصوص مذہبی تعلیم سے متعلق ہم خود اپنا فرض محسوس کریں۔

تعلیم ایک دینی نصب العین تعلیم کے سلسلہ میں کلام اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرائض ہمارے ذمہ کئے ہیں اگر ان کو انجام دینا شروع کر دیں تو ہمارا مستقبل ہر ایک خطرہ سے محفوظ ہو جائے گا۔ تعلیم کے سلسلہ میں اسلام نے دوسروں کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ نماز۔ روزہ کی طرح ہر صاحب خانہ اور ہر ایک سرپرست پر اس کا شخصی فرض قرار دیا ہے کہ وہ خود اپنے بچوں کی بنیادی مذہبی تعلیم دے کر "معلم الخیر" کا خطاب دربار رسالت سے حاصل کرے۔ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز یہاں تک کہ دریا کی مچھلیاں اور فضا میں اڑنے والے پرندے

بھی معلم الخیر کے لئے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں۔

مساجد کے امام اور دینی تعلیم

اگر ہم خود تعلیم نہ دے سکیں تو پھر ہمارا فرض ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے اپنی ذمہ داری پر بچوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام کریں۔ اگر آپ اپنی مسجد کے اماموں پر لازم کردیں کہ وہ آپ کے بچوں کو مذہبی تعلیم دیں اور اس سلسلہ میں آپ ان آئمہ کرام کی ضروریات زندگی کی تکفیل کرلیں تو آپ ہر قسم کی کدوکاوش سے نجات پاجائیں گے۔ آپ کی تہذیب بھی زندہ رہے گی۔ آپ کا مذہب بھی محفوظ رہے گا اور اس طرح اردو زبان بھی لازوال ہوجائے گی۔ اور آپ اس عظیم الشان فرض کو انجام دے سکیں گے جس کے متعلق کتاب اللہ کا فرمان ہے۔

قوا انفسکم واھلیکم نارا الایۃ

اے مسلمانو! تم اعمال صالحہ کے ذریعہ اپنے آپ کو اور صحیح تعلیم و تربیت کے ذریعہ اپنی اولاد کو "نار جہنم" سے محفوظ رکھو۔

اور ہم اس بازپرس کے لئے بھی تیاری کرلیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر مسلمان سے اس کے اہل و عیال اور اس کے حلقہ اثر کے متعلق ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ

"یاد رکھو۔ ہر ایک مسلمان نگراں ہے اور ہر ایک مسلمان سے اسکی نگرانی کے سلسلہ میں بازپرس ہوگی۔ خاندان کا سرپرست پورے خاندان کا نگراں ہے۔ اس سے پورے خاندان کے بارے میں بازپرس ہوگی۔ اور اسی طرح ہر ایک مسلمان مرد اور عورت اپنے حلقہ اثر کا نگراں ہے۔ اس سے اس کے زیر اثر افراد کے متعلق بازپرس ہوگی"

مسلمانوں کا ہزار سالہ تعلیمی کردار

مسلمانوں کا یہی احساس فرض تھا جس نے ان کو تقریباً ایک ہزار برس تک دنیا کی تمام قوموں میں ممتاز و سربلند کردیا ہے۔ اس دور میں نہ حکومت کی طرف سے جبری تعلیم کا انتظام تھا نہ بیسک اور پرائمری تعلیم کے اسکول حکومت کی طرف سے جگہ جگہ قائم تھے۔ کیونکہ ہر ایک مسلمان اپنا فرض محسوس کرتا تھا۔ ہر ایک مسلمان کا گھر دینی تعلیم کا مدرسہ تھا۔ حکومت کو نہ جبر کی ضرورت تھی اور نہ ایسے قانون کی ضرورت تھی جو تعلیم کو لازم اور ضروری قرار دے۔ تعلیمی مقاصد کے لئے کروڑوں روپیہ کے اوقاف جو نااہل متولیوں کی دست برد کا شکار ہونے کے بعد بھی آج تک باقی ہیں ان کے علمی ذوق کا نشان دے رہے ہیں۔

ہماری خواتین

خاندان کی تقریباً تمام ہی عورتیں جن کی وفات کو تقریباً ربع صدی گذر گئی تعلیمیافتہ

(باقی صلا۳ پر)

انجمن خدام النبیؐ کی خدمات جلیلہ کی قدر افزائی

جناب مولانا حفظ الرحمن صاحب مدظلہٗ

جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند کی رائے گرامی

فاضل محترم مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند، ممبر ہند پارلیمنٹ رکن مرکزی حج کمیٹی کا ارشاد ہے کہ:۔

"انجمن خدام النبی دین وملت کے چند مخلص خدام کا وہ ادارہ ہے جو اپنے تعارف کا محتاج نہیں اور جس کو یہ سعادت حاصل ہے کہ ہر سال ہزارہا حجاج کی بے لوث خدمات انجام دیتا ہے اور اُن کے لئے سہولتیں مہیا کرتا ہے، حجاج کی خدمت انجمن کا محبوب مشغلہ ہے۔

مجھے البلاغ کے اجرا سے خوشی ہے ایک ایسے جریدے کی ضرورت تھی جو دوسری دینی تعلیمی اور اسلامی خدمات کے ساتھ ساتھ خاص طور پر ہندوستان کے طول و عرض میں حج اور اس سے متعلقہ امور کی ضروری تفصیلات اور تازہ ترین معلومات بہم پہونچا سکے اور یہی البلاغ کے اجرا کا سنگِ بنیاد ہے میں بڑی خوشی کے ساتھ اس نیک نہاد دینی جریدہ کے لئے عند اللہ اور عند الناس مقبولیت کی دعا کرتا ہوں۔

حضرت مفکر ملت مولانا محمد طیب صاحب

امیر جامعہ دیوبند کا ارشاد گرامی

انجمن خدام النبی مبارکباد کی مستحق ہے جس نے البلاغ کے ذریعہ مسلمانوں کو اسلام کے تینوں مرکزوں بیت اللہ، رسول اللہ اور کلام اللہ کی یاد کو تازہ کر دیا اور اُسے اپنا نصب العین قرار دیا تاکہ بیت اللہ کی وجہ سے مرکزیت کو فروغ ہو۔ کلام اللہ کی نسبت سے عربیت فروغ پائے، اور رسول اللہ کے نام کی برکت سے اتباع اسوۂ حسنہ، اطاعت شریعت پیروی کتاب و سنت، اور خدمت نبوی کا جذبہ پیدا ہو۔ غور کیا جائے تو خدمت کعبہ، خدمت قرآن اور خدمت حج سب خدمت نبوی میں شامل ہیں۔ یہ ایک ایسی انجمن ہے جو اپنے نام سے اپنے کام کو سامنے لا رہی ہے اسی طرح البلاغ کی دعوت درحقیقت قومی فلاح و بہبود اور ملی عالمگیری کی دعوت ہے ہم سب کو خدام النبی کا مشکور رہنا چاہئے۔

پورٹ حج کمیٹی بمبئی کی

یادگار تجویز

انجمن خدام النبی حجاز جانے والے عازمین حج کے لئے قابل تعریف کام کر رہی ہے، اور مکہ کے پارسلوں کا انتظام بھی کئی سال سے کر رہی ہے۔ پورٹ حج کمیٹی انجمن سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنے ہر کام کو جاری رکھے، حج کمیٹی انجمن کو اطمینان دلاتی ہے کہ اس کام میں اسے کمیٹی کا پورا پورا تعاون حاصل رہے گا۔

تجویز نمبر ۲۷

مسلمانوں کی علمی فتوحات

حامد الانصاری غازی

موجودہ سائنس کے موجد عرب اور نئے دور کے علمی رہنما مسلمان

۱ — مسلمانوں نے آدھی صدی میں آدھی دنیا کو فتح کر لیا — "نپولین"

۲ — یہ لوگ جہاں بھی گئے، علم، سائنس، تہذیب، تمدن، روایات اور اپنی زبان کو بھی ساتھ لے گئے جہاں وہ فاتح تھے وہاں یہ بھی فاتح تھے۔ — ڈاکٹر ہمبلڈ

۳ — عرب موجودہ علم اور سائنس کے اولین موجد ہیں — جواہرلال نہرو

۴ یہ نہ تو کوئی قصہ ہے نہ کہانی نہ داستان بلکہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان دنیا میں علم اور تہذیب کے رہنما بن کر رونما ہوئے۔" — "موسیولیبام"

۵ — اگر عبدالرحمٰن الغافقی کو بمقام ٹور ۷۳۲ء میں شکست نہ ہو جاتی تو آج سارا یورپ مسلمان ہوتا۔ "گبن"

۶ — قرونِ وسطیٰ کی علمی ترقی مسلمانوں کی رہنمائی اور سرپرستی کی مرہونِ منت ہیں، اس دور کی بہتر سے بہتر علمی کتابیں صرف عربی میں تھیں، آٹھویں صدی نصف سے گیارہویں صدی کے ختم تک پورے چار سو سال تک بنی نوع انسان، سائنٹفک زبان، عربی ہی تھی۔ — "جارج سارٹان"

۷ — عربوں اور مسلمانوں کے تاریخی احسانات میں سب سے بڑا احسان یہی ہے کہ وہ سائنس کے موجد ہیں اور نئے تاریخی دور کے ترقی پسند رہنما نئے دور کی ابتدا مسلمانوں کے علمی کارناموں سے ہوئی ہے "غازی"

ہماری دنیا ہمیشہ سے تاریخی انقلابات کا گہوارہ رہی ہے، یونان اور روما نے تاریخ کے سادہ نقشے میں رنگ بھرا، اشوریوں اور فینیقیوں نے انسانی تاریخ میں چند اوراق کا اضافہ کیا، پراچین ہند کے لوگوں نے فلسفیانہ موشگافیوں کا سلسلہ چاند، سورج اور آسمان کے ستاروں سے ملا دیا، وسط ایشیا کے وحشی قبائل اٹھے اور انہوں نے شخصی حکومت اور جنگی سیاست کے ابواب لکھ ڈالے

عمالقہ میں اہلِ حجاز، اہلِ عمان، فراعنۂ مصر، جابرۂ شام گذرے ہیں۔ اور انھوں نے آدمی، مؤابی، الاعمونی اور عبرانی قوموں سے لڑکر انسانی تاریخ میں اپنے نام کی مہر لگائی، اور جب یہ سب کچھ ہو چکا تو ڈاکٹر ہمبلڈ کے قول کے مطابق

"اللہ نے عربوں کو پیدا کیا اور ان کو پچھلی قوموں اور اگلی نسلوں کے درمیان، علم تمدن اور دولت کا واسطہ بنا دیا، انھوں نے عرب سے قدم باہر نکالا، نہر فرات کے کناروں پر قبضہ کیا۔ اور اسپین کی وادی کبیر تک پھیل گئے یہ عرب لوگ جہاں کہیں بھی گئے، علم، سائنس، تہذیب، تمدن اور اپنی روایات اور زبان کو ساتھ لے گئے جہاں وہ فاتح تھے وہاں یہ بھی فاتح تھے۔"

روما کے شاعر ہوکر تیشیش (۵۵ تا ۶۵ قبل مسیح) نے اپنی کیورس (۲۴۱ قبل مسیح) کے یونانی فلسفی کو مخاطب کرکے جو نظم لکھی ہے اس میں بجا طور پر یہ کہا ہے کہ

"تاریخ نے انسان کو اس کی قوتِ ارادی کی بنیادی اہمیت سکھائی ہے"

قدیم یونانی، ایرانی اور ہندوستانی تمدن دیرپا ثابت نہیں ہوا، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے تاریخی کردار میں اسی قوت ارادی کی کمی تھی، آج ہند و ہندوستانی دنیا کی تاریخی قوموں سے الگ نظر آتے ہیں اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ان کی کمزور قوت ارادی تاریخ سے اپنا تعلق پیدا نہیں کرسکی، ہندوستان کے کچھ لوگ آج بھی دنیا کی تاریخی قوموں سے الگ رہنے پر مصر ہیں، اور موجودہ دنیا کی تاریخ اور تمدن سے اپنا تعلق قائم کرنے کے لئے تیار نہیں، اور یہی ان کی سب سے بڑی غلطی ہے یونانی تمدن ناکام ہوا اس کی ناکامی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ تمدن بجائے خود اہمیت سے محروم تھا، بلکہ یونانیوں میں تاریخی کیرکٹر اور اخلاق کی کمی تھی، اس کے برعکس عربوں نے اپنی پیدائش کے فوراً بعد دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالی تاریخی قوموں سے جنگ اور صلح کے میدان میں ہاتھ ملایا۔ اپنی تاریخ کا ایک ایک لفظ قلمبند کیا، دنیا کی تاریخ کا ایک ایک باب لکھا، دنیا کی ہر زندہ زبان کو سیکھا، یونان، روما اور ہندوستان کے علمی خزانوں کو سینوں میں جمع کیا، ہندی ہندسوں کو بطور امانت لیا، اور یورپ کے اسکولوں تک پہونچایا، دنیا کی سرحدوں سے واقفیت حاصل کی، جغرافیہ ایجاد کیا، اور تاریخ کا تعلق جغرافیہ و اٹیلس سے پیدا کیا۔ ماضی کے تمام علوم کو سمیٹا اور حال کے واسطے سے مستقبل کی تاریخی قوموں کو سپرد کیا، عربوں اور مسلمانوں کے تاریخی احسانات میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ وہ سائنس کے موجد ہیں اور اس ایجاد میں نئی دنیا کے ہیرو، پیشرو اور متمدن قوموں کے استاذ ہیں۔ فرانس کے سابق وزیر اعظم ڈاکٹر ووزی نے دنیا بھر کے ارباب علم و سائنس کی طرف سے اپنی تاریخ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ یورپ کے لوگ جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں پڑے ہوئے تھے، ان کو روشنی کی ایک کرن بھی نظر نہ آتی تھی، اچانک ان پر ملتِ اسلامیہ کا ظہور ہوا، علوم و فنون، سائنس اور صناعی، آداب اور فلسفہ کا سورج طلوع ہوا، مدائن، بغداد، بصرہ، سمرقند، دمشق، قیروان، مصر، فارس، اور غرناطہ میں علم کی عظیم الشان یونیورسٹیاں قائم ہوگئیں، یورپ کی قوموں میں فلسفہ اور سائنس کے متعلق جہاں کہیں بھی علوم و فنون پھیلے ان کا سرچشمہ یہی شہر تھے۔

مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر گال لیبام" جذبے اور جوش سے بھرپور ہوکر لکھتے ہیں کہ،

"ٹھیک اس وقت جب کہ ساری مسیحی دنیا کا منہ کالا ہو رہا تھا اور شمالی، وسطی اور مغربی یورپ کی قوموں کے درمیان وحشیانہ جنگ آزمائی کا سلسلہ جاری تھا، دفعتاً پیغمبر عرب کا ظہور قدسی ہوا اور مسلمان دنیا میں علم، تہذیب و تمدن کے رہنما بن کر رونما ہوئے۔"

یہ نہ تو کوئی قصہ ہے نہ کہانی نہ داستان، نہ ہی رجعت پسند انہ وہم، بلکہ ایک حقیقت ہے کہ سرزمین یونان کا علمی اور تمدنی عروج درحقیقت اس علمی ارتقا کی خاموش بہار تھی، جو اس سے پہلے مصر، کلدہ، بابل و نینوا، عرب اور بحیرہ ایجین میں اپنی چمک دمک دکھا چکی تھی۔ اسی طرح آج کا یورپین تمدن اور سائنس درحقیقت عربوں کے اس تمدن کی تازہ بہار ہے، جس سے دنیا قرون وسطی میں اچھی طرح آشنا ہو چکی ہے، ایک مغربی محقق نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عربوں نے فن سائنس ایجاد کیا، ہم نے ان ایجادوں کے لیے تجربہ گاہیں قائم کیں اور اُن کو کارخانوں میں مشینوں کے چکر پر رکھا، ہر وہ مورخ جو عربوں کی وکالت کا فرض انجام دیتا ہے، اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ یونان و روما کے فلسفی، اقلیدس، ہیرو فیلاس، ارشمیدس اور ریو نیوسی عربوں سے پہلے انسانی تمدن کے رہنما تھے، مگر یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے کہ یونانی تمدن جمالیات پر مبنی تھا، رومی تہذیب طاقت اور افادیت پر، مسیحی فلسفہ کا سارا زور عشق و محبت پر تھا اور ہندوستانی فلسفہ کا دماغ ہمیشہ افلاک پر رہا، یہ عربی تمدن تھا جس نے الہام کی طاقت سے علم و عقل سے واسطہ پیدا کیا، انسانی فطرت کے عالمگیر ہونے کا اصول بتایا، دین اور دنیا کے معاملات میں عقل کو میزانِ عدل تسلیم کیا، عقل کی مدد سے دنیا بھر کے علوم کا جائزہ لیا، اور اہلِ دنیا کو وہ تحفہ دیا جس کا نام سائنس ہے، پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب جگ بیتی میں عربوں کے باب میں صاف الفاظ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ "موجودہ سائنس کے موجد عرب ہی تھے"، ہندوستانی وزیر اعظم کے یہ الفاظ درحقیقت یورپ کے ان ارباب علم کی صدائے بازگشت ہیں جنھوں نے سائنس کے تجربات کو ان کی آخری سرحدوں تک پہنچا دیا ہے، اگر تاریخی تسلسل کو مدنظر رکھا جائے تو یہ کہنا مناسب ہوگا کہ چھٹی صدی عیسوی تک کلیسا انسانی عقل پر غالب رہی، مگر اس درسگاہ کے مفسرین نے سائنس کے ابتدائی فارمولوں کو مشرقی عیسائی شامی اور ارمنی اقوام اور مسلمانوں تک پہنچایا، مشرقی روما کے شہنشاہ جسٹینین اول (۵۶۵ء قبل مسیح) نے اپنی تاجپوشی کے دو سال بعد ایتھنز کے مدرسہ کو یہ کہکر بند کرا دیا کہ وہاں کفر اور دہریت کی تعلیم ہوتی ہے، اس درسگاہ کے فیلسوف، استاذ اور شاگرد یونان چھوڑ کر علم اور سائنس کی عباسی راجدھانی بغداد پہنچے، اس طرح عہد قدیم کی کلاسیکل سائنس عہد جدید کی طرف منتقل ہوئی، مسلمانوں نے دیوتاؤں کے اوہام، جادوگروں کی نظربندی اور جھوٹے مذہبی توہمات کے جال کو توڑ ڈالا، قرونِ وسطی کے تمام علمی خزانے مسلمانوں کی سرپرستی میں آئے، عربوں کے ذہنی تعقل اور سائنسی تجسس نے نئے سائنسی دور کو جنم دیا۔

حیدرآباد اکیڈیمی کے صدر مولوی عبدالرحمن صاحب جارج سارٹان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"آٹھویں صدی سے لیکر گیارہویں صدی تک دوسرے نصف حصے تک بنی نوع انسان کی سائنٹیفک اور ترقی پذیر زبان عربی تھی، اس زمانہ کی تمام پر مغز اور بارآور کتابیں عربی زبان ہی میں لکھی جاتی تھیں۔"

آئیسیس (ملنلا) اور اسائرس (ملنلنلا) کے دیر اور تاریخ، فلسفہ اور سائنس کے مورخ جارج سارٹان نے اپنی کتاب[۵] مین اعتراف کیا ہے کہ تیرھوین، چودھوین بلکہ پندرھوین صدی مین ان مین بڑے بڑے ماہرین سائنس پیدا ہوئے۔

یورپ کے عیسائیون نے مسلمانون کی علمی اور سائنسی کتابون کے لاطینی مین ترجمے کیئے، عربون کے جمع کیئے ہوئے علوم کو سیکھا، بارہوین صدی مین ان کے قدم بقدم چلنے لگے عربون کی معرفت اکثر یونانی کتابین سریانی مین، سریانی سے عربی مین اور عربی زبان سے بالآخر لاطینی مین ترجمہ ہوئین اور بالآخر جرمنی، فرانسیسی، اطالوی اور انگریزی زبانون مین منتقل ہوئین، اور اہل یورپ مسلمانون کی ہمسری بلکہ ان سے پیشقدمی کا دعوی کرنے لگے، تاہم عربون اور مسلمان سائنسدانون اور عالمون کے چند نمایان اور درخشان نام جن کا مغربی یورپ مین کوئی نظیر نہ تھا حسب ذیل ہین

جابر بن حیان، یعقوب بن اسحاق الکندی، الخوارزمی، الفرغانی ابوبکر زکریا الرازی، ثابت بن قرہ البتانی جنین ابن اسحاق ابونصر الفارابی، ابراہیم بن سنان، المسعودی، الطبری، علی بن عباس، ابوالقاسم الزہراوی، ابن الجزار، ابوریحان، البیرونی، ابن سینا، ابن یونس، ابومحمد الکرخی، ابن الہیثم، علی بن عیسی، ابوحامد الغزالی، الزرقانی، عمر الخیامی۔

جارج سارٹان کا یہ بیان، تاریخی واقفیت پر مبنی ہے کہ مغربی اور عیسائی اقوام علم وحکمت کے میدان مین مسلمانون سے کیون اسقدر پیچھے رہین اس کی وجہ روما کے اصول افادیت عامہ کے بعد دینی حمایت کے جذبہ کا پیدا ہونا ہے۔ ان پر عیسائی دینیات کا اتنا سخت تسلط ہوا کہ سائنس کے حقیقی احیاء کی کوئی امید نہ رہی، مغربی سلطنت کا روما کے عیسائیون اور مشرقی سلطنت کا رشتہ ٹوٹ گیا، اس کے برعکس مسلمانون نے یونانی، ایرانی، اور ہندی سرچشمون سے علوم کا کھوج نکالا، اس کے بعد تحقیق تفتیش اور مطالعہ سے نئی ایجادین کین، انھون نے اپنے امن کے دور مین ریاضی، ہیئت، کیمسٹری، سائنس، میکانیکی، تاریخ، جغرافیہ، حکمت، فلسفہ طب اور ہر حرب مین بلند سے بلند ایجادات اور تحقیقات پیش کین، اور یہ سلسلہ اس وقت تک رہا، جب تک انھون نے سائنس سے بالکل دستبردار ہوکر دینیات سے اپنا پورا تعلق قائم نہین کرلیا، تاہم مسلمان بارھوین صدی تک دنیا مین سائنس کے تنہا رہنما رہے اور سولہوین صدی مین سائنس سے بالکل بے تعلق ہوگیے۔

عربون نے اسلام لانے کے بعد علم، فن اور سائنس کی دنیا مین جو کارنامے انجام دیئے ہین، اس کا ذخیرہ جمع کرنے کے لیئے ایک مضمون قطعاً ناکافی ہے، ایک دو کتابین بھی کافی نہ ہون گی پھر کوئی ایک مصنف یا مؤرخ تنہا اس کام کو کر بھی نہین سکتا، تاہم عرب سائنسدانون کی ایجادون اور علم وتحقیق کے کارنامون کا مختصر سے مختصر تذکرہ بھی حسب ذیل الفاظ مین کیا جاسکتا ہے۔

(۱) فرنچ اکاڈمی کے صدر موسیو سیدیو نے اپنی تاریخ عرب (ب دوم فصل ۱) مین لکھتے ہین کہ عربون نے ایجادات کے میدان مین قدم رکھتے ہی فن کیمسٹری باقاعدہ ایجاد کیا، انھون نے معدنی دھاتون کا تحلیل وتجزیہ کرنے مین کامیابی حاصل کی اور یہ کام کانون کے اندر کیا گیا، جس سے بہت سے معدنی انکشافات ہوئے، گندھک اور پارہ نکالنے کی ترکیب، انھون نے دنیا کو بتائی، پانی کا تجزیہ

[۵] جارج سارٹان کی تاریخ کا یہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخیرہ ہاورڈ لائبریری کیمبرج میاچوسٹ مین محفوظ ہے۔

اور تحلیل ہو، دودھ کو پھاڑ کر طبی ضرورت کے مطابق استعمال کرنے کی ترکیب انھون نے پیش کی، الکحل کے جوہرون کا خمیرہ اٹھانے اور ایسی ہی دوسری کیمیاوی باتون کا انکشاف ابوموسیٰ جعفر کوفی کی تالیفات سے ہوا، جو آٹھوین صدی مین مشہور عالم ہوا ہے،

(۲) انسان کی عقلی طاقتون کے استعمال کا آغاز اگرچہ ارسطالیس سے ہوا ہے، مگر انسانی عقل سے باقاعدہ ایجاد کا کام لینا اور قیاسی باتون سے رائے قائم کر کے ریسرچ کے ذریعہ کسی نئی ایجاد کو بروئے کار لانا، عربون کا کارنامہ ہے، اس مادی دنیا کی حرکات اور غیر متناہی فضا کو سامنے رکھ کر نیچر اور قدرت کے رازون کا کھوج لگانا عربون کا کام ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ سائنسی ریسرچ کی بنیاد انھون نے رکھی"۔

اس زمانہ مین اس بحث کا موضوع زیادہ تر جڑی بوٹیون، قدرتی طور پر اگنے والے پودون اور جاندار چیزون سے متعلق تھا، عربون کے زمانہ مین اس سلسلہ مین اتنی ترقی ہوئی کہ ہر چیز کی اصلی قوت اور اس کی ایٹمی طاقت سے بحث ہونے لگی، ایک جوہری مادے کو دوسرے مادے مین تحلیل کرنے کا کام ایجاد ہوا، اہل عرب مکہ اور مسقط کے درمیان آباد تھے اور یہ جڑی بوٹیون کا علاقہ تھا، اس لئے ان کو اس صنف مین جڑی بوٹیون کی دریافت، نفع پہنچانے والے گوند، اور تریاقی اثر پہنچانے والے جواہر کو ایجاد کرنے کا موقع ملا، اور انھون نے یہ بھی معلوم کیا کہ دستکاریون، عبادتگاہون، اور شہری محلون کی آرائش کے لئے ان سے کام لیا جا سکتا ہے، طبی جوہرون کی دریافت جن کے بارے مین دیوسقوریدس اور مدرسہ اسکندریہ کے علماء کی مدح سرائی کی جاتی ہے، درحقیقت عرب سائنسدانون کی نئی ایجادہے" کیونکہ جوہری مادون کو کیمسٹری کے طریقے پر تحلیل کرنے کی لیبارٹریان پہلے پہل عربون ہی نے ایجاد کین، موجودہ فن دواسازی درحقیقت عرب ماہرین کیمسٹری کا ورثہ ہے، جب عربون کا عہد اقبال ختم ہوا تو جنوبی یورپ کے مدرسہ سالرنو نے اس میراث کو عربون سے لیکر دنیا کے سامنے پیش کیا،

(۳) عربون نے نئی جڑی بوٹیون کا خاصیتون پر ایک ایسا نیا ذخیرہ پیش کیا، جس سے یونانی بے خبر تھے، ریوند چینی، تخم تمر ہندی، تخم الملناس، ہلیلہ جات، سنا مکی، اور خوشبودار چیزون مین کافور، لونگ اور جائفل کا پتہ لگایا۔

انھون نے درختون مین نر اور مادہ کا فرق دریافت کیا، انھون نے طب مین شکر کے استعمال کی کامیابی کا راز ظاہر کیا، جس کی بنا پر آج یونانی اور ڈاکٹری مین شربت بنتے ہین، ابن سینا نے دیودار اور تارپین کے درختون کا پتہ دیا۔

(۴) عربون نے طبقات الارض اور زمین کی معلومات پر توجہ صرف کی، انھون نے قدرت کی تمام پیداوارون اور ان کی تمام شاخون کی تعلیم اور ریسرچ مین اپنا کام پورا کیا، آگ، پانی، ہوا، خلا، چاند، سورج، ستارے اور زمین کے طبقات کی تحقیق کی۔ یورپ کے مشہور محقق ڈاکٹر لیبل نے اپنی کتاب مین یہ لکھ کر انصاف کیا ہے کہ عرب علماء نے جیالوجی، علم طبقات الارض حاصل کیا، اور اس کو ترقی دینے مین سرگرم رہے، وساسی نے اپنی کتاب مین قزوینی کی کتاب کے کئی باب نقل کئے ہین، دمیری اپنی کتاب حیوۃ الحیوان کی وجہ سے یورپ کے عالم بوفون کا ہمسر قرار پایا۔

(۵) عربون نے زراعت کے آلات ایجاد کئے، اور وہی آلات یورپ کی زراعتی ترقی مین کام آئے، انھون نے اسپین مین

آبپاشی اور آب رسانی کے وہ طریقے ایجاد کیے جن پر آج تک یورپ میں عمل کیا جا رہا ہے۔

(۶) سرجری اور ڈاکٹری پٹیوں کا استعمال محمد بن زکریا رازی نے ایجاد کیا، رازی ہی نے چیچک اور خسرہ پر کتاب لکھی جو آج تک یورپ کے ڈاکٹروں کے سامنے وہی ہے، وہی اس نئے علاج کا موجد ہے، فن تشریح جو ڈاکٹری کی بنیاد ہے، اسکی طرف رازی نے دنیا کو توجہ دلائی

(۷) اسپین کا مشہور عالم ابوالقاسم خلف بن عباس فن جراحی اور سرجری کا اولین موجد ہے، یورپ کے علماء اس کو بوقاریس کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس نے سرجری کے آلات ایجاد کیے اور ان کے استعمال کی ترکیب بھی بتائی مثانہ کی پتھری نکالنے کے لیے آپریشن کی جگہ اسی نے مقرر کی، جس پر آج کل کے ڈاکٹر عمل کرتے ہیں، یورپ کے ڈاکٹروں نے پندرہویں صدی میں اس کی ایجادات سے فائدہ حاصل کیا۔ ابو مروان بن عبدالملک اندلسی نے فن جراحی میں تنفس کے دونوں شعبوں کو کھلے رکھنے کا فن ایجاد کیا، اس نے دل کے پردے میں اس سوزش کا پتہ لگایا جو دل کے فعل کو دو حصوں میں تقسیم کر کے زندگی کے لیے خطرہ پیدا کر دیتا ہے، اس نے اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے جوڑ بٹھانے کا طریقہ پہلے پہل ایجاد کیا، البیطار اندلسی نے معدنی چیزوں قیمتی پتھروں اور حیوانات کے طبی خواص کا انکشاف کیا، اور جالینوس کے غلط نظریوں کو صحیح کیا۔

(۸) فلسفۂ جدید عربوں کی ایجاد ہے، یورپ کی ابتدائی علمی تاریخ کے زمانہ میں، ان کے مدرسوں میں فلسفہ کی جن کتابوں کا سبق ہوتا تھا وہ تمام تر عرب فلسفیوں کی تصنیفات سے خوشہ چینی کے طور پر تالیف کی گئی تھیں۔

(۱۰) علامہ النظام نے مسئلۂ ارتقاء کا ایک نیا نظریہ پیش کیا، سند بن علی نے ٹکنالوجی میں کثافت اضافی اشیاء کی تعیین کی، المامون کے حکم سے زمین کی جسامت معلوم کی گئی۔

الفارابی نے سائنس کے اصول اور درجہ بندی پر لاطینی زبان میں اپنی ریسرچ کے نتائج پیش کیے جس کا عربی نسخہ ضائع ہو گیا، لاطینی نسخہ اب تک موجود ہے، المسعودی نے مظاہر سائنس کے سلسلہ میں ۳۰۳ھ کے زلزلۂ زمین، بحیرۂ فلسطین کے پانی کی خصوصیات اور معدنی تحقیقات اور ہوائی چکیوں کے متعلق اپنے نظریات پیش کیے، المنصور موفق نے ٹکنالوجی میں ریسرچ کی، اور معدنی چیزوں کی تیاری کا کھوج لگایا، الاصطخری نے دنیا کے سادہ نقشے میں پہلی مرتبہ ملکوں کو الگ الگ رنگ دینے کا طریقہ ایجاد کیا، ابن مسکویہ نے بین الاقوامی تاریخ کی تصنیف کا سلسلہ ایجاد کیا۔

(۱۱) دنیا کے ریاضی جغرافیہ میں عربوں کی اصلاحات ایجاد کے درجہ پر پہنچ چکی تھیں، یونانی عالم ایراتس تھینیس نے زمین کو بحر محیط اٹلانٹک سے دریائے گنگا تک گمان کیا، اس نے دریائے گنگا کو بر اعظم ایشیا کی آخری حد بتایا، اور آباد حصۂ زمین کو صرف ۷۰ ڈگری تک بتایا، علمائے تورات میں نے کہا زمین چوکور ہے، اور سید ور (؟) نے یہ عقیدہ قائم کیا کہ بیت المقدس زمین کے مرکز میں ہے، ہندوستان کے دودان گمان کرتے تھے کہ ہندوستان کا جزیرہ تمام دنیا کے سنٹر میں واقع ہے، مگر عرب علماء نے نقشہ نویسی (اٹلس) کے علم کو زندہ کیا، اور زمین کا طول البلد مقرر کر کے دنیا کے نقشے کو مکمل کیا، اس نقشہ سے عرب، خلیج فارس، ہند، عراق، ایران اور بحر روم کے ممالک کی تصحیح کی، حد بندی ہوئی، اس تجربہ میں ثابت ہوا کہ صنعاء یمن کے میدانی علاقوں میں نصف النہار کے

دوستی کرنے سے پہلے دوست کو دیکھ لو۔

ایک درجہ کا جو اندازہ ہوا ہے۔ وہ بطلیموس کے زائچوں کی غلطی درست کرنے میں مدد دیتا ہے۔

(۱۲) جب عربوں کے مقبوضہ علاقے دنیا میں پھیل گئے، تو انھوں نے چار بڑی تجارتی شاہراہیں ایجاد کیں، دو بری اور دو بحری شاہراہیں، یہ راستے شمالی افریقہ، مراکو اور الجزائر کے شہروں طنجہ اور فارس کو براعظم ایشیا کے انتہائی گوشے سے ملاتے تھے، ان میں سے ایک راستہ اسپین اور یورپ کے ممالک سے ہوتا ہوا بلخ اور بخارا اور چین کی سرحد تک جاتا تھا، دوسرا مراکو، مصر، شام، عراق، ایران، سندھ اور ہند کو ملاتا تھا، ایک بحری راستہ بحر روم سے گذر کر شام کے سواحل اور خلیج فارس سے گذرتا تھا، اور دوسری بحری لائن اسکندریہ اور بحر احمر سے بحر ہند کو جاتی تھی، ان بحری اور بری راستوں سے تمام دنیا کے تجارتی قافلے، کاروباری آدمی اور سیاح گذرتے تھے، ان ہی راستوں کی وجہ سے انسانی تمدن کے مختلف حصوں میں باہمی علاقہ پیدا ہوا، اور عربوں کو مفید معلومات اور ایجادات کا موقع ملا، عرب بحر اور بر میں اُن خطرات کو دریافت کر سکے، جو انسانی دنیا کو معلوم نہ تھے، اس طرح انسانیت کا قافلہ تباہی کے خطروں سے بچ گیا،

(۱۳) علامہ مارین صوری نے علم جغرافیہ میں اپنا یہ فیصلہ دیا کہ روئے زمین پر ابھی بہت سے نامعلوم براعظم پوشیدہ ہیں، اور انسانی دریافت کے محتاج ہیں، امریکہ، آسٹریلیا اور حال میں انٹارکٹیکا کی دریافت کا سہرا بطلیموس کی انتہائی رہنمائی اور مارین صوری کی دریافت پر منحصر ہے، یہ صرف اس لیے ممکن ہو سکا کہ عرب علماء نے بطلیموس کے نقشے کو درست کرکے دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ہمت کی،

(۱۴) ۲۰ھ میں حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر نے قدیم بحر قلزم کو از سر نو درست کیا، جس کے ذریعے دریائے نیل بحر احمر میں جاکر گرتا تھا، انھوں نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ خاکنائے سوئز کو کاٹ کر نہر سوئز بنا دی جائے۔ مگر فاروق اعظمؓ نے اس بارے میں امتناعی حکم جاری کر دیا، اور لکھا کہ مکہ، مدینہ تک رومیوں کا راستہ نہ کھولا جائے۔

(۱۵) عربوں نے علم ہندسہ، حساب، جبر و مقابلہ، روشنی اور نظر کی رفتار کے متعلق علوم و فنون کو اپنی ایجاد سے چار چاند لگا دیئے، اور میکانیکل ترقی کی راہ کھولی، انھوں نے جبر کو ہندسے سے مطابقت دی، جن کے آلات کے متعلق ہیروں کے نظریوں کو جانچا، اور ہوا کو خالی کرنے اور پانی اٹھانے والے آلات کے متعلق اسکندریہ کے عالم فیلیزی بوس کے نظریوں کو اپنی تشریحات سے مکمل کیا، ابن عطیم نے آتشی شیشوں میں نظر کی سیدھی رفتار اور اسکی عکس فگن خصوصیت کو تحقیق کر کے اوروں کو بتایا، خازن نے روشنی اور نظر کی رفتار پر کتابیں لکھیں، خمدار آئینوں میں صورت کے محل وقوع کی حکمت بتائی، البتانی نے مثلثوں کی توسوں کی پیمائش کا اساسی قانون دریافت کیا، اس کے بعد ابن یونس نے اور خطوط ایجاد کئے اور ابوالوفا نے ایسے نظریئے پیش کئے جو علم فلک کے ایسے الجھے ہوئے معموں کو حل کر سکیں، جو کرہ پر منطبق ہوتے ہیں، ابوالحسن علی نے سورج کا محل وقوع، اس کا انحراف اور میقات کی بلندی کا حساب ایجاد کیا، دسویں صدی کے عالم محمد بغدادی نے ہر شکل کو مفروضہ اعداد کی بنا پر باہم کے اجزاء پر تقسیم کے لیے بائیس قضیئے ایجاد کیے۔

(۱)، علامہ ادریسی نے چاندی کی گول تختی تیار کی جس کا وزن ۴۰۰ تولہ تھا، اس تختی پر عربی زبان میں تمام دنیا کا نقشہ کھودا گیا تھا، اور ایک رسالہ اس کے ساتھ تھا، یورپ کے کالجوں میں ساڑھے تین سو سال تک ادریسی کی جغرافیائی تحقیقات چھائی ہوئی تھی، البیرونی نے جب اپنا نظریہ اور نقشہ پیش کیا تو دنیا کے نقشے میں مرکز اور مشرق کی حقیقت بدل گئی،

علامہ ابوبکر محمد بن زکریا الرازی نے نویں صدی عیسوی کے آخر میں میڈیکل سائنس کی نئی بنیاد رکھی، رازی اپنے دور میں طب، کیمسٹری اور طبیعات کا سب سے بڑا ماہر تھا، بعد میں آنے والے یا بیر و کیمسٹری کا جد اعلیٰ خیال کیا جاتا ہے، اس نے جالینوس اور بقراط کے عقلی علوم کو تازگی بخشی، رازی کی کتاب چیچک اور خسرہ میں پہلا ڈاکٹری شاہکار ہے، نسوانی امراض حمل، تولد، اور آنکھوں کی بیماریوں پر رازی کے تجربات ساری دنیا کے لیے ہدایات کا مرتبہ رکھتے ہیں،

ابومنصور الموفق کیمیاگری کی سائنس ڈکشنا لوجی کے سلسلہ میں میٹیریا میڈیکا ایک قیمتی کتاب لکھی، جس میں کانوں کی پیداوار اور معدنی اشیاء کی تیاری، اور خواص پر وافر معلومات دی گئی تھیں، انجمن اخوان الصفا نے سائنس اکاڈمی کی حیثیت سے ۵۰ رسالے مرتب کیے جن میں سے ۱۴ ریاضی سے متعلق ہیں، سترہ فطری سائنس د مابعد الطبیعات، گیارہ روحانیت اور فلکیات سے۔

ان کتابوں میں اعداد کے پوشیدہ نکات میجک اسکوائرز، جادو کے مربعات اکیاسی اعداد تک، عددی درجہ بندیاں، فطری مظاہر، سمندر کا اتار چڑھاؤ، زلزلہ، چاند گہن اور سورج گہن، ہوا کے ارتعاش، آواز کی پیدائش، ایک وقت میں بہت سی آوازوں کی علیحدگی، کے متعلق سائنسی تحقیقات پیش کی گئی ہیں،

مطہر بن طاہر نے دسویں صدی عیسوی میں تکوین عالم کی تاریخ لکھی، الخوارزمی نے مفتاح العلوم ترتیب دی، ابن مسکویہ نے تہذیب و تمدن، و تاریخ اخلاقیات پر کام کیا، ابومنصور موفق ہروی ؒ نے چار سو چھیاسٹھ دوائیاں نباتات سے اور ۷۵ دوائیاں معدنیات سے ۴۴ دوائیں حیوانات سے حاصل کیں اور ان کی تحقیق کی، اس نے اشیاء کے تجزیہ کا راز بھی بتایا، الموفق کو سوڈیم کاربونیٹ، پوٹاسیم کاربونیٹ میں فرق معلوم تھا، وہ تانبے اور سیسے کی زہریلی تاثیر بھی جانتا تھا۔ بے بجھے چونے سے بال اڑانے کی خاصیت پر بھی عبور تھا،

یہ سن کر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ وہ جراحی میں پلاسٹر آف پیرس کی شے کی تعریف بھی جانتا تھا اور اس کے استعمال سے اچھی طرح واقف تھا۔

مغربی یورپ کا سب سے بڑا علمی رہنما اسلامی اندلس کا پہلا شاگرد تھا، اس نے ریمز کے دار العلوم کو ترقی دی ۹۹۹ء میں پوپ سلوسٹر دوم کے نام سے پاپائے روم منتخب ہوا،

مسلمان علم و سائنس کی خدمت کی راہ میں نہ تو متعصب تھے نہ تنگ نظر نہ غیر روادار، الحکم ثانی کا دربار ہی ڈاکٹر حسدے

(۱) اس مضمون کی تالیف میں دوزی، آرنلڈ، امیدیو، حتی اور حیدرآباد اکاڈمی کے عبد الرحمٰن خان سے مدد لی گئی ہے۔

بن شاپرات یہودی تھا، جس نے علم کی بڑی خدمت کی۔ اسی رواداری کا نتیجہ تھا کہ یہودی قوم بابل چھوڑ کر اسپین میں جا بسی،
مسلمانوں نے سریانی، لاطینی، پہلوی، سنسکرت زبانوں کے علوم کو اپنی آزادانہ اور روادارانہ کوششوں سے وسیع کیا، بطارقہ اور نسطوری عیسائی، ایرانی اور بابلی یہودی، اور ہندوستانی ہندو، علم اور سائنس کے میدان سب ان کے ساتھی تھے، انھوں نے یحییٰ ابن سیرافیون دمشقی عیسائی سے سریانی میں کام لیا، رازی نے اپنی معلومات میں یونانی اور ہندو مصنفین کی تحریروں سے استفادہ کیا، نسطوری عیسائی ابوزید حنین المامون کا درباری طبیب مقرر ہوا اور اسے عربی اور سریانی ترجموں کا ریسرچ کا کام سپرد کیا گیا، قدامہ پہلے عیسائی تھا ——— پھر مسلمان ہو گیا، اس نے راستوں پر کتاب لکھی، جو اپنے مذہب پر قائم رہے، ان پر کسی نے جبر نہیں کیا، الموفق نے طب میں ہندی اجزاء کی مطابقت پر جان لڑائی، بھولنا نہ چاہیے کہ واسکوڈی گاما نے ۱۴۹۸ء میں بحری علم تنا کے سمندری نقشے سے اپنے سفر میں مدد لی تھی، ہوز بوقرق نے خلیج فارس کے بحری سفر میں عمر العربی کے نقشے کو رہنما بنایا تھا، اس نمایاں اور گراں بہا رواداری کے بعد مسلمان علم اور سائنس کی میراث کو موجودہ سائنسدانوں تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

ڈاکٹر ٹی ڈبلیو آرنلڈ علم اور اخلاق کے اسی مرحلے پر یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔

> سلامتی اور صلح کل پالیسی کی بنا پر عیسائیوں کو روما کی مسیحی حکومت کے مقابلہ میں مسلمانوں کے اندر زیادہ کشش نظر آئی۔ (آرنلڈ باب ۳)

نامور فرانسیسی عالم موسیو سیدیو نے بیس سال کے علم و تحقیق کے بعد عرب مسلمانوں کے متعلق جو فیصلہ دیا وہ یہ تھا۔

> عربوں نے ظہور محمدی قدسی کے نتیجے میں ایک وسیع مملکت قائم کی جس کی سرحدیں اسپین کی سرتاج سے ہندوستان کی نہر گنگ تک پھیلی ہوئی تھیں، انھوں نے ایشیا اور یورپ میں اس وقت علم اور سائنس کا اجالا پھیلایا جب یورپ میں جہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، عباسیوں نے بغداد میں، امویوں نے دمشق میں، فاطمیوں نے قاہرہ میں علم اور سائنس کو اجاگر کیا، ان کے پاس سائنسی اور صنعتی تحقیقات کا جو ذخیرہ تھا اس سے عیسائیوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ (سیدیو تاریخ عرب مقدمہ مصنف)

ماضی اگر مسلمانوں کی فتوحات پر گواہ ہے، تو حال خاموش نہیں، ہماری جمہوریہ کے نائب صدر رادھا کرشنن صاحب ایک طرف رواجی مذہب کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں، دوسری طرف مذہب اسلام کے متعلق علی الاعلان ارشاد فرماتے ہیں۔

> اسلام نے دنیا کو بہت کچھ دیا ہے، قرون وسطیٰ کی تاریخ یہ ثابت کرتی ہے، یورپ میں علم اور سائنس کا احیا مسلم سائنسدانوں کی بدولت ہوا۔ (۲۵ دسمبر شیعہ کانفرنس میں تقریر)

رادھا کرشنن بجا طور پر کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں علمی جمود پیدا ہو گیا ہے، رات کے اس اندھیرے کو نور سحر سے تبدیل کرنا ہو تو یہ نور سحر قرآن ہے، اور وہ قرآنی علوم ہیں، جن میں انسان کو پہلا حکم علم کے متعلق دیا گیا ہے، جس نے عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ

ہر سانس ایک مستقل زندگی ہے

یقِّنَہ کا نعرہ لگایا، یعنی انسانوں کو وہ علم دیا گیا جس سے وہ محروم تھا، اسی قرآن کے سایہ میں پیغمبر قرآن سردار کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمانِ وقت جاری فرمایا کہ

"علم ایک فریضہ ہے مرد ہو یا عورت سب کے لئے"

یہ قرآن ہی تھا جس کے ربانی الہامات میں بار بار بڑی مسرت سے انسان کو بتایا گیا،

افسوس انسانی اکثریت علم سے محروم ہے،

اللہ کا فرمان ہوا کہ اللہ کے نام سے پڑھنا شروع ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا کہ پڑھتے پڑھتے دنیا کی سرحدوں تک چلے جاؤ، خواہ چین تک جانا پڑے، کیا اُمت اللہ اور اُس کے رسول کے فرمانوں کو سن رہی ہے — ؟

دیکھئے اس سوال کا جواب کب ملتا ہے!

(بقیہ ص ۲۰)

تھیں۔ مگر انھوں نے نہ کسی گرلز اسکول میں تعلیم پائی تھی نہ کسی کالج میں۔ انھوں نے اپنے ہی خاندان کی بڑی بوڑھیوں سے تعلیم پائی تھی۔

بہرحال زمانہ مسلمانوں کو پھر بیدار کررہا ہے۔ ان کا عہد ماضی ان کے مستقبل کے لئے بہترین درس ہے وہ اس سبق کو ازسرنو یاد کریں۔ اور بنیادی مذہبی تعلیم کا فرض ادا کرنے کے لئے چست گام ہوجائیں گے۔ وہ پھر سیل رواں بن سکتے ہیں، جسکو نہ کوئی مصنوعی بند روک سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی چٹانیں اسکی روانی کے لئے سد راہ بن سکتی ہیں۔

اعلان

البلاغ کا یہ شمارہ دسمبر ۵۴ء جنوری فروری ۱۹۵۵ء کیلئے ہیں خریدار حضرات نوٹ فرمائیں کہ اگلا پرچہ مارچ میں شائع ہوگا

اعوذ باللہ القادر من الشیطن الرجیم　　بسم اللہ التواب المحسن الرحمن الرحیم

۱۹۵۵ء　　۱۳۷۴ھ

پُر مسرت پیغام

۱۹۵۵ء

بلمس آلی انامل الحاج احمد غریب صاحب اطال اللہ بقاءہ

۱۹۵۵ء

جنرل سکریٹری نیاک اساس علمی و دینی کنونشن بمبئی

۱۹۵۵ء

بتمام و کمال ملاحظہ فرمائیں!

۱۹۵۵ء

اے محبت کے ستوں، اے پیکر ایثار خو　　اے ضیائے اسم احمد حاجی احمد غریب
انجمن حجاج کے خدام کی تیرا شجر　　پرتو اسلاف امجد حاجی احمد غریب
قابل تحسین محی الدین، مدیر "البلاغ"　　تو معاون اس کا اجود حاجی احمد غریب
تیرے سینے میں تڑپ ہے دین کے ناموس کی　　جذبہ تیرا کارآمد حاجی احمد غریب
یہ فروغ دین کی کوشش تری مشکور ہے　　خلق ہے مسرور بیحد حاجی احمد غریب

بزم استقبالیہ کے کارفرما زندہ باد
خادم دین محمد، حاجی احمد غریب

از جانب زاویہ نشین نسیم دھلوی تاریخ گو!

۱۹۵۵ء

مسلمانوں کے طبقے اور پیشے میں

علم دین اور علمائے دین

از :- قاضی اطہر مبارک پوری

اسلام نے علم پر جس قدر زور دیا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے تمام طبقوں اور حلقوں میں علم ہمیشہ سے پھلتا پھولتا رہا ہے اور جو قومیں اور نسلیں اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئیں، وہ علم کے فیض سے بھی پوری طرح فیضیاب ہوئیں، چرواہوں نے چراگاہوں کو حکمت و معرفت کا مدرسہ بنا دیا، کاشتکاروں نے زمین پر علم و فضل کی کاشتکاری کا کاروبار جاری کیا، کارخانہ داروں اور فیکٹری والوں نے اپنے اور اپنے متعلقین کو علم دین کے سانچے میں ڈھال دیا، مزدوروں نے محنت مزدوری کے ساتھ ساتھ علم کے بارے میں ہمیشہ مخدومی کا شرف حاصل کیا، صناعوں اور کاریگروں نے صنعت اور حرفت اور دستکاری و فن کے جھمیلوں کو قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے معمور کر دیا، تاجروں نے اپنی بازار کی دکانوں کو علم دین کی نشر گاہ بنا لیا، غرض کہ مسلمانوں نے کوئی پیشہ کیا، کوئی روزگار کیا، کوئی تجارت کی، کوئی دستکاری کی، مگر وہ علم دین سے ایک دن کے لئے بھی الگ نہ ہوئے اور اپنے کاروبار کے ساتھ ساتھ علمی کاروبار میں برابر مشغول رہے، انھوں نے اپنی زندگی سے ثابت کر دیا کہ ایک مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے اور علم دین اور کاروبار میں کوئی تضاد نہیں ہے، اور جہاں تک دین کے بنیادی اصولوں اور بنیادی عبادات واعمال کے علم کا تعلق ہے وہ ہر مسلمان کی زندگی کا جزو لاینفک ہے،

ہم اس مضمون میں چند پیشوں کے ان علمائے دین کے نام اور مختصر حالات پیش کرتے ہیں جن کی ذات پر اور جن کے علم پر قیامت تک اسلام اور علوم اسلام کو ناز رہے گا، اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور سے ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اسلام میں رزق حلال کے لئے حلال پیشہ کرنا انسانی تفریق کا باعث نہیں ہے اور کسی کا کوئی صنعت و حرفت کرنا اس کے لئے کوئی اصطلاحی قومیت پیدا نہیں کرتا، اسلام میں پیشہ کی حقیقت وسیلۂ رزق سے زیادہ نہیں ہے، چاہے وہ کسی خاندان میں زمانہ دراز سے ہو، چاہے چند دنوں سے ہو،

چرواہوں میں علم اسلام نے علم دین کو اس قدر عام کیا ہے کہ شہر کے صناعوں اور کاریگروں سے لیکر دیہات کے کاشتکاروں اور چرواہوں تک میں اس نے علم کا ذوق پیدا کر دیا، اور شہر و قریہ کے فرق سے بالاتر ہو کر ہر گھر میں علم کی روشنی

پہنچا‌تی یہی وجہ ہے کہ جان شہروں کے فارغ البال اور خوشحال مسلمان علم میں مصروف رہا کرتے تھے وہاں گاؤں کے لوگ بھی اپنے کاموں کے ساتھ علمی کام کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی امی ہونے کا روشن کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں علم کا ذوق اس قدر عام فرما دیا تھا کہ اونٹوں کے چرواہے میدانوں اور ریگستانوں میں اپنے اونٹوں کے گلے بھی چراتے تھے اور ساتھ ہی دینی علوم کی تحصیل بھی کرتے جاتے تھے چنانچہ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کا قول ہے،

قَالَ مَا كُلُّ الْحَدِيْثِ سَمِعْنَاهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحَدِّثُنَا أَصْحَابُنَا وَكُنَّا مُشْتَغِلِيْنَ فِيْ رِعَايَةِ الْإِبِلِ[۱]

ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ساری حدیثیں نہیں سنی ہیں، بلکہ ہمارے دوست احباب انھیں ہم سے بیان کیا کرتے تھے اور ہم لوگ اونٹوں کے چرانے میں مشغول رہا کرتے۔

گویا مسلمانوں نے علم کی روشنی سے عہد رسالت ہی میں ریگستانوں اور چراگاہوں کو اسلام کی کھلی یونیورسٹی بنا دیا تھا، اور چرواہے اس میں تعلیم حاصل کرتے تھے، اندازہ کرو کہ مسلمانوں نے علم دین کی کس قدر ضرورت سمجھی تھی، اور دین کی بنیادی باتوں کو ہر مسلمان کے دل میں ڈالنے کے لئے کیا کیا جتن کئے تھے اور مسلم چرواہوں نے بھی دنیا میں علمی زندگی اور علمی ذوق کا کتنا اونچا معیار قائم کیا تھا۔

کسانوں میں علم

عہد رسالت ہی میں کھیتی باڑی اور باغ باغیچے اسلامی مکاتب و مدارس بن گئے تھے اور ان میں کام کرنے والے اور ان کے مالک اپنے ذاتی کام کے ساتھ ساتھ علمی کام بھی کیا کرتے تھے، گویا انھوں نے اپنی جائیداد اور زمین کی داشت اور کاشت کے ساتھ علم دین کی داشت اور کاشت کا ذمہ بھی لے لیا تھا، مدینہ میں صحابہ کرام جس شان سے کھیتی باڑی کرتے تھے اسی شان سے تعلیمی کام بھی کیا کرتے تھے اور ان حضرات نے ایسی ترکیب نکالی کہ نہ کھیتی باڑی کے کام میں رکاوٹ ہو اور نہ دینی تعلیم میں حرج واقع ہو، انھوں نے اپنے کچھ ایسے آدمی مقرر کئے تھے جو باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش ہوا کرتے تھے اور وہاں سے واپس آکر آپ کی حدیثیں بیان کر دیتے، اس طرح ہر آدمی کو بارگاہ رسالت میں باری باری سے شرف باریابی کا موقع بھی ملتا اور کھیتی کا کام بھی نہ رکتا۔ اور پھر مذہبی تعلیم میں بھی کسی قسم کی کوتاہی نہ ہوتی، حضرت براء ہی کی روایت ہے کہ

لَيْسَ كُلُّنَا سَمِعَ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَنَا ضَيْعَةٌ وَأَشْغَالٌ وَلٰكِنَّ النَّاسَ كَانُوْا لَا يَكْذِبُوْنَ يَوْمَئِذٍ فَيُحَدِّثُ الْغَائِبَ الشَّاهِدُ[۲]

ہم میں تمام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث براہ راست آپ سے نہیں سنتے تھے کیونکہ ہمارے پاس زمین اور جائداد اور دوسرے کام رہا کرتے تھے بلکہ صورت یہ تھی کہ اس وقت لوگ جھوٹ نہیں بولتے تھے اور بارگاہ رسالت کے حاضر باش، غائب کو حدیث پہنچا دیا کرتے تھے

اس تصریح سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام نے کس سادگی اور کس آسانی سے علم دین کو مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دیا تھا، اور وہ

---

[۱] المستدرک حاکم کتاب العلم جلد ا ص ۹۵ طبع حیدرآباد [۲] المستدرک حاکم کتاب العلم جلد ا ص ۱۲۷

اپنی کھیتیوں کی طرح اپنے علم کی بھی آبیاری میں رات دن لگے رہتے تھے اور جس طرح ان کے کھیت ہرے بھرے اور سرسبز ہوا کرتے تھے اسی طرح ان کی علم کی کھیتی ان کے دلوں میں سدا بہار رہا کرتی تھی،

کارخانہ داروں میں علم | جو مسلمان خاندان بڑی بڑی فیکٹریوں اور کارخانوں کے مالک ہوتے تھے، اور جن کے یہاں سالانہ لاکھوں کروڑوں کا دارا نیارا ہوتا تھا اور صدہا آدمی کاروبار کرتے تھے وہ خاندان جس طرح اپنی صنعت میں نسلاً بعد نسل روایت رکھتے تھے اسی طرح دینی علوم وفنون میں بھی ان کی شہرت تھی، اور دنیا ان کا لوہا مانتی تھی،

چنانچہ پانچویں صدی ہجری کے لگ بھگ شہر "مرو" میں ایک علمی خاندان "دیوکش" کے نام سے مشہور تھا، اس خاندان میں ریشم کے کیڑوں کی پرورش کر کے اس سے خام ریشم تیار کیا جاتا تھا، اور مرو شہر اور اس کے باہر جاتا تھا، یہ خاندان بہت بڑا علمی خاندان بھی تھا

"دیوکش" خاندان کے بارے میں علامہ سمعانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں،

هذه النسبة لبيت مشهور من العلماء بمرو   دیوکش مرو شہر میں علماء کا بہت ہی مشہور گھرانا تھا.

پھر لکھتے ہیں کہ ان کو "دیوکش" اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لوگ ریشم کا کاروبار کرتے ہیں اور ریشم کے کیڑوں کو دھوپ میں سکھا کر ان سے ریشم نکالتے ہیں، عجمی زبان میں کیڑوں کو "دیو" کہتے ہیں، اس گھرانے کے مشہور علماء میں ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن دیوکش ہیں.

كان فقيهًا، عالمًا، صالحًا، ... حسن السيرة   آپ بہت بڑے فقیہ اور عالم اور نیک تھے آپ کے اخلاق بہت عمدہ تھے

. . . .

انھوں نے حدیث کا سماع احمد بن منصور بحری کے بیٹوں ابو احمد عبدالرحمٰن اور ابو محمد عبداللہ سے کیا تھا، اور ان سے میرے والد (علامہ سمعانی کے والد) نے حدیث سنی ہے، نیز ابو طاہر محمد بن محمد بن عبداللہ سنجی اور ابوبکر عتیق بن علی غازی قاری وغیرہ نے روایت کی ہے ۴۸۰ھ کے حدود میں ان کا انتقال ہوا، ان کے بیٹے محمد بن عبداللہ دیوکش بھی بڑے عالم تھے، ان سے میں نے یہ واقعات بھی سنے ہیں[1]

باربرداری اور مزدوروں میں علم | حمّال وہ لوگ ہوتے ہیں جو دوسروں کا بوجھ لے آتے لے جاتے ہیں اور باربرداری کا کام کرتے ہیں، بازاروں سے گھر اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لوگوں کے مال اور سامان مزدوری پر پہنچاتے ہیں، ان حضرات میں بھی بیشمار علماء، فقہاء اور محدثین گذرے ہیں، اور دنیاوی سامانوں کی طرح علم دین کا بوجھ بھی ان حضرات نے پوری طرح اٹھایا ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا ہے، چند حضرات کے نام یہ ہیں،

---

[1] کتاب الانساب سمعانی طبع یورپ فوٹو ورق ۲۲۳، علامہ سمعانی کی یہ کتاب بہت ہی نادر اور عجیب کتاب ہے، مستشرقین یورپ نے اسے تلاش کر کے ہزاروں صفحات پر فوٹو کے ذریعہ چھپوایا ہے، ابنائے مولوی محمد بن غلام رسول السورتی تجار الکتب جامع مسجد بمبئی کی علم دوستی کی بدولت ہمیں اس کتاب سے استفادہ کا موقع ملا ہے،

شیخ ان حمال، آپ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کی ہے،

ابو موسیٰ ہارون بن عبد اللہ بن مروان حمال، آپ بہت بڑے محدث تھے،

موسیٰ بن ہارون حمال، آپ کے لڑکے ہیں، آپ پہلے بزازی کا کام کرتے تھے،

وصار یحمل الاشیاء بالاجرۃ ویاکل منھا۔ — پھر بعد میں لوگوں کے سامان کی باربرداری اجرت پر کرتے تھے اور اسی سے کھاتے تھے،

آپنے حضرت سفیان بن عیینہ، سیار بن حاتم، معن بن عیسیٰ، روح بن عبادہ، ابو عاصم نبیل، ابو عامر عقدی، عبد اللہ بن نمیر وغیرہ سے روایت کی۔ اور آپسے آپکے لڑکے موسیٰ، مسلم بن حجاج، ابراہیم حربی، امام نسائی، ابوزرعہ، ابو حاتم رازی وغیرہ نے روایت کی ہے، امام ابراہیم حربی کا قول ہے کہ

کان ھارون بن عبد اللہ صدوقا لو کان الکذب حلالا لترکہ تنزھا — ہارون بن عبد اللہ حمال اس قدر سچے تھے کہ اگر جھوٹ بولنا بالفرض حلال بھی ہوتا تو بھی آپ جھوٹ نہ بولتے،

آپنے ۲۴۳ھ میں انتقال فرمایا،

ابوعمران موسیٰ بن ہارون حمال امام فی علم الحدیث۔ آپ علم حدیث میں امام تھے، اور شعبان ۲۹۴ھ میں فوت ہوئے،

رافع علی حمال فقیہ تھے، مکہ مکرمہ کے جوار میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور وہیں انتقال فرمایا، آپ بہت بڑے عابد و زاہد تھے

ابو اسحاق شیرازی اور ابویعلی فراء نے آپ ہی کی بدولت فقہ و حدیث میں امامت کا درجہ پایا، آپ مزدوری کر کے جو کچھ پاتے ان میں سے ان دونوں حضرات کو بھی دیتے اور وہ پڑھتے تھے، لانہ کان یحمل وینفق علیھما (وہ باربرداری کرکے ان دونوں پر خرچ کرتے تھے)[1]

جوتا بنانیوالوں میں علم

اسلام نے علوم و معارف دینیہ کو اس قدر پھیلایا کہ بظاہر معمولی کام کرنیوالے دین کے زبردست عالم ہوئے ہیں، اسلام نے جوتا بنانے والوں، اور موچیوں تک کو علم و فضل کی مسند پر جلوہ گر کیا ہے، اور ان حضرات نے بھی اسی طرح علم حاصل کیا ہے جس طرح ایک مسلمان کو حاصل کرنا چاہیئے، موچیوں نے علم دین اور قرآن و حدیث کی ترویج و اشاعت میں کسی سے کم حصہ نہیں لیا ہے، عربی میں جوتا بنانے والوں کو حذار کہتے ہیں، انھوں نے وقت کے مستند اور جید علماء سے علوم حاصل کیئے، اور ان سے بڑے بڑے علماء نے علم حاصل کرکے اپنی تکمیل کی ہے،

حَذَّاءُ ھٰذِہٖ النِّسْبَۃُ الی حذو النعل وعملھا وھُمْ جَمَاعۃ۔ — حذار کی نسبت جوتا بنانے کی طرف ہے، علماء کی ایک جماعت حذار ہے،

۱ ان میں سے چند مشہور حضرات کے نام یہ ہیں،

---

[1] کتاب الانساب ورق ۱۶۴

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن معاویہ خذار، آپ واسط کے رہنے والے ہیں، اور آپ کا لقب جبل ہے،

جابر حذار، آپ نے ابن عمر بصری سے روایت کی ہے، اور آپ سے محمد بن سیرینؒ تابعی جیسے جلیل القدر عالم دین نے حاصل کیا ہے

محمد بن سالم خذار واسطی، آپ کا لقب حمدان ہے،

کثیر بن عبید حمصی حذار، آپ بھی مشہور محدث اور فقیہ ہیں،

ابو عقیل یحییٰ متوکل حذار مدینی، آپ ۱۹۷ھ میں فوت ہوئے،

ابو اسحاق عاصم بن سلیمان تمیمی خذار البصریؒ[۱]،

ان حضرات کے علاوہ بھی بہت سے علمائے دین ایسے گذرے ہیں جو موچی تھے، مشہور محدث خالد خذار خود موچی نہیں ہے بلکہ اس لقب سے مشہور رہے، خدا شاہد ہے کہ ان خدار علماء نے دین کی شاہراہ پر چلنے کی لئے کیا کیا جتن کیے، اور مسلمانوں کے پائے عزم و ثبات کی استقامت و استواری کے لیے کیا کیا خدمت انجام دی، حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے انسانی شرف و برتری کو ہر ہر طبقہ اور ہر ہر پیشہ سے اجاگر فرمایا، اور دنیا کو دکھایا کہ نسل اور پیشہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اصل چیز اسلام ہے، خدا کی دی ہوئی استعداد اور صلاحیت ہے،

مٹھائی بنانیوالوں میں علم

حلوائی کے متعلق علامہ سمعانی لکھتے ہیں،

هذه النسبة الى عمل الحلو وبيعها۔   حلوائی کی نسبت شیرینی بنانے اور بیچنے والوں کی طرف ہے

ہمارے یہاں بھی جو لوگ مٹھائی کا کاروبار کرتے ہیں ان کو حلوائی کہا جاتا ہے،

اسلام میں شیرینی بنانے اور فروخت کرنے والوں نے دین و دیانت کی شیرینی بنانے کا بھی اہتمام کیا ہے، اور انھوں نے روح کے لیے علم و فضل کی مٹھائی تیار کی ہے۔

ان میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں،

ابو محمد عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح حلوائی، آپ کا لقب شمس الائمہ (اماموں کے آفتاب) ہے، آپ حنفیہ میں بہت بڑے امام ہیں اور شمس الائمۃ حلوائی کے لقب سے مشہور ہیں، ۴۵۶ھ میں کش میں انتقال فرمایا، اور بخارا لیجا کر دفن کیے گئے،

محمد حلوائی، آپ بہت بڑے محدث تھے، علامہ سمعانی لکھتے ہیں،

شيخ، عالم، بانواع العلوم معظم للحديث   آپ بہت بڑے شیخ وقت اور مختلف قسم کے علوم کے

---

[۱] کتاب الانساب ورق ۱۹۰،

واهل الحديث امتاث اِنَّه صاحب حديث في الباطن من تعظيم الحديث غير انه يفتي علٰى مذهب العراقيين ۔	عالم ہیں، حدیث اور محدثین کی بڑی تعظیم کرتے تھے، مجھے اس میں شک بھی نہیں کہ آپ درحقیقت حدیث پر چلنے والے تھے، البتہ فتویٰ علمائے کوفہ یعنی حنفیہ کے مسلک پر دیا کرتے تھے،

آپ نے کش میں وفات پائی،

ابو المعالی عبد اللہ بن احمد بن محمد حلوائی، آپ مرو کے رہنے والے ہیں، اپنے کو تبرّاز لکھا کرتے تھے، فقیہ، عالم، حافظ، آپ نے ۵۳۳ھ میں وفات پائی،

ابو المحاسن عبد الرحیم بن عبد اللہ حلوائی، ہمارے (علامہ سمعانی کے) قدیم دوستوں میں ہیں، میں نے ان سے مرو اور بلخ میں احادیث کا سماع کیا ہے[1]

مسلمان مٹھائی بنانے والوں نے اپنے اور اپنے بھائیوں کے لیے صرف شکر اور دودھ کی مٹھائی ہی نہیں بنائی اور کھلائی بلکہ انھوں نے علم اور عمل کی وہ شیرینی تقسیم کی ہے، جس کی لذت سے اسلام کی حلق ہمیشہ مزہ لیتی رہے گی، اور اس کی تمنا کرتی رہے گی،

آٹا پیسنے والوں میں علم | طحّان ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کے یہاں آٹا پیسنے کی چکی ہوتی ہے، اور وہ دوسروں کے آٹے پیستے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلم طحّانوں میں ایسے ایسے فضلائے روزگار اور یکتائے زمانہ علماء کو پیدا کیا ہے، جن کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں ہے، ایک طرف ان کی چکیاں لوگوں کے لیے آٹے تیار کرتی تھیں، اور دوسری طرف ان کے پیسنے والے علم دین کی دولت میں مصروف رہتے تھے، ان حضرات میں سے چند کے نام یہ ہیں،

ابو موسیٰ حبیب بن صالح طحّان، آپ علمائے شام میں شمار ہوتے تھے، آپ نے یزید بن شریح سے روایت کی، اور آپ سے جریر بن عثمان، ابو نعیم نے روایت کی ہے،

خالد بن عبد اللہ طحّان واسطی، آپ نے حمید طویل، ابو عثمان الصحبی، عزاک بن مالک، مشکان بن ابی عمر، راشد بن سعد سے روایت کی ہے، اور آپ سے قتیبہ بن سعید، عمرو بن عون، سعید بن منصور، سعید بن سلیمان وغیرہ نے روایت کی ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے :-

كان خالد الطحان ثقة صالحًا في دينه بلغني انه اشترى نفسه من الله عزوجل ثلاث مرات، وكان خالد احب الينا من هشيم	خالد طحّان نہایت ثقہ اور دینداری میں صالح تھے، مجھے خبر لگی ہے کہ انھوں نے اپنے کو تین مرتبہ اللہ کے ہاتھ فروخت کیا ہے، خالد ہمارے نزدیک ہشیم سے زیادہ محبوب (الخ)

[1] کتاب الانساب ورق ۱۷۳

خالد طحان نے ۱۸۲ھ یا ۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا،

ابو یزید رستم طحان، کوفہ کے تابعی ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اُن سے خالد بن مخلد نے روایت کی ہے،

ابو نعیم ضرار بن صرد طحان آپ علمائے کوفہ سے ہیں معتمر اور دراوردی سے روایت کرتے ہیں،

کان فقیھاً، عالماً بالفرائض — ابو نعیم بہت بڑے فقیہ اور فرائض کے عالم تھے،

ان کے علاوہ کئی طحان علماء کے حالات علامہ سمعانی نے لکھے ہیں، جنھوں نے مادی غذا کے ساتھ روحانی غذا کا بھی پورا انتظام فرمایا ہے، اور ان کے علم وفضل کی چکی نے وہ فیضانِ عام جاری کیا ہے کہ بیشمار لوگ اس سے شکم سیر ہوئے ہیں، اور اپنی روح کی پرورش کی ہے؛ جب مدت میں ان کے علوم وفضائل کے خوان اب تک دوڑ رہے ہیں، اور مسلم قوم پر تازگی کے آثار باقی ہیں،

صابون بنانے اور بیچنے والوں میں علم

صابونی کے لقب سے وہ علمائے اسلام مشہور رہے جن کے آباو اجداد صابون سازی کا کام کرتے تھے یا وہ خود ہی صابون بنایا کرتے تھے،

لعل لبعض اجدادہم عمل الصابون، فنسب الیہ — جو علماء صابونی کے لقب سے مشہور ہیں شاید اُن کے بعض آباو اجداد نے صابون سازی کا کام کیا ہو، اسی لئے وہ لوگ اس سے مشہور ہوئے،

اس کاروبار کے کرنے والوں میں بھی اسلامی علوم ومعارف کے بڑے بڑے ماہر گذرے ہیں، اور ان کی بڑی تعداد ہے، ان میں چند حضرات یہ ہیں،

ابو عثمان اسماعیل بن عبد الرحمٰن بن احمد صابونی،

المعروف بشیخ الاسلام کان اماماً، مفسراً، محدثاً، فقیھاً، واعظاً، خطیباً، اوحد وقتہ فی طریقۃ وعظ المسلمین فی مجالس التذکیر ستین سنۃ وخطب علی منبر نیسابور نحواً من عشرین سنۃ،

آپ شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور تھے آپ امام مفسر قرآن، محدث، فقیہ، واعظ، اور خطیب تھے، مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کرنے میں آپ نے ساٹھ سال وقف کئے، وعظ گوئی میں یکتائے زمانہ تھے، اور اس فن میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا، تقریباً بیس سال تک نیشاپور کے منبر سے آپ نے خطابت بھی فرمائی ہے،

حضرت شیخ الاسلام صابونی نے ۴۴۹ھ میں وصال فرمایا،

---

[1] کتاب الانساب ورق ۳۵۰،

ابو یعلی اسحاق بن عبد الرحمن صابونی، آپ حضرت شیخ الاسلام صابونی کے بھائی ہیں،

ابو محمد عبید اللہ بن حسین بن عبد الرحمن صابونی، آپ انطاکیہ کے رہنے والے ہیں،

ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن موسیٰ زاہد صابونی، جرجانی، آپ عالم کے ساتھ بہت زبردست ولی اللہ بھی تھے

ابو الطیب محمد بن عمر بن سعید صابونی، بغدادی، آپ بھی زبردست عالم دین تھے[1]

ان بزرگوں کے علاوہ بھی بہت سے صابونی علماء ہیں جنھوں نے علم کے صابون سے انسانی جسم و روح کے گناہ اور بدعقیدگی کی میل کو صاف فرمایا ہے، اور اسلام کو پاکیزہ صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے،

گوشت کا کاروبار کرنیوالوں میں علم

حلال جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت فروخت کرنے والے حضرات قصّاب کہے جاتے ہیں،

القصّاب. هذه النسبة الى بيع اللحم والى الذي يذبح الشاة ويبيع لحمها.

قصاب کی نسبت گوشت کے فروخت کرنے کیطرف ہے، اور وہ آدمی قصاب ہے جو بکری ذبح کر کے اسکا گوشت فروخت کرتا ہے

ان حضرات میں بھی بے شمار علمائے اسلام پیدا ہوئے اور انھوں نے علم دین کو دنیا میں پہنچایا، چند مشہور حضرات کے نام یہ ہیں،

حسن بن عبد اللہ قصاب، آپنے حضرت نافع سے روایت کی ہے اور تابعی ہیں،

ابو عبد اللہ حبیب بن ابی عمرۃ قصاب، آپ علمائے کوفہ سے ہیں، حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت کی ہے، آپ سے امام سفیان ثوریؒ نے روایت کی ہے، آپنے ۱۴۲ھ میں وفات پائی،

عبد العزیز بن موسیٰ قصاب، آپ اہل مرو کے شیخ ہیں، ابو الحسین عبد الرحمن بن محمد دقان سے روایت کی ہے، میرے دادا (علامہ سمعانی کے دادا) ابو المظفر سمعانی نے ان سے روایت کی ہے،

ابو رافع بن قصاب، آپ شیخ وقت ہیں، ہرات کے باہر محلہ فیروز آباد میں رہتے تھے، ابو عبد اللہ محمد بن علی سے روایت کی ہے، ہم نے (علامہ سمعانی) نے، ان سے شیخ جنید بن محمد کی خانقاہ میں حدیثیں سنی ہیں،

ابو جناب عباد بن ابی عون قصاب، مصری، آپ سے قتادہ، زرارہ بن ابی اوفی سے روایت کی ہے، اور آپ سے اہل بصرہ نے روایت کی ہے،

ابو حمزہ میمون تمار قصاب، آپ اہل کوفہ سے ہیں، امام ابراہیم نخعیؒ، امام حسن بصریؒ سے روایت کی ہے، آپ سے عبد الحمید بن منصور بن معتمر، امام سفیان ثوریؒ حماد بن سلمہ نے روایت کی ہے،

ابو عبد الکریم عبد ... یہ قصاب، آپنے ابو رجاء عطاردی، ابن سیرین سے روایت کی ہے، آپ اہل بصرہ سے ہیں، شماو

---

[1] کتاب الانساب ورق ۳۵۰ و ۳۵۱،

کیئے جاتے ہیں، آپ سے عبد الصمد بن عبد الوارث نے روایت کی ہے، ان حضرات کے علاوہ اور بہت سے قصاب علماء کا تذکرہ علامہ سمعانی نے کیا ہے۔[۵]

ان تمام کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے اسلامی علوم و فنون کی ترویج و ترقی میں کس قدر کوشش فرمائی ہے، اور انھوں نے مسلمان رہنے کے لئے علم دین کو کس قدر ضروری قرار دیا ہے،

کپڑا بننے والوں میں علم

کپڑا بننے والوں کو عربی میں نساج اور حائک کہتے ہیں، اس کاروبار والوں نے علم دین اور شریعت اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں خوب بھی حصہ لیا ہے [illegible] دوسروں کو بھی اس کی طرف رغبت دی ہے، اس طبقہ میں عباد و زہاد اور صوفیا بھی بکثرت گذرے ہیں [illegible] اور علمائے اسلام میں ان کی تعداد بہت ہے چند حضرات کے نام یہ ہیں،

ابوحمزہ مجمع بن سمعان نساج تیمی، آپ علمائے کوفہ میں [illegible] سے ہیں [illegible] وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے، اور آپ سے حضرت سفیان بن عیینہ وغیرہ نے روایت کی ہے [illegible] یعنی آپ عباد و زہاد میں سے تھے،

ابومحمد حبیب (؟) بن عبداللہ نساج، آپ اہل بصرہ میں سے ہیں [illegible] کے آزاد کردہ غلام تھے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، حسن بصری، ثابت بکری، عبداللہ مرثد [illegible] سے حدیث پڑھی ہے، اور آپ سے موسیٰ بن اسماعیل بوذکی، حماد بن زید، علی بن عثمان [illegible] وغیرہ نے پڑھا ہے [illegible] آپ حدیث میں بہت ثقہ تھے،

ابوالقاسم بکر بن احمد بن یحییٰ بن کثیر بن صالح نساج، آپ نے [illegible] میں سکونت اختیار فرمائی، اور وہیں حدیث کی روایت کی، آپ سے حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ، قاضی ابوالعلا، محمد بن [illegible] واسطی وغیرہ نے روایت کی ہے، آپ نے حدود ۳۳۰ھ میں انتقال کیا،

ابوالحسن خیر بن عبداللہ نساج آپ بہت بڑے ولی اللہ تھے، سُرمن رای کے رہنے والے تھے اور بغداد میں آکر رہتے تھے

وكانت له حلقة يتكلم فيها . . . .

خیر نساج کا اپنا مستقل حلقہ تھا جس میں وہ درس دیتے تھے اور تربیت دیتے تھے،

آپ نے ابوحمزہ محمد بن ابراہیم صوفی کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا، اور آپ کی صحبت سے حضرت جنید بغدادی، ابوالعباس بن عطا، ابومحمد حریری وغیرہ نے فیض پایا ہے، کہا جاتا ہے کہ ابراہیم خواص نے بھی آپ کی صحبت پائی ہے، نیز حضرت ابوبکر شبلی نے بھی آپ سے بہت کچھ حاصل کیا ہے، کتابوں میں آپ کے بارے میں عجیب و غریب واقعات ملتے ہیں، اور آپ کی فضیلت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ آپ کے حلقہ سے جنید و شبلی نکلے ہیں،

---

[۵] کتاب الانساب ورق ۴۹۵،

ابو منصور مقرب بن حسن بن حسین نساج آپ اہل بغداد سے ہیں

كَانَ شَيخًا. صَالِحًا. تَالِيًا، للقرآن، آپ بہت بڑے بزرگ تھے، نیک تھے اور قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے،

آپنے ابو یعلی محمد بن حسین فراء اور ابو الحسین محمد بن علی بن مہتدی باللہ، ابو جعفر محمد بن احمد مسلمۃ وغیرہ سے حدیثیں حاصل کی تھیں، ہمنے (علامہ سمعانی) ان کو تو نہیں پایا، مگر لوگوں نے اُن کی احادیث کو مجھ سے روایت کیا ہے، اور ہمارے مشائخ نے اُن کی تعریف و توصیف کی ہے، ربیع الاول ۵۳۲ھ میں بغداد میں فوت ہوئے،

احمد بن مقرب النساج، آپ شیخ ابو منصور مقرب نساج کے صاحبزادے ہیں، آپ بھی اپنے والد کی طرح بہت بزرگ اور باخدا عالم دین تھے،

كَانَ شَيخًا. صَالِحًا. فقيهًا. آپ بزرگ نیک اور فقیہ تھے،

آپ نے ابو خطاب نصیر بن احمد قاری، ابو عبد اللہ بن حسین بن احمد بن طلحہ وغیرہ سے حدیث کو حاصل کیا تھا، ہم نے (علامہ سمعانی) ان سے چند حدیثیں سنی ہیں[1]،

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے پارچہ باف علمائے اسلام اور فضلائے امت گذرے ہیں، جنھوں نے تانا بانا کی زندگی میں علم دین کی جادریں بنی ہیں، اور جبہ اسلام کے لئے تقے اور پیراہن تیار کئے ہیں،

بعض حضرات نے اس طبقہ کے علماء کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی ہیں اور بتلایا ہے کہ کاموں میں سب سے زیادہ معروف دُھنے والوں نے علم دین میں کس طرح اپنی معروفیت دکھائی ہے،

کپڑا بیچنے والوں میں علم پارچہ فروش حضرات کو کرابیسی اور طاطری کہا کرتے ہیں، یہ لوگ بھی علم دین کے ماہر اور اس میں فاضل ہوا کرتے تھے، کرابیس جمع ہے کرباس کی جو کپاس کا معرب ہے، موٹے سوتی کپڑوں کو عموماً کرابیس کہا کرتے تھے، اور ان کے فروخت کرنے والوں کو کرابیسی کہتے تھے، اس طبقہ میں بڑے علماء و فضلاء پیدا ہوئے، مثلاً امام ابو سلیمان بصری، اودی صاحب الکرابیس، اور امام ابو علی حسین بن علی کرابیسی، بغدادی، اور امام ابو الحسن عباد بن لیث صاحب الکرابیس[2]،

اسی طرح مصر اور دمشق میں کپڑے کے تاجروں کو طاطری کہا کرتے تھے، یہ لوگ عموماً سوتی موٹے کپڑے اور سفید کپڑے کا کاروبار کیا کرتے تھے، دمشق میں ان کی قطار جامع دمشق میں لگا کرتی تھی، طاطری لوگوں میں پیدا ہوئے، ان میں سے چند مشہور حضرات یہ ہیں،

مروان بن محمد طاطری، دمشقی، انھوں نے حضرت امام مالکؒ اور سلیمان بن بلال اور یزید بن سمط سے حدیث کی روایت

---

[1] کتاب الانساب ورق ۵۵۵ و ۵۵۰ [2] الانساب ورق ۴۷۰

کی ہے، اور ان سے ان کے بیٹے ابراہیم بن مروان طاطری، اور محمد بن عبدالرحمٰن جعفی اور ملک شام کے علماء کی ایک جماعت نے علم حاصل کیا، آپ ۲۱۰ھ میں فوت ہوئے،

ہیثم بن رافع باہلی طاطری، زبردست عالم دین تھے، انھوں نے حضرت عطاء سے حدیث حاصل کی، اور ان سے ابو سلمہ موسیٰ بن اسماعیل اور قتیبہ بن سعید نے روایت کی ہے، آپ بصرہ کے رہنے والے تھے[1]،

ان کے علاوہ پارچہ فروشوں میں بڑے بڑے علماء، فقہاء، اور محدثین پیدا ہوئے ہیں، جو بزاز کے لقب سے مشہور ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جسم انسانی کے لیئے لباس فروخت کرنے والوں نے روح کے لیئے بھی علم و عمل کا لباس مہیا کیا، یہ لوگ تجارتی کاروبار میں کبھی دینی علوم کے پڑھنے پڑھانے سے غافل نہیں ہوئے،

کپڑا سلنے والوں میں علم جو لوگ کپڑے کی سلائی کا کام کرتے ہیں، اُن کو خیاط کہا جاتا ہے، اسلام میں دوسرے کاروبار کرنے والوں کی طرح درزی حضرات میں بے شمار ارباب علم و فضل اور محدث و فقیہ اور امام گذرے ہیں، جنھوں نے جسم انسانی کے لیئے علم و فضل کی قبائیں سلی ہیں، اور ظلم و جہالت کی عریانیت کو ختم کر کے انسان کے جسم کو علم و فضل اور تقویٰ کی پوشاک دی ہے، درحقیقت "لباس تقویٰ" کی خیاطی میں ان بزرگوں کا بڑا ہاتھ ہے، ان حضرات میں بہت زیادہ علمائے دین پیدا ہوئے ہیں، چند کے نام یہ ہیں،

ابو عبداللہ صالح بن راشد خیاط، آپ اہل بصرہ سے ہیں، حضرت حسن بصری، حضرت مالک بن دینار وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے، ان سے حرمی بن عمارۃ بنوذکی وغیرہ نے روایت کی ہے،

ابو سلمان خیاط حجازی، آپ تابعی ہیں، آپنے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور آپ سے زید بن عیاض بن جعدہ وغیرہ نے روایت کی ہے،

ابو غالب نافع خیاط، آپ بھی تابعی ہیں، آپنے حضرت انس بن مالکؓ سے حدیث کی روایت کی ہے،

سالم خیاط، آپ نے حضرت حسن بصریؒ اور امام ابن سیرینؒ سے روایت کی ہے،

عمران خیاط، آپنے زید بن وہب اور ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے، اور آپ سے عبداللہ بن عون نے روایت کی ہے،

ابو الحسن علی بن محمد بن عیسیٰ خیاط، آپ مصر کے رہنے والے ہیں، "ابن العسرار" کے لقب سے مشہور ہیں،

محمد بن میمون خیاط، مکی، آپنے سفیان ابن عیینہ، ابو سعید وغیرہ سے روایت کی ہے، اور آپ سے ابو الحسن ساجی بحییٰ بن صاعد وغیرہ نے روایت کی ہے،

احمد بن موسیٰ بن ابی عمران خیاط، معدل، آپ نے سورہ بن حکم، محمد بن عباد بن معاذ عنبری، عبداللہ بن عبدالوہاب وغیرہ سے روایت کی ہے، اور آپسے محمد بن مخلد وغیرہ نے روایت کی ہے،

---

[1] الانساب ورق ۳۶۳،

علامہ سمعانی نے ان کے علاوہ بھی بیسیوں علمائے دین کا تذکرہ کیا ہے، جو خیاطی اور کپڑے کی سلائی کا کام کرتے تھے، اور آپ نے لکھا ہے

وجماعة من شيوخنا يعملون عمل الخياطة[1] — اور ہمارے شیوخ اور اساتذہ کی ایک بڑی جماعت سلائی کا کام کرتی ہے،

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ درزی حضرات نے علوم اسلامیہ میں کیا کمال حاصل پیدا کیا، اور علمائے دین کی صف میں ان کا کیا مقام ہے،

کپڑا دھونے والوں میں علم | کپڑے کی دھلائی کرنے والے کو قصار کہتے ہیں، اسلام نے اس طبقہ میں بھی علم دین کی دولت پہنچائی، اور ان حضرات میں بڑے بڑے فقہاء، علماء، اور محدثین پیدا ہوئے چند حضرات کے نام یہ ہیں :

ابو حمزہ اس قصار، آپ بہت بڑے عالم دین اور بزرگ ہیں،

معاویہ بن ہشام قصار، آپ نے امام سفیان ثوری، امام مالکؒ سے علم حاصل کیا،

ابو حاتم نوح بن ایوب بن نوح قصار بخاری، آپ نے حفص بن داؤد ربعی، عبد الرحمٰن بن محمد بن ہاشم، اسحاق بن حمزہ ولید بن اسماعیل، سعید بن حجاج سے روایت کی، اور آپ سے ابو صالح خلق بن محمد خیام نے روایت کی، آپ نے ۲۹۳ھ میں انتقال فرمایا،

ابو اسحٰق ابراہیم بن عبد اللہ بن اسحاق اصبہانی قصار

وانما لقب به لانه كان يغسل الموتى لورعه وزهده ومتابعته السنة في ذالك فلقب القصار — آپ کو قصار کا لقب اس لئے دیا گیا کہ آپ زہد و تقویٰ اور اتباع سنت کے جذبہ سے مردوں کو غسل دیا کرتے تھے،

پھر ان کا حال یہ ہوا کہ

يعني ابو اسحاق يحدث ويشهد ويغسل الموتى الى ان توفي۔ — ابو اسحٰق آخر تک حدیث کے درس دینے کے ساتھ ساتھ مردوں کو غسل اور ان کی تجہیز و تکفین میں حاضر ہوتے رہے

ان کی عمر مرنے کے وقت ۱۰۳ سال کی تھی، ۶۶ھ میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے[2]

قصار حضرات نے جسم انسانی سے جہالت و نادانی کی میل دھو کر علم و روحانیت کا صاف و شفاف لباس پہنایا ہے، اور دین کو اپنے علم سے رونق بخشی ہے،

لوہاروں میں علم | اسی طرح لوہاروں نے بھی علم دین کو حاصل کر کے زندگی کے سخت مرحلوں میں اپنی فولادی

[1] کتاب الانساب ورق ۲۰۴ [2] ایضاً ورق ۴۵۴،

توڑنوں اور سخت چٹانوں سے پتھر کو بھی موم بنایا ہے، اور لوہے تپانے والی بھٹیوں میں کام کرنے والے مسلمانوں نے علم کی محفل میں بیٹھ کر اپنی روح کو اس طرح جلا بخشی ہے کہ اس نے اخلاق و دیانت اور ایمان و روحانیت کے قالب کو قبول کیا ہے، ایسے علمائے دین حدّاد کے لقب سے مشہور ہیں،

هذه النسبة الى بيع الحديد وشهرائه وعمله واشتهر بهذا الاسم جماعة من اهل العلم لان واحدًا من ابائهم واجدادهم كانوا يعملون الاشياء الحديدية۔

حدّاد کی نسبت لوہے کی خرید و فروخت اور لوہے کا کام کرنے کی طرف ہے، اس نام سے اہل علم کی ایک جماعت مشہور ہے، کیونکہ ان علماء کے باپ دادا میں کوئی نہ کوئی لوہے کی چیزوں کا کاروبار کرتا تھا،

ان میں سے چند مشہور حضرات یہ ہیں،

ابو بکر محمد بن، محمد بن جعفر کتابی حدّاد، آپ شافعی مذہب کے بہت بڑے امام اور فقیہ تھے، مصر کے قاضی تھے، فقہ شافعی کی فروعات پر خوب عبور تھا، آپنے ۳۴۴ھ میں انتقال فرمایا،

حسن بن یعقوب بن یوسف صوفی حدّاد، آپ نیشاپور کے رہنے والے بہت بڑے باخدا بزرگ تھے،

الحسن الصوفي، الورع، الزاهد، صاحب الخانقاه والدار مجمع الزهاد والصوفية۔

حسن صوفی، پرہیزگار، زاہد ہیں، اور ان کی خانقاہ ہے اور ان کے مکان میں زاہدوں اور صوفیوں کا مجمع لگا رہتا ہے،

آپ رجب ۳۳۲ھ میں فوت ہوئے،

ابو حفص حداد، آپ بھی نیشاپور کے صوفیائے کرام میں ہیں آپ کا نام عمرو ہے،

كان من افراد خراسان علماً وورعاً۔

آپ علم اور تقویٰ میں خراسان کے معدودے چند لوگوں میں سے ایک تھے،

۲۶۵ھ یا ۲۶۶ھ میں نیشاپور میں فوت ہوئے،

ابو المقدام ثابت بن ہرمن حداد، آپ نے حضرت سعید بن مسیب، حضرت زید بن وہب اور حضرت سعید بن جبیر سے حدیث حاصل کی، آپ سے آپکے لڑکے عمرو بن ثابت اور حضرت امام ثوری، اور حکم نے روایت کی،

احمد بن سندی بن حسن حدّاد، آپ ہمارے ہندوستان کے رہنے والے لوہار تھے، سندھ آبائی وطن تھا، بغداد میں رہتے تھے، آپ بہت بڑے باخدا بزرگ اور محدث تھے، آپ نے فریابی اور محمد بن عباس موذب وغیرہ سے علم حاصل کیا ہے۔

ادریس بن عبد الکریم حداد، آپ بہت مشہور قاری ہیں، اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے شاگردوں میں سے ہیں،[۵]
ان کے علاوہ اور بہت سے علماء، فقہاء، محدثین اور دوسرے علوم اسلامیہ کے ماہر بھی حداد گذرے ہیں۔

[۵] کتاب الانساب ورق ۱۵۰،

صیقل گروں میں علم | اسلام میں صیقل گر یعنی قلعی کرنے والے خاندان بھی دوسروں کی طرح علم دین کے دارالعلوم رہ چکے ہیں، اور لوہے کے سامانوں مثلاً تلوار، زرہ، چھری اور آئینہ پر غیرہ پر صیقل کرنے والوں اور ان کے زنگ چھڑا کر تابناک بنانے والوں نے زنگ آلود دلوں اور بے رونق روحوں کو اپنی علمی صیقل گری سے چمکایا، اور آبدار بنایا ہے، صیقل گروں میں جو علمائے اسلام پیدا ہوئے، ان میں سے چند یہ ہیں،

ابوسہل نصر بن عبد الملک مزنی بلخی صیقل، ان کا اصل نام عبد الکبیر ہے آپنے حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام شعبہ بن حجاج سے علم حدیث حاصل کیا ہے۔

ابوغالب، محمد بن غالب بن محمد بن ابراہیم بن احمد صیقل، آپ جرجان کے شہر دامغان کے رہنے والے ہیں،

وکان شیخًا ثقۃً صالحًا سدیدًا	آپ نہایت بزرگ، معتمد، نیک اور سیدھے سادے اور
حسن الاخلاق، صدوقًا، وصار مقدم	اچھے اخلاق کے آدمی تھے نہایت راست گو تھے کرمان
الصوفیۃ بکرمان۔	میں صوفیائے کرام کے پیشوا تھے،

آپ ۔۔۔ھ میں فوت ہوئے

ابو یوسف حجاج بن ابو زینب صیقل، سلمی، آپ بھی زبردست عالم تھے

ابو الحسن علی بن احمد بن سلیمان صیقل معدل مصری، آپ ۳۹۲ھ میں فوت ہوئے[۵]

ان علمائے اسلام کی امامت و جلالت شان سے آج بھی علم و فضل کی دنیا میں فخر و ناز کا عالم برپا ہے، اور اسلام اپنے ان صیقل گروں، اور دین و ایمان اور اخلاق کے سامانوں پر آب رکھنے والوں پر بجا طور سے نازاں ہے۔ ان بزرگوں نے اپنے علم سے کتنے دلوں اور کتنی روحوں سے جہالت کا زنگ چھڑایا ہے، اور علم کی چمک دمک سے ان کو نورٌ علیٰ نور کیا ہے،

شیشہ گروں میں علم | علمائے اسلام میں بہت سے ایسے حضرات ہیں، جن کو "دینار زجاجی" کے لقب سے یاد کرتی ہے یہ علمائے اسلام ان خانوادوں سے اٹھے ہیں جن کے یہاں شیشے کے سامان کا کاروبار ہوتا تھا، شیشہ اور اس کی چیزیں بنتی تھیں، اور ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی، شیشہ گروں میں جو حضرات زیادہ مشہور ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں،

ابو القاسم اسماعیل بن محمد زجاجی، آپنے یوسف بن موسیٰ سے حدیث کی روایت کی ہے، اور آپ سے احمد بن علی بن ابراہیم بندونی نے روایت کی ہے،

محمد بن سعید بن عمرو زجاجی آپ سرخس کے رہنے والے ہیں، اسحاق بن ابراہیم مروزی معدل سے حدیث کی روایت کی ہے، اور ان سے حافظ احمد بن علی بن محمد اصفہانی نے حدیث کی روایت کی ہے،

ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن محمد زجاجی مروزی۔ آپ مرو شہر کے رہنے والے تھے، بغداد میں آکر ابو حامد احمد بن عباس اور ابو احمد علی بن محمد حسینی سے حدیث حاصل کی، اور ان سے ابو بکر محمد بن عبد الملک نے علم حاصل کیا ہے،

---

[۵] کتاب الانساب ورق ۸، ۳۵۹،

ابوبکر احمد بن علی بن عبد اللہ بن منصور زجاجی، مولد کے اعتبار سے طبری ہیں، مگر بغداد میں سکونت اختیار کی، اور وہیں ابو حفص عمر بن ابراہیم کیانی مقری سے حدیث پڑھی، اور ان سے ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، اور ابو القاسم خلف ابن احمد خرقی مصری نے پڑھا،

عبد الرحمٰن بن ابو بکر احمد بن علی بن عبد اللہ زجاجی، آپ نے ابو احمد فرض بن کرا س وغیرہ سے پڑھا، اور ان سے ابو القاسم بن سمرقندی اور ابو بکر انصاری نے پڑھا، آپ نے ۴۹۰ھ میں وفات پائی۔

ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے اہل علم وفضل گذرے ہیں، جو شیشہ گروں کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں، اور دنیائے اسلام میں وہ شمس وقمر کی طرح چمک رہے ہیں، اور ان کے علم سے آج تک دنیا روشنی حاصل کرتی ہے،

تیل کا کاروبار کرنیوالوں میں علم

جو حضرات تیل اور روغن بیچتے تھے، اُن کو دہان کہا جاتا ہے، اس طبقہ میں بھی بیشمار علماء، فضلا، اور کبار امت گذرے ہیں، چند مشہور حضرات کے نام یہ ہیں،

ابو الازہر صالح بن درہم دہقان، آپ علمائے بصرہ سے ہیں، آپ نے علمائے عراق سے حدیث کی روایت کی ہے اور آپ سے شعبہ بن حجاج نے روایت کی،

ابو علی محمد بن حمزہ بن احمد بن جعفر بن حرب دہان، آپ علمائے بغداد سے ہیں، ابو بکر علی کوفی، اور علی بن عبد الرحمٰن کوفی وغیرہ سے روایت کی ہے، اور آپ سے ابو بکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی نے روایت کی ہے، اور تاریخ بغداد میں آپ کا حال لکھا ہے، ۴۳۳ھ میں فوت ہوئے،

ابو احمد بن محمد بن عبد اللہ بن احمد بن قاسم بن جامع دہان، آپ اہل بغداد سے ہیں،

وکان شیخًا۔ صالحًا، ثقۃً حریصًا علی طلب الحدیث۔ ۔ ۔ آپ نہایت بزرگ، صالح، ثقہ تھے، حدیث رسول اللہ کی طلب میں بہت حریص تھے،

آپ نے ابو رجاء محمد بن حمدویہ سنجی، احمد بن علی ابن علا جوزجانی، قاضی ابو عبد اللہ حسین بن اسماعیل محاملی، محمد بن مخلد عطار، اور حسین بن یحییٰ بن عیاش، قطان وغیرہ سے روایت کی ہے، اور آپ سے ابو بکر برقانی، ابو القاسم ازہری، ابو الفضل بن داؤد ہاشمی، حسن بن محمد بن عمر نرسی، ابو الحسین محمد بن علی بن مہتدی باللہ ہاشمی نے روایت کی ہے[1]،

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے علمائے دین ایسے گذرے ہیں جو روغن فروشی کرتے تھے، اور ان کے تیل کے بڑے بڑے کارخانے چلتے تھے اور بڑی بڑی دکانیں تھیں، اور ساتھ ہی علم و فضل کی ہماہمی بھی ان کے یہاں رہا کرتی تھی،

لکڑہاروں میں علم

لکڑہاروں میں بھی اسلامی علوم وفنون کی روشنی پہنچی ہے، اور جنگل سے لکڑی لاکر

[1] کتاب الانساب ورق ۲۳۴،

اور یہ روزی بسر کرنے والوں نے بھی علم کی دولت سے اپنے جھونپڑوں کو رشک فردوس بنایا ہے، عربی میں حطاب لکڑہارے کو کہتے ہیں،

الحطاب هو الذی یجمع الحطب من الصحراء ویبیعه۔ — حطاب وہ شخص ہے جو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتا ہے اور فروخت کرتا ہے،

ان پاک روزی کمانے والوں میں جو علمائے دین گذرے ہیں، ان کے نام یہ ہیں

زید بن عبد الحمید حطاب آپ نے حضرت عمر بن عبد العزیز اور اہل مدینہ سے حدیث کی روایت کی ہے، اور آپ سے امام اوزاعی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

هو من التابعین — وہ تابعین میں سے ہیں،

وهو رجل من الحطابین۔ — وہ لکڑہاروں میں سے ایک ہیں،

ابوبکر محمد بن حسین بن محمد بن عبد الخالق حطاب، آپ نے ابوخلیفہ فضل بن حباب، جعفر بن محمد فریابی، احمد بن حسین بن اسحاق، صوفی وغیرہ سے روایت کی ہے، اور آپ سے ابو القاسم عبد اللہ بن عمر بن بقال، اور حافظ ابونعیم احمد بن عبد اللہ وغیرہ نے روایت کی ہے، سنہ ۲۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۴۶ھ میں فوت ہوئے،

جعفر بن محمد بن زنجویہ بن حطاب جوہری، آپ اہل بغداد سے ہیں، آپ نے احمد بن محمد بن یحییٰ سعید قطان سے، روایت کی ہے اور آپ سے ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی اور ابو الحسن علی بن عمر نے روایت کی ہے،

محمد بن عبد اللہ حطاب، آپ رقہ شہر کے رہنے والے ہیں، آپ نے علی بن عبد اللہ قراطیسی نے روایت کی ہے اور آپ سے ابوحفص محمد بن احمد نے روایت کی ہے،

نصر بن احمد حطاب، آپ نے علی بن یعقوب بن عمر رقی سے روایت کی ہے، اور آپ سے حاکم ابوعبد اللہ نیشاپوری نے روایت کی ہے،

ابو ایوب سلیمان بن عبد اللہ رقی حطاب، آپ بھی رقہ کے باشندے ہیں آپ نے عبد اللہ بن عمرو سے حدیث کی روایت کی ہے، اور آپ سے ابوحفص عمر بن احمد نے روایت کی اور مکہ جاتے ہوئے کوفہ میں ان سے حدیث سنی، آپ مجسم خیر و صدق تھے،[1]

اسلام کا یہ علمی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ جنگل سے لکڑیاں چن کر فروخت کرنے والے اور ایک ایک شاخ سے اپنی روزی تلاش کرنے والے بھی جب اسلامی علوم و فنون کی مسند پر جلوہ گر ہوئے، تو امامت و سیادت کے مرتبہ کو پہنچ گئے، اور قرآن و حدیث کی امانت کے ضامن و محافظ بنے،

آج کی حکومتیں دیہاتوں میں معمولی تعلیم پھیلانے والے لئے کوشش کرتی ہیں، اور ناکام ہوتی ہیں، مگر اسلام نے دیہاتوں

---

[1] کتاب الانساب ورق ۱۷۱،

اور کھیتوں سے گذر کر صحراؤں اور جنگلوں میں علم کی بساط بچھائی، اور ان کو دار العلوم بنایا۔

بڑھیوں میں علم | جو حضرات لکڑی کے سامان بنانے کا کام کرتے ہیں، ان کو نجار کہا جاتا ہے، اس طبقہ سے بھی بہت سے علمائے اسلام پیدا ہوئے ہیں، چند مشہور حضرات یہ ہیں:

صالح بن دینار نجار، مدینہ کے رہنے والے ہیں، حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں، اور آپ سے آپ کے لڑکے نے روایت کی ہے۔

ابو بکر محمد بن جعفر بن عباس بن جعفر نجار، آپ اہل بغداد سے ہیں، آپ نہایت ثقہ تھے، قرآن کے یاد کرنے میں بہت اہتمام کرتے تھے۔

ابو محمد نحوی معروف بابن النجار، اہل کوفہ سے تھے، ثقہ تھے، کوفہ میں حدیث بیان کی، محمد بن حسین اشنانی، عبد اللہ بن ثابت حریری، اسحاق بن محمد بن عرفہ نفطویہ، ابو روق احمد بن بکر ہزانی، ابو بکر محمد بن یحییٰ صولی وغیرہ سے روایت کی، اور آپ سے ابو القاسم ازہری، محمد بن احمد بن عبد العزیز عکبری، وغیرہ نے روایت کی ان کی ولادت محرم ۳۰۳ھ میں ہوئی۔

وکان شیخ الکوفۃ فی عصرہ — اپنے زمانہ میں کوفہ کے شیخ مطلق بن گئے تھے،

اور جمادی الاولیٰ ۴۰۲ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے۔

ابو بکر محمد بن بکر بن داؤد بن داود نجار، اہل بغداد سے تھے۔

شیخ من اهل الصلاح والخیر — ارباب صلاح وخیر کے شیخ ہیں۔

بڑے بڑے علمائے وقت سے پڑھا اور بہتوں بڑوں کو پڑھایا۔

ابو بکر محمد بن عثمان بن خالد عسکری نجار آپ بھی اہل بغداد سے ہیں، آپ نے حسن بن عرفہ سے روایت کی، اور آپ سے محمد بن جعفر بن عباس نجار، ابو زرعہ، محمد بن عمر بن عبد الوہاب عسکری نے روایت کی۔

حسین بن محمد نجار، فرقۂ نجاریہ کے بارے میں آپ کے مشہور رسالہ لکھا ہے،

ابو ایوب سلیمان بن داؤد بن محمد بن سعد بن نجار، یمامی بصری، آپ نے فلیح بن محمد، عمار بن عقبہ یمانی، یحییٰ بن مروان حنفی، ابو ثمامہ حربی سے روایت کی اور آپ سے ابو زرعہ، ابو حاتم رازی نے روایت کی، ابو حاتم نے ایک مرتبہ ان کے بارے میں یحییٰ بن معین سے کہا،

ترکتہ بالبصرۃ فی عافیۃ — میں نے بصرہ میں ان کو بہت آرام کی حالت میں چھوڑا ہے

اس پر یحییٰ بن معین نے اس کی تعریف کی، اور فرمایا بلکہ تم یوں کہو

ما رأیت افقہ الحدیث الیمامۃ منہ — یعنی میں نے ان سے زیادہ یمامہ کی حدیثوں کو سمجھنے والا نہیں پایا[1]

---

[1] کتاب الانساب ورق ۵۵۴،

بڑھیوں نے کسی پیشہ ور سے کم علم میں حصہ نہیں لیا ہے بلکہ علمی کاروان کے شانہ بشانہ یہ حضرات بھی چلتے رہے ہیں،

چڑیماروں اور شکاریوں میں علم

علامہ سمعانی لکھتے ہیں،

الصیاد ھذا لمن یصید الطیر والسمك والوحوش	صیاد کا لقب اس شخص کے لیئے ہے جو چڑیوں اور مچھلیوں اور جانوروں کا شکار کرتا ہے،

شکاریوں اور چڑی ماروں میں بھی بڑے بڑے علما ئے دین پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے کسی سے کم علمی حصہ نہیں پایا ہے[1] ان میں سے چند یہ ہیں،

ابو محمد محمد بن یوسف بن وصیف صیاد آپ اہل بغداد سے ہیں، آپنے ابو حامد محمد بن ہارون حضرمی، اسماعیل بن عباس وراق نفطویہ نحوی وغیرہ سے روایت کی ہے اور آپ سے ابو القاسم عبد العزیز بن علی ازجی نے روایت کی ہے آپ بہت ہی ثقہ محدث تھے، خطیب بغدادی نے آپ کا حال لکھا ہے:

ابوبکر محمد بن احمد بن یوسف بن وصیف صیاد، آپ ابو محمد احمد بن یوسف مذکور کے صاحبزادے ہیں، آپ نے ابوبکر شافعی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محرم احمد بن یوسف بن خلاد، ابوبکر بن مالک قطیعی احمد بن جعفر بن حمدان سقطی بصری سے روایت کی ہے آپ حدیث کے معاملہ میں بہت ہی محتاط اور ثقہ تھے، محرم ۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔

ابو عثمان سعید بن عثیرہ صیاد، اہل مصیصہ سے تھے آپنے عامر بن یساف، ابو اسحاق فزاری، عیسیٰ بن یونس، خالد بن حسین بن مبارک سے روایت کی ہے، ابو حاتم رازی کا بیان ہے

لما ابتدأ فی کتاب السیر قرأتہ اھل المصیصۃ قد اغلقوا ابواب حوانیتھم وحضروا مجلسہ[1]	جس وقت آپنے کتاب السیر کا درس شروع کیا تو اہل مصیصہ اپنی اپنی دکانوں کے دروازے بند کرکے آپکے درس میں حاضر ہوتے

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے علما گذرے ہیں، جن کا کاروبار شکار کرنا تھا، اور اسی کے سہارے وہ روزی حاصل کرتے تھے،

ان حضرات نے اس حدیث کی واقعی تفسیر کی ہے "قیدوا الآوابد" یعنی علم کے بدکے ہوئے مضامین کو تحریر میں مقید کرو، جنگلوں، دریاؤں، درختوں، باغوں اور کھیتوں میں صید و شکار تلاش کرنے والوں نے علم کی تلاش میں دنیا کی خاک چھانی اور ہر جگہ سے علم کو شکار کرکے کتابوں اور درسگاہوں میں حاضر کیا،

یہ چند مثالیں ہیں جو اس بارے میں آپکے سامنے پیش کی گئی ہیں، اس سے اندازہ لگایئے کہ مسلمانوں کے یہاں علم دین کا کیا اہتمام تھا اور وہ اپنی زندگی کے لیئے اسے کس طرح ضروری سمجھتے تھے اور علم کو زندگی کا جزو لاینفک گردانتے تھے

---

[1] کتاب الانساب ورق ۳۵۵

۲۱ داسا ۵

دارالعلوم دیوبند

برّاعظم ایشیا کی سب سے بڑی مذہبی یونیورسٹی

اس مضمون میں دارالعلوم دیوبند کی فراہم کردہ معلومات کے ساتھ مولانا محمد میاں صاحب
ناظم جمعیۃ علماء ہند کی کتاب علماء حق سے معلومات اخذ کی گئی ہیں،

(۱) **تاریخ تاسیس**:۔ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء

(۲) **تعداد طلبہ**

	ہندوستانی	پاکستانی	اسلامی ممالک
کل ۱۱۹۱	۹۳۶	۲۱۲	۴۳

(۳) **عمارتیں** کم سے کم پچیس لاکھ روپئے کی (۱) نودرہ (۲) دارالحدیث (۳) دارالاقامہ جدید (۴) باغ سرکل (۵) دارالقرآن (۶) دارالتفسیر (۷) دارالشوریٰ (۸) کتب خانہ (۹) باب الظاہر (۱۰) شاہی طرز کی مسجد (۱۱) دارالافتاء (۱۲) دارالصنائع

(۴) **فضلائے دارالعلوم** بشمولیت مدارس ملحقہ تقریباً پچیس ہزار

(۵) **سالانہ بجٹ**:۔ پانچ لاکھ روپیہ (چار لاکھ اناسی ہزار روپیہ)

(۶) **رئیس جامعہ**:۔ صدر اعلیٰ (چانسلر) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم

(۷) **امیر جامعہ** وائس چانسلر (مہتمم اعلیٰ) حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی

(۸) **بنیادی اصول** (آثار متبرکہ) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی المنتظم دارالعلوم دیوبند کے اصول جن پر یہ ادارہ قائم ہے، صفحہ ( ) پر درج ہیں، جن میں خدا پر اعتماد اور آزادی کو بڑی اہمیت ہے،

شاد باش و شاد زی اے سرزمین دیوبند ؎ ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

(۱) اسلامی دنیا کی سب سے بڑی مذہبی یونیورسٹی جامع ازہر ہے، جس کا بجٹ مصر کے سرکاری اوقاف سے لاکھوں روپیہ پر مشتمل ہے، ازہر کے بعد براعظم ایشیا کی سب سے بڑی مذہبی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند ہے، علامہ رشید رضا مصری نے دارالعلوم کو دیکھنے کے بعد اسے ازہر الہند کا خطاب دیا تھا،

(۲) دارالعلوم کو ساری اسلامی دنیا میں مسلمانوں کا تعلیمی روحانی اور اسلامی مرکز مانا جاتا ہے، یہاں اسلامی دنیا کے ہر حصہ کے طلبہ تعلیم پاتے ہیں،

(۳) اس تعلیم گاہ کو بین الاقوامی اہمیت حاصل ہے، وانیا یونیورسٹی کے ڈاکٹر عبد الکریم گرمانوس مسلمان ہونے سے پہلے اس درسگاہ سے استفادہ کے آرزومند تھے،

(۴) مشہور امریکن مشنری پادری نے یہ تسلیم کیا ہے کہ افریقہ میں علماء دیوبند نے تبلیغی فتوحات حاصل کی ہیں جو عیسائیوں کو حاصل نہیں ہو سکیں،

(۵) شاہان اسلام اس ادارے کے معتقد رہے ہیں، عثمانی خلافت کی طرف سے اس ادارے کو نبوی تبرکات حاصل ہوئے، اعلیٰحضرت شاہ افغانستان نے یہاں پچاس ہزار کے صرف سے باب الظاہر بنوایا، جلالۃ الملک سلطان ابن سعود اور سلطان العلوم میر عثمان علی خاں کی طرف سے علمی ہدایا وصول ہوئے،

(۶) یہاں کے کتب خانہ میں ستر ہزار کتابیں موجود ہیں، جو قرآن و حدیث، تفسیر، فقہ، اور شرعی علوم سے بھری ہوئی ہیں

(۸) یہاں علماء اور اساتذہ اپنی نظیر نہیں رکھتے، ہزار ہا روپیہ کی تنخواہوں کو چھوڑ کر دارالعلوم کی معمولی تنخواہوں کو ترجیح دیتے ہیں، ان علماء میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب حدیث، فقہ، اور ادب کے شیخ ہیں، اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب حدیث، اور فلسفہ و منطق کے شیخ مانے جاتے ہیں،

قیام و تعمیر، دارالعلوم دیوبند

۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء یوم پنجشنبہ، اسلامی ہند کی تاریخ کا وہ مبارک دن ہے، جس میں ازہر بطحا کا چشمۂ علم سرزمین ہند سے پھوٹا، رشد و ہدیٰ کا ایک پودا سرزمین دیوبند میں لگایا گیا، جو بہت جلد شجر طوبیٰ بنا، اور اس کی شاداب شاخیں دنیائے اسلام کے علمی گلشنوں کا طرۂ امتیاز بن گئیں، اصلها ثابت وفرعها فی السماء توتی اکلها کل حین

تاریخ مذکور پر چند باخدا بزرگوں کا اجتماع ہوا، چندہ جمع کیا گیا، اور مسجد چھتہ کے فرش پر درخت انار کی ٹہنیوں کے سایہ میں ایک مدرسہ کا افتتاح ہوا

چندہ کے لئے رومال پھیلانے والا اور سب سے پہلے چندہ دینے والا عابد تھا، سب سے پہلا معلم محمود، اور متعلم بھی محمود، ۹ محرم الحرام کو ایک اشتہار کے ذریعہ سے قیام مدرسہ کا اعلان کیا گیا، جس میں ظاہر کیا گیا کہ اس وقت تک چار سو ایک روپیہ آٹھ آنہ کا چندہ جمع ہو چکا ہے، اور سولہ طالب علموں کی خوراک وغیرہ کا بندوبست کیا گیا ہے، اور جیسے جیسے چندہ بڑھتا رہے گا طلباء کے لئے سہولتیں مہیا کی جائیں گی،

اختتام سال تک طلبا رکی تعداد اٹھتر ہوگئی۔ جن میں اٹھاون بیرونجات کے تھے ۵۲ طلبا کی خوراک کا ذمہ اہل شہر نے لیا۔ مدرسین میں بھی اضافہ کرنا پڑا چنانچہ ان کی تعداد پانچ تھی۔

سب سے پہلے مدرس دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس ملا محمود صاحب تھے جن کی تنخواہ ۱۵ روپیہ ماہانہ تھی۔

سب سے پہلے متعلم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز۔

سب سے پہلے صدر مدرس۔ طلبہ کے روز افزوں ہجوم نے بہترین مدرسین کے جمع کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو صدر مدرس کی حیثیت سے بلایا گیا جو اجمیر شریف یا کسی دوسرے مقام پر خدمت تدریس معقول مشاہرہ پر انجام دے رہے تھے۔ یہاں ان کا مشاہرہ ۴۰ ماہانہ طے کیا گیا۔

سب سے پہلے مہتمم حضرت حاجی حافظ سید عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بتائے گئے مگر آپ نے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ہی زیارت بیت اللہ شریف کا عزم کر لیا اہل مدرسہ کو بھی خطرہ تھا کہ شاید اب آپ واپس نہ ہوں۔ چنانچہ آپ کی جگہ یکم شعبان ۱۲۸۳ھ کو حضرت حاجی مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کو مہتمم بنایا گیا۔ آپ اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند آپ کے خلیفہ تھے۔

سب سے پہلی مجلس شوریٰ۔ حسب ذیل ارکان پر مشتمل تھی۔

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ العزیز حضرت حاجی عابد حسین صاحب۔ مولانا مہتاب علی صاحب دیوبندی مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی (حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے والد ماجد) مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی شیخ نہال احمد صاحب دیوبندی، منشی فضل حق صاحب دیوبندی۔

سب سے پہلے دورۂ حدیث۔ دارالعلوم میں ۱۲۸۹ھ میں سب سے پہلے حدیث شریف کا دورہ ہوا۔

سب سے پہلے فارغ التحصیل۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ مطابق ۹ جنوری ۱۸۷۴ء کو سب سے پہلے مندرجہ ذیل پانچ حضرات نے دارالعلوم دیوبند سے سند تکمیل اور دستار فضیلت حاصل کی۔

(۱) سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز۔ مولانا عبدالحق صاحب ساکن پور قاضی۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی۔ مولانا فتح محمد صاحب تھانوی مولانا عبداللہ صاحب جلال آبادی۔

غیر معمولی شہرت۔ دارالعلوم دیوبند کو ابتداء ہی سے عام مقبولیت اور غیر معمولی شہرت حاصل ہوگئی تھی چنانچہ آپ نے مطالعہ کیا کہ پہلے سال میں اٹھاون طلبہ بیرونجات کے اس مدرسہ میں داخل ہو چکے تھے۔ اس سال طلبہ کی تعداد ایک سو اسی تک پہونچ چکی تھی۔

تقسیم انعامات و دستار فضیلت کے اسی جلسہ میں جو ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ کو ہوا تھا جس میں اطراف و جوانب کے علماء اور مشائخ کافی تعداد میں تشریف لائے تھے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک تقریر فرمائی تھی۔

مکانات مدرسہ۔ چھتہ کی مسجد میں مدرسہ ابتداء میں رہا، اس کے بعد قاضی کی مسجد میں اور کرایہ کے مکانات میں رہا۔ لیکن طلبہ کی کثرت

تو کارکنان مدرسہ رحمہم اللہ اسطرف متوجہ ہوئے کہ مدرسہ کے لئے ایک مستقل مکان بنایا جائے۔ ابتداً بعض بزرگان مدرسہ نے احاطہ جامع
مسجد میں جو کہ غیر رہ کو پورا کرنے والی عمارت کی فکر کی اور جامع مسجد کی تینوں سمتوں میں متعدد حجرے اور کمرے بنوا دئے۔ چنانچہ چند سال
مدرسہ جامع ہی میں رہا لیکن پھر آخری رائے یہی ہوئی کہ مدرسہ فراخ جگہ میں شہر کے کنارے پر ہونا چاہیئے تاکہ بوقت ضرورت اس میں اضافہ
ہو سکے۔ نیز مدرسہ اور مسجد کا باہمی منافشہ بھی نہ ہو۔

تجویز جدید کی منظوری کے بعد چار پانچ روز شہر کے مختلف گوشوں کے دیکھنے کے لئے گشت کیا گیا۔ بالآخر حجۃ الاسلام کی تحریک پر یہی جگہ
طے کی گئی جہاں اس وقت مدرسہ واقع ہے۔

سنہ ۱۲۹۱ھ کے جلسہ تقسیم انعام منعقدہ مورخہ ۱۹ ذی قعدہ میں تعمیر مدرسہ کے متعلق حاضرین کو توجہ دلائی گئی۔ چنانچہ ایک معقول رقم نقد وصول
ہوئی اور ایک طویل فہرست وعدہ کنندگان کی مرتب ہوئی۔

ابتداء تعمیر۔ ۲ ذی الحجہ سنہ ۱۲۹۲ھ یوم جمعہ کو نماز کے بعد جامع مسجد میں شہری اور بیرونی حضرات کا بہت بڑا اجتماع ہوا جسکی
اطلاع اشتہار کے ذریعہ پیشتر سے دی جا چکی تھی اور جسمیں شرکت کیلئے مراد آباد علیگڈھ وغیرہ کے آدمی آئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب
نے تقریر فرمائی اور آخر میں اعلان فرمایا کہ سب حضرات تشریف لے چلیں تاکہ مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھ دیا جائے۔
اب یہ گفتگو ہوئی کہ پہلی اینٹ کون رکھے۔ حضرت حجۃ الاسلام اگرچہ اس تمام سلسلہ کے لئے روح رواں تھے مگر آپ ظاہری امتیاز کے موقع پر
ہمیشہ پیچھے رہتے حتیٰ کہ مدرسہ کی زمین کا بیع نامہ بھی حاجی صاحب کے نام کرایا۔
بہرحال اس موقع پر حجۃ الاسلام نے تجویز فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت میانجی منے شاہ صاحب خشت بنیاد رکھیں کیونکہ وہ بزرگ بھی ہیں
پھر حاجی حافظ عابد حسین صاحب اینٹ رکھیں۔ ان کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے اینٹ رکھوائی۔ پھر سب کے ساتھ حجۃ الاسلام
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اینٹیں رکھیں۔ اس دن اہل اللہ کے قلوب پر ایک عجیب سرور تھا

مسلمان بچوں کیلئے دینی تعلیم

(مولانا عمر دراز بیگ۔ مالک روزنامہ "جدت" مرادآباد)

دور حاضرہ میں دینی تعلیم کا اسکولوں میں فقدان ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر خوردسالی میں ہی بچوں کو مذہبی تعلیم نہ دی گئی تو مسلمان
بچے مذہب سے کوسوں دور ہو جائیں گے۔ یہ تعلیم کسطرح ہو، کیسی ہو اور کیونکر ہو یہ چند ایسے اہم مسائل ہیں جن کے حل کرنے کے لئے جمعیۃ العلماء ہند نے
آل انڈیا دینی کنونشن طلب کیا ہے۔ میری ناچیز رائے تو یہ ہے کہ ابتدائی منزل میں حکومت سے ہی اپیل کی جائے کہ وہ اسکولوں میں ایک گھنٹہ روزانہ یا جسقدر
ممکن ہو سکے دینی تعلیم کیلئے طے کر دے اور اسکا نصاب العین جمعیۃ العلماء ہند تجویز کرے۔ اگر خدانخواستہ حکومت نہ مانے تو پھر ہر شہر میں شبینہ مدارس
دینی تعلیم کے لئے قائم کئے جاویں اور اس کے اخراجات کو ہر شہر کے قومی و ملی حضرات برداشت کریں۔
اگر ایسا نہ ہو سکے تو جمعیۃ العلماء ہند اس اہم کام کیلئے ایک معقول سرمایہ کی اپیل کرے اور اس سرمایہ سے اپنی سرپرستی میں دینی تعلیم کا سلسلہ
جاری کر دے۔ یہ سلسلہ ایسا معتدل ہو تو ہر مکتب خیال کے مسلمان اس سے استفادہ کریں۔

اعلیٰ درجہ کا انسانی کردار پیدا کرنا

مذہبی تعلیم اور دینی تربیت کا کام ہے!

دینی تعلیمی کنونشن کے موقع پر جناب حاجی حسن علی پی ابراہیم صاحب

کا اہم بیان

آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن نے یہ موقع پیدا کردیا ہے کہ ملک و ملت کے بہترین دماغ اور پیشوایان مذہب ـــــ بنیادی سرکاری تعلیم کے ساتھ بنیادی دینی تعلیم کا حل تلاش کریں۔ اعلیٰ درجے پاک صاف حب الوطنی کے لئے اعلیٰ درجہ کا انسانی کردار ہونا ضروری ہے۔ اس قسم کا کردار پیدا کرنا مذہبی تعلیم اور دینی تربیت کا کام ہے۔

دنیا کی تمام برائیوں سے بچنا اور تمام بھلائیوں پر عمل کرنا۔ علم کو بچوں اور بچیوں کے لئے فرض گردانا اور تعلیم کے لئے چین تک جانا ـــــ تمام انسانوں کو برابر سمجھنا۔ غریبوں کو سہارا دینا، اور کمزوروں کی مدد کرنا انسانیت کا اخلاقی فرض ہے۔ اور مذہب بھی ایک اچھا شہری' اور انسان بناتا ہے۔ تعلیم انسانیت، اخلاق' پاکیزگی، رواداری' جمہوریت' مساوات اور انصاف پر زور دیتی ہے۔

تعلیم کا کام ہمارے دین اور دنیا دونوں کو سنوارنا ہے۔ میری دعا ہے کہ آل انڈیا تعلیمی کنونشن اس اہم مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو اور ملک و ملت دونوں کے لئے یکساں مفید ثابت ہو۔

حسن علی برادرس

نمبر ۱۱۱ چکلہ اسٹریٹ بمبئی ۳

آل انڈیا دینی، تعلیمی کنونشن

زندہ باد

بنیادی دنیاوی تعلیم کے ساتھ بنیادی دینی تعلیم

فرض ہے

اسحاق بھائی بندوق والا

انڈیا ارمس لمیٹڈ ماریا بلڈنگ عبدالرحمٰن اسٹریٹ بمبئی

اکابر کی خدمت میں ایک دعوتِ فکر

اسلامی درسگاہوں میں داخلہ

(مشہور ماہر تعلیم جناب سید شہاب الدین دسنوی صاحب کے قلم سے)

جناب سید شہاب الدین دسنوی پرنسپل صابو صدیق ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ بمبئی مغربی ہند میں ایک مشہور و ممتاز ماہر تعلیم کی حیثیت سے زبردست قدر و منزلت کے مالک ہیں، اسلامی درسگاہوں میں داخلہ کا مسئلہ وقت کی قدروں کے ساتھ بدلتا رہا ہے۔ دسنوی صاحب نے اس مسئلہ پر ایک نئے انداز فکر سے روشنی ڈالی ہے، ان کی رائے میں مندرجۂ ذیل مختصر مضمون پیش نظر مسئلہ کا مکمل حل نہیں، بلکہ اکابر کی خدمت میں ایک دعوت فکر ہے۔ اس فکری دعوت میں جو خلوص کارفرما ہے اسی خلوص سے اس کے کسی ایک پہلو سے رائے کا فرق بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ تاہم مضمون کی اہمیت موضوع کی اہمیت سے ظاہر ہے۔ جو مسائل زیر بحث آئے ہیں ان کے ساتھ اٹل دلائل بھی موجود ہیں، ہمیں امید ہے کہ ارباب علم اور اصحاب کمال اس دعوتِ فکر کو اسی جذبہ سے قبول فرمائیں گے۔ جس جذبہ کے ساتھ اسے پیش کیا گیا ہے۔ (غازی)



ہندوستان کے طول و عرض میں کوئی علاقہ ایسا نہ ہوگا۔ جہاں کوئی اسلامی درسگاہ قائم نہ ہو، ان درسگاہوں کی تعداد کتنی ہے، طلبہ اور اساتذہ کتنے ہیں، ذرائع آمدنی، نظام تعلیم کیا ہیں۔ ان پر آج تک نہ تو تحقیق کی گئی، اور نہ ان کا کوئی جائزہ لیا گیا، چند مشہور و معروف اداروں کو چھوڑ کر باقی ایسی گمنامی اور کسمپرسی کی حالت میں زندہ ہیں، کہ گویا ان کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس مختصر مضمون میں ان اسلامی درسگاہوں کے صرف ایک پہلو پر چند اشارے کرنا چاہتا ہوں اور وہ طلبہ کے داخلے سے متعلق ہے۔

عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ دینی درسگاہوں میں بچے چھ سات سال کی عمر سے داخل ہوتے ہیں۔ اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہی دینی علوم کے حاصل کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ بظاہر اس طریقۂ کار میں جو نفسیاتی اصول پوشیدہ ہے

وہ یہ ہے کہ کمسنی میں بچے زیادہ جلدی اثر قبول کرتے ہیں اس لیئے بچپن ہی سے انھیں مذہبی علوم کی طرف متوجہ کر دینا چاہیئے اگر مقصد صرف مائل کر دینے تک ہی محدود ہوتا تو کوئی بات نہ تھی، لیکن ان دینی درسگاہوں کا مقصد اپنے طلبہ کو آگے بڑھاکر اس منزل تک پہنچانا ہوتا ہے جسے عام اصطلاح میں "مولوی" "عالم" یا "مولانا" بنانا کہتے ہیں۔ اس طریقہ کار میں جو بات سب سے زیادہ اہم اور قابل غور ہے وہ نظر انداز کر دی جاتی ہے، یہ بھی تو ایک نفسیاتی اصول ہے کہ بچے انفرادی طبیعت اور صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ہمارا آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص کے چار بچے ہوں تو ان میں سے ہر ایک اپنی طبیعت، اپنا ذہن اور اپنی صلاحیت لیکر پیدا ہوتا ہے، ان کا ماحول ایک ہوتا ہے، ان کا گھر ایک ہوتا ہے، تعلیم کے مواقع یکساں ہوتے ہیں، تربیت کی کوشش والدین کی طرف سے ایک طرح کی ہوتی ہے، پھر بھی یہ ممکن ہے کہ ایک دیندار بن جائے دوسرا دین سے کٹ جائے، ایک بلند اخلاق کا حامل ہو دوسرا پست اخلاق کا۔ اس کا سبب طبیعتوں کے اختلاف کے سوا اور کچھ نہیں، اور جب یہ صورت حال ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلامی درسگاہ کا ہر طالب علم باعمل، دیندار اور متقی بنکر زندگی میں داخل ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ جب ان درسگاہوں سے ایسے فاضل نکلتے ہیں جو طبعاً اس کے لیئے موزوں نہ تھے تو وہ اپنے علم کا غلط استعمال کر کے سماج کو نقصان پہنچاتے ہیں، اور سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ وہ دین کو بھی بدنام کر دیتے ہیں۔ ایک زمانہ ایسا تھا جب کہ علوم دین اور علوم دنیا میں کوئی فرق نہ تھا، شہر کا کوتوال، قاضی ایک ہی تعلیم حاصل کرتے تھے، حکیم اور کاشتکار ایک ہی مدرسہ میں پڑھا کرتے تھے اس کے بعد اپنی افتاد طبع کے مطابق پیشے اختیار کرتے تھے، لیکن موجودہ زمانہ میں (غلط یا صحیح طریقے پر) اسلامی درسگاہوں کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہاں دین کی اشاعت کرنے والوں اور دین کو سمجھانے والوں کی تعلیم اور اس کے ساتھ تربیت بھی ہوتی ہے، اس لیئے ان کے فارغ التحصیل طلبہ سے یہ توقع کی جانے لگی ہے کہ وہ اسلامی شعار اور کردار کا پیکر صرف ظاہری شکل وصورت سے نہیں بلکہ دینی زندگی کے نمونے سے ہونگے، لیکن چونکہ اس معیار پر پوری اترنے والی تعداد بہت ہی مختصر ہوتی ہے، اس لیئے لوگ ان درسگاہوں کی افادیت ہی سے انکار کرنے لگے ہیں، کالج اور یونیورسٹی میں بھی عربی، فارسی، اسلامک کلچر کی تعلیم ہوتی ہے، اسلامی قانون، فقہ اور فلسفہ پڑھایا جاتا ہے، لیکن چونکہ یہ ادارے "اسلامی شعار" اور "اسلامی کردار" پیدا کرنے کا دعویٰ نہیں کرتے اس لیئے ان کی طرف سے وہ بدظنی نہیں پیدا ہوتی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب غور کیجئے کہ اسلامی درسگاہوں کے طالب علم کون ہوتے ہیں، اور کیسے آتے ہیں؟ آج سے تیس سال قبل کے حالات کو چھوڑ دیجئے اس وقت جو صورت حال ان درسگاہوں کی سامنے ہے اسی کو سامنے رکھیئے تو دو قسم کے طلبہ نظر آئیں گے۔

پہلی قسم ان بچوں کی ہے جن کے والدین خود ایسی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور وہ اسے پسند کرتے ہیں اور یہ کہ وہ دینی تعلیم کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے اسلامی علوم سے بہرہ ور ہوکر حامل دین بن کر زندگی گذاریں لیکن ان کے اس فیصلہ میں ان کے بچے کی طبیعت یا مناسبت کو دخل نہیں ہوتا ہے، خصوصاً اس حالت میں جب کہ یہ

جس نے علم حاصل کیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کیا۔

پر منحصر ہے کہ بچے کی طبیعت کم سنی میں کیا جا رہا ہو۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ سرپرستوں کی توقعات پوری ہوں۔

دوسری قسم ان طلبہ کی ہوتی ہے جن کے دینی درسگاہوں میں داخل ہونے کی صرف ایک ہی وجہ ہوتی ہے، اور وہ یہ کہ کچھ ان کے والدین یا سرپرست ان بچوں کی کفالت کرنے سے معذور ہوتے ہیں، درسگاہ میں ان کی تعلیم کے علاوہ ان کے قیام و طعام کا بھی انتظام ہو جاتا ہے، درسگاہ کے کارکنوں کو طلبہ کی تعداد بڑھانے کی فکر ہوتی ہے اور سرپرست اپنے بچوں کی فکر سے آزادی حاصل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں، یہاں بھی بچوں کی فطرت سے قطع نظر کرکے اسے "مولوی" "عالم" اور "مولانا" کی دستار بندی کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا قسموں کے طالب علموں کے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان میں سے صرف وہی صحیح معنوں میں عالم یا مولانا بن سکتے ہیں، جن کو قدرت نے مناسب دل و دماغ عطا کیا ہے، اور ان کی تعداد بہت کم ہوگی۔ اب لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ داخل ہونے والے طلبا میں، مناسب دل و دماغ رکھنے والے بچوں کا انتخاب کب اور کیسے عمل میں آئے؟ اس کا جواب آسان نہیں، لیکن راقم السطور کے خیال میں حسب ذیل نکات قابل غور ہیں۔

(۱) دینی درسگاہیں یہ خیال قطعی ترک کر دیں کہ ان کا مقصد بہت بڑی تعداد میں دین کے عالم پیدا کرنا ہے۔

(۲) یہ درسگاہیں تعلیم سے زیادہ تربیت اور عمل پر زور دیں۔

(۳) ان درسگاہوں میں طلبہ کی تعداد لازمی طور پر کم رکھی جائے۔ ابتدائی جماعت (یعنی پرائمری تعلیم کی منزل تک) البتہ حسب معمول تعداد رکھی جائے۔

(۴) ابتدائی جماعتوں میں طلبہ کی طبیعتوں کا بہ غور نفسیاتی مطالعہ کیا جائے اور صرف انھیں بچوں کو آگے بڑھایا جائے جن میں ضروری صلاحیتیں موجود ہوں۔

(۵) ہر منزل پر طلباء کے قول و فعل، علم و عمل کا جائزہ لیا جائے، اور جہاں بھی وہ معیار سے ہٹتے نظر آئیں انھیں الگ کر دیا جائے یا دوسری راہ پر لگا دیا جائے۔

(۶) ہر طالب علم کو معاشی فکر کے لئے تیار کیا جائے تاکہ وہ زمانہ کے مطابق باعزت زندگی گذار سکے۔

ان نکات میں نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا ہے، کیونکہ یہ ایک الگ موضوع بحث ہیں۔

دینی درسگاہیں ان لوگوں کے لیے کیسے مفید بن سکتی ہیں جن کو اپنے طالب علمی کے عہد میں دینی تعلیم سے پوری واقفیت حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ یہ غور طلب مسئلہ ہے آج بھی اور آئندہ بھی۔ ہماری اکثریت ایسے لوگوں کی ہوگی جو ملک میں مروجہ نصاب تعلیم کے ماتحت اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہوں گے۔ ان میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی جو اپنے دین سے کما حقہٗ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، جن کی پیاس صرف انگریزی اور اردو میں چھپے ہوئے لٹریچر سے نہیں بجھ سکتی ہے، کیا ہماری اسلامی درسگاہیں ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتی ہیں۔ (باقی مضمون ...)

سر رادھاکرشن رپورٹ کی روشنی میں

مسلمانوں میں دینی تعلیم کیلئے چند عملی تجاویز

جناب مولوی غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن

البلاغ نے دینی تعلیمی کنونشن کے موقع پر ملک کے ماہرین تعلیم سے رہنمائی کی درخواست کی تھی، جناب غلام دستگیر صاحب صاحب ایم اے کا مندرجہ ذیل مضمون اس سلسلہ میں خاص قدر و قیمت کا حامل ہے، یہ چند عملی تجاویز کا خاکہ ہے جو یقیناً ہمارے مفکرین کے لئے فکر و نظر کی بنیاد بن سکے گا (ادارہ)

سب سے پہلے مسلمانوں میں اس حقیقت کا پورا احساس اور ادراک پیدا کیا جانا چاہیئے کہ جدید مفید علوم و فنون کے ساتھ ساتھ حتی الامکان ضروری اسلامی علوم کی تعلیم کو مربوط کرنا چاہیئے، آج عام طور سے یہ صورتِ حال ہے کہ جو اصحاب جدید علوم و فنون سے واقف ہیں، وہ مذہبی علوم سے نا آشنا ہیں اور جو مذہبی علوم سے واقف ہیں وہ نئے علوم اور نئی زندگی کے مسائل سے ماہرانہ واقف نہیں ہیں، اس کی وجہ سے مذہبی اور عملی زندگی میں سب بڑی خلیج حائل ہوگئی ہے، ممکنہ طریقوں سے اس تضاد و تصادم کو دور کرنے کی کوشش ضروری ہے۔

خرد افزود مرا درس حکیمانۂ فرنگ سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظران

یہ اصول سارے عالم اسلام بلکہ ساری انسانیت کے لئے مفید اور ضروری ہے، اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے حسب ذیل تشکیلیں تجربہ سے فائدہ بخش ثابت ہوئیں، (تفصیلات پر بحث علمی تنظیم کی کمیٹیوں میں واضح طور پر ہو سکے گی)

۱۔ مسلمانوں کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں عثمانیہ یونیورسٹی کے سابق شعبہ دینیات کے نمونہ پر یہ شعبہ قائم کیا جائے جہاں شعبہ قائم ہے وہاں اس کی ایسی اصلاح کی جائے کہ سائنس یا آرٹ کے سوشل علوم کے ساتھ ساتھ طالب علم کسی اسلامی علم کو اپنا مضمون منتخب کریں، یا کر سکیں۔ ہندوستان میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں یہ کام زیادہ سہولت سے ممکن ہے،

۲۔ مختلف اسٹیٹس کی یونیورسٹیوں میں کوشش کی جائے کہ اسلامک اسٹیڈیز کے شعبے قائم ہوں، اس شعبہ میں ایک مضمون یا پرچہ دیگر اہم مذاہب کے اصول اور تاریخ کے پس منظر کا ہو۔ (اس مسئلہ کی تفصیلات اور دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں کے عملی نمونوں اور تجربات کے مطالعہ کے لئے، ڈاکٹر سیف الدین صاحب کی مطبوعہ

کتاب اسلامک اینڈ اورینٹل اسٹڈیز ان دی ورلڈ یونیورسٹیز نہایت مفید کتاب ہے جس کو ڈاکٹر صاحب نے اپنے تجربات کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔

واضح رہے کہ یہ خیال خیالی بالکل نہیں بلکہ تجرباتی اور عملی ہیں

عام لازمی مذہبی تعلیم سرکاری مدارس اور کالجوں میں عام مذہبی تعلیم کی نوعیت اور طریق کار کے لیے سر رادھا کرشن یونیورسٹی کمیشن کی سفارشات کو بنیاد بنا کر ہندو مسلم مذہبی لوگوں کی عام مشترکہ منظم کوششیں کی جائیں، آل انڈیا فیڈریشن آف ایجوکیشن کی تنظیم میں بھی اس خیال کے عناصر موجود ہیں۔ ان کا تعاون مفید ہوگا۔

نوٹ - سر رادھا کرشن رپورٹ شائع ہو چکی ہے۔ اس رپورٹ میں یہ بحث نہایت تفصیل سے کی گئی ہے کہ ہند کے سیکولر نظام میں مذہبی تعلیم کی کیا نوعیت ممکن، مفید اور ضروری ہے، سارے مذہبی تعلیم کے حامیوں کو اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

اس بحث کے سلسلہ میں اسلامی تعلیم کی بھی بحثیں کی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ مذہب کی تعلیم رواداری نہ ہونی چاہئے، اور وسیع معنوں میں رواداری اسلام کے مترادف ہے، یہ کوشش مسلسل اور منظم کارروائی سے بار آور ہو سکتی ہے۔

اعلیٰ مذہبی مدارس میں اصلاح اس کے مقابلہ میں اس سلسلہ کی جو اصلاح مسلمانوں کے اعلیٰ مذہبی مدارس میں بھی ممکن ہے، وہ خود مسلمانوں کے اختیار کا کام ہے۔ افسوس ہے کہ اس کا احساس اور اس کے لیے عملی اقدام کا میلان ہم میں تقریباً مفقود ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ دیوبند اور ندوہ جیسے بڑے بڑے دار العلوم میں فی الحال انگریزی علاقہ داری زبانوں میں سے کسی ایک زبان اور عمرانی علوم (Social Sciences) میں سے کسی ایک مضمون کی لازمی تعلیم کا آغاز کیا جائے، جہاں فوراً یہ اصلاح عملاً کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو اسلامی فکر و نظر رکھنے والے ماہرین علوم عمرانی کے چند مسلسل خطبات (Courses) کا انتظام کیا جائے، جن کو سن کر عربی مدارس کے طلبہ مذہب کی روشنی میں زندگی کے نئے مسائل کو عالمانہ معیار پر سمجھنے کی کوشش کرنے پر مائل ہوں،

جہاں نہیں ممکن ہو ایسے مدارس میں مفید عملی صنعتوں اور عملی تجارت کے طریقوں کی تعلیم و تربیت کے شعبے قائم کیے جائیں۔ اس طریق اصلاح سے نہایت مفید نتائج پیدا ہونے کے قوی امکانات ہیں۔

انجمن خادم المسلمین مفید عملی صنعت اور ہنر کی تعلیم کے لیے ٹیکنیکل مدارس قائم کیے جائیں۔ ان مدارس میں مسلمان بچوں اور بچیوں کو مذہب کی بنیادی تعلیم و تربیت کا ماحول مہیا کیا جائے، (حیدر آباد میں انجمن خادم المسلمین کاچی گوڑہ حیدر آباد) اس قسم کے مدارس کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔

اس طرح لڑکیوں کے لئے ایسے مذہبی اور خانہ داری کی صنعتوں کی تعلیم کے مرکز قائم کرنے ضروری ہیں، خانہ داری کی صنعتوں اور زنانہ ہنر سے مراد ایسے ہنر ہیں، جن میں مشق اور مہارت سے عورتیں اپنی گھریلو زندگی سلیقہ اور کفایت سے چلانے میں مدد دے سکیں، اگر معاشی تنگی ہو، یا بدقسمتی سے سرپرستوں کا سہارا نہ رہے تو وہ ان ہنرمندیوں اور دستی صنعتوں کی مدد سے بضرورت باعزت روٹی کمانے کے قابل بن جائیں،

ان مدرسوں میں خاص طور پر عورتوں کو طریقہ تعلیم اور بچوں کی نفسیات کی ٹریننگ دی جائے تاکہ گھر پر ہی عورتیں اپنی اولاد کی ابتدائی تعلیم اور بنیادی مذہبی تعلیم کے فرائض زیادہ خوبی سے ادا کرنے کے قابل بن جائیں۔

ایسی تعلیم میں بی بی عائشہؓ کی تعلیمی خدمات، بی بی خدیجہؓ کی تاجرانہ مہارت، بی بی زینبؓ کی چمڑے کی صنعت میں مہارت، ام سلمہؓ کے کمال قرأت کی روایات کو زندہ کرنا ہے،

میں محض مثال کے طور پر صرف کپڑے سے متعلق چند دستی صنعتوں اور ہنرمندیوں کا ذیل میں ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ کپڑے دھونا۔ بڑے شہروں میں یہ کام اہم بھی ہے اور فائدہ بخش بھی، سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ وغیرہ میں عورتیں کپڑے بڑی خوبی سے دھوتی ہیں۔

۲۔ کپڑے سینا۔ سینا پرونا روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی ہیں۔ سلائی خاص کر اچھے وضع کے کپڑوں کی سلائی خاص مہنگی ہوتی ہے، زنانہ سلائی کی خصوصی مہارت بطور خاص فائدہ بخش ہے،

کپڑے چھاپنا اور رنگنا۔ آج کل چھپائی کے کپڑے بہت مقبول عام ہوتے جارہے ہیں، اور چھپائی کا معیار برابر اونچا ہورہا ہے، اس کام کا منافع بھی بڑھ رہا ہے۔

اس طرح اور بھی بعض لطیف صنعتیں ہیں۔ جیسے چمڑوں پر نقاشی وغیرہ۔

مسز خان کا انسٹیٹیوٹ حیدرآباد دکن
آل سینٹ چرچ روڈ متصل بنگلہ ڈاکٹر بہادر خان

حیدرآباد میں لیڈی اروِن کالج دہلی کے نمونہ پر گھریلو صنعتوں کی زنانہ درسگاہ ہونا کا ایک مفید سرکاری نظام ہے۔ لیکن ایک مسلمان صناع بی بی کا خانگی انسٹیٹیوٹ قائم ہوا ہے، جہاں ایسی صنعتیں کم از کم مدت میں اس حد تک سکھانے کا انتظام ہوا ہے کہ بی بی میاں بضرورت اس مہارت سے معیشت کی مشکلات میں مدد دینے کے قابل بن سکیں، یہ محترم خاتون مذہبی اور عرفانی رنگ میں بھی کمال رکھتی ہیں۔ یہ عالم نسواں کی بیداریوں کا ایک صحیح عملی نمونہ ہے

(بقیہ مضمون ۵۹) یہ مضمون افکار پریشان کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے، مجھے اس کا احساس ہے کہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس سے مسئلہ کا پورا حل سامنے نہیں آتا ہے۔ میں اسے زیادہ سے زیادہ دعوتِ فکر کہہ سکتا ہوں۔ اگر ہمارے اکابر اس پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں اور حالات کا صحیح طور پر جائزہ لیں تو یقیناً ان مسائل کا حل بہت دشوار نہیں ہوگا۔

اسلامی دنیا کا دینی اور علمی گہوارہ
ہندوستان میں اولیائے عظام اور علمائے کرام کا روحانی مرکز

استاذ الاکبر
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند و صدر دارالعلوم دیوبند

تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ آفتاب اسلام کی شعاعیں ظلمت کدۂ ہندوستان پر پہلی ہی صدی ہجری سے پرتو فگن تدریجاً اس طرح ترقی پذیر ہوتی رہیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہر قسم کی مادی اور معنوی شوکت نے ہندوستان کو اپنا گھر بنا لیا اور ظاہری باطنی دونوں قسم کے فیوض سے باشندگانِ ملک کو مالا مال بنانے میں روز افزوں قدم بڑھاتی رہیں۔ یہاں تک کہ زمانہ سلاطین مغلیہ میں یہ آفتاب اپنی چمک اور دمک کے ساتھ انتہائی عروج پر پہنچا، اور نہ صرف سیاسی حیثیت سے بلکہ علمی اور عملی اقتصادی اور مذہبی، تجارتی اور صنعتی، مالی اور اخلاقی، روحانی اور جسمانی وغیرہ وغیرہ حیثیات سے بھی ربع مسکون میں عدیم النظیر بن گیا۔

اس زمانہ میں اگر ہمایوں اور اکبر، شاہجہان اور عالمگیر جیسے اولوالعزم بادشاہ نظر آتے ہیں تو خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی خواجہ محمد معصوم سید احمد نوری حضرت خواجہ نظام الدین بلخی، شاہ ابو سعید گنگوہی، شیخ محب اللہ الٰہ آبادی، وغیرہ جیسے صوفیاء اور اہل باطن اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شیخ علی متقی صاحب کنز العمال، مولانا محمد طاہر نہروالی صاحب مجمع البحار، علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی، علامہ سید زاہد ہروی، علامہ محب اللہ بہاری، ملا محمود جونپوری وغیرہ جیسے علماء سیکڑوں کی تعداد میں ملتے ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ ان اکابر صوفیہ اور ان کے خلفا اور مریدین نے جس طرح اس زمانہ میں اپنی باطنی روشنی سے ہندوستان کے کوچہ کوچہ کو جگمگا دیا تھا، اسی طرح ان علمائے ظاہر اور ان کے اقران و تلامذہ کے فیوض اور تعلیم نے علوم اسلامیہ کی تیز اور تند شعاعیں کو بکو ہندوستان میں پھیلا دی تھیں۔

لاکھوں کی تعداد میں مدارس اور خانقاہیں بنی ہوئی تھیں، علم کا چاروں طرف چرچا تھا، روحانیت کا تسلط تھا، ہر طرف امن وامان کا دور دورہ تھا۔ اسلامی حکومت کی قوت اور سطوت اس قدر زور آور تھی کہ مورخین یورپ آج تک اقرار کر رہے ہیں کہ اس زمانہ کی حکومت ہندیہ اگر چاہتی تو تمام یورپ کو زیر وزبر کر دیتی۔

کپتان الگزنڈر ہملٹن اپنے سفرنامہ میں کہتا ہے کہ فقط شہر ٹھٹھہ میں جو کہ دارالسلطنت سے تقریباً ہزار میل سے زیادہ دوری رکھتا تھا، چار سو کالج مختلف علوم وفنون کے موجود تھے، حالانکہ آج تمام ملک ہندوستان میں ڈھائی سو کی مقدار میں بھی کالج نہیں ہیں

تجارت کی وہ ترقی تھی کہ باوجود سہولت نقل وحرکت اور باوجود ہر قسم کے دخانی اور برقی آلات کے حسب اقرار اہلِ یورپ آج تک ہندوستان اس درجہ تک نہیں پہنچ سکا ہے، ہر صوبہ اور ہر شہر میں تعلیم اور تدریس کے مراکز کی بے انتہا کثرت تھی، دستکاری کا بازار گرم تھا، رعایا نہایت خوشحال تھی، سونے اور چاندی کے دریا بہتے تھے، وغیرہ وغیرہ،

فلک دوارکی آنکھیں یہ دیکھ نہ سکیں، اور اہلِ ہند خصوصاً مسلمانوں کی خوشحالی پر اس کی ترچھی نظر پڑی، ادبار کی آندھیوں اور بدبختی کی گھٹاؤں کو مسلط کیا، یورپ کے سفید بھیڑیوں کو اسلام کی بھیڑوں کے پھاڑنے کے لیے تجارت کے بہانے سے ہندوستان میں لا ڈالا، ان کی خودغرضیوں اور رقابت اور جوع المال اور جوع الارض کی پالیسی نے وہ اودھم مچائی کہ اورنگ زیب مرحوم کے انتقال ہی سے روز افزوں کسوف نے اسلامی آفتاب کی روشنیوں کو ماند کرنا شروع کر دیا۔

اپنی اغراض کے لیے سیاست کے ساتھ ساتھ مذہبیت، علم ظاہر اور باطن، تجارت اور دستکاری، خوشحالی اور تمول، شہری اخلاقی اور غیرت، امن اور رفاہیت وغیرہ سب کے سب رخصت کر دیئے گئے، آہستہ آہستہ ۱۸۵۷ء میں وہ نوبت پہنچی کہ ہندوستان ہر حیثیت سے نہ صرف چٹیل میدان تھا، بلکہ ایک خارزار جنگل دکھائی دینے لگا۔

اغیار کے تسلط اور ان کی مردم کش پالیسی کا جال تو ہر طرف بچھ گیا تھا مگر مغربی الحاد اور یورپین دہریت کی تیز و تند باد صرصر بھی ہر طرف چلتی ہوئی دکھائی دینے لگی، مذہبی تقیدات سے تنفر اور روحانی معارج سے اجنبیت نے ہر طرف اپنا پنجہ جما لیا، آزادخیالی کے جادو اور مادیت پرستی کے عشق نے دلوں اور دماغوں کو مسخر کر لیا، کم و بیش چاروں طرف بے دینی کی آندھی چلنے لگی، طوائف الملوکی اور دو صدی کی بے امنی نے جس جہالت کی تاریکی کو پھیلایا تھا، اس نے کریلا اور نیم چڑھا کا کام دیا، کہیں سے الحاد و زندقہ کے بگولے اٹھے تو کہیں سے نیچریت اور عیسائیت کے زہریلے گیس نمودار ہوئے، کہیں سے عدم تقلید کی وبائیں پھیلیں تو کہیں سے بدعت و شرک کی پلیگ رونما ہوئی، کہیں سے مذہب کے خلاف علم بلند کیا گیا، تو کہیں سے اختراعات مذہبیہ کی نئی نئی رنگین جھنڈیاں دکھائی گئیں کہیں سے علم باطن کے خلاف آوازے کسے گئے، تو کہیں سے شریعت اور علم ظاہر پر گولہ باری کی گئی، کہیں سے اندرونی فتنے اسلامی قلعوں کو کھودنے لگے، تو کہیں سے بیرونی دشمنوں نے دھواں دھار آتشباری کی، غرضیکہ مغربی تسلط نے نہ صرف اسلامی سیاستِ ہند کو تہ و بالا کیا، بلکہ اس کی زہریلی روحانی گیس نے اس سے بھی زیادہ قتل و قتال کا بازار گرم کیا۔

اس روز افزوں فتنہ نے اہل اللہ کے چھکے چھڑا دیئے، ہوش و حواس باختہ کر دیئے۔ ان کو صاف دکھائی دینے لگا کہ اگر اس وقت تھوڑی سی بھی غفلت برتی گئی تو حکومت اسلامیہ کی طرح مذہب اسلام اور صحیح عقیدہ و اعمال بھی بہت جلد ہندوستان سے رخصت ہو جائے گا۔ اس لیے اپنی کوششوں سے اور صرف اپنی کوششوں سے ایک آزاد ایسی درسگاہ قائم کرنی چاہیئے جو مسلمانوں کی مذہبی صحیح اور واقعی رہنمائی کرتی ہوئی، لوگوں کے لیے نمونہ بنے۔ ملک ہندوستان میں مذہب اہل سنت والجماعت کی حسب طریقۂ اسلاف کرام محافظ ہو، اس کا تعلق علوم والسنہ مغربیہ اور فنون اجنبیہ سے نہ ہو، وہ مسلمانوں میں اخلاص اور تواضع کی اسپرٹ اور اخلاق نبویہ کی شراب طہور پیدا کرے، وہ باطنی اخلاص اور روحانی تزکیہ کی اسی طرح ممد و معاون ہو جس طرح وہ علم شریعت

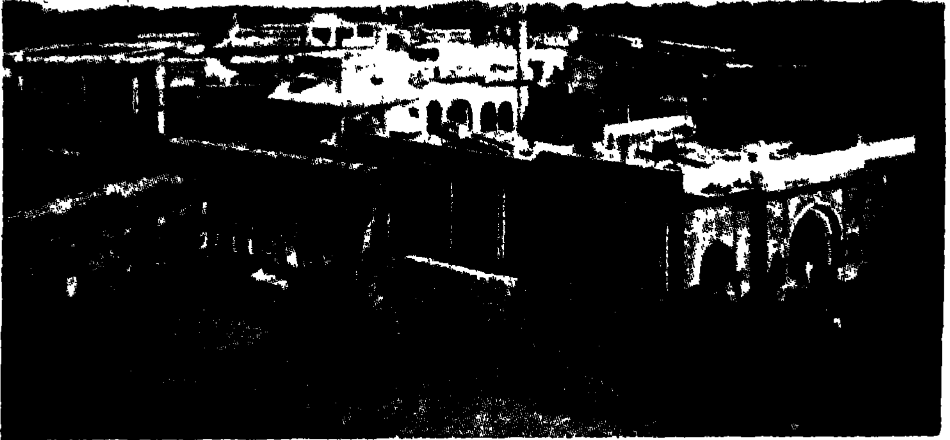
اور دینی فنون کی علمبردار رہے، وہ نہ صرف ظاہری الفاظ اور ظاہری معانی پر رک کر قشر بلا لب کا جامہ پہنائے اور نہ خشک بنائے بلکہ حقائق اور حکم، تفقہ اور تدقیق کی طرف بھی رہنمائی کرے، وہ فلسفہ قدیمہ یونان اور منطق قدیم کی بے معنی دلدل میں بھی نہ پھنسائے۔ اور نہ اہل ظاہر کے میدان تیہ میں سرگردان کرے، وہ اگر ایک طرف بخاری اور ترمذی کی روحانیت پیدا کرے تو دوسری طرف ابو حنیفہ و شافعی کی فقاہت کی بھی ذمہ دار ہو، وہ اگر ایک طرف اشعری اور ماتریدی کی تحقیقات کا چسکا نمودار کرے تو دوسری طرف جنید بغدادی اور سری سقطی کی گلشن بلا دے، وہ نہ صرف اتباع شریعت کا ذوق وشوق پیدا کرے بلکہ سنت نبویہ اور طریقت باطنیہ کا بھی والہ وشیدا بنا دے۔ وہ اگر ایک طرف اسلام کی اندرونی محافظت کا ملکہ پیدا کرے تو دوسری طرف مخالفین اسلام کے بیرونی حملوں سے بچانے کی قوت کی بھی کفیل ہو وہ ایک طرف اگر مخالفین اسلام کے حملوں کی مدافعانہ تقریری قوت کی ذمہ دار ہو تو دوسری طرف تحریری سحر بیانی اور اس کی راسخہ طاقت کی بھی مدرس رہے، اس میں اگر ایک طرف قال ابوحنیفہ اور قال سیبویہ اور قال ابن سینا کی آواز آئے تو دوسری طرف قال اللہ وقال الرسول علیہ السلام کی صدا بلند ہو،

حضرت قطب عالم مولانا الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے بعد خیال تھا کہ ایک مذہبی مرکز اور اسلامی دارالعلوم قائم ہو گا مگر یہ معلوم نہ تھا کہ یہ نعمت بے بہا اہل دیوبند کی قسمت میں تھی، الغرض تقادیر الٰہیہ کے تصرفات اور اہل اللہ کی ہمتوں اور دعاؤں نے چند ایسے بہ ہمت اور پاکیزہ حضرات کو کھڑا کیا جو کہ علم و عمل کے جامع اور زہد و ورع اور سنت کے معدن تھے، وہ اگر ایک طرف معقولات کے امام تھے تو دوسری طرف منقولات میں مجدد وقت بھی تھے، وہ اگر ایک جانب نسبت مجددیہ اور سکینہ ووقار کے پہاڑ تھے تو دوسری طرف نسبت چشتیہ و وقار بہ عشق و جذبے بحر زخار بھی تھے، وہ جس طرح اتباع سنت پر جان دیتے تھے اسی طرح سلوک اور تمکین کے بھی قطب تھے، انھوں نے ایسے مضمون و کتب نصاب اور طرز تعلیم وغیرہ کو مرتب کیا جو کہ ولی اللّٰہی حدیث وتفسیر اور نظامی معقول کا جامع تھا، اسی طرح حنفی تفقہ کا حامی اور بہ دوسری اتباع سنت کا محافظ اور اہل سنت والجماعۃ کا آرگن تھا۔ اور فرق مبتدعہ اور ان کے عقائد و اعمال سے بچانے والا یہی وہ امر تقدیری تھا جس کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسو برس پیشتر اپنی روحانی قوت سے ادراک کیا تھا، اور بوقت نظر بندی دیوبند سے گذرتے وقت فرمایا تھا کہ یہاں سے احادیث نبوی کی خوشبو آتی ہے،

الغرض دارالعلوم دیوبند ایک قومی انسٹی ٹیوشن ہے جو کہ خاص اغراض کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اور انھیں خاص اغراض کو ایک خاص جماعت نے مسلمانان ہند بلکہ مسلمانانِ عالم کے زمانہ موجودہ میں حقیقی خدمت سمجھی تھی، جو کہ واقعیت پر مبنی تھی اور بہر اور اس خدمت کو اس مدرسہ نے بحمد اللہ بڑے پیمانہ تک انجام دیا۔

دارالعلوم نے اسلامی مذہبیت کی اس اعلیٰ پیمانہ پر خدمت انجام دی، کہ نہ صرف ملک ہندوستان بلکہ تمام قدیم و جدید مدارس دینیہ پر فوقیت لے گیا بلکہ ممالک اجنبیہ افغانستان، بلوچستان، تبت، وسط ایشیا، چین، مشرقی یمن، حجاز، مصر، شام، ایشیائے کوچک، روم، روس، مغرب، جاوا، وغیرہ دیار اسلامیہ میں بھی عدیم النظیر ثابت ہوا، جامع ازہر قاہرہ اور جامع زیتونہ

دارالعلوم دیوبند کا ایک اجمالی منظر



یونس، اور مدارس دینیہ ترکیہ اگر اس کے سامنے آ دینیون اور طلبہ کی کثرت اور عمارات کی بلندی اور وسعت سے فخر کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو یہ اپنے تربیت دیئے ہوئے طلبہ اور فارغ التحصیل علماء وفضلاء کی اعلیٰ قابلیتوں سے ان کو نیچا دکھانے کے لئے تیار رہو گا۔

اس نے اس تھوڑی سی عمر میں اعلیٰ سے اعلیٰ کمالات رکھنے والے علماء ہزاروں کی تعداد میں پیدا کئے جو کہ علمی، عملی، روحانی اور اخلاقی کمالات میں اپنے زمانہ کے یگانہ اور اپنے اپنے اقطاع میں مذہبی رہنما اور امام ثابت ہوتے، ایسے ایسے مکمل فضلاء سے اس دارالعلوم نے نہ صرف ہندوستان ہی کو منور نہیں کیا، بلکہ ہندوستان سے باہر یاغستان، افغانستان، تبت، مشرقی چین، عراق، شام، حجاز، جیوہ، بخارا، قازان، روس وغیرہ کو بھی اپنے فارغ شدہ طلباء کی شعاعوں سے جگمگا دیا، ان مختلف دیار کے رہنے والے افاضل کی فہرستیں عموماً روئداد وں میں ہمیشہ شائع ہوتی رہتی ہیں، جن کی تفصیل سے یہ مختصر اوراق قاصر ہیں۔

ان فارغ شدہ علماء نے اسلام کی واقعی رہنمائی کی، مدارس قائم کئے، علوم دینیہ کو مسلمانوں میں پھیلایا، وعظ ونصیحت، افتاء وتدریس، تربیت وتسلیک وغیرہ کی خدمتیں انجام دیں، آزادی اور دہریت کی وباؤں سے مسلمانوں کی حفاظت کی، بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچایا، عیسائیت کے روز افزوں طوفان کو روکا، سناتنیوں، آریوں وغیرہ کی زبانوں کو گنگ کیا، اور ان کے قلعوں کو شکستہ کیا، مناظرے کئے، رسائل شائع کئے، تقریریں کیں، غرضکہ اس پر آشوب زمانہ میں ہر قسم کی مذہبی خدمتوں کو بجالاکر فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعۃ کی محافظت صحیح طریقہ پر کرتے رہے، اگر خدانخواستہ یہ دارالعلوم اس زمانہ میں ہندوستان میں قائم نہ ہوتا مسلمانوں کی آپس کی مذہبی خانہ جنگیاں اور اغیار کے بیرونی حملے خدا جانے اسلام کو کہاں سے کہاں تک برباد کر دیتے۔ اور نہ معلوم ان دیار میں مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کا کیا حال ہوتا۔

اگرچہ دور کے ڈھول سہاون ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس دارالعلوم کے فارغ التحصیل علماء جامع ازہر اور جامع زیتونہ سے ترکستان، روم وروس، حجاز وشام وغیرہ کے علماء وفضلاء سے علوم وفنون اخلاق اور عمل میں بدرجہ سبقت لے گئے۔ اور ہر طرح ان سے اعلیٰ اور احسن ثابت ہوئے، جامعیت اور للہیت میں انہوں نے اپنے آپ کو عدیم النظیر ثابت کیا، والحمد للہ والمنۃ اس کی وجہ بجز اس کے کہ بانیین ومنتظمین کی حسن نیت وسعی دارالعلوم اور اس کے کارکنوں کی بارگاہ خداوندی میں مقبولیت، تعلیم وتدریس کا حسن طریق، اساتذہ کی صداقت اور ان کا کمال، اعانت کرنے والوں کا اخلاص وغیرہ اعلیٰ پیمانہ پر قرار دیئے جائیں، اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

دارالعلوم کی یہ روش ہمیشہ سے محض ظاہری علوم ہی سے آراستہ ہونے والے نفوس کے ہاتھ میں نہیں رہی، بلکہ اس کی باگ ہر زمانہ میں ان اہل اللہ کے ہاتھوں میں بھی رہا کی جو کہ طریقت اور حقیقت کے قطب عالم امام اور روحانی کمالات اور معنوی علوم کے آفتاب بھی تھے، ان کے نفوس قبولیت خداوندی کے مظہر اتم اور مقبولان بارگاہ نبوت کے سرگروہ رہا کئے تھے۔ ریاضت اور تقویٰ سے انہوں نے اپنے آپ کو پاکیزہ بنایا تھا۔

حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کا وہ خواب کہ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے پیروں کے نیچے سے چاروں طرف نہریں جاری ہیں، اور مولانا رفیع الدین صاحب کی یہ رویا کہ علوم دینیہ کی کنجیاں ان کو دی گئی ہیں وغیرہ وغیرہ اہل اللہ کے مبشرات کا مظہر یہ مدرسہ ہی ہوا، یہی وجہ ہے کہ معنوی برکات اور مقدس و پاکیزہ ارواح مقبولہ کے سایہ سے آج تک دار العلوم خالی نہیں، اور اسی بنا پر یہاں کے طلبہ اور علماء میں مجموعی حیثیت سے جو کمالات مشاہد ہوتے ہیں دوسری جگہ نہیں ہو سکے اور نہ ہوتے ہیں و للہ الحمد والمنۃ۔

تیرہ ستو نہ گھبراؤ نہ شرماؤ ادھر آؤ   وہ نیسان کرم اب بھی ہیں سرگرم درافشانی

ابتداء ابتداء میں اہتمام کی باگ حضرت حاجی عابد حسین صاحب مرحوم کے ہاتھ میں رہی، اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم کے ہاتھ میں آئی حضرت حاجی صاحب موصوف تو طریقۂ چشتیہ صابریہ کے اعلیٰ درجہ کے بزرگ اور ریاضت و زہد کے مجسمہ تھے ہی مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم بھی میدان طریقت و حقیقت کے اعلیٰ شہسوار اور نہایت مکمل شخص تھے، حضرت شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی مجددی مہاجر قدس اللہ سرہ العزیز کے خلفاء میں وہ اعلیٰ درجہ رکھتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب مرحوم ان پر فخر کیا کرتے تھے، مولانا مرحوم کے روحانی فیوضات کو بھی دار العلوم کی کامیابی اور فارغ التحصیل طلباء کی تربیت و پرورش میں اسی طرح نمایاں حصہ ہے جس طرح حضرت قطب العالم عارف باللہ مولانا نانوتوی اور حضرت قطب ارشاد عارف باللہ مولانا گنگوہی اور مولانا العارف باللہ مولانا محمد یعقوب صاحب وغیرہ اکابر کا عظیم الشان تصرف اور حصہ ہے،

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم کی ہجرت مدینہ کے بعد پھر جناب حاجی عابد حسین صاحب نے اہتمام کی باگ اپنے ہاتھ میں لی مگر ان کی قبولیت عامہ اور کثرت مشاغل خلق اللہ کی خدمت نے بہت جلد ان کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ محض مجلس شوریٰ کے ممبر رہیں اور کاروبار اہتمام کو کسی دوسرے کے سپرد کر دیں، چنانچہ منشی فضل حق صاحب مرحوم اور ان کے بعد مولانا منیر صاحب مرحوم تھوڑے ہی عرصہ میں مسند اہتمام کے زیب و زینت بنائے گئے، تاہم ان بزرگوں کے زمانۂ اہتمام میں ان کی بیرونی وجاہت و شہرت نہ ہونے کی بنا پر یا دیگر اسباب کی وجہ سے دار العلوم کو نمایاں ترقی نہ ہوئی، ۱۳۱۳ھ میں اس زمانہ کی ضرورتوں اور احوال مدرسہ نے حضرت قطب العالم مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز سرپرست دار العلوم کو مجبور کیا کہ وہ خود دیوبند تشریف لائیں، اور دائرۂ اہتمام کی ذمہ داری کسی مناسب اور لائق ہستی کے سپرد کر دیں۔

آخر کار حضرت اعلیٰ قدس اللہ سرہ العزیز گنگوہ سے رونق افروز ہوئے جناب نواب محمود علی خان صاحب آف چھتاری مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی جناب حکیم ضیاء الدین خان صاحب رامپوری اور بہت سے مقدس حضرات اہل وطن اور اہل ظاہر رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس وقت جمع ہوئے، نشیب و فراز پر غور کیا گیا، مختلف مجالس قائم کی گئیں، پورے غور و خوص کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر نے یہی مستحسن قرار دیا کہ جناب مولانا حافظ احمد صاحب دام مجدہم کے ہاتھ میں کاروبار اہتمام کی باگ دی جائے۔

(اب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی منصب اہتمام پر یادگار و تاریخی خدمات انجام دے رہے ہیں)

(ادارہ)

آثار متبرکہ

دارالعلوم دیوبند ودیگر مدارس عربیہ کے متعلق

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے خاص دست مبارک کے لکھے ہوئے چند اصول کا نقلی عکس

وہ اصول جن پر یہ مدرسہ اور نیز اور مدارس

چندہ مبنی معلوم ہوتی ہیں

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہی آپ کوشش کریں

اور وں سے کرائیں خیر اندیشان مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہی

(۲) ابقاء طعام طلبہ بلکہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکی خیر اندیشان مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں

(۳) مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہی کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو۔ اپنی بات

کی پچ نکیجائی خدانخواستہ جب اسکی نوبت آئیگی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالف رای اور اوروں کی رای

کی موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنا میں تزلزل آجائیگا القصہ تہ دل سی بروقت مشورہ

اور نیز اسکی پس و پیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہی سخن پروری نہو اسلئی ضروری کہ اہل مشورہ

اظہار رای میں کسیوجہ سی متامل نہوں اور سامعین بہ نیت نیک اسکو سنیں یعنی یہ خیال رہی کہ اگر دوسرے کی

بات سمجھ میں آجائیگی تو اگرچہ ہماری مخالف ہی کیوں نہ بدل و جان قبول کرینگی اور نیز اسیوجہ سی یہ

ضروری کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سی ضرور مشورہ کیا کری خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ

مشیر مدرسہ رہتی ہیں یا کوئی وارد وصادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز

اسیوجہ سی ضروری کہ اگر اتفاقاً کسیوجہ سی کسی اہل مشورہ سی مشورہ کی نوبت نہ آئی اور بقدر ضرورت

اہل سورہ کی مقدار معتد بہ سے سورۃ کیا گیا ہو تو یہ دہ شخص سود سے ناخوش ہو کر مجلس کیوں نہ پوچھا ان اگر مہتم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر ہر اہل سورہ معترض ہو سکتا ہے

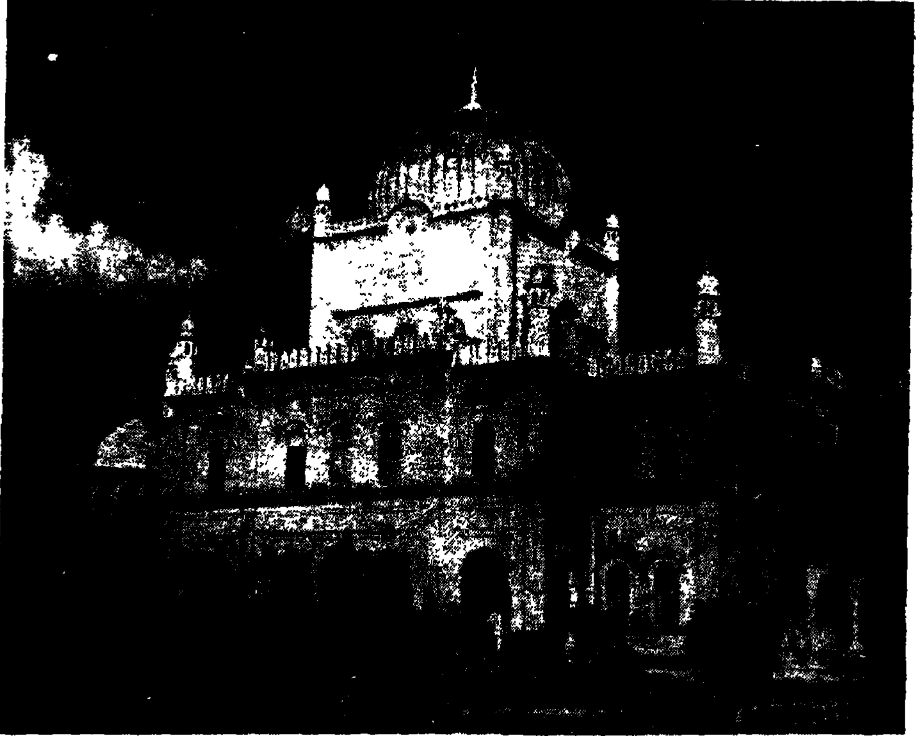
(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خود بین اور دوسروں کی درپے توہین نہ ہوں خدانخواستہ جب اسکی نوبت آئیگی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں

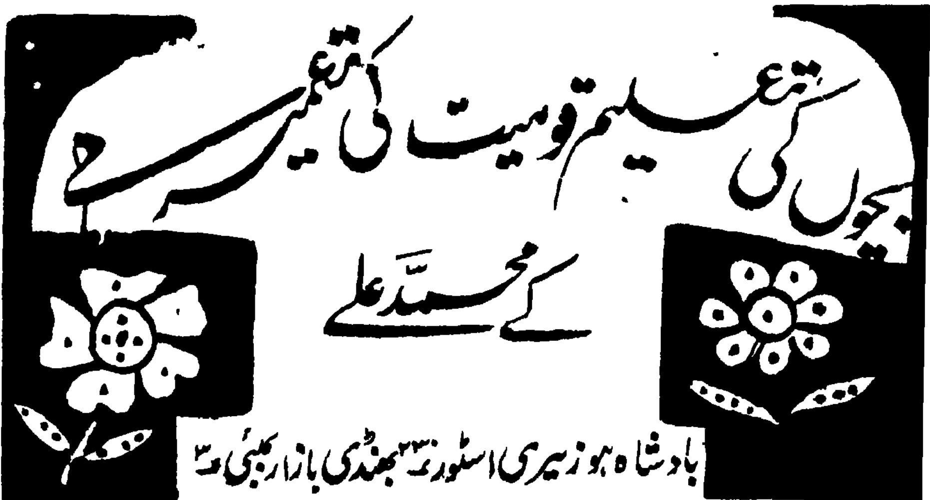
(۵) خواندگی مقررہ اور اندازہ سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز پہلو ہی ہو جایا کرے ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہو گئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو یہ یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہیگا اور امداد غیبی موقوف ہو جائیگا اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائیگا القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں اکی نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے

(۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے

(۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جنکو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائداری کا سامان معلوم ہوتا ہے




بچوں کی تعلیم قومیت کی تعمیر ہے
کے محمد علی
بادشاہ ہوزیری اسٹورز ۳۳ بھنڈی بازار بمبئی ۳

روانیٔ اسلام

نظم جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

روانیٔ اسلام حضرت مولانا طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وہ مقبول مشہور قدیم نظم ہے جو موصوف نے اب سے تقریباً ۵۰ سال پیشتر حضرت لسان العصر اکبر الٰہ آبادی کے نقشِ قدم پر لکھی تھی اس نظم کو صاحب موصوف نے جب حضرت لسان العصر کی خدمت میں بھیجا تو اس کا جواب انھوں نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم کے ایک خط میں ان الفاظ کے ساتھ دیا تھا کہ مولانا طیب کی نظم روانیٔ اسلام نظر سے گذری سبحان اللہ احسن علیٰ جزاک اللہ بالعاقش نقشِ ثانی بہتر کشد

اندرونِ عرب

چلا ارضِ بطحا سے ایک بحرِ ذاخر — کہ تھا جس کی موجوں کا اوّل نہ آخر

وہ توحید کی نے بجاتا ہوا — سرودِ حجازی میں گاتا ہوا

وہ جنگل میں منگل بناتا ہوا — وہ شہروں میں شادی رچاتا ہوا

پہاڑوں پہ نعرے لگاتا ہوا — سمندر میں طوفان اٹھاتا ہوا

ضلالت کے بیڑوں کو ڈھاتا ہوا — زمانہ میں اودھم مچاتا ہوا

محیطِ زمیں پر وہ چھاتا ہوا — خبائث کی گھاتیں مٹاتا ہوا

صداقت کے جھنڈے اڑاتا ہوا — وہ باطل کو نیچا دکھاتا ہوا

بتوں سے وہ رشتے تڑاتا ہوا — خدا سے ہر اک کو ملاتا ہوا

اسی کی عبادت سکھاتا ہوا — حضور اس کے سب کو جھکاتا ہوا

جہالت کی رسمیں مٹاتا ہوا — معارف کے ایوان اٹھاتا ہوا

وہ فرضی نیوویں اڑاتا ہوا — مظالم کو ڈانٹیں بتاتا ہوا

اذانیں زمیں پر دلاتا ہوا — شیاطین کو دھکے دلاتا ہوا

معاصی کو آنکھیں دکھاتا ہوا — گناہوں کی گردن دباتا ہوا

وہ نیکوں کو مژدے سناتا ہوا — شریروں کو ہر سو ڈھڈاتا ہوا،

وہ گرتوں کو بڑھ کر اٹھاتا ہوا کہیں ڈوبتوں کو تراتا ہوا
کہیں بلبلوں کو جلاتا ہوا انہیں آبِ حیوان پلاتا ہوا
بلاؤں کو سر سے ٹلاتا ہوا وہ رستوں سے کانٹے ہٹاتا ہوا
وہ غیروں کو اپنا بناتا ہوا لگن اک نئی سی لگاتا ہوا
وہ آنکھوں سے آنکھیں لڑاتا ہوا دلوں میں ہر اک کے سماتا ہوا

بیرونِ عرب

وہ ایوانِ کسریٰ ہلاتا ہوا علم رومیوں کے گراتا ہوا
چراغِ ہدایت جلاتا ہوا اور آتشکدوں کو بجھاتا ہوا
دوئی سے ہر اک کو بچاتا ہوا سوئے ذاتِ واحد بلاتا ہوا
سماوی ترانے سناتا ہوا اسی لے پہ سب کو لٹاتا ہوا

حکومت

وہ فتنوں کو ہر سو دباتا ہوا وہ بچھڑوں کو باہم ملاتا ہوا
سرِ میز عدالت بچھاتا ہوا حقوق اپنے سب کو دلاتا ہوا

برکات

تمدن کی بیخیں جماتا ہوا مہذب جہان کو بناتا ہوا
دلوں کو وہ وحدت دلاتا ہوا وہ روحوں کی قوت بڑھاتا ہوا
وہ درسِ حقائق پڑھاتا ہوا خرافاتِ یونان بھلاتا ہوا
صدف ہائے علمی بہاتا ہوا گہر ہائے عرفان لٹاتا ہوا

زمانۂ استقبال

چلا جائے گا یونہی چڑھتا ہوا اسی طرح دنیا میں بڑھتا ہوا

دلیل

کہ جو نورِ حق بہرِ اتمام ہے جو ہر فردِ انسان کو پیغام ہے
زمانہ کا جس پر کہ انجام ہے اسی کا تو مظہر یہ اسلام ہے

ندانم چنان جنبش آید در او
کہ حفظ خدا گشت چون بداو

ارمغانِ مدرسہ

دار العلوم دیوبند کی تاسیس پر ایک یادگار نظم

از جناب مولانا فضل الرحمن صاحب ممبر مجلس شوریٰ دار العلوم

علم دین سے جو ذرا بھی آشنا ہو جائے گا — جان و دل سے خیر خواہ مدرسہ ہو جائے گا

شور پشت علموں کا اس کے گوش و عقل و ہوش میں — وسعت ہمت سے زاغوں کی صدا ہو جائے گا

کہتے ہیں گر یوں نہ ہووے گا تو یوں ہو جائے گا — مانا گر یہ ہی ہوا آخر تو کیا ہو جائے گا

کیا سمجھتے ہیں خدا نخواستہ اس بزم کا — بادِ افواہِ حسد سے گل دیا ہو جائے گا

چاہے گا اطفاء نور حق کوئی تو بالضرور — آیتِ ان یطفؤا کا ماجرا ہو جائے گا

چشم بد اس کو لگے بھی کچھ تو یہ (مدرسہ) رعنا جوان! — رحمت حق سے زمین چنگا بھلا ہو جائے گا

کچھ سموم فتنہ سے کملایا بھی گر یہ چمن — آبیاری سے خدا کے پھر ہرا ہو جائے گا

اور جو خاک اندر دہان شان ہے وقت اس کا اخیر — کون ہے جو مانعِ حکمِ قضا ہو جائے گا

فرق سے کچھ آگے پیچھے کے بہ حکم کل من — جو زمین پر ہے وہ اک دن سب فنا ہو جائے گا

نیک اشقی الناس ٹھہرے گا وہی جس کے سبب — بند یہ سرچشمۂ دین ہدیٰ ہو جائے گا

فیض دنیا میں رہے گا اس کا بطناً بعد بطن — تا قیامت متصل یہ سلسلہ ہو جائے گا

ابتدا کو اس کی دیکھو تو کیا تھا یہ نہال — کون کہتا تھا درخت اتنا بڑا ہو جائے گا

اس میں پندرہ روپیہ کا ایک ملا اوستاد — کیا خبر تھی آستہ دن کا جتھا ہو جائے گا

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کے لیے — کوئی سرمایہ بھروسے کا ذرا ہو جائے گا

پھر یہ تنزیلِ معلق اور توکل کا چراغ — یہ سمجھ لینا کہ بے نور و ضیا ہو جائے گا

ہے توکل پر بنا اس کی تو بس اس کا معین — ایک اگر جائے گا پیدا دوسرا ہو جائے گا

ایک در سے روک دے گا کوئی چندہ کو اگر — دوسرا در لطفِ حق سے وا ہو جائے گا


دارالعلوم دیوبند کی مسجد

کہتے ہیں اس شوریٰ سے اصلاح ہے مدنظر — اس سبب سے انتظام مدرسہ ہو جائے گا

یعلم المفسد من المصلح ہے وصفِ ذاتِ حق — پس بروزِ حشر اس کا فیصلہ ہو جائے گا

رازِ سربستہ کھلیں گے حشر کے میدان میں جب — مفسدوں کو تب یقین بسیار ہو جائے گا

یوم لا یخفی من اللہ ہوئے گا جب جلوہ گر — رازِ تسوّد وجوہ برملا ہو جائے گا

اہلِ شوریٰ پر لگاتے ہیں جو جھوٹی تہمتیں — ان کا اس بیہودگی سے کیا برا ہو جائے گا

بیٹھو کچھ صبر و سکون سے دیکھو تو ہوتا ہے کیا! — ردِ شبہات پھر ہو جائے گا ہو جائے گا

جھوٹے الزاموں کا بھی ہو جائے گا پورا جواب — رفتہ رفتہ یہ بھی بے چون و چرا ہو جائے گا

آج کہنے سے تمہارے کچھ جو ہوگا ازدیاد — کل کو اوروں کو بھی یہی حوصلہ ہو جائے گا

ہوگا گر عزل و نصیب کوئی تو ایسا ہی گروہ — پشتیٔ شخصِ معطل کی کھڑا ہو جائے گا

اہلِ شوریٰ کو نہ ہوگا حکم سے اس کے مفر — شور ہوگا گر خلاف اس کے ذرا ہو جائے گا

الغرض یہ ہی تماشے اس میں ہو دیں گے ضرور — قومی کشتی کا اکھاڑہ مدرسہ ہو جائے گا

یہ بھی ملتا اہلِ شوریٰ اور مدرس ہوں جدید — اس سے اک تازہ سامان اور جھگڑا ہو جائے گا

ہو دے گی ان بن کے کڑی جمع اس میں آ کے جب — تب مخالف ایک مدرس ایک کا ہو جائے گا

دوستو یہ جو مدرس ہم عقیدہ ہیں تمام! — کون ان سے بڑھ کے یارِ باوفا ہو جائے گا

ایسے اہلِ علم سے یا رب پنہ تیری پناہ — جو چلے گا گمرہ ہر دوسرا ہو جائے گا

یا الٰہی دوست ہو دیں مدرسہ پہ مہربان — دشمنوں کا ورنہ پورا مدعا ہو جائے گا

ہوگا سوہانِ رگِ جان دشمنوں کو یہ کلام!
دوستوں کو ارمغانِ جانفزا ہو جائے گا

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مسلمانانِ ہند کی جدید علمی و دینی درس گاہ

مولانا محمد عمران خان صاحب ندوی

ہندوستان کا عہدِ انقلاب اور دینی حلقہ کی نئی تعلیمی تحریک ہندوستان ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد ذہنی کشمکش اور نئے تعلیمی تجربوں کا میدان بنا ہوا تھا یہاں انقلاب سلطنت سے ایسے نئے حالات درپیش تھے جو نئے اجتہاد اور ایک نئے تعلیمی اقدام کے طالب تھے۔

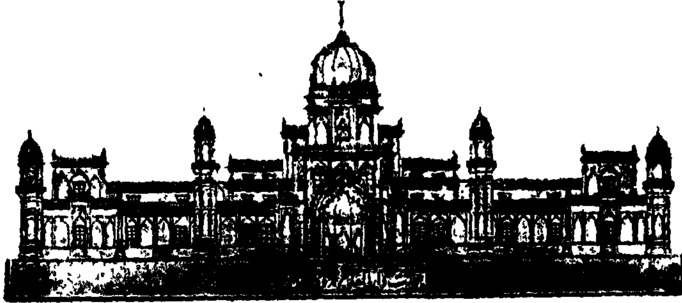
"انقلابِ حوادث کے جو طوفان ملک میں اٹھ رہے تھے اُن سے حساس مسلمانوں کے دل مضطرب تھے مکاتب و مدارس کا پرانا سلسلہ ٹوٹ رہا تھا انگریزی اسکول اور کالج میں مسلمان لڑکے کھنچ رہے تھے سلطنت کے اثر سے عیسائیت کا چرچا تھا مشنریوں کے جال ہر جگہ پھیلے تھے ان کے یتیم خانے ہر جگہ قائم تھے مسلمانوں اور عیسائیوں میں مناظروں کی گرم بازاری تھی۔ دونوں طرف سے رسالے لکھے جا رہے تھے یورپ کے نئے خیالات سیلاب کی طرح امڈے چلے آرہے تھے عام علماء زیادہ تر پڑھنے پڑھانے میں مصروف کچھ معمولی معمولی چھوٹی چھوٹی باتوں میں اُلجھے تھے اور خاص تقلید و عدم تقلید، قرأت فاتحہ، آمین بالجہر اور رفع یدین کے مسئلوں میں ایسے گتھے تھے کہ مناظرہ مجادلہ اور محاربہ مقاتلہ بن گیا تھا۔ خدا کے گھر لڑائی کے میدان بن گئے تھے ایک دوسرے کی تفسیق اور تکفیر پر بڑی بڑی مہریں ہو رہی تھیں مدرسوں میں پرانا فرسودہ طریقۂ درس جاری تھا جو زمانے کے انقلاب سے بیکار اور نئے زمانہ کے لئے قوم کے نئے رہبر اور رہنما پیدا کرنے سے قاصر تھا۔"[۱]

ندوۃ العلماء کا قیام یہ صورت حال تھی کہ مدرسہ فیض عام کان پور کی جٹائی پر مدرسہ مذکور کے چند فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کے موقعہ پر چند نفوس قدسیہ اس صورت حال پر غور فرما رہے تھے۔ یہ سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء تھا اس منتخب جلسہ میں یہ طے پایا کہ باہمی مشورہ سے علماء کی ایک مجلس قائم کی جائے اور آئندہ سال مدرسہ فیض عام کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر تمام علماء ہندوستان کو اس کے لئے عام دعوت دی جائے گی۔ اس مجلس کا نام ندوۃ العلماء قرار پایا مولانا سید محمد علی صاحب جو مولانا لطف اللہ صاحب کے شاگرد رشید اور حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے مرید و خلیفہ تھے

---

[۱] ندوۃ العلماء کی تاریخ کا پہلا صفحہ الندوہ دور ثانی ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ









شبلی ہوسٹل ۔ بڑے طلبہ کا دارالاقامہ

اور ردِ نصاریٰ میں متعدد کتابوں کے مصنف تھے اور ردِ نصاریٰ ہی میں تحفۂ محمدیہ نامی ایک رسالہ نکال رہے تھے اس نئی مجلس کے پہلے ناظم مقرر ہوئے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تاسیس

مجلس ندوۃ العلماء کو کئی سال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ وہ جس تعلیمی اصلاح و انقلاب کی داعی ہے وہ اس وقت تک ظہور میں نہیں آسکتا جب تک وہ اپنی درس گاہ قائم نہ کرے جہاں اس کو آزادی کے ساتھ نئے تعلیمی تجربہ کا موقع ملے اور اس کے نتائج کو وہ ملک کے سامنے پیش کر سکے اس بنا پر ۱۳۲۶ھ میں اس نے لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نام سے اپنا عربی مدرسہ قائم کیا اور اس کام کو عملی طور پر شروع کر دیا جس کی وہ مضامین و خطوط، تقریروں سفروں اور جلسوں کے ذریعہ سولہ برس تک دعوت دیتی رہی۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ نئے عالم اسلام میں یہ ایک اہم تعلیمی اقدام اور وقت کی بہت بڑی خدمت تھی جس کی اہمیت کو مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکتا ترکی اور مصر کے مقابلہ میں بھی ہندوستان کو اس بارے میں اولیت حاصل ہے کہ اس نے وقت شناسی اور اپنی بصیرت کا ثبوت دیا اور ایک اہم ترین دینی ضرورت کی طرف پہلا قدم اٹھایا۔

ندوہ کی مشکلات

ندوۃ العلماء نے جس منزل کی طرف قدم اٹھایا تھا اور جس بنیاد پر اس مدرسہ کی تاسیس ہوئی تھی اس کے راستہ میں سخت مشکلات حائل تھے ہندوستان میں یا تو قدیم حلقہ تھا یا جدید اور ندوۃ العلماء جس راستہ کا داعی تھا وہ ان دونوں کے درمیان تھا بلکہ وہ اس تقسیم سے بالاتر حقیقت تھی جس میں قدیم و جدید مشرقی و مغربی کی در اصل کوئی بحث ہی نہ تھی اس درمیانی راستہ اور بلند تر تصور کے لئے نہ تو قوم کا صاحب ثروت طبقہ تیار تھا نہ صاحب علم و فکر اس لئے ندوہ کی دعوت کا گرم جوشی سے استقبال نہیں ہو سکا اور نہ اس کو اتنے معاون مل سکے جو اتنے بڑے انقلابی کام کے لئے ضروری تھے۔

پھر اس نے جس تعلیمی نقشہ کو چلانا چاہا تھا اس کے لئے نہ تو ایسے معلّمین موجود تھے جو اس پر یقین رکھتے ہوں اس کے پُر جوش داعی ہوں اور علمی و ذہنی طور پر اس کے چلانے کی صلاحیت کے مالک ہوں نیز نہ کتابوں کا ایسا سلسلہ تھا جو ان بنیادی مقاصد سے مطابقت رکھتا ہو اور بدلے ہوئے حالات اور نئی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہو اور قدیم درس کی ان کتابوں کی شایانِ شان طریقہ پر جگہ لے سکے جو صدیوں کا علمی سرمایہ تھیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ندوۃ العلماء کو اپنے مقاصد میں وہ کامیابی نہ ہو سکی جس کا وہ مستحق تھا اور جس کا اس نے وعدہ کیا تھا۔

ندوۃ العلماء کی کامیابی

اس کے باوجود اس نے بعض حیثیتوں سے نمایاں کامیابی حاصل کی جو اس وقت کے حالات کے لحاظ سے قابلِ مبارکباد ہو۔

(۱) اسکی دعوت اصلاح، انقلاب علمی و دینی حلقوں میں نفوذ کر گئی اور شعوری و غیر شعوری طور پر اس نے بہت سی تبدیلیاں کر دیں جن کی تاریخ اکثر حالات میں ندوۃ العلماء کے قیام اور اس کے پیام کے بعد شروع ہوتی ہے۔

(۲) اس نے نصاب کے سلسلہ میں بعض بڑے مفید اور جری قدم اٹھائے۔

(الف) منطق و فلسفہ کی کتابوں کی تعداد کم کردی۔

(ب) متن قرآن کی تعلیم کو نمایاں جگہ دی۔

(ج) حدیث کو اخلاقی و تربیتی حیثیت سے ابتداء سے داخل درس کیا۔

(د) عربی زبان کی تعلیم ایک زندہ علمی زبان کے طور (غنیاء) کی جس میں تحریر و تکلم ممکن ہے۔

(ہ) بعض مفید عصری مضامین داخل درس کئے مثلاً جغرافیہ، تاریخ، ریاضی وغیرہ

(۳) اختلافی مسائل کی بناء پر جو اجنبیت تنافر کی حد تک پہنچ گئی تھی اس کو حلقۂ درس میں اور اپنے مدرسہ کی فضا میں بہت کم کر دیا

(۴) زمانہ کے حالات و ضروریات کو سمجھنے اور بدلے ہوئے حالات میں تحریف دین کے بغیر دین کی تشریح کا سلیقہ پیدا کرنے میں مدد کی۔

(۵) نئے نصاب تعلیم کے لئے بعض مفید کتابیں تصنیف کرائیں۔

(۶) علماء کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جو اس عہد انقلاب میں اصل اسلام کی دعوت، کتاب و سنت کی ترجمانی اور جدید ذہن و نفسیات کو متاثر کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے اور جس نے بعض اسلامی مضامین پر ایسی کتابیں پیش کیں جنہوں نے دین کے لئے نئے راستے کھولے اور عالم اسلام کی متعدد زبانوں نے ان سے استفادہ کیا۔

(۷)

اعتدال، توسط، توازن دماغی، علمی سنجیدگی، وسعت قلب کا ایسا نمونہ پیش کیا جس نے جماعت علماء کے وقار میں اضافہ کیا اور قدیم و جدید طبقوں کی منافرت میں کمی کی۔

جستہ جستہ تبدیلی ندوۃ العلماء کی اصلاح نصاب کی دعوت بے معنی اور غیر منصفانہ ہوتی اگر وہ خود پہلی تبدیلی کے بعد تبدیلی کے دوبارہ امکان کا انکار کر دیتا یا نصاب و نظام کے بارے میں پھر کسی تغیر کے لئے تیار نہ ہوتا چنانچہ نیا تبدیل شدہ نصاب تعلیم بھی تیار ہو چکا ہے۔ مدت تعلیم، مضامین، مضامین کی تقسیم کے بارے میں بعض بنیادی تبدیلیاں کی گئی ہیں جن کی بنیادیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک ایسی کم سے کم مدت تعلیم جس میں وہ ضروری مضامین پڑھے جاسکیں جن سے ایک نوجوان مزید علمی ترقی و مطالعہ کر سکے اور اپنے دینی و ضروری علمی فرائض انجام دے سکے۔

یہ مدت تعلیم جس میں یہ ضروری تعلیم دی جائے گی موجودہ زمانہ کی مصروفیت تیز روی اور پست ہمتی کو دیکھتے ہوئے پانچ سال رکھی گئی ہے۔

(۲) بنیادی مضمون عربیت اور اس کے متعلقات کو قرار دیا گیا ہے جو ہمارے تمام نظام تعلیم کی کلید ہے۔ اس کے استحکام کے بعد ہی خالص اسلامی علوم و فنون اور اس کے عظیم الشان علمی و دینی ذخیرہ سے استفادہ ممکن ہے۔

(۳) کثیر التعداد علوم و مضامین کے انتشار سے بچایا گیا ہے جس سے ذہن میں پراگندگی اور جبر اثم پیدا ہوں کم سے کم تعداد میں ضروری ضروری مضامین رکھے گئے ہیں اس میں بھی ذہنی اور ذوقی کشمکش کا سامان کم سے کم ہے عربیت اور اس کے متعلقات کے علاوہ اکثر حالات میں صرف ضروری دینیات کا مضمون داخل درس ہے۔

(۴) دینیات کی تعلیم کو زیادہ مرتب، موثر اور مرغب بنانے کی کوشش کی گئی ہے اور متن قرآن کو زیادہ سے زیادہ داخل درس کیا ہے تاکہ روح قرآن سے شناسائی اور اس کا ذوق پیدا ہو ابتدائی درجوں میں حدیث کی وہ کتابیں رکھی گئی ہیں جو تہذیب الاخلاق، تزکیۂ نفس اور ایمان و احتساب پیدا کرنے میں مدد دیں اور دوسری کتابوں میں بھی اختلافی مسائل کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہوگی بلکہ حدیث کا اصل موضوع اصلاح و تربیت نفس اور ایمان و عمل صالح کی طرف توجہ دلائی جائے گی لیکن اسکی علمی و تشریحی حیثیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

(۵) عربی زبان و ادب کی تعلیم کے لئے زیادہ بہتر کتابیں درس میں داخل کی گئی ہیں جن سے زبان کی زندہ واقفیت اور عربی کا ذوق پیدا ہو اور اظہار خیال میں مدد ملے۔

(۶) فضیلت کا ایک اختیاری مضمون جس کا فیصلہ طالب علم کی فطری مناسبت، ذوق اور استعداد کی بنا پر کیا جائے اگر وہ عربی زبان و ادب سے مناسبت رکھتا ہے اور اس میں اس کے اندر ترقی کی صلاحیت اور ولولہ ہے تو اس کو عربی زبان و ادب میں پوری ترقی اور تکمیلی مطالعہ و تیاری کا موقعہ دیا جائے تاکہ وہ قرآن مجید کی بلاغت و اعجاز سے آشنا ہو سکے علیٰ ہذا القیاس دینیات اور دوسرے مضامین میں ایسی امتیازی لیاقت پیدا کر سکے جس سے وہ اس فن میں تعلیم، تصنیف، افتاء اور رہنمائی کی خدمت انجام دے سکے۔

(۷) جدید انقلاب نے شدت سے اس کی ضرورت پیدا کر دی ہے کہ ہندی زبان کی تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے اور اس کو سیرت اور اسلامی تعلیمات سے مالا مال کر دیا جائے جیسے اس سے پہلے عربی کے سوا دوسری زبانوں کو مسلمانوں نے اسلامیات اور کتاب و سنت کے مضامین سے لبریز کر دیا نیز انگریزی زبان کی علمی و بین الاقوامی اہمیت باقی ہے اس لئے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا البتہ ایک وقت میں دو زبانوں کی تعلیم تجربہ سے مفید ثابت نہیں ہوتی اس لئے عربی و دینیات کے سوا دوسری زبان کے لئے علاحدہ سے مدت رکھی گئی ہے۔

(۸) علوم عصریہ کے لیے بھی سامان و معلم فراہم ہونے کے بعد درجہ کھول دیا جائے گا۔

یہ بھی بہر حال ایک تجربہ اور نیا قدم ہے اور اس ادعا کیساتھ نہیں پیش کیا جا رہا ہے کہ اس میں کسی غلطی یا کوتاہ نظری کا امکان نہیں یا حرف آخر ہے۔ تعلیمی تجربوں اور نئے مسائل و حالات نے اس نئے قدم پر مجبور کیا نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے

بعد کیا پیش آئے گا۔

برصغیر ہندو پاک کے باخبر اور تعلیم یافتہ مسلمان واقف ہیں کہ ندوہ مروج اصطلاح کے مطابق صرف ایک عربی مدرسہ کا نام نہیں بلکہ ایک اہم دینی و تعلیمی تحریک کا نام ہے جو ایک متعین دینی مقصد اور علم و تجربہ کی بنیادوں پر قائم ہے، اسکی اہمیت اور قوم کو اسکی ضرورت آج بھی اسی طرح ہے جس طرح آج سے ساٹھ سال پہلے تھی اور حقیقت یہ ہے کہ موجودہ حالات میں آج ملت اسلامیہ کو پہلے سے زیادہ اسکی احتیاج ہے۔ ندوۃ کے بانیوں نے اپنی ایمانی فراست، خدا ترسی دردمندی اور وسیع اور گہرے علم کی بنا پر یہ محسوس کیا تھا کہ قوم کو ایسے دل و دماغ کی ضرورت ہے جو شریعت اسلامیہ سے براہ راست واقفیت اور عالمانہ بصیرت رکھتے ہوئے جدید نفسیات سے آشنا اور ہر نئے مغربی علم کو قبول کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں اور دین و دنیا کی ہم آمیزی سے وہ اکسیر تیار کرسکیں جو مس خام کو کندن بنا سکے اور یہ کہ خلق خدا کی ہدایت کے لئے وہ علما رسامنے آئیں جو دینیات کا پختہ علم رکھتے ہوں قرآن کریم اور سیرت طیبہ پران کی گہری نظر ہو تاریخ اسلام اور تاریخ اقوام سے واقف ہوں اور انھیں معلوم ہو کہ قوموں کے عروج و زوال کا کیا فلسفہ ہے وہ جانتے ہوں کہ زوال پذیر قوم کا کیا مزاج ہوتا ہے اور اسکی کس طرح دستگیری کی جاسکتی ہے ان پر یہ راز منکشف ہو کہ وہ کیا اسباب تھے اور ہیں جن کی بنا پر اس دور میں علمائے حق کی جماعت کارزار حیات میں پیچھے رہ گئی اور وہ کیا وجوہ تھے جن کی بنا پر قوموں کی امامت اہل حق کے ہاتھوں سے نکل کر صاحبان فرنگ کے قبضہ میں آگئی اور اب کرۂ ارض کی تقدیر بدلنے کے لئے قدرت خداوندی کس طرح کے دست و بازو دیکھنا چاہتی ہے اس فکر کی اساس پر اس ادارے کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

کسی ادارہ کے حالات کا جائزہ لینے اور اس کو سمجھنے کے لئے عموماً حسب ذیل سوالات سامنے آتے ہیں۔

اس ادارے نے اب تک کیا کیا؟

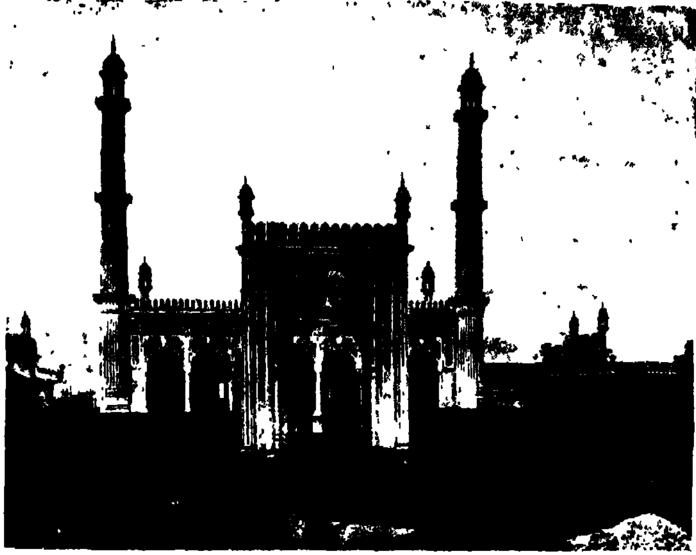
موجودہ وقت میں اس ادارہ کی کیا نوعیت ہے؟

مستقبل کیا ہو۔؟

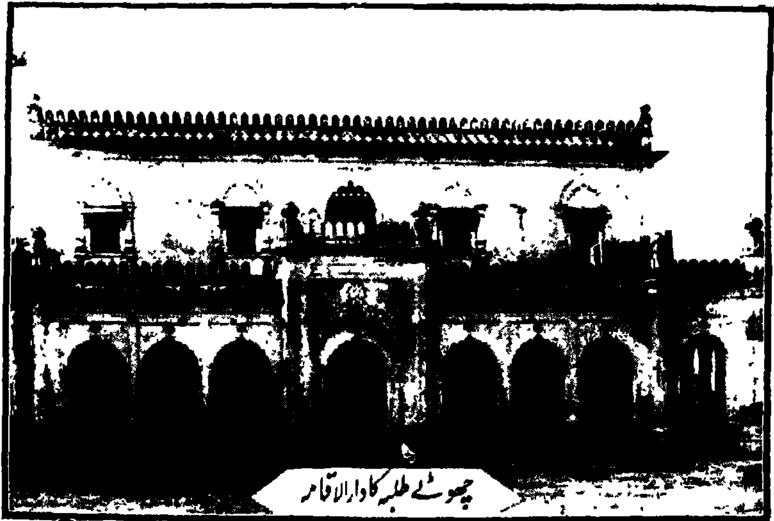
ندوہ کے نصاب نے علماء کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جو اس عہد الفتن میں اصل اسلام کی دعوت، کتاب و سنت کی ترجمانی اور جدید ذہنوں و نفسیات کو متاثر کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے اور جس نے بعض اسلامی مضامین پر ایسی کتابیں پیش کیں جنھوں نے دین کے لئے نئے راستے کھولے اور عالم اسلام کی متعدد زبانوں نے ان سے استفادہ کیا۔

علمی سنجیدگی، وسعت قلب، اعتدال اور توازن دماغی کا ایسا نمونہ پیش کیا جس نے علماء کے وقار میں اضافہ کیا اور قدیم و جدید طبقوں کے منافرت میں کمی کی۔

ان علماء کا مقابلہ وقت کی ہر اس تحریک سے رہا جسکی ضرب براہ راست اسلام پر پڑ رہی ہو، فقہی اختلافات اور فروعی مسائل میں الجھنے کے بجائے یہ ان تیروں کے لئے سینہ سپر رہے جن کا ہدف ہر وقت وہ قلب تھا جس پر لا الٰہ الا اللّٰہ



مسجد ندوۃ العلما لکھنو



چھوٹے طلبہ کا دارالاقامہ

کرنا ہو۔

(۳) ملک میں صحیح عربیت کو رائج کرنے اور عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی طرح حاصل کرنے کا شوق عام کیا اور خود انھوں نے اپنے ستھرے ادبی مذاق اور عربی تحریر و تقریر سے مصر و حجاز اور شام کے علماء و ادباء کو متاثر کیا اور ہر دور میں ایسے علماء نکلتے رہے جو اس سلسلہ سے اپنا ناقابل انکار مقام رکھتے ہیں خصوصاً "فکر ہندی" کو نطق عرابی"، میں منتقل کرنے میں ان کا امتیاز تسلیم کیا جا چکا ہے۔

ان علماء کا حلقۂ فیض صرف ہند یا پاکستان تک محدود نہیں ہے بلکہ دوسرے اسلامی ممالک بھی ان کی خدمات کے معترف اور قدرداں ہیں عربی علوم سے دلچسپی رکھنے والے حضرات واقف ہوں گے کہ سیرت نگار نبوی ؐ حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کی مرتبہ سیرت النبی ؐ کو عرب ممالک کے اہل علم" اسلامی ثقافت" کی ایک ممتاز لائبریری کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں اور اس کے عربی ترجمہ کی عرصہ سے فکر میں ہیں۔ یہ اکابر ندوہ ہمارے تعارف سے بلند ہیں۔ ابھی حال ہی موجودہ عہد کے ندوی علماء کا علمی تبحر اور ان کی وسعت علمی اور خصوصاً عربی ادب پر گہری بصیرت کا اعتراف بلادِ اسلامیہ کے علماء کو بھی ہے۔ مثال کے طور پر مولانا محمد ناظم ندوی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور کا لغات عرب پر عبور، مولانا عبدالرحمٰن کاشغری کی نظم عربی پر ماہرانہ دستگاہ، مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کا عربی صحافت میں مصر و شام کے ممتاز انشاء پردازوں میں شمار کسی صاحب علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کے متعلق ان کے وسیع علمی و ادبی کارناموں سے قطع نظر صرف ایک کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (جو مصر کے دو سال کے عرصہ میں دس ہزار چھپ کر نکل چکی ہے اب تیسری بار زیر طبع ہے) کے متعلق ممتاز علماء ازہر اور ادباء مصر و شام کا اعتراف ہے کہ اصل اسلام کو سمجھنے اور مسلمانوں سے احساس کمتری کو دور کرنے کے سلسلہ میں جدید و قدیم عربی لٹریچر میں اس سے بہتر کتاب سامنے نہیں آئی حالانکہ آج مصر صرف دینی علوم پر جو کتابیں شائع کر چکا ہے ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔

اس سلسلہ میں اس کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ ندوہ تعلیم کے سلسلہ میں اپنا ایک مخصوص نظریہ رکھتا ہے۔ ایک عرصہ تک ہمارے کام میں رکاوٹیں رہیں کہ اساتذہ ندوہ کی علمی و فکری روح رکھنے والے کم ملتے تھے دوسرے یہ کہ نصاب کی کتابوں کے سلسلہ میں ہمیں مجبوراً ان کتابوں کو اختیار کرنا پڑتا تھا جن کے اسلوب مضامین اور مقصد تالیف سے ہمارا علمی مزاج مطابق نہ تھا۔ الحمدللہ کہ موجودہ دور میں دونوں رکاوٹیں دور ہوگئیں ایک طرف اساتذہ میں دار العلوم ہی کے تعلیم یافتہ جمع تھے دوسری طرف ندوہ نے اس عرصہ میں نصاب کی کتابیں جو ضروری تھیں خود مرتب کرلیں خصوصاً ادب عربی میں عالمیت کے درجوں میں تعلیم کے لئے پورا اسیٹ ترتیب دیا گیا جن کے نام حسب ترتیب یہ ہیں:۔

قصص النبیین حصہ اول۔ قصص النبیین حصہ دوم۔ قصص النبیین حصہ سوم۔ القراۃ الراشدہ حصہ اول۔ القراۃ الراشدہ حصہ دوم۔ القراۃ الراشدہ حصہ سوم۔ مختارات حصہ اول۔

یہ کتابیں پہلے تو ہندوستان میں شائع ہوئیں لیکن اب مصر میں دوبارہ چھپ رہی ہیں اور خود عرب ممالک کے بعض مدرسے

ان کو نصاب میں داخل کرنے پر غور کر رہے ہیں کیونکہ انہیں اصولِ تعلیم کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادبیت کے ساتھ ساتھ دینیات کی روح بڑے حسن کے ساتھ سموئی گئی ہے

موجودہ صورتحال کا یہ اجمالی ذکر ہے۔

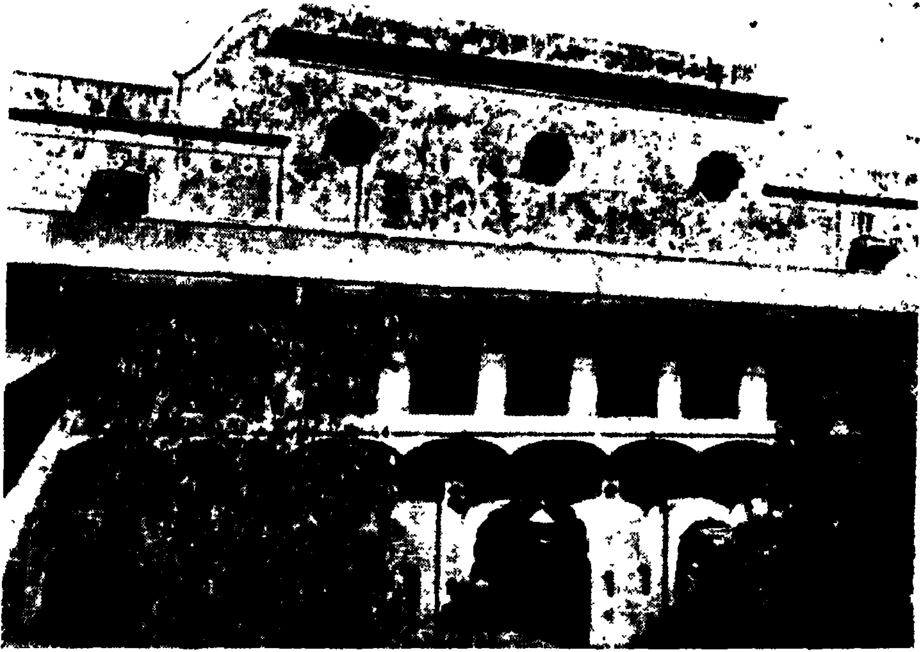
"تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل"

آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ مستقبل تو صرف اللہ کے علم میں ہے البتہ موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے آیندہ کے متعلق رائے قایم کی جا سکتی ہے

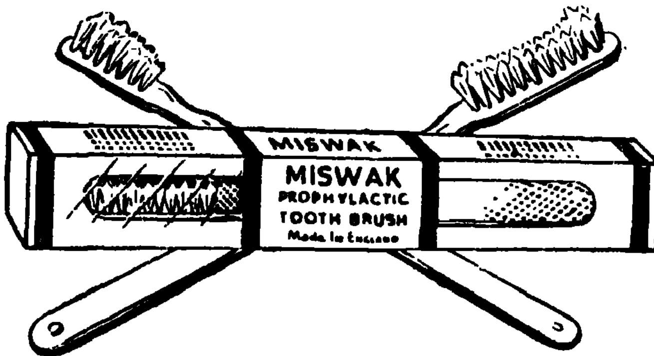
کسی ادارے کو قائم رکھنے اور اسکی خصوصیت کو باقی رکھنے کے لئے دو چیزیں درکار ہوتی ہیں اولاً یہ کہ ایسے کام کرنے والے میسر ہوں جن پر اعتماد کیا جا سکے اور وہ ایثار و اخلاص کے ساتھ تعاون کریں۔ دوسرے سرمایہ جس کے بغیر اس خاندانی "میں کوئی کام نہیں ہو سکتا جہاں تک اول الذکر چیز کا سوال ہے اس میں تو الحمدللہ یہ ادارہ نہ صرف یہ کہ اطمینان بخش حالت رکھتا ہے بلکہ بجا طور پر قابل مسرت ہے کہ ہمارے رفقا اساتذہ میں یہ اخلاص و ایثار کے جوہر موجود ہیں۔ تعاون کے ساتھ ادارے کو چلانے و ترقی دینے کا عزم و شوق رکھتے ہیں البتہ مادی اسباب اور سرمایہ کی خطرناک حد تک کمی ہے اور اس کے اسباب کھلے ہوئے ہیں تمام دینی مدارس عموماً ریاستوں اور اہل خیر کی مدد سے ہی چلا کرتے تھے ان کی پشت پناہی خزانہ سلطانی سے ہوتی تھی جس کی اب توقع کی جائے۔ ریاستیں دم توڑ چکیں اور بہت سے اہل خیر ترک وطن کر گئے۔ جو لوگ یہاں رہ گئے ہیں انکی توجہ اس طرف بالعموم نہیں ہے۔ مختلف شعبوں کے سالانہ اخراجات کا تخمینہ ۴۵ ہزار کا ہے اور متفرق آمدنی میں اس کا ایک نصف بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ ان حالات میں ہم کمزوروں سے جتنی جدوجہد ہو سکتی تھی وہ کی اور کر رہے ہیں۔

توقع تو یہی ہے کہ حق جل شانہ کو جب تک ہم سے کام لینا منظور ہوگا وہ ہماری مدد فرمائیں گے یہ انہیں کا کام ہے اور ان پر کچھ دشوار نہیں۔

السعی منا والاتمام من اللہ۔



مظاہر علوم سہارنپور کا ایک منظر



دنیائے علم و اسلام کا ایک مرکزی ادارہ

جامعہ مظاہر علوم سہارن پور

مولانا محمد اسعد اللہ صاحب نائب ناظم مظاہر علوم سہارنپور

آغاز سخن

بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں جب سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو چکا تھا، انگریز کی سیاست ہندوستان پر پوری طرح حاوی ہو چکی تھی، اسلامی روایات ایک ایک کرکے رخصت ہو رہی تھیں، اسلامی تہذیب اور علوم وفنون کے زوال کی صورتیں نمودار ہو چکی تھیں قریب تھا کہ اسلامی تعلیمات خود مسلمانوں کے لیے "نا شنیدہ" بنکر رہ جائیں، حکومت انتہائی شدت سے زندگی کے اس لطیف جوہر کو اہل اسلام کے ذہن و دماغ سے محو کرنے کی سعی و کوشش میں مصروف تھی، وقت کے تعلیمی ادارے ختم ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعلیمی و اجتماعی حیات ملی کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا، انقلاب کے بعد جس کشمکش سے عام طور سے مفتوح قومیں دوچار ہوتی ہیں اور جو ذہنی اضمحلال و پراگندگی ایسے وقت میں رونما ہوتی ہے ان عام مشکلات سے صدہا سال حکومت کرنے والی قوم کے افراد بھی مامون نہ تھے،

بزرگان دین کی سعی و جہد

ایسے ظلمت آگین دور میں چند مردان حق کیش و حق کوش اٹھے اور انھوں نے جہل و لاعلمی کے اس ماحول کو علوم و فنون کی روشنی سے تابناک و تابدار بنایا، ان بزرگان ملت میں حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ اسرارہما کے احسانات علمی دنیا پر ہمیشہ قائم رہیں گے، جن کے فیوض و برکات نے ہندوستان میں سیکڑوں مدارس و مکاتب کی بنیادیں قائم فرمائیں، اسلامی تہذیب کے اس مقدس علمبرداروں کو اس پرفتن دور میں کس قدر مصائب سے دوچار ہونا پڑا ہوگا آج جب کہ ہمارے سامنے یہ علمی ماحول اور مختلف دینی ادارے موجود ہیں، تو اس کا صحیح اندازہ بھی مشکل ہے تاہم انھیں کی انتھک کوششوں اور جد وجہد کا نتیجہ تھا کہ اب ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون کی روشنی اہل اسلام کے دماغوں کو منور کر رہی ہے،

مظاہر علوم سہارن پور کا قیام

انہیں حق آگاہ اور حق شناس بزرگوں میں سے حضرت مولانا سعادت علی صاحب کی جلیل القدر اور مقتدر ہستی تھی، جو فقیہ سہارنپور کے لقب سے معروف تھی، حضرت ممدوح کے متبرک ہاتھوں نے یکم رجب ۱۲۸۳ھ مطابق نومبر ۱۸۶۶ء کو مظاہر علوم سہارن پور کی بنیاد رکھی، اور حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب سابق مہتمم مظاہر علوم اور حضرت مولانا حافظ قمر الدین صاحب خطیب جامع مسجد سہارنپور خلیفہ حضرت سہارنپوریؒ وغیرہ طلبہ جو پہلے

سے حضرت مولانا مرحوم سے ان کے مکان پر پڑھتے تھے اب مدرسہ کے طالب بن گئے، قیام مدرسہ کے بعد سب سے پہلے مدرس مولانا سخاوت علی صاحب انبہٹوی مقرر ہوئے تو ان سب طلبہ کے کچھ اسباق ان کے سپرد ہوئے، اور مولانا نے ان کو تجوید شروع کرائی اور حضرت مولانا سعادت علی صاحبؒ کچھ [illegible] کو پڑھاتے اور بقیہ وقت مدرسہ کی توسیع و ترقی میں خرچ کرتے۔ لوگوں کو اس کی مالی اعانت کی طرف توجہ دلاتے اور خود بھی فراہمی چندہ کے لئے تحمیف فرماتے، قیام مدرسہ کے چھ ماہ ہی سال ۱۲۸۳ھ میں حضرت مولانا سعادت علی صاحبؒ کے سایہ سے مدرسہ کو محروم ہونا پڑا، لیکن حضرت مولانا مظہر صاحب نور اللہ مرقدہٗ خلیفہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کے وجود باجود کی وجہ سے مدرسہ اس حادثہ سے متزلزل نہ ہوا، اس لئے قیام مدرسہ کے تین ماہ بعد شوال ۱۲۸۳ھ میں حضرت موصوف صدر مدرس اور مولانا سخاوت علی صاحبؒ مدرس دوم مقرر ہوگئے تھے، ابتدائً یہ مدرسہ ایک مکتب کی حیثیت سے محلہ قاضی میں تھا بعد میں موجودہ جگہ پر "مدرسہ قدیمہ" کی عمارت میں منتقل ہوا، تو حضرت مولانا محمد مظہر صاحبؒ نے اس عمارت میں قیام کے اعتبار سے مظاہر علوم تاریخی نام رکھا گیا، اس سے قبل "مدرسہ سہارنپور" کے نام سے معروف تھا، آج اپنے تعلیمی اور انتظامی امور کی وسعت کے باعث مختلف احاطوں میں پھیلا ہوا ہے اسی سال ۱۲۸۳ھ میں مرکز العلوم دار العلوم دیوبند کا قیام ہوا، گویا یہ ادارہ دار العلوم کا مسلک سنت و حنفیت اور نصاب تعلیم کے توافق کے علاوہ ہم عمر بھی ہے، فخر المحدثین حضرت اقدس مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کا قیام اس زمانہ میں کلکتہ میں زیادہ رہتا تھا لیکن جب وطن تشریف لاتے تھے تو مدرسہ کی ہر نوع کی سرپرستی اور مالی و علمی اعانت فرماتے تھے ۱۲۹۷ھ تک جو مولانا کے وصال کا سال ہے، یہ چمنستان علم حضرت مرحوم کی سرپرستی میں نشو و نما پاتا رہا، حضرت کے بعد مدرسہ کے لئے ضلع کے ممبران کی ایک کمیٹی بنا دی گئی،

تعلیمی و انتظامی ارتقاء | مدرسہ کے تعلیمی اور انتظامی امور میں برابر ترقی ہوتی رہی، حضرت اقدس مولانا محمد مظہر صاحبؒ کے فیوض و برکات سے یہ مدرسہ چند ہی سال میں ایک مکتب کے بجائے مشہور و معروف مدرسہ بن گیا، ۱۳۰۲ھ کے ختم پر مدرسہ حضرت مرحوم کے سایہ سے بھی محروم ہوگیا، جس سے مدرسہ کی روز افزوں ترقیاں ایک دم رک گئیں، بالآخر حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد پر ۱۳۱۴ھ میں شیخ المحدثین حضرت اقدس الحاج مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ جو ۱۲۸۸ھ میں مظاہر علوم ہی سے فارغ التحصیل ہو کے تھے، اور اس وقت دار العلوم دیوبند میں مدرس دوم تھے، مظاہر علوم کی صدر مدرسی پر تشریف لے آئے اور ۳۰ سال تک مدرسہ میں قیام فرمایا، یہ دور اپنی گوناگوں علمی و عرفانی رفعتوں کے لئے مایۂ افتخار اور تاریخ مدرسہ کا زرین باب ہے، دار الطلبہ قدیم اور دار الحدیث مسجد کلثومیہ وغیرہ، حضرتؒ ہی کی مساعی جمیلہ کے ثمرات ہیں،

فخر المحدثین حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ محدث سہارنپوری، خاتم المحدثین قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ، راس الاتقیاء حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانویؒ جیسی مشہور عالم بابرکت ہستیاں اپنے اپنے دور میں مظاہر علوم کی سرپرست رہی ہیں، اور مدرسہ کی جانب گہری دلچسپی اور خصوصی توجہات مبذول فرماتے رہیں، مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں یہ حضرات آ ب

بزرگ جس طور پر شرکت فرما کر نشر فیوض و برکات کا موجب بنتے تھے، یہی اس کے روح نواز منا ظر کو دیکھنے والے کثیر تعداد میں موجود ہیں، اس کی پوری کیفیت مدرسہ کی قدیم رودادوں سے معلوم ہو سکتی ہے، حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے شوال ۱۳۴۴ھ میں اپنے سفر حجاز کے وقت حضرت الحاج الحافظ مولانا سید عبد اللطیف صاحبؒ کو ناظم مدرسہ مقرر کیا، انھوں نے نہ صرف یہ کہ اس منصب کی جملہ ذمہ داریوں کو انتہائی کامیابیوں سے انجام کو پہنچایا بلکہ مختلف علمی اور تعمیری ترقیات فرمائیں، اور اکابر کی روایات کو پوری طرح باقی رکھا، طلبہ کی کثرت کی وجہ سے قدیم دار الطلبہ کے ناکافی ہونے پر جدید دار الطلبہ کی بنیاد ڈالی، اس کی وسیع مسجد اور کئی حجرے تعمیر کرائے، کتب خانہ کے ناکافی ہونے پر اس کی عمارت میں توسیع فرمائی، ۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۵۴ء کو حضرت موصوف نے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اور مدرسہ ایک قدیم محسن اور جان نثار مربی سے محروم ہو گیا، حضرت مرحوم کے بعد حضرات سرپرستان مدرسہ نے منصب نظامت رئیس المناظرین عالیجناب حضرت الحاج مولانا اسعد اللہ صاحب کو تفویض فرمایا ہے، جو کئی سال سے نائب ناظم تھے، اور حضرت ناظم صاحبؒ کے طویل سفر و مرض میں نظامت امور بھی انجام دے رہے تھے، مولانا موصوف حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں، اور علمی اور عملی طور پر جس جلیل القدر حیثیت کے مالک ہیں، وہ مستغنی عن التعارف ہے، آج کے دور میں مدرسہ کے جملہ امور میں حضرت موصوف ہی سے مراجعت ہوتی ہے، ——— بحمد اللہ تعالیٰ آج بھی مدرسہ شاہراہ ترقی پر گامزن ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس دور الحاد و زندقہ میں بھی دین کے احیاء و ارتقاء کے لئے اس کی اعلیٰ تبلیغی و تعلیمی خدمات ٹھوس طریقہ پر جاری ہیں، اور اس وقت اطراف عالم میں دیوبند ہی کے جو مبارک اثرات جلوہ گر ہیں، اس میں منجملہ دوسرے اداروں کے اس جامعہ کی دینی جد و جہد کو بھی ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہے، یہ ادارہ عالم اسلامی کے ان گنے چنے اداروں میں سے ایک ہے، جن کے ساتھ اسلامی علوم و فنون کے بقاء، تعلیم قرآن و سنت کی اشاعت اور دین کے تحفظ و ارتقاء کی شاندار روایات وابستہ ہیں، جامعہ کی اعلیٰ تعلیم کی نوعیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ کی طرح اب بھی بیرونی طلبہ کا ایک بڑا مجمع اپنے ملکی دار العلوم سے فراغت حاصل کر کے تکمیل کے لئے یہاں آیا ہوا ہے،

تقسیم ملک کے بعد اگرچہ حالات بہت کچھ بدل چکے ہیں، تاہم اب بھی ہند و پاکستان و برما کے طلبہ کی ایک کثیر تعداد تعلیم میں مشغول ہے، ان طلبہ میں سے اکثر کے قیام، طعام، پاپوش، علاج اور روشنی وغیرہ کے جملہ اخراجات کا مدرسہ ہی متکفل ہوتا ہے، تقریباً ۰ مدرسین و ملازمین تعلیمی و انتظامی امور کی بجا آوری میں سرگرم عمل ہیں، مدرسہ کے کئی دار الطلبہ اور اقامت گاہیں ہیں، جن میں سے ہر ایک میں مسجد ہے، مدرسہ کے کتب خانہ میں تقریباً ۲۰ ہزار کتابیں ہیں، غرض کہ مدرسہ کا تعلیمی نظام ایک وسیع پیمانہ پر مشتمل ہے،

ایک اسلامی دینی خدمت کا اجتماعی نظام اور اس کے مؤسس اور داعی اوّل،

بہت سے افراد کے علم میں ہوگا کہ اس وقت تبلیغ و دعوت دین کا ایک منظم پُرشان کام "نظام الدین" دہلی سے ہند و پاکستان

اور دوسرے ممالک میں ہو رہا ہے، اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کی عام حالت میں زبردست دینی انقلاب ظہور پذیر ہے، اس دینی دعوت کے مؤسس اوّل مبلغ اعظم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے تمام تعلیم اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی قائم مقام صدر مدرس مظاہر علوم سے حاصل فرمائی، پھر کئی سال تک اسی ادارہ میں تدریس کے منصب پر فائز رہے، بعد میں دہلی منتقل ہوئے، اور صلاحِ امت کی یہ ہمہ گیر کوشش شروع فرمائی جس کے ثمرات آپ کے سامنے ہیں،

خدمتِ حدیث | اشاعتِ حدیث کے سلسلہ میں مظاہر علوم کا جتنا نمایاں اور وسیع حصہ ہے، وہ بجا طور پر اس ادارہ کے لئے مایۂ ناز اور قابلِ افتخار رہے، درحقیقت یہ عنوان اتنی تفصیل کا متقاضی ہے جس پر ایک مستقل رسالہ لکھا جاسکے لیکن ہم اختصار سے کام لے رہے ہیں،

سب سے اوّل حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ سرپرست مدرسہ نے بخاری شریف اور دوسری کتب احادیث کے حواشی تحریر فرمائے اور انتہائی محنت و مشقت برداشت فرما کر نہایت صحت کے ساتھ کتب حدیث کی طباعت کا سلسلہ شروع فرمایا، حضرت ممدوح سے قبل ہندوستان اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم تھا، اب جتنی بھی کتب حدیث ہندوستان یا پاکستان میں طبع ہو رہی ہیں وہ حضرت ہی کا صدقہ جاریہ ہے،

قدوۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے ابوداؤد شریفؒ کی مشہور آفاق شرح بذل المجہود تصنیف فرمائی، جو اپنی گوناگوں خصوصیات اور قدر و شہرت کی بنا پر مستغنی عن التوصیف ہے، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے حضرت گنگوہیؒ کی تقاریر کتبِ حدیث ضبط فرمائیں جن میں سے "الکوکب الدری" کے نام سے ترمذی شریف کی تقریر عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے، بقیہ تقاریر مسودات کی شکل میں موجود ہیں،

حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی نے جو اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل اور کئی سال تک مفتی مدرسہ رہے ہیں نسائی شریف کا حاشیہ، موطا امام مالکؒ کے اسماء الرجال اور ترمذی کے ابتدائی حصہ کی شرح کی،

حضرت الحاج الحافظ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نے موطا امام مالکؒ کی شرح اوجز المسالک کے نام سے تصنیف فرمائی، جس کی چار جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہلِ علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں، اور شمائل ترمذی کی اردو شرح اور عربی حاشیہ نیز کوکب الدری پر ایک نہایت مفید محققانہ حاشیہ تحریر فرمایا، حدیث شریف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ آپ نے اردو میں منتقل فرمایا ہے، جو مختلف موضوعات پر مستقل کتابوں کی شکل میں شائع ہو چکا ہے اور عام طور پر مقبول ہے،

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے جو اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں مشکوٰۃ شریف کی شرح "التعلیق الصبیح" تالیف فرما کر شائع فرمائی،

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی نے جو اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں، شاہ صاحبؒ کی تقریر بخاری "فیض الباری" کے نام سے شائع ہو چکی ہے تحریر فرمائی، اور اب "ترجمان السنۃ" کا مستقل سلسلہ زیر تالیف ہے،

خاتمہ کلام | الحاصل یہ کہ ادارہ اپنے مختلف شعبوں میں ہمہ نوع ترقی پذیر ہے، قرآن و سنت کی تعلیم میں ایک مرکزی نوعیت کا حامل ہے*

---

* اس دورِ ظلمت میں ایک روشنی کا منارہ ہے جس سے مخلوق خدا کی رہنمائی ہوتی ہے، اور جس کی زرین خدمات اور شاندار تاریخ کا تبلیغ دین، [illegible]

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ

جناب محمد مقتدیٰ خاں صاحب شیروانی

اس کانفرنس کے بانی سرسید احمد خاں مرحوم تھے اس کا سال بنا ۱۸۸۶ء ہے

نام ابتدا میں محمڈن ایجوکیشنل کانگریس تجویز ہوا مگر کانگریس کا لفظ جلد ہی کانفرنس میں تبدیل ہوگیا اس کے بعد محمڈن مسلم سے بدلا اور اس کی عام ہردلعزیزی کی وجہ سے اس پر آل انڈیا کے لفظ کا اضافہ ہوا چنانچہ اب اس کا نام آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہے اور انڈیا کا مفہوم بھی وہ ہے جو عام ہو۔

مقاصد و اغراض اس کے (جو گویا "ذریت صدیدہ" کے احکام عشرہ ہیں) یہ قرار پائے۔

۱۔ مسلمانوں میں یورپین سائنس و لٹریچر کے پھیلانے اور وسیع حد تک ترقی دینے اور اس میں نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم تک ان کے پہنچانے پر کوشش کرنا اور اس کی تدبیروں کو سوچنا اور ان پر بحث کرنا۔

۲۔ مسلمانوں نے جو قدیم زمانہ میں علوم میں ترقی کی اس کی تحقیقات کرانا اور اس پر اردو یا انگریزی میں رسالہ جات تحریر کرنے یا لکچر دینے یا ایسے Essay لکھنے پر لوگوں کو آمادہ کرنا۔

۳۔ نامی علماء اور مشہور مصنفین اسلام کی لائف کو اردو یا انگریزی میں لکھوانا۔

۴۔ مسلمان مصنفوں کی تصنیفات جو نایاب ہیں ان کے بہم پہنچانے کی تدبیر کرنا یا پتہ لگانا کہ وہ کس جگہ موجود ہیں۔

۵۔ تاریخانہ واقعات زمانہ قدیم کی تحقیقات پر کسی رسالہ کے تحریر ہونے یا لکچر دینے کی تدبیر۔

۶۔ دنیاوی علوم کے مسئلہ یا تحقیقات پر کسی رسالہ کے تحریر ہونے یا لکچر دینے کی تدبیر۔

۷۔ فرامین شاہی کو بہم پہنچا کر ان سے ایک کتاب انشاء کا مرتب کرنا اور ان کے مواہیر و طغرا کے نمونے فوٹوگراف سے قائم رکھنا۔

۸۔ مسلمانوں کی تعلیم کے لئے جو انگریزی کے مدرسے مسلمانوں کی طرف سے جاری ہوں ان میں مذہبی تعلیم کی حالت کو دریافت کرنا اور بقدر امکان عمدگی سے اس تعلیم کے انجام میں کوشش کرنا۔

۹۔ جو لوگ علوم مشرقی اور دینیات کی تعلیم قدیم طریقہ پر ہماری قوم کے علماء سے پاتے ہیں اور اس کو انھوں نے اپنا مقصد قرار دیدیا ہے ان کی حالت کی تفتیش کرنا اور ان میں اس تعلیم کے قائم اور جاری رکھنے کی مناسب تدابیر کا عمل میں لانا۔

۱۰۔ (الف) عام لوگوں میں جو عام تعلیم قدیم مکاتب کے ذریعہ سے جاری تھی اس کے حالات تفتیش کرنا اور انکی

جو تنزل ہو گیا ہے، اس کی ترقی اور عام لوگوں میں عام تعلیم کی مناسب وسعت کی تدابیر کا اختیار کرنا۔

یاد (ب) جو مکاتیب عام لوگوں کے لڑکوں کے لئے قرآن مجید پڑھنے کے ہیں اور جو سلسلہ قرآن مجید کے حفظ کرنے کا تھا اور جن کا اب بہت کچھ تنزل ہو گیا ہے ان کے حالات کی تفتیش کرنا اور ان کے قایم رکھنے اور استحکام دینے کی تدابیر کا اختیار کرنا۔

کانفرنس کے مذکورہ بالا ابتدائی مقاصد معلوم کرنے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ان مقاصد کے ماتحت کانفرنس نے اب تک کیا کیا خدمات انجام دیں

یہ بھی ایک مستقل بیان ہے جو کسی قدر تفصیل چاہتا ہے۔ میں یہاں چند جملوں میں صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ کانفرنس نے تعلیم کے فوائد و منافع کی ہر حصۂ ملک میں (یہاں تک کہ سمندر پار مثلاً برما میں) اشاعت کی بلکہ ہندستان کے حدود سے باہر تک کے طالب علموں کو علی گڑھ کی طرف کھینچا۔ علیگڈھ کے اصول کے مطابق ملک کے مختلف حصوں میں مدارس قایم کرائے مسلم یونیورسٹی بہت بڑی حد تک کانفرنس کی کامیاب جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ کانفرنس کے جلسوں میں جو مضامین (نظم و نثر) پڑھے گئے یا لیکچر ہوئے یا خطبات صدارت دیئے گئے وہ بجائے خود ایک بیش قیمت علمی خزانہ ہیں اور مستقل کتابوں اور رسالوں کی صورت میں جو معیاری لٹریچر شائع کیا اس نے بھی ملک کو بہت فائدہ پہنچایا۔

ہمارے کثیر التعداد مصنفین، مولفین اور شعراے ملک کو کانفرنس کے ذریعے استفادہ کرنے کا موقع ملا کانفرنس نا روا فرقہ وارانہ جذبات و احساسات سے ہمیشہ بالاتر رہی بمقابلہ اس کے صرف ہر قسم کی جائز ترقی کا شعور پیدا کیا۔

لاکھوں روپیہ بیشمار نادار ہونہار شریف طالب علموں کی اعلیٰ تعلیم پر صرف کیا (اور ہزاروں روپیہ سالانہ اب بھی صرف کرتی ہے) جس سے وہ فارغ ہونے کے بعد فوراً آسانی روزی کمانے کے قابل ہو سکیں۔ دیہات اور قصبات میں عوام الناس کے بچوں کی صحیح تعلیم کے لئے مدارس بھی قایم کئے اور بڑی حد تک ان کے مصارف برداشت کرتی رہی۔

یہ حالات محض مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔

تو کیا آپ ایسے مفید ادارہ کی سرپرستی نہیں کریں گے جو بہت تھوڑی رقم ادا کر کے صرف ممبر بن جانے (اور ممبر بن جانے کے بعد اس کے معاملات کے متعلق قیمتی رائے سے مستفید فرماتے رہنے) سے ہو سکتی ہے؟

اس وقت اس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی اور سکریٹری مولوی حاجی عبیدالرحمٰن خاں شروانی صاحب ہیں

اس کے سب سے پہلے اجلاس (منعقدہ علی گڈھ ۱۸۸۶ء) کے صدر مولوی حاجی محمد سمیع اللہ خاں سی ایم جی مرحوم ہوئے

جب دین کو کوئی چھوڑتا ہے تو عقل سلب ہو جاتی ہے۔

جو کالج، در کانفرنس کے ابتدائے کار میں سر سید مرحوم کے دستِ راست تھے اس کے بعد سال بسال اصحاب ذیل صدر ہوتے رہے۔

نجم الہند خان بہادر سردار محمد حیات خاں سی آئی۔ ای (متعدد بار) نواب محسن الملک (متعدد بار) نواب عماد الملک (متعدد بار) نواب حاجی سر محمد فتح علی خاں قزلباش، آنریبل مسٹر جسٹس میاں محمد شاہ دین (متعدد بار) ہز ہائینس آغا خاں (متعدد بار) آنریبل مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین، آنریبل مسٹر جسٹس سید شرف الدین آنریبل سر مہاراجہ محمود آباد، مسٹر عبداللہ یوسف علی، میجر سید حسن بلگرامی، مولوی حاجی سر رحیم بخش آنریبل مسٹر جسٹس سر عبدالرحیم (متعدد بار) آنریبل خان بہادر میاں سر محمد شفیع (جو وائسرائے کی ایگزیکیوکونسل کے وزیر تعلیمات تھے اور جن کے عہد میں علیگڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی کا چارٹر ملا) نواب حیدر نواز جنگ سر محمد اکبر نذر علی حیدری، آنریبل سر ابراہیم رحمۃ اللہ (متعدد بار) آنریبل شمس العلما نواب سر سید شمس الہدیٰ، آنریبل خان بہادر سر محمد ابراہیم ہارون جعفر، آنریبل خان بہادر سر میاں محمد فضل حسین، آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، آنریبل نواب سر عبدالقیوم خاں آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر، آنریبل مسٹر جسٹس سر شاہ محمد سلیمان، نواب مسعود جنگ سر راس مسعود (جو مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہونے کے علاوہ آنریبل مسٹر جسٹس سید محمود کے بیٹے اور سر سید احمد خاں کے پوتے تھے) آنریبل سر سید رضا علی نواب سر محمد مزمل اللہ خاں، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد، آنریبل مسٹر فضل الحق (جو سر آسوتوش مکرجی کے بعد عرصہ تک کلکتہ یونیورسٹی کے نہایت زوردار اور کامیاب وائس چانسلر رہے) صاحبزادہ لیاقت علی خاں، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی)

مندرجہ بالا فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ شروع سے ابتک برابر ایسے اصحاب صدر ہوئے جو مسلمہ طور پر نہایت قابل و ممتاز تھے، جو ملک کے حالات کا (از انجملہ تعلیمی ضروریات کا) وسیع تجربہ رکھتے تھے اور صدر ہونے سے بہت پہلے سے تعلیم کی خدمت میں مصروف تھے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ان کے خطبے کتنے پر از معلومات اور سبق آموز ہوں گے۔

اس تقریباً پون صدی کے طویل عرصہ میں جتنے اجلاس ہوئے اور ان اجلاسوں کے جتنے صدر ہوئے اور ان میں سے اکثر نے جو خطبے دیئے وہ ایسے ہیں کہ اگر ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے اور اگر ان سے ذرا سلیقہ کے ساتھ کام لیا جائے تو ملک کی تدریجی تعلیمی ترقی کی پوری تاریخ معلوم ہو سکتی اور وہ ایک نہایت مستند تعلیمی تاریخ بن سکتی ہے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ صدروں کے اس عقد ثریا کے تمام افراد سر تعلیمی نظریوں میں باہم متحد الخیال اور متفق الرائے نہ تھے پس ضروری ہے کہ ہر صدر نے اپنا ہی اپنا یا ہوا نظریہ پیش کیا ہو مگر تعلیمی کیمیا کا ماہران

سے سرد و گرم، سخت و نرم، تلخ و شیریں اجزا کا مناسب تناسب کے ساتھ باہم امتزاج کر کے ایک نہایت خوش گوار مرکب معتدل تیار کر سکتا ہے۔

یہ بھی ہے کہ ابتدا میں۔ خطبے بہت ہی مختصر اور نہایت سادہ اردو زبان میں محض رسمی طور پر ہوتے تھے لیکن کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں خطبہ کی ... سو تت پہلا ... ہوئی لحسب اس کے آٹھویں اجلاس (منعقدہ علیگڈھ ۱۸۹۳ء) کے صدر رب مہدی علی (نواب محسن الملک) ہوئے۔ کانفرنس کے پہلے اجلاس (۱۸۸۶ء) کے جلد ہی بعد کانفرنس پر یہ الزام عائد کیا جانے لگا تھا کہ کانفرنس ہر سال تین دن (ایام اجلاس) کے اندر تین سو پینسٹھ دن پڑی سوتی رہتی ہے۔ اس طعن کا سرسید نے نہایت دلنگ انداز سے اپنی ۱۸۹۲ء کی رپورٹ میں یہ جواب دیا کہ قرار داد (ریزولیوشنوں)

کی تعمیل ہونی کانفرنس کے قدرت اور اختیار سے باہر ہے۔ یہ خود قوم کا کام ہے کہ جس تجویز کو انھوں نے خود قوم کے لئے مفید قرار دیا ہے اس کے عمل درآمد میں کوشش کریں "

مگر نواب محسن الملک (خود طاعنوں کے اس حربہ کو ردکر کے بلکہ اپنی طرف سے اور مفروضات شامل کر کے) ان پر یہ کہہ کر واپس کیا کہ اگر ہم کچھ نہ کرتے (حتیٰ کہ)

"محض یا بے سود کام کرنے کے گنہ گار ہیں تو قوم کو مرتے دیکھنے اور کچھ نہ کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟

گر دسر تو کشتن و مردن گناہ من		دیدن ہلاک و رحم نہ کردن گناہ کیست
گیرم کہ وقت ذبح تپیدن گناہ من		دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

ساتھ ہی کانفرنس کے کارکنوں کی مشکلات (اور حضور صاحب ہی تو اول تو ہر مفید سے مفید تر کام کے آغاز میں ہوتی ہیں دوسرے کانفرنس کے مخصوص حالات کے لحاظ سے ہیں) بیان کر کے بتایا کہ

"چند آدمیوں نے مل کر علم کی زراعت کا ارادہ کیا، ایک بڑے جنگل کو کاٹا، خار دار درختوں سے صاف کیا، ایک گوشہ کو کھیتی کے لائق بنایا اور اب اسمیں بیج ڈالا ہے فصل تیار ہونے کا وقت ابھی دور ہے۔ تمام درجے محنت، صرف، نگرانی اور حفاظت کے باقی ہیں۔ اس پر بعض لوگ زراعت کے تیار نہ ہونے اور پھل نہ پانے کے شاکی ہیں میرے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جن کو از روئے قانون قدرت بالضرور مایوس ہونا چاہیئے اور جن کی کامیابی بموجب قواعد فطرت ناممکن ہے سے

روزہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش		زاہدے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
عمرہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و گل		شاہدے را حلہ بخشد یا شہیدے را کفن

سرسید مرحوم نے اپنے اس مشہور اور تاریخی ایڈریس میں جو جنوری ۱۸۷۷ء میں کالج کا سنگ بنیاد نصب کراتے

سب چیزوں کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا حماقت ہے

ہوئے (اس وقت کے وائسرائے اور گورنر جنرل) لارڈ لٹن کو دیا تھا یہ اُمید ظاہر کی تھی کہ

"اس بیج میں جو ہم آج بو رہے ہیں شاید ایک تناور درخت پیدا ہو جس کی شاخیں
اسی سرزمین کے برگد کی مانند اپنی نوبت میں زمین کے اندر مضبوط جڑ پکڑ لیں اور پھر وہ
خود بھی نئے اور قوی شاخیں نکالیں "

دنیا نے دیکھ لیا کہ سرسید اور اُن کے وفادار اور ایک سے ایک زیادہ نامور اور قوم پرور جانشین وہ دن دیکھنے کے لئے زندہ رہے چلے آئے کہ خدا نے ان کی تمنا پوری کی اور اس دن کی رکھی ہوئی اینٹ پر کیسی کیسی عالیشان عمارتیں اٹھیں اور اس رونکی رائی کے مثل بوئے ہوئے بیج سے کیسے کیسے پھل پیدا ہوئے۔

لیکن اس تخم افشانی اور خشت نہانی کے واقعہ کو اگر کانفرنس کے حالات پر منطبق کیا جائے تو یقیناً **وضع الشیٔ فی غیر محلہ** کا مصداق ثابت نہ ہوگا۔

سرسید مرحوم کے تقریب معاً بعد علاوہ عام تعلیم کی ترقی کی منادی کے اس کے کئی شعبے قائم ہوئے جنہیں (۱) انجمن ترقی اردو (۲) اصلاح معاشرت اور (۳) تعلیم نسواں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہ تینوں شعبے مثل مادر کانفرنس کے سال بھر برابر کام کرتے رہتے اور کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے ساتھ اور اسی مقام پر اور اسی ڈھنگ سے ان کے مستقل جلسے ہوتے تھے۔

انجمن ترقی اردو کے سکریٹری نوبت بہ نوبت مولانا شبلی، مولوی حبیب الرحمن خاں اور مولوی عزیز مرزا ہوئے مگر مولوی عبدالحق ایک بار مقرر ہو کر مادام الحیات ہو گئے۔ ان کے زمانہ میں انجمن نے بڑی ترقی کی۔ ہر فن کی کثرت سے اُردو میں معیاری کتابیں لکھی گئیں جنھوں نے (یادش بخیر) عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہو کر اُسے دنیا کی غیر اردو یونیورسٹیوں کے برابر بنا دیا اور واقعہ یہ ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کی تاسیس و ترقی میں نہ صرف حضور نظام عالی مقام دام اقبالہم کی شاہانہ دریا دلی سے فائدہ اٹھانے میں اور عام طور پر بھی ادب و فنون اُردو کی اور ملک کی مختلف التمدن اور مختلف التہذیب آبادی کے مابین اتحاد و اتفاق کی بنیاد مستحکم کرنے میں جو ناقابل انکار اور ناقابل فراموش خدمت انجام پائی اس میں حامیان اور کارپردازان انجمن ترقی اردو کا بڑا حصہ ہے اور اس کا بہت بڑا ثبوت وہ حصہ ہے جو بالآخر میں سر تیج بہادر سپرو اور دوسرے کثیر التعداد غیر مسلم اصحاب ذوق سلیم نے لیا ملک کی تقسیم کے ساتھ انجمن بھی بیچ میں سے چر گئی چنانچہ کراچی (پاکستان) اور علی گڈھ (ہندوستان) میں دونوں جگہ ڈٹ کر کام ہو رہا ہے دونوں جگہ نہ صرف کھلتے ہیں بلکہ قیمتی کتب خانے بھی ہیں اور دونوں کو دونوں کی گورنمنٹوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ علی گڈھ (ہندوستان) کی انجمن کو حضور نظام کی مالی امداد کا دستور قائم ہے کتابوں کے علاوہ دونوں کے موقت الشیوع رسالے بھی نکلتے ہیں۔

بزرگوں کی صحبت سے دین کا فہم پیدا ہوتا ہے۔

جب اصلاح معاشرت کے سکریٹری کالج کے نامور اور قابل فرزند ــــــ جناب خواجہ غلام السیدین کے باپ) خواجہ غلام الثقلین تھے "عصر جدید" ایک ماہوار رسالہ نکالتے تھے اور اسی دھن میں ممالک اسلامیہ کا سفر بھی کیا تھا اور "روزنامۂ سیاحت" کے نام سے ایک سفر نامہ بھی لکھا تھا مرض دق میں مبتلا تھے مگر ڈاکٹروں تیمارداروں اور بہی خواہوں کے اصرار کے باوجود بستر مرگ پر پڑے ہوئے لکھتے ہی رہتے تھے۔ ؎

جیئے جب تک لکھے سفر نامے   چل دیئے ہاتھ میں قلم تھامے

خواجہ صاحب کے ساتھ ساتھ یہ شعبہ بھی اپنی ہیئت و حیثیت کے ساتھ مرحوم ہو گیا۔

شعبۂ انجمن ترقی اردو اور اصلاح معاشرت کی ملک کے مختلف حصوں میں شاخیں بھی تھیں پنجاب کی شاخ کا صدر مقام لاہور تھا جس کا اپنے وہاں کے قیام (دوسال ۱۹۰۹ء) تک راقم الحروف محمد مقتدی خاں شروانی جوائنٹ سکریٹری رہا۔

شعبۂ تعلیم نسواں لارڈ کرزن والے دہلی دربار تاج پوشی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم (۱۹۰۲ء) کے موقعہ پر قائم ہوا اس کے سکریٹری شیخ عبداللہ صاحب ہوئے اور اب تک ہیں شیخ صاحب کے ساتھ ان کی رفیق حیات وحید جہاں (کالج کے باہر کی "عبداللہ بیگم" اور کالج کے اندر کی "اعلیٰ بی") نے بھی بڑا کام کیا اور بالکل ابتدائی درجوں سے اٹھ کر اب اول درجہ کا نسوانی ڈگری کالج ہے۔ اگرچہ کانفرنس کے ساتھ شعبۂ تعلیم نسواں سرسید کی حیات ہی میں (۱۸۹۶ء) میں قائم ہو گیا تھا مگر وہ اس سبب سے نہ پنپ سکا کہ سرسید اس وضع کے نصاب اور طریقۂ تعلیم کے سخت مخالف تھے جو نہایت بدنصیبی سے اب چلا ہوا ہے اور اسے نہایت صفائی سے "تباہ کن" اور نامبارک سمجھتے اور بتاتے تھے اور موجودہ زنانہ کالج کے بانیوں اور حامیوں نے بھی (سرسید کیا) اصول اسلام کی پوری پابندی کے حتمی وعدوں کے ساتھ اسے چلایا اور بڑھایا۔ انہی وعدوں کے ایفا کے یقین و اطمینان پر علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم بھوپال خلد آشیاں کی سرپرستی حاصل ہوئی اور اسی سے نواب وقار الملک مرحوم کی لوہا لاٹھ تالو میں آسکی "تعلیم و تربیت نسواں" کے عنوان سے میں نے ۱۶ اکتوبر گذشتہ کے اخبار "علی گڈھ" میں ایک مختصر مضمون لکھ کر سرسید کا اصول بتایا ہے، حال میں مجھے عبداللہ بیگم کی سوانح عمری کے دوسرے اڈیشن کی طبع و اشاعت کے زیر اہتمام کی خوشی حاصل ہوئی ہے اس کے ساتھ میں نے ایک جز (۱۶ صفحہ) کا تتمہ بھی شامل کیا ہے مگر جب میں نے متن کتاب کی کتابت کے وقت سرسید کی اس باب میں پالیسی کا ذکر کیا تو شیخ صاحب اسے چبا گئے اور جب تتمہ خود لکھتے وقت اسمیں اسے بتانا چاہا تو اسے شیخ صاحب پی گئے۔

یہ کانفرنس کے قدیم شعبوں کا حال ہے۔

حال کے قواعد و قوانین کے ماتحت کانفرنس کے شعبے یہ ہیں:۔

(۱) شعبۂ تعلیم جس میں ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ، بالغان، اسلامی اور اساتذہ شامل ہیں اس کے سکریٹری ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی دہلوی ہیں۔

(۲) شعبہ تصنیف و تالیف جس کا مقصد اصول و طریقۂ تعلیم کے نصاب کی کتابیں اور دیگر مفید علمی، ادبی، اخلاقی اور دینی کتابیں شائع کرنا ہے اس کے سکریٹری ڈاکٹر سراج الحق قریشی ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی ہیں۔

(۳) تعلیم نسواں اس طور پر کہ مسلمان عورتوں میں تعلیم کی اشاعت ان کی اصل ضرورت، اور تعلیماتِ اسلامی و روایات کے مطابق ہو سکریٹری مسز طاہر جیزی۔

(۴) شعبۂ اصلاح معاشرت و اقتصادیات جس میں اصلاح رسوم، سادہ زندگی، کفایت شعاری، بے روزگاری، مصنوعات و دیگر ذرائع معاش اور اس سلسلہ میں اشاعت کتب و رسائل کے مقاصد شامل ہیں، سکریٹری مولوی محمد حفظ الرحمن سیوہاروی ممبر پارلیمنٹ وناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند۔

کئی سال سے نصاب دینیات کی ترتیب پر کانفرنس کے زیر اہتمام ملک کے متعدد مستند علماء کی ایک جماعت نے بارہ علیگڑھ میں تشریف لاکر اور دفتر کانفرنس میں جمع ہو کر غور فرمایا ہے اور ایک اصول و اسلوب قرار دیا ہے جس کے تحت نی اسکول سے لے کر بی۔اے تک کا نصاب مرتب ہوگا اور پرائمری اسکول سے نیچے کی چند کلاسوں کے لئے بھی بعض کتابوں کی سفارش کی ہے ایک دوسری کمیٹی اس غرض سے بنی ہوئی ہے کہ عربی ادب کا نصاب اس نہج پر مرتب کرے کہ طلبا میں عربی زبان بے تکلف بول سکنے اور لکھ سکنے کی قابلیت پیدا ہو جس کی ہمیشہ سے زیادہ اس زمانہ میں مختلف مصالح سے بہت ضرورت ہو۔

تیسری کمیٹی کا مقصد یہ ہے کہ اردو کی تعلیم کے لئے جو کتابیں ہوں ان سے بچوں کو اردو ادب کے علاوہ صحیح دینی معلومات بھی حاصل ہو سکیں۔

اگر یہ مراحل بخوبی و خوش اسلوبی سے طے ہو گئے تو خدا چاہے یہ بھی کانفرنس کی بڑی قابل قدر یادگار خدمات ہوں گی۔ واللہ ھو الموفق والمعین۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی امداد کے طریقے

۱۔ کانفرنس کی امداد کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان اس کی ممبری قبول کریں۔ ممبری کی حسب ذیل اقسام ہیں:-

الف۔ لائف ممبر۔ چندہ یک مشت ۱۲۵ روپے

(ب) معاون خاص۔ چندہ دس روپے سالانہ

ج۔ معاون عمومی چندہ سالانہ پانچ روپے۔

بلا ضرورت اپنے گناہوں کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے۔

ممبروں کے حقوق :- الف - لائف ممبروں کو تاحیات اور معاون خاص کو تا ادائیگی سالانہ چندہ تازہ مطبوعات اور سالانہ رپورٹ بلا قیمت دی جائے گی اور وہ سالانہ اجلاسوں میں شریک ہو کر ان کی کارروائیوں میں حصہ لے سکیں گے (یعنی تقریر کر سکیں گے۔ تجاویز پیش کر سکیں گے اور ہر تجویز پر رائے دے سکیں گے)

ب - معاون عمومی کو صرف سالانہ اجلاسوں میں شریک ہونے، تقریر کرنے، تجاویز پیش کرنے اور تجاویز پر رائے دینے کا حق ہوگا نیز ان کو سالانہ رپورٹ مفت دی جائے گی۔

ج - مذکورہ بالا ممبروں کو بذریعہ انتخاب کانفرنس کی مجلس منتظمہ (اور مجلس منتظمہ سے مسلم یونیورسٹی کورٹ) میں پہنچنے کا حق ہوگا۔

ممبروں کے فرائض و اختیارات ۱ - مسلمانوں کی ترقی تعلیم کے لئے جو تدابیر ضروری ہوں ان کو عمل میں لانا

(۲) کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی کامیابی میں کوشش کرنا۔

(۳) ہر ممبر آنریری سکریٹری کی اجازت سے حساباتِ کانفرنس دیکھ سکے گا۔

(۴) ممبری کے علاوہ حسب ذیل طریقوں سے کانفرنس کی امداد کی جاسکتی ہے۔

(الف) غریب طلبا کے تعلیمی وظائف کے لئے مالی امداد کرنا۔

ب - مکاتب و مدارس قائم رکھنے کے لئے بقدر استطاعت چندہ دینا۔

ج - کانفرنس بک ڈپو سے اردو کی ہر قسم کی (بالخصوص اس کی اپنی مطبوعات) خریدنا۔ ان مطبوعات کی فہرست علٰحدہ چھپی ہوئی ہے اور طلب کرنے پر بلا قیمت ارسال کی جاتی ہے۔

د - کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں میں شریک ہو کر اسمیں عملی حصہ لینا۔

امید ہے کہ مسلمان وقت اور موقع کی اہمیت و نزاکت کو سمجھ کر جلد سے جلد کانفرنس کی خاطر خواہ مالی و جانی امداد پر متوجہ ہوں گے مزید توقف و تاخیر سے سخت نقصان کا خطرہ ہے جسکی تلافی ممکن نہ ہوگی ؎

اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

(دستخط) (ڈاکٹر) ذاکر حسین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی و چیرمین کانفرنس)

(مولانا) محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ممبر پارلیمنٹ و ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند دہلی و سکریٹری شعبۂ اصلاح معاشرت و تعلقات کانفرنس۔

(مولوی حاجی) محمد عبید الرحمٰن خاں شروانی
آنریری سکریٹری کانفرنس۔


دفتر مدرسہ امینیہ دہلی

مدرسہ امینیہ دہلی

مشرق کی ایک کامیاب دینی درسگاہ

از ادارہ

جناب مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب واصف نائب مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی

مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب کی یادگار ہیں۔ موصوف نے علم و تحقیق کی پوری توانائی سے کام لے کر ایک جامع اور قیمتی معلوماتی اور تاریخی مضمون شائع کیا ہے۔

اس مضمون کی ابتدا اور ارتقاء دونوں پہلو ان کی علمی خدمت پر شاہد عادل ہیں ولی اللٰہی خاندان کے تذکرہ کے بغیر دینی تعلیم کا کوئی تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتا۔

اس خاندان کی مرکزی شخصیتیں دہلی جیسے مرکزی شہر سے ابھریں۔ وہ علم و فکر اور دین و دانش کی دنیا پر چھا گئیں۔ حفیظ صاحب نے مضمون مدرسہ امینیہ پر لکھا ہے۔ مگر دہلی مرحوم کا پورا تذکرہ اس میں آگیا۔ جس نے مضمون کی قدر و قیمت کو بلند سے بلند تر کر دیا۔

ہم اس مضمون کے لیے دل سے ممنون ہیں۔ مگر مضمون کا دامن اتنا وسیع ہے، جسے اس شمارے کے صفحات مشکل سے تحمل کر سکتے ہیں۔ اسی بنا پر اس مضمون کو مجبوراً دو حصوں میں الگ الگ صفحات پر شائع کیا جا رہا ہے۔

مضمون کا وہ قیمتی حصہ جس میں مدرسہ امینیہ سے متعلق و مربوط علمائے کرام کا ذکر ہے اسی شمارے میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمایئے۔

مدرسہ امینیہ کے فوٹو بھی اسی شمارے میں شائع کیے جا رہے ہیں۔

ادارہ

بلغوا عنی ولو آیة ۔ اسلام کی اساس ایک ایسے عمل کے اوپر ہے جو دنیا میں تمام کاموں سے زیادہ کٹھن اور دشوار ہے، اور وہ ہے تبلیغ (یعنی خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچانا)، اس کام کی خاطر اللہ رب العزت کے بھیجے ہوئے پیغمبروں نے سنگدل انسان مخلوق کے پتھر کھائے اور طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں۔ یہ پیغمبروں ہی کی ہمت وجرأت تھی کہ انھوں نے یہ کٹھن کام کیا، جو بحیثیت انسان ہونے کے انسانی طاقت سے باہر تھا۔

انبیائے سابقین کے زمانوں میں اس کام کی ذمہ داری صرف انبیاء پر تھی، لیکن پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے یہ اہم ذمہ داری آپ کی امت کو سونپ دی گئی، اور اسی امتیاز کی وجہ سے اس کو خیر الامم کا خطاب عطا فرمایا گیا، اور امت کے علمائے راسخین و ائمہ مجتہدین کو انبیائے سابقین کی برابری و شرف عطا فرمایا ۔ ۔ ۔ کا طغرائے امتیاز بخشا گیا۔ اور سچ یہ ہے کہ علمائے امت نے انبیاء کی جانشینی کا پورا پورا حق ادا کر دیا، ۔ ۔ ۔ سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، مگر دین کی خدمت سے منہ نہ موڑا، دشمنوں کے پتھر کھائے، زبانوں کے طعنے سنے ۔ ۔ ۔ بھوک، پیاس اور تنگی معاش کی پرواہ نہ کی اور دین کی اشاعت اور کتاب وسنت کی تعلیم میں لگے رہے۔

تبلیغ دین کے تمام شعبوں کی اساس درس و تدریس پر ہے۔ اس سبب میں علمائے اسلام نے بہت محنت اور جانفشانی کی ہے۔ اسلام میں سلسلہ روایت جتنا مکمل اور محفوظ ہے اس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی یہ سلسلہ روایت ہی تو ہے جس کے ذریعہ سے احکام شرعیہ تحریف و تغیر سے محفوظ ہم تک پہنچے ہیں۔ یوں تو کتابوں کا مطالعہ کر کے ذہین آدمی بڑی قابلیت پیدا کر سکتا ہے، مگر حق یہ ہے کہ اس سلسلہ روایت کے ساتھ منسلک ہونے میں بڑی برکت وسعادت ہے، اور وہ حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ استاد اور شیخ کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہ کرے، استاد اور شیخ ہی اس سلسلۃ الذہب کی وہ کڑی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شاگرد کا رشتہ جوڑ دیتی ہے۔

دہلی کی مرکزیت دین کی تعلیم و روایت کے لیے علمائے امت نے ہر دور میں بڑی بڑی عظیم الشان درسگاہیں قائم کیں مگر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ کو جو مرکزیت حاصل ہوئی وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی، غیر منقسم ہندوستان میں جتنی درسگاہیں موجود ہیں ان کا سلسلہ روایت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تک اور ان کے ذریعہ سے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی درسگاہ پرانی دہلی میں تھی۔ اس کا نام مدرسہ رحیمیہ تھا۔ یہ مدرسہ آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۳۱ھ) نے قائم کیا تھا۔ اب اس مقام پر مہندیوں کا قبرستان واقع ہے۔ اور اسی جگہ آپ کا خاندانی مقبرہ ہے۔

مدرسہ رحیمیہ میں حضرت شاہ صاحب (متوفی ۱۱۷۶ھ) بارہ سال یعنی ۱۱۴۳ھ تک تعلیم وتدریس میں مشغول رہ کر حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور حرمین شریفین کے مشاہیر محدثین و مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ ۱۱۴۵ھ میں آپ



سفر حجاز سے واپس تشریف لائے، تو طلبہ کی بہت کثرت اور ہجوم ہوا۔ مدرسے میں جگہ کی قلت اور تنگی کی وجہ سے مغل بادشاہ محمد شاہ (المتوفی ۱۱۶۱ھ) نے آپ کو شاہ جہان آباد کے ایک محلہ (کوچہ فولاد خان عقب کلان محل) میں ایک وسیع مکان عطا فرمایا، جو مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے نام سے مشہور رہے۔ آپ اور آپ کے بعد آپکے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) اسی جگہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اس جگہ اب محلہ آباد ہے۔ اس کے آثار میں سے صرف ایک گنبد کی ڈاٹ اور صدر دروازے کی چوکھٹ باقی رہ گئی ہیں۔ اور یہ بقیہ آثار بھی عمارتوں کے اندر دب کر غیر محسوس سے ہو گئے ہیں۔ خیر واقف کار لوگ اس کی نشاندھی کر سکتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کے دور میں اس درسگاہ کو بڑی مرکزیت حاصل رہی۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحق رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) نے مدرسہ شاہ عبدالعزیز کی نگرانی بھی فرمائی اور درس بھی دیتے رہے۔ آخر میں اپنے مکان (واقع بازار میر خان مقابل محلہ مہونگران) میں مستقل درس جاری رکھا اور ۱۲۵۸ھ میں اپنے چھوٹے بھائی مولانا شاہ محمد یعقوب اور تمام اہل وعیال کے ساتھ مکہ معظمہ کو ہجرت فرمائی۔ آپ کی حویلی مدرسہ شاہ محمد اسحاق کے نام سے مشہور رہی۔ اور اب اس محلہ میں آبادی ہے۔ اندر کچھ آثار دبے ہوئے ہیں اور باہر ایک چھوٹی سی مسجد آپ کے نام سے مشہور ہے۔

دلی کا سنبھالا تیرہویں صدی کا وسطی زمانہ علم و ہنر اور ادب و فضل کے لحاظ سے بڑا ہموار زمانہ تھا۔ شاہجہان آباد علماء وفضلاء اور اہل کمال کا مرجع و مرکز بنا ہوا تھا۔ یہی دارالعلوم بڑی آب وتاب سے چل رہے تھے گھر گھر علوم وفنون اور تعلیم وتعلم کا چرچا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ رفیع الدین رضوان اللہ علیہم کے تلامذہ اور خاندان ولی اللہی کے فیضیافتہ علماء وادباء اور شعراء وحکماء علوم وفنون کی خدمت میں منہمک تھے۔

مدرسہ دارالبقا اور مدرسہ دھلی میں تعلیم وتدریس اور دیگر مساجد ومکاتب میں وعظ وتذکیر اور علمی تذکرے رہتے تھے۔

مدرسہ دارالبقا کی بنیاد ۱۰۶۰ھ میں جامع مسجد شاہجہانی کے ساتھ رکھی گئی تھی، یہ مدرسہ جامع مسجد کے جنوب مغربی سمت میں واقع تھا۔ مرور زمانہ کی وجہ سے تیرھویں صدی کے اوائل میں برباد ہو چکا تھا۔ حضرت مولانا مفتی صدرالدین آزردہ (المتوفی ۱۲۸۵ھ) نے خطیر صرف کرکے اس کی مرمت کرائی، جو حجرے شاہی زمانے کے باقی تھے۔ ان کی درستی کرائی اور بعض حجرے از سر نو بنوائے اور سگائیں وغیرہ بنوائیں اور اس کو از سر نو جاری کیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں یہ مدرسہ ختم ہو گیا، عمارتیں گراکر صاف میدان کر دیے گئے۔

مدرسہ دہلی یا دھلی کالج، علوم مشرقیہ کا ایک دارالعلوم تھا۔ جو حکومت انگلشیہ نے ۱۸۲۵ء ۱۲۴۱ھ میں مدرسہ غازی الدین دہیردن اجمیری دروازہ) کی شاہی عمارتیں جاری کیا تھا۔ اس کے صدر مدرس حضرت شاہ عبدالعزیز کے فاضل شاگرد

مولانا رشید الدین خان مقرر کیے گیے تھے۔ (یہ مولانا رشید الدین خان وہی ہیں جو مصنف نحو امیر کے خاص دوست تھے دونوں میں خط وکتابت رہتی تھی۔ ان کے عربی خطوط مکاتیب رشیدیہ کے نام سے مطبوعہ ہیں) سرسید احمد خان، منشی ذکاء اللہ مولوی ضیاء الدین، مولوی ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ اسی کالج کے فیض یافتہ تھے۔ مولانا رشید الدین خان کی وفات کے بعد ان کے عزیز شاگرد مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۶۷ھ) صدر مدرس ہوئے۔ آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (اولین صدر مدرس دار العلوم دیوبند) کے والد ماجد تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے شاگرد مولوی سید محمد صاحب اس دار العلوم کے صدر مدرس ہوئے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب کالج دوبارہ جاری ہوا، تو اس میں شعبۂ علوم مشرقی نہیں تھا۔ اور اس کا نام دہلی کالج کے بعد اینگلو عربک کالج تھا۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد کالج کے ارباب حل وعقد نے ذہنی مرعوبیت کی بنا پر اس کا نام بدل کر پھر دہلی کالج رکھ دیا ہے۔

اس عہد مرحوم کے علمی عروج کا کیا کہنا! حضرت مفتی صدر الدین خان آزردہ (صدر الصدور) مولانا رشید الدین خان (صدر مدرس مدرسہ علوم شرقیہ) مولانا نواب قطب الدین خان مصنف مظاہر حق۔ مولانا سید نذیر حسین محدث مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ۔ مولانا فضل حق خیرآبادی، مرزا غالب، فصیح الملک داغ دہلوی شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم مومن خان مومن، علاوہ ازیں سیکڑوں علماء وفضلاء جمع تھے اور علم وادب کی خدمت میں سرگرم تھے۔

مگر شاہجہان آباد کی سیاسی مرکزیت جو کچھ باقی رہ گئی تھی، وہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہورہی تھی۔ روز بروز شیرازہ بکھرتا جارہا تھا۔ سیاسی زوال کے ساتھ دینی مرکزیت بھی کمزور ہورہی تھی معلوم ہوا کہ کسی دور میں علوم وفنون کا کتنا ہی چرچا اور اہل کمال کا کتنا ہی ازدحام واجتماع کیوں نہ ہو، قومی وملی تعمیر بغیر سیاسی قوت کے ممکن نہیں، یہ وہ زمانہ آچکا تھا کہ اہل علم گوشہ نشین یا ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔

یکایک ۱۸۵۷ء کی قیامت رونما ہوئی، اور اس نے سیاسی قوت کے ساتھ ساتھ اسلامی شعائر اور تہذیب ومعاشرہ کو تہ وبالا کردیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ایک طویل خونیں داستان ہے۔ آخری مغل بادشاہ ظل سبحانی ابوظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ انار اللہ برہانہ کو گرفتار کرکے رنگون (برما) میں لیجاکر قید کردیا گیا، اور وہیں چھ سال قید میں رہ کر وہ ۱۲۷۹ھ میں جنت کو سدھارے اور رنگون ہی میں دفن ہوئے۔

دینی مرکز کی تبدیلی | ہر انقلاب اپنے ساتھ ہزاروں تباہیاں لاتا ہے اور چھوڑ جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا، تعلیم گاہیں ختم ہوئیں، مسجدیں مسمار ہوئیں، خانقاہیں لٹیں، آبادیاں ویران ہوئیں، اور دہلی کی دینی مرکزیت ختم ہوگئی۔

بار رسالت ونبوت کی وہ امانت یعنی کتاب وسنت کا سلسلۂ روایت جو علمائے ربانیین کے سینوں میں پوشیدہ تھی، دہلی سے منتقل ہوگئی، اس کو آفات سماوی اور حوادث ارضی سے بچاکر اور اپنے سینوں میں چھپ کرلے جانے والے کون تھے؟

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی (قدس اللہ اسرارہم) وغیرہ

یہ امانت حضرت شاہ محمد اسحاقؒ کے ہجرت فرمانے کے بعد حضرت شاہ عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۵ھ) کی طرف منتقل ہوئی، (حضرت شاہ عبد الغنی مجددی نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی وجہ سے حجاز مقدس کی طرف ہجرت فرمائی) اور ان سے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی نے تعلیم حاصل کی، اس طرح یہ امانت دہلی سے دیوبند، سہارنپور اور گنگوہ کی طرف منتقل ہوگئی، اور اسلامی علوم کا سب سے بڑا مرکز دارالعلوم دیوبند قرار پایا۔

شاہجہان آباد ایک طویل عرصے تک اخلاقی گراوٹ اور بدعات کا گہوارہ بنا رہا۔ اچھے لوگ یا تو رخصت ہی ہوگئے تھے یا اپنے گھروں میں عزت سنبھالے بیٹھے تھے، مشہور مقولہ ہے کہ "دہلی کبھی اہل کمال سے خالی نہیں رہی"۔ تاریخی حیثیت سے یہ مقولہ ہمیشہ درست رہا ہے۔ امن ہونے اور عام معافی کا اعلان ہونے کے بعد دہلی میں بہت سے علماء و فضلاء پھر جمع ہونے لگے۔ اور رفتہ رفتہ علوم و فنون کا چرچا ہونے لگا۔ اسکول و کالج جاری ہونے شروع ہوئے نئی نئی عمارتیں بننی شروع ہوئیں۔ مگر حقیقت نگر آنکھیں کسی اور چیز کو تلاش کر رہی تھیں یعنی شاہ عبد العزیز کی روح!

مدرسہ امینیہ دہلی یکایک دریائے رحمت جوش میں آیا، اور تقریباً چالیس برس کے بعد پھر وہ وقت آیا کہ دہلی کی گمشدہ متاع پھر دہلی کو مل جائے۔ اور کھوئی ہوئی دولت واپس آ جائے۔

۱۳۱۵ھ میں مولانا نانوتویؒ کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے چند ساتھی علوم نبویہ کی امانت اپنے سینوں میں لیکر چلے۔ ان کی آنکھوں میں انوار نبوت جھلک رہا تھا، اور پیشانیوں سے تمام ارباب معروف و نہوں عن المنکر کے جلیل القدر منصب کی عظمت ٹپک رہی تھی، ان چند ساتھیوں سے ہماری مراد ہے حضرت امام المحدثین مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مفتیٔ اعظم مولانا محمد کفایت اللہ، حضرت مولانا محمد امین الدین اور حضرت مولانا حافظ محمد ضیاء الحق دیوبندی وغیرہم۔ (نور اللہ مرقدہم) یہ سب ہم سبق اور ہم جماعت تھے، تعلیم سے فارغ ہوکر حضرت شاہ صاحب بجنور تشریف لے گئے، حضرت مفتیٔ اعظم شاہجہانپور تشریف لے گئے، اور مولانا امین الدین دہلی تشریف لائے۔ اور آتے ہی ایک دینی درسگاہ کی بنیاد ڈالی، یہ دینی درسگاہ جو اس وقت دنیائے اسلام کا دوسرا یا تیسرا نمبر کا دینی مرکز ہے مدرسہ امینیہ کے نام سے معروف و معلوم ہے۔ یعنی دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ امینیہ، مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد، یہ چند ہی دارالعلوم ہیں، جہاں سے خالص علوم نبویہ کے چشمے ابل رہے ہیں۔

اس عظیم المرتبت اور جلیل القدر درسگاہ کی بنیاد کس طرح رکھی گئی؟ شاید آپ کو خیال ہوگا کہ پہلے ملک کے مشہور لیڈروں اور شہر کے ممتاز دولت مندوں کی کانفرنس بلائی گئی ہوگی اور کئی دن کی بحث و تمحیص کے بعد وسیع پیمانے پر ایک دارالعلوم بنانے کا منصوبہ بنایا گیا ہوگا، اور سب سے بڑی رقم منظور

ہوں گے، دس بارہ عددمالی وانتظامی سب کمیٹیاں بنائی گئی ہوں گی، اس کے بعد ماہرانجینیروں کی کانفرنس منعقد ہوئی ہوگی، زمین تجویز کی گئی ہوگی۔ ہواؤں کے رُخ معلوم کیئے گئے ہوں گے۔ نقشے منظور کیئے گئے ہوں گے، پھر داغ بیل ڈالی گئی ہوگی۔ اور سنگ بنیاد رکھنے کے لیئے کسی شہرہ یافتہ رئیس یا گورنر کا نام تجویز کیا گیا ہوگا۔ تاریخ اور جلسہ عام کا اعلان کیا گیا ہوگا، جلی عنوانات کے ساتھ کارروائیاں شایع کی گئی ہوں گی۔ الحفیظ ﷲ۔

نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ان اللہ کے بندوں نے اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو مدد کے لیئے نہیں پکارا۔ پھر کیا ہوا؟ راقم الحروف نے جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا وہ آپ بھی سنیئے۔

اپنے ساتھیوں میں سب سے پہلے مولانا امین الدین دہلی آئے، اور مسجد چھتہ شاہ جی (چاوڑی بازار) میں قیام فرمایا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت مفتیٔ اعظم دیوبند سے دہلی آئے اور مولانا موصوف کے پاس قیام فرمایا۔ مولانا نے فرمایا کہ ارے بھائی مولوی کفایت اللہ! میں ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتا ہوں، تم اس معاملہ میں میرا ہاتھ بٹاؤ، حضرت مفتیٔ اعظم نے فرمایا کہ تمہارا خیال مبارک ومسعود ہے، میں دل سے تمہارے ساتھ ہوں۔ مگر میرا دست میرا شاہجہان پور جانا ضروری ہے۔ کیونکہ میرے شفیق استاد مولانا عبید الحق خان جنھوں نے کوشش کرکے مجھے حصول تعلیم کے لیئے دیوبند بھیجا تھا۔ مجھے بلا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مدرسہ عین العلم کو تمھاری ضرورت ہے، جلدی آؤ۔ استاد کا حکم ماننا ضروری ہے۔ میں وہاں جاکر حالات کا جائزہ لوں گا۔ اگر موقع ہوا تو آجاؤں گا۔ فی الحال میری رائے یہ ہے کہ تم مولوی محمد انور کو بلا لو وہ بھی انشاء اللہ تمھارے ساتھ پورا تعاون کریں گے چنانچہ مولانا موصوف بجنور تشریف لے گئے۔ مولانا محمد انور شاہ مولوی مشیت اللہ بجنوری کے مکان پر قیام پذیر تھے، مولانا نے شاہ صاحب سے اپنا مقصد بیان کیا۔ اور دہلی چلنے پر آمادہ کر لیا۔ مولانا نے شاہ صاحب سے دریافت فرمایا کہ تمھارے پاس کتنے روپئے ہیں؟ شاہ صاحب کے پاس اس وقت کل سات روپئے تھے۔ جو انھوں نے مولانا کو دیدیئے۔ اور انھیں سات روپیوں میں دہلی کے ٹکٹ خریدے گئے، اللہ اللہ! عزائم کتنے بلند و عالی۔ ایک کے پاس صرف سات روپئے اور ایک کی جیب خالی۔ دہلی آئے اور سنہری مسجد چاندنی چوک میں شاہ صاحب کو بٹھادیا۔ دو تین طالب علم مہیا کرلیئے، تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا موصوف نے مولانا حافظ ضیاء الحق کو بھی دیوبند سے بلا لیا، لیجئے افتتاح ہوگیا، یہ تھے ہمارے اسلاف جولائحۂ عمل سوچنے سے پہلے اور اسباب و ذرائع کی پروا کیئے بغیر عمل اور محنت کرنا جانتے تھے اور یہی اس تربیت گاہ کی روح تھی، جس کی نمائندگی کے لیئے یہ لوگ نکلے تھے، یہ متوکلین جن کے سینوں میں معارف نبویہ کی امانت پوشیدہ تھی، اور جن کی آنکھیں مشکوٰۃ رسالت سے منور تھیں، چار برس تک مسجد کے بوریوں پر بیٹھ کر بغیر تنخواہ کے پڑھاتے رہے، پانچ چھ آنے روز خوراک کے لیئے مدرسہ سے لے لیتے تھے اور بس! تقویٰ ان کا لباس، اور صبر ورضا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، اور یہی یکی دھن والے تھے وہ قدسی نہاد جن کو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔

مدرسہ امینیہ کی ابتداء ماہ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ میں ہوئی، مولانا امین الدین بانی ومہتمم اور مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

سب سے پہلے صدر مدرس تھے، ۲۲ صفر ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء کو چند معززین شہر کو بلا کر سب سے پہلی میٹنگ منعقد کی گئی، کس طرح منعقد کی گئی، اسکی کیفیت مولانا امین الدینؒ کے الفاظ ہی میں سنئے۔

گذارش ہے کہ مدرسہ امینیہ عربیہ اسلامیہ جدیدہ واقع شہر دہلی عرصہ دراز سے جاری ہوچکا ہے جب سے کہ جاری ہوا تھا اس کی کشتی دریائے بے سرو سامانی کی موجوں سے اندیشۂ غرق میں تھا، اور ہمیشہ کمترین درگاہ باری تعالیٰ میں دست بدعا تھا کہ یا مجیب الدعوات کوئی رجال الغیب ابدال صفت ایسا بھیج کہ اس کشتی قریب الغرق کو نکلنے کا راستہ بتا دے کہ اتفاقاً حضرت مولانا منفعت علی صاحب دام مجدہٗ، مدرس مدرسۂ دیوبند کسی کار ضروری کے واسطے تشریف لائے اور مدرسے کو دیکھ لفظ مرحبا زبان پہ لائے، المختصر اس کا ذکر چند سوداگروں سے کہ جو باخدا ہیں مولوی صاحب نے بیان فرمایا، وہ سب صاحب دوسرے روز مدرسے میں تشریف لائے، کیا دیکھتے ہیں کہ کہیں حدیث نبوی کا درس ہوتا ہے، کسی جگہ پر فقہ کہیں اصول فقہ پڑھایا جاتا ہے، کہیں صرف ونحو کا چرچا ہے، غرض جمیع علوم کے درس دیکھ کر حیرت میں ہوئے، اور سب صاحبوں نے یہ مشورہ کیا کہ اس کشتی کو اس دریائے بے سرو سامانی سے نکالنا چاہیئے، اور ایک سرپرست مقرر کرنا چاہیئے، جو ہمیشہ خبرگیران رہے۔ چنانچہ جناب شیخ حاجی محمد اسحاق صاحب سوداگر اور جناب الف خان صاحب روشنائی والے جو کہ اس جلسے میں موجود تھے مقرر کیے گئے، اور ان ذات بابرکات نے خوشی سے قبول فرمایا، اور سرگرم اصلاح مدرسہ ہوئے۔

حقیقت نگر آنکھوں کو جس دولت کی تلاش تھی وہ مبداءِ فیض نے دہلی کو دوبارہ عطا فرمادی، اس درسگاہ کی بنیاد میں اخلاص وتوکل، صبر ورضا پہ استوار ہوئی تھی، اور آج تک اللہ کے فضل وکرم سے اہل اقتدار کی احسان مندی سے پاک ہے، ابتدائی دور میں اس کی امداد و اعانت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات کے نام بھی موجود ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری۔ مولانا حکیم محمد مسعود احمد صاحب گنگوہی، مولانا مولوی منفعت علی صاحب، مدرس مدرسۂ دیوبند، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب، صدر مدرس دارالعلوم دیوبند۔ مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور تمام مدرسین وطلبائے مدرسہ عالیہ فتحپوری، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ غور فرمایئے کہ ان چندہ دینے والوں کے دل کس قدر غنی تھے۔

مورخہ ۸ ربیع الاوّل ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء کو حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری اپنی خاندانی ضروریات کی بنا پر کشمیر تشریف لے گئے، مہتمم صاحب نے صدر مدرس کی مسند کے لئے حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ کو تجویز فرمایا، آپ اس وقت شاہجہان پور کے مدرسۂ عین العلم میں درس دیتے تھے، مہتمم صاحب خود شاہجہان پور تشریف لے گئے۔ آپ کے مکان پر ہی قیام کیا، اور دہلی آنے پہ آمادہ کرلیا، آپ شوال ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء میں دہلی تشریف لائے، اور شیخ الحدیث ومفتی

کا عہدہ سنبھالا۔

کچھ عرصے کے بعد سنہری مسجد کے جنوبی قطعہ زمین پر دو چار کمرے اور حجرے بنائے گئے، جن کا نقشہ خود حضرت مفتی اعظم نے خود اپنے ہاتھ سے کھینچا تھا۔ مگر قیام مدرسہ کے بعد سے مدرسہ میں طلبہ کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی، اور جگہ کی تنگی ہوتی جا رہی تھی چنانچہ ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء میں مسجد پانی پتیان (علاقہ کشمیری گیٹ) کے متولیان نے مسجد اور اس کی اراضی متعلقہ مہتمم صاحب کو دیدی، اور اس پر مدرسے کی تعمیر شروع کر دی گئی، مورخہ ۱۰ شوال ۱۳۳۳ھ کو جو معاہدہ و تجویز کیا گیا اس کی رو سے مہتمم مدرسہ امینیہ کو مسجد پانی پتیان اور اس کی متعلقہ اراضی کو ہمیشہ کے لیے متولی بنا دیا گیا۔ ۱۳۳۶ھ میں مدرسہ چاندنی چوک سے منتقل ہو کر اپنی عمارت میں آگیا۔

حضرت مفتی اعظم کا اہتمام اور مجلس منتظمہ کی تشکیل

ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء میں جب کہ حضرت مفتی اعظم اپنے شیخ و استاد مولانا محمود الحسن سیدنا کے استقبال کے لیے ساحل بمبئی پر تشریف لے گئے تھے، مولانا امین الدین بانی و مہتمم مدرسہ کی وفات ہوئی، جدید انتظام و اہتمام کا فیصلہ کرنے کے لیے مدرسے کے سرپرست اور دیگر معززین شہر کی درخواست پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۵ شوال ۱۳۳۸ھ کو دیوبند سے دہلی تشریف لائے۔ مدرسہ میں معززین شہر کا جلسہ منعقد کیا گیا، آپ نے مشورہ فرما کر حضرت مفتی اعظم کو مدرسے کے انتظام و اہتمام کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔

مسجد پانی پتیان جو نواب لطف اللہ خان صادق پانی پتی نے ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲ء میں بنائی تھی، بہت بوسیدہ ہو گئی تھی اور نشیب میں آگئی تھی، حضرت مفتی اعظم نے اس کو از سر نو ۱۳۵۱ھ میں نہایت خوبصورت اور سنگین تعمیر کرایا۔

حاجی محمد الف خان کی وفات ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء میں اور حاجی محمد اسحاق کی وفات ۵ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۴۱ء میں ہو چکی تھی اور تنہا آپ کے ہی اوپر مدرسے کی پوری ذمہ داری تھی، آپ شیخ الحدیث بھی تھے، اور مفتی اعظم بھی اور مسجد و مدرسہ کے مہتمم و متولی بھی تھے، لہٰذا کچھ اپنے ضعف و نقاہت اور کچھ عہد حاضر کے رجحانات کے پیش نظر آپ نے مورخہ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۴۳ء کو ایک مجلس منتظمہ بنائی، اور مدرسہ و مسجد کا اہتمام اس کے سپرد کر دیا مجلس کے لیے مندرجہ ذیل ارکان تجویز فرمائے۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب (بحیثیت مہتمم) حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی۔ حاجی شیخ رشید احمد صاحب تاجر اسلحہ۔ حکیم حاجی شریف الدین صاحب بقائی۔ حاجی مولوی عزیز الرحمٰن صاحب بجنانی۔ حاجی حافظ احسان الٰہی صاحب تاجر چھت۔

مدرسہ امینیہ کی تعلیمی خدمات

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر، جامعیت اور عظمت کی وجہ سے آپ کے عہد اہتمام میں مدرسہ کو بے انتہا ترقی ہوئی تمام علوم و فنون کے علاوہ چالیس طلبہ صرف حدیث کا درس حاصل کر سکتے تھے، طلبہ کا اخلاقی معیار اتنا بلند ہوتا تھا کہ نظیر کے طور پر دیکھے جاتے تھے، مدرسین قابل محنتی اور مخلص تھے، افتا کی وجہ سے مدرسے کو دنیائے اسلام میں مرکزیت حاصل ہو گئی۔ اور اس کو تفقہ فی الدین کا سب سے بڑا مرکز و مرجع تسلیم کیا گیا، دار الافتائے مدرسہ امینیہ کے مفتی کو امت مسلمہ نے مفتی اعظم کا خطاب دیا۔ ہندی مسلمانوں کی سیاسی و قومی رہنمائی کی تحریک جو حضرت

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے منتقل ہوتی ہوئی حضرت شیخ الہند تک پہنچی، اس کا سب سے بڑا مرکز مدرسہ امینیہ قرار پایا یعنی ۱۹۱۹ء میں جب حضرت مفتی اعظم نے جمعیۃ علماء کی بنیاد ڈالی تو اس کا پہلا دفتر مدرسہ ہذا ہی میں قائم ہوا، یہ حضرت مفتی اعظم کا فہم و تدبر اور نکتہ شناسی تھی کہ جس نے مختلف الخیال علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا تھا۔

ہندوستان (غیر منقسم) کے علاوہ اکثر بیرونی ممالک مثلاً ایران، افغانستان، عراق، حجاز، چین، تبت، ملایا، برما، انڈونیشیا، افریقہ وغیرہ سے فتوے بھی آتے تھے، اور ان ممالک سے طلبہ بھی علوم اسلامیہ اور علم نبویہ حاصل کرنے کے لیے آتے تھے ہزاروں پیاسے اپنی روحوں کو سیراب کر کے یہاں سے نکلے۔ یہاں سے نکھرا ہوا خالص دین لیکر گئے اور دور دراز ملکوں میں جا کر تعلیم و تدریس تبلیغ و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

مدرسے کے باب میں حضرت مفتی اعظم کی خدمات اتنی عظیم الشان اور مسلسل ہیں کہ مدرسے کے تذکرے اور آپ کے تذکرے میں تفریق نہیں کی جا سکتی، مدرسے کے فارغ التحصیل علماء سب آپ کے تلامذہ ہی ہیں، اس لیے ان میں سے چند حضرات کا ذکر ہم حضرت مفتی اعظم کے تلامذہ کے ضمن میں کریں گے۔

دہلی کی تباہی تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، اور دہلی میں تقریباً ایک صدی کے بعد پھر دہرائی گئی، ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے اندر جو خونیں انقلاب آیا، وہ اپنی تباہ کاری و طوفان انگیزی کے لحاظ سے بہت زیادہ تھا، اس میں جو خونریزی، سفاکی اور اسلامی شعائر کی تباہی ہوئی، اس نے تاتاری تباہ کاری کو بھی شرمندہ کر دیا۔

یوں تو تمام غیر منقسم ہندوستان میں قتل و غارت کا بازار گرم ہو رہا تھا، مگر خاص طور سے غیر منقسم صوبہ پنجاب اور صوبہ دہلی میں تو خون کی ندیاں بہہ گئیں، بڑی بڑی عالیشان عمارتیں آگ کی نذر ہو گئیں، اور سیکڑوں عبادت گاہیں مسمار کر دی گئیں، جو کچھ ہوا، اور ہوتا رہا، مورخ کا قلم اس کو ضبط تحریر میں لانے سے ہمیشہ قاصر رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے خونیں انقلاب میں جو کچھ ہوتا ہے، اس کے تمام جزئیات کو قلمبند نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس میں کام آنے اور شہید ہونے والے لوگ ہزاروں حکایتیں اور شہادتیں اپنے ساتھ ہی لے جاتے ہیں۔

دہلی میں ۴ ستمبر ۱۹۴۷ء مطابق ۱۸ شوال ۱۳۶۶ھ سے منظم حملے شروع ہوئے۔ وہ فساد انگیز عناصر جو پنجاب سے قتل و غارتگری کرتے ہوئے آکر دہلی میں جمع ہو گئے تھے، انھوں نے مشتعل ہجوموں کی شکل اختیار کر لی تھی، ہر ایک ہجوم جو ہزاروں افراد پر مشتمل ہوتا تھا، دہلی کے مختلف محلوں اور بستیوں پر حملے کرنے لگا۔ دہلی کے پر امن باشندے جو اس قسم کے حملوں سے نا آشنا تھے۔ جب ان پر مسلح بلوائیوں کے ہجوم نے حملہ کیا تو اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ گھر بار، مال و دولت چھوڑ کر جان بچانے کی کوشش کریں۔ اگر کسی موقع پر ہمت سے کام لے کر مقابلہ کی کوشش بھی کی تو بری طرح تباہ کر دیئے گئے۔

مختصر یہ کہ چند روز کے ہنگاموں نے قرول باغ، پہاڑ گنج، سبزی منڈی وغیرہ کے مسلمانوں کو یا شہید کر دیا یا

ویران خانہ بدوش و تباہ ما جو عورتیں باقی تھیں ان کی عصمت دری اور اغوا کیا گیا، بچوں کو ماؤں کی گود سے چھین کر ذبح کیا گیا۔ اور اس گنبد نیلی فام کے نیچے زمین کے سخت جگر پر وہ سب کچھ ہوا جو دہلی کی آنکھ نے نہ کبھی دیکھا تھا۔ دہلی کی طویل وعریض اور وسیع آبادی میں سے صرف وسط شہر کے علاقے میں کچھ مسلم آبادی بچ گئی جو مہینوں محصوریت کی حالت میں زندگی گذارتی رہی۔

وہ چند مبارک و مقدس نفوس جن کے سینوں میں ولی اللٰہی امانت مکنون تھی، اُس ذات مطلق کے قہر و غضب کا تماشہ دیکھ رہے تھے، ان کے دلوں میں رہ رہ کر یہ سوال پیدا ہوتا تھا، کہ کیا یہ امانت شاہ عبدالعزیزؒ اور اسمٰعیل شہید کی دہلی سے، اب پھر منتقل ہونے والی ہے؟ حضرت مفتی اعظم اپنے دولت خانے (واقعہ کوچۂ چیلان) میں محصور تھے اور حضرت مولانا ضیاء الحق دیوبندی، مدرسہ امینیہ میں چند طلبہ کے ساتھ بند تھے، اور گلی کوچے اور سڑکیں انسانی خون سے سرخ ہو رہی تھیں، ۹ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو جب کہ گاندھی جی دہلی آئے، اور امن قائم کرنے کی کوشش شروع کی تو اجتماعی حملوں سے کچھ امن ہونا شروع ہوا، حضرت مفتی اعظم نے مولانا ضیاء الحق اور ان کے ساتھی طلباء کو مدرسے سے دوسری جگہ بحفاظت منتقل کرا دیا، اور مدرسے مقفل کر دیا، اس دوران میں مفتی اعظم اپنے چند شاگردوں کے ساتھ سواری میں (حملہ آوروں کی نگاہوں سے بچتے بچاتے) مدرسے میں تشریف لاتے تھے، کچھ دیر تشریف رکھتے تھے اور پھر قفل لگا کر واپس تشریف لے جاتے تھے۔

مدرسہ امینیہ باوجودیکہ غیر مسلم آبادی میں واقع ہے مگر، اللہ رب العزۃ کی رحمت سے بالکل محفوظ رہا، ان متوکلین اور صبر و رضا کے بندوں نے خون کے سیلابوں، آگ کے شعلوں، تلواروں کی جھنکار اور گولیوں کی بوچھار میں ولی اللٰہی امانت کو جس طرح بچایا، یہ انھیں کی ہمت و جرأت تھی، الحمد للہ کہ وہ امانت پہلے کی طرح دہلی سے منتقل نہیں ہوئی، کچھ عرصہ مقفل رہنے کے بعد مدرسہ جاری کیا گیا، طلبہ آئے نہیں بلکہ مہیا کئے گئے، نئے مدرسین رکھے گئے، اور جس طرح بھی ہو مدرسہ جاری کر دیا گیا۔ اور آج بھی خدا کے فضل سے جاری ہے کتاب و سنت کی تعلیم و تدریس ہو رہی ہے، انھیں قدسی نفس بزرگوں کی برکت تھی کہ دہلی میں کچھ مسلمان باقی بھی رہ گئے، اگر دہلی ختم ہو جاتی تو ہندوستان میں کہیں بھی شاید کوئی مسلمان نظر نہ آتا، اس دور ابتلاء میں کس کے پاؤں نہیں اکھڑے؟ مگر حضرت مفتی اعظم جن کے بوڑھے جسم میں روح جوان تھی ہر پوچھنے والے سے صاف کہہ رہے تھے کہ میں دہلی سے نہیں جاؤں گا، اگر تم جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔

حضرت مفتی اعظم کی وفات اور مدرسے کا انتظام جدید

پچاس برس مسلسل حدیث کا درس دینے اور مخلوق خدا کو احکام شرعیہ بتانے کے بعد مورخہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کو حضرت مفتی اعظم نے رحلت فرمائی، آپ کی وفات کے ۱۲ دن بعد مجلس منتظمہ کا جلسہ ہوا۔ تمام ارکان کے اتفاق رائے سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی دامت برکاتہم نے اہتمام کا عہدہ مولانا احمد سعید صاحب کے سپرد کیا، اور

صدر مدرس حضرت مولانا ضیاء الحق دیوبندی کو بنایا۔ یم شعبان ۷۳ھ کو صدر مدرس مولانا ضیاء الحق دیوبندی بھی رحلت فرما گئے، اب اس وقت صدر مدرس اور مفتی کے عہدے پر حضرت مفتی اعظم کے قابل ترین شاگرد حضرت مولانا مفتی محمد عبد الغنی صاحب دام مجدہ فائز ہیں، اعزازی مہتمم حضرت مولانا احمد سعید صاحب ہیں، اور عملی طور پر اہتمام و انتظام کی پوری ذمہ داری راقم الحروف حفیظ الرحمٰن واصف (ابن حضرت مفتی اعظم) کے کمزور کاندھوں پر ہے۔ کمترین اگرچہ اس بار امانت کے اٹھانے کی اہلیت نہیں رکھتا، مگر مندرجہ ذیل اکابر جو اس وقت مجلس منتظمہ کے ارکان بھی ہیں نگرانی و رہنمائی فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، دامت برکاتہم، حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب دہلوی، حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، حکیم حاجی شریف الدین صاحب بقائی، حضرت حاجی حافظ محمد احسان الٰہی صاحب، حاجی حافظ محمد نسیم صاحب، مولوی سعید الرحمٰن صاحب مجتبائی، ممکن ہو کہ ان نفوس قدسیہ کی نگاہ التفات سے یہ خاک کیمیا بن جائے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔

جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے، مدرسے کی بنیاد سعی وعمل اور صبر و توکل پر قائم ہوئی ہے، اس کی وہ شان آج بھی قائم ہے، اس کا کام امت مسلمہ کے اہل خیر حضرات کی امداد و اعانت سے چل رہا ہے۔ ؎

دلیلِ کامرانی ٹوٹ جاتا ہے سہاروں کا
کہ خود اپنا سفینہ اہلِ ایمان توڑ دیتے ہیں

آٹھ مدرس ہیں جو یکجہتی اور خلوص کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہیں، بچوں کا مکتب بھی جاری کر دیا گیا ہے جس میں مسلمان بچوں کو قرآن شریف اور بقدر ضرورت اردو حساب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسے کی عمارت جو بازار غیر گنج کشمیری گیٹ میں واقع ہے، سہ منزلہ اور شاندار ہے، مدرسہ ہذا اپنی شاندار روایات کے لحاظ سے بھی ایک جلیل القدر دینی مرکز ہے، اور اس کی عمارت بھی اپنی عظمت کے لحاظ سے اسلاف کی مقدس یادگار ہے۔

صوبہ بہار اور اڑیسہ کی تعلیمی مرکزیت

محترم الحاج پروفیسر عبدالمنان صاحب نے ہمیں صوبہ بہار اور اڑیسہ کے ان مدرسوں کی فہرست بھیجی ہے، جو صوبۂ بہار اور اڑیسہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان مدرسوں کی خصوصیت یہ ہے کہ مدرسے وہاں کی صوبائی حکومت کی طرف سے رائج ہیں۔ اور ان مدرسوں میں وسطانیہ فوقانیہ، مولوی، عالم اور فاضل کا کورس پڑھایا جاتا ہے۔ حکومت نے امتحانات کے لئے ایک بورڈ بھی بنایا ہے۔ ان مدرسوں کی منظوری حکومت نے ۱۹۲۲ء میں دی تھی، ان مدرسوں میں سب سے بڑا مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ ہے جس کا انتظام بہار گورنمنٹ کرتی ہے، مدرسہ عزیزیہ آف بہار شریف اور مدرسہ خانقاہ عزیزیہ سسرام ضلع آرہ یہ دونوں مدرسے اپنے خرچ سے چلتے ہیں، باقی تمام مدرسوں پر سالانہ کم وبیش چوبیس ہزار روپیہ حکومت خرچ کرتی ہے۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ سے مدرسہ عزیزیہ اور مدرسہ سلیمانیہ آف گزری یہ تین مدرسے ہیں، جہاں فاضل تک پڑھایا جاتا ہے، باقی مدرسوں میں عالم، مولوی وسطانیہ اور فوقانیہ وغیرہ میں مختلف کورس پڑھائے جاتے ہیں، اور حکومت کے منظور شدہ ایگزامینیشن بورڈ کی طرف سے باقاعدہ امتحانات ہوتے ہیں۔ حکومت بہار مبارکباد کے قابل ہے کہ تقریباً ۴۲ سال سے ان مدرسوں کی سرپرستی کر رہی ہے، ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو بہار کی اس تعلیمی سرپرستی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ (مدیر)

ضلع پٹنہ

۱	مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ	پٹنہ
۲	مدرسہ عزیزیہ	بہار شریف
۳	مدرسہ اسلامیہ	گزری
۴	مدرسہ محمدیہ	استھنوان
۵	مدرسہ قومیہ	ستیخانہ
۶	مدرسہ حنفیہ غوثیہ	بین
۷	مدرسہ منیر الاسلام	شہدی
۸	مدرسہ اسلامیہ	بجاپورہ

ضلع آرہ

۹	مدرسہ حنفیہ	آرہ
۱۰	مدرسہ واحدیہ	مسعود منزل
۱۱	مدرسہ خانقاہ عربیہ	سہسرام
۱۲	مدرسہ نیازیہ نظامیہ	اکبرپور

ضلع گیا

۱۳	مدرسہ اسلامیہ	اورنگ آباد
۱۴	مدرسہ اسلامیہ	داؤدنگر
۱۵	مدرسہ ارشاد العلوم	ٹکاری
۱۶	مدرسہ شرفیہ	عماد پور
۱۷	مدرسہ قادریہ	کارہ

ضلع مظفرپور

۱۸	مدرسہ اسلامیہ عربیہ	بہرام پورہ
۱۹	مدرسہ احمدیہ	ابوبکر پور
۲۰	مدرسہ مدنیہ	بھاشیہ شیخ

ضلع سارن۔ چھپرہ

۲۱	مدرسہ وارث العلوم	نیسبازہ
۲۲	مدرسہ اسلامیہ	کوجوا
۲۳	مدرسہ اسلامیہ	گوپال گنج

ضلع چمپارن

۲۴	مدرسہ اسلامیہ	موتی ہاری

۲۵	مدرسہ اسلامیہ	ڈھاکہ
۲۶	مدرسہ اسلامیہ	دریاپور

ضلع دربھنگہ

۲۷	مدرسہ حمیدیہ	قلعہ گھاٹ
۲۸	مدرسہ احمدیہ	سریا سراسٹے
۲۹	مدرسہ احمدیہ	مدھوبنی
۳۰	مدرسہ منظر الاسلام	پچھوا
۳۱	مدرسہ رحمانیہ	راکٹھا
۳۲	مدرسہ رحمانیہ	سیرون

ضلع بھاگل پور

۳۳	مدرسہ محمودیہ	سماریہ
۳۴	مدرسہ اسلامیہ	گنی ٹھاٹیکر
۳۵	مدرسہ امدادیہ	کھرک بازار
۳۶	مدرسہ اظہار العلوم اشرفیہ	اگرپور
۳۷	مدرسہ اشرفیہ نظامیہ	فتح پور
۳۸	مدرسہ فوقانیہ	نورپور
۳۹	مدرسہ اسلامیہ	غوردور
۴۰	مدرسہ انوارالعلوم	شیربہایا
۴۱	مدرسہ سلطانیہ	لکھینیا

ضلع سنتال پرگنہ

۴۲	مدرسہ شمسیہ	گرگواں
۴۳	مدرسہ اسلامیہ	دھوپور
۴۴	مدرسہ منظر العلوم	رادھی پور

ضلع پورنیہ

مدرسہ	مقام
۴۵ مدرسہ تنظیمیہ	براندگڈھ
۴۶ مدرسہ حفاظت الاسلام	کشن گنج
۴۷ مدرسہ اصلاحیہ	سیماپور
۴۸ مدرسہ اسلامیہ	بوچی
۴۹ مدرسہ چودھری محمد بخش	کٹیہار
۵۰ مدرسہ شمسیہ	سی ہی پور
۵۱ مدرسہ ابوبخش	آبادپور
۵۲ مدرسہ حمیدیہ	بانو گنج
۵۳ مدرسہ رحمانیہ	اکراہا
۵۴ مدرسہ اسلامیہ	آریاکورٹ

چھوٹاناگپور ڈویزن،

مدرسہ	مقام
۵۵ مدرسہ اسلامیہ	رانچی

ضلع پورولیہ

مدرسہ	مقام
۵۶ مدرسہ اسلامیہ	پورولیہ

ضلع چھائی باسہ

مدرسہ	مقام
۵۷ مدرسہ اسلامیہ	چھائی باسہ

ضلع اڑیسہ

مدرسہ	مقام
۵۸ مدرسہ سلطانیہ	کٹک
۵۹ مدرسہ جمعہ مسجد	سید پور
۶۰ مدرسہ نعمانیہ	بھدرک
۶۱ مدرسہ اسلامیہ	بالاسو
۶۲ مدرسہ احمدیہ	کیرنگ
۶۳ مدرسہ اسلامیہ	باجیرہ

جامعہ عربیہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ

یہ تعلیمی و تبلیغی و صنعتی ادارہ شمالی ہند کے مشہور تاریخی شہر "بہرائچ" میں ۱۳۴۹ھ سے مسلمانوں کی قومی و ملی خدمات انجام دے رہا ہے۔

از : مولانا سلامت اللہ صاحب

"بہرائچ ایک قدیم تاریخی شہر ہے، جو ملک نیپال کے بالکل متصل ہے، آج سے ۹۰۰ سال قبل ظالم راجاؤں کے ہاتھوں بربادشدہ مظلوموں کی امداد اور دین حق کی تبلیغ کی خاطر حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے مجاہدین کے ساتھ یہاں تشریف لائے، اور اپنے خون کے قیمتی قطروں سے اس سرزمین کو لالہ زار بنا کر یہیں آسودۂ خاک ہو گئے۔"

اس بے مثل اور عظیم قربانی کی برکت سے یہ شہر مرجع خلائق بن گیا، شہنشاہ تغلق کے زمانہ میں دینی علوم و فنون کے اعتبار سے اسے کافی اہمیت حاصل ہوئی تھی، مگر مسلمانوں کی حکومت کے اضمحلال، دارالسلطنت سے انتہائی بعد، اور غیر متمدن ملک نیپال کے قرب نے اس شہر کو سب سے زیادہ تباہ و برباد کیا، اس کی تمام پرانی تاریخیں اور عظمتیں ختم ہو گئیں، علمی و اخلاقی، دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے بالکل پست ہو گیا، مشرکانہ رسم و رواج اور بدعات کا گہوارہ بن گیا، دین کی حقیقت سے لوگ دور ہو گئے دینی علوم و اسلامی کردار کا کوئی نمایاں نشان باقی نہ رہا، کچھ دردمندوں نے کوشش کی کہ کوئی عربی درسگاہ قائم ہو، مگر ناکام رہے۔ ۱۳۴۹ھ میں جناب مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب کو اللہ جل مجدہٗ نے اس بات کی توفیق دی کہ وہ یہاں ایک دینی ادارے کی بنیاد رکھیں، چنانچہ موصوف نے اس عظیم تخیل کے ساتھ اس کی بنیاد رکھی کہ اس ادارے میں عربی علوم کی تکمیل کے ساتھ صنعت و زراعت اور چھوٹی چھوٹی گھریلو دستکاریوں کا بھی انتظام ہو، بے کار نوجوانوں اور بچوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ پڑھیں ان میں عمدہ تربیت کے ذریعہ ایسی زندگی پیدا کی جائے کہ وہ اسلام کے غیور سپاہی بن کر نکلیں اور ملک و قوم پر بار بننے کے بجائے دین کی خدمت کریں اور پورے ضلع میں دینی روح پھونک دی جائے۔

موصوف کی مخلصانہ جد و جہد، مجاہدانہ سرفروشیوں نے اس تخیل کو بہت حد تک کامیاب بنا دیا، اس ادارہ کی وجہ سے نہ صرف اس ضلع کو بلکہ قرب و جوار کے تمام اضلاع خصوصاً مشرقی اضلاع کو بہت نفع پہنچا، اکثر و بیشتر دیہاتوں میں اس ادارہ کے نوجوان تعلیم و تربیت یافتہ دین کی معتد خدمت انجام دے رہے ہیں، سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ قوم کے دست نگر نہیں، بلکہ کوئی صنعت و تجارت و زراعت ان کا ذریعۂ معاش ہے۔

یہاں کے تربیت یافتہ طلبہ ملک کے بعض مشہور اداروں و دیگر اضلاع کے شہروں اور قریوں میں اہم تعلیمی و تبلیغی خدمت

کر رہے ہیں، ادارہ کے پچیس سالہ مساعی کا ثمرہ یہ ہے کہ بہرائچ اور اس کے مضافات کے حالات بدل گئے ہیں اور غلط رسم و رواج سے نفرت، دین کا اچھا خاصا ذوق اور سنت نبویہ کی طرف میلان نمایاں ہے۔

ادارہ نے اپنی زندگی کے ہر انقلابی اور نازک دور میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی، اور ان کے ہر معاملہ میں حسب وسعت اپنا حق ادا کرنے میں سعی کی،

تمنا تو یہ تھی کہ اس ادارہ کو ایک اسلامی نو آبادی بنایا جائے، جو اپنی جملہ ضروریات زندگی کے لیے خود کفالتی ہو، اس کے لیے شہر سے باہر ایک وسیع زمین بھی تجویز کر لی گئی تھی، مگر حالات کے نامساعدت کی وجہ سے اسکی پوری تکمیل تو نہ ہو سکی، لیکن اس کے بہت سے ضروری اجزا کی تکمیل کی گئی،

(۱) درس نظامیہ اور دورۂ حدیث کی تکمیل،

(۲) منشی، کامل، مولوی، عالم، فاضل، الہ آباد یونیورسٹی کے امتحانات کا پورا انتظام کیا گیا۔

(۳) سوٹ کیس، چپل، جفت سازی وغیرہ کے لیئے لیدر ورکنگ اسکول قائم کیا گیا،

(۴) ویونگ اسکول کھولا گیا،

(۵) جلد سازی،

(۶) سوت کی کتائی کا خاص اہتمام کیا گیا،

چنانچہ طلبہ دن بھر پڑھتے اور چار بجے شام کو دس پانچ طلبہ اپنی اپنی صندوقچی لیکر بازار میں چلے جاتے جوتوں کی مرمت اور پالش کرتے، چھوٹے چھوٹے رومال اور چادر بیچتے اور اس سے آمدنی پیدا کرتے،

(۷) مساجد کے اماموں سے لوگ بہت وابستہ رہتے ہیں، ان کی جہالت سے بڑا نقصان ہوتا ہے، اُن کی دو سالہ تعلیم کے لیئے ایک ائمہ مساجد ٹریننگ کلاس کھولا گیا، ۲ سال کی مدت میں، اماموں کو ضروری مسائل، ایک پارہ کا ترجمہ، سیرت کی کوئی کتاب پڑھا دی جاتی ہے لکھنا اور تقریر کی مشق بھی کرائی جاتی ہے، اس کا بڑا اچھا اثر ظاہر ہوا،

(۸) روزانہ آدھ گھنٹہ جسمانی ورزش کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

(۹) سخت نگرانی اور صالح تربیت کا قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے،

(۱۰) خطابت سیکھنے پر خاص زور دیا جاتا ہے،

(۱۱) روحانی حرکات کو بیدار اور روشن کرنے کے لیئے **حضرت مولانا الیاس** رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر تبلیغی کام سکھایا جاتا ہے، ہر ہفتہ طلبہ کے وفود اپنے خورد و نوش کے سامان کے ساتھ پنجشنبہ اور جمعہ کو دیہاتوں میں پہنچ جاتے ہیں، اسکی وجہ سے کافی اصلاح ہو رہی ہے،

(۱۲) دیہاتوں میں بہت سے مکاتب بھی جاری کیئے گئے ہیں، جو اس ادارہ کی شاخ کی حیثیت رکھتے ہیں،

ان کاموں کے علاوہ اس دورِ جدید میں جو مسلمانانِ ہند کے لیئے دینی و دنیوی ہر اعتبار سے سخت ترین نزاکت پیدا کرتا جارہا ہے اس ادارے نے پورے ملک کی دو اہم قومی و ملی خدمات انجام دی ہیں۔

(۱) اردو زبان کو زندہ رکھنے اور اس کو فروغ دینے کے لیئے جامعہ اردو علیگڈھ کے امتحانات کا مدرسہ کو مرکز بنایا گیا ہے جس میں اسکولوں، کالجوں کے طلبہ اور طالبات سے امتحانات دلوائے جاتے ہیں اور ان کی تیاری کرائی جاتی ہے، بقائے اردو کے دوسرے ذرائع میں ہمیشہ پوری کوشش و مدد دی جاتی رہی ہے،

(۲) موجودہ دورِ حکومت میں تعلیم کے سلسلہ میں جو سوچا جارہا ہے، اختیار کیا جارہا ہے، وہ اسلامی ہند کے لیئے بے حد سنگ اور تشویشناک ہے اور اس سے ناقابلِ تلافی مضر اثرات اس ملک کی پوری ایک نسل پر پڑا ہے بلکہ بہت کچھ پڑ چکا ہے،

جناب حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن نے جو اس ادارہ کے روحِ رواں ہیں، آج سے چند سال پیشتر اس نئے طرزِ تعلیم کی سمیت دور کرنے کے لیئے ایک قرآنی نصاب تیار کیا تھا، جسے ملک کے ہر ہر گوشہ میں بذاتِ خود پہنچایا، خود پڑھایا اور سمجھایا، وہ نصاب اس قدر آسان ہے کہ روزانہ ایک گھنٹہ دینے پر چند مہینوں میں قرآن پاک کے ترجمہ سے کافی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، اور ہر عمر کا آدمی بقدر فہم خود کو قرآن پاک کی آیات کا ترجمہ کرنے لگتا ہے، جب بچے خدا کی کتاب سے خود اپنا دین سمجھ لیں گے، اور خدا کی کتاب جو "نور" اور "ہدی" ہے بلا واسطہ ان کی رہنمائی کرے گی، تو انسان کی بنائی ہوئی طلسماتی کتابیں کب ان کو گمراہ کر سکیں گی،

اس قرآنی نصاب کو ملک کے ہر صوبہ اور شہر نے اپنا لیا ہے، پاکستان و افغانستان اور افریقہ تک اس کی موثر آواز پہنچ چکی ہے، جن گھروں میں یہ نصاب پہنچ گیا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے کھانے پینے و دیگر گھریلو اشیاء کے لیئے عربی الفاظ بولتے ہیں، یعنی قرآن پاک کی برکت سے اس نصاب کے ذریعہ اردو تو بڑھ ہی جارہی ہے عربی بھی عام ہو رہی ہے،

ادارہ میں اس قرآنی نصاب کو نہایت اہتمام کے ساتھ عمدہ اور آسان طریقہ پر پڑھایا جاتا ہے، اور اس نصاب کے معلمین بھی تیار کیئے جاتے ہیں، بلکہ بہت سی جگہوں میں طلبہ تیار کرکے بھیجے بھی جا چکے ہیں، جو بے حد موثر اور مفید کام کر رہے ہیں، صرف کان پور میں ادارے کے ایک متعلم نے قرآنی نصاب کی کئی شاخیں قائم کر رکھی ہیں، جس میں بچے، مل مزدور، وکلا، اور تجارت پیشہ قرآن پاک کی تعلیم ترجمہ کے ساتھ حاصل کر رہے ہیں،

امسال ذی الحجہ کے مہینہ میں "دار الفرقان" لال ٹیکری حیدرآباد دکن کے قرآنی امتحانات میں ۲۲ طلبہ نے شرکت کی تھی، اکثر اول آئے اور دو طالب علم پورے ہندوستان میں اول نمبر پاس ہوئے،

۲۵ سال کی مدت میں حسبِ ذیل نمایاں کام ہوئے،

(۱) تیئیس طلبہ نے درس نظامیہ کی تکمیل کرکے فراغت حاصل کی ہے، ان میں ایک صاحب نابینا بھی ہیں، جو اسی ادارہ میں کام کر رہے ہیں، درس نظامیہ کی متوسط کتابیں اور منشی کی فارسی کا کورس پڑھ جاتے ہیں، اور صدہا طلبہ درس نظامیہ کی اونچی کتابیں پڑھ کر دار العلوم دیوبند وغیرہ جا چکے ہیں،

(۲) منشی، کامل، مولوی، عالم، فاضل میں ہر سال ۱۰، ۱۲، طلبہ شریک امتحان ہوتے رہے ہیں جن کی تعداد تخمیناً ۲۰۰ تک پہنچ چکی ہے؛

(۳) پیدا وورکنگ اسکول سے نکلنے والوں کی تعداد ۱۵۰ سے متجاوز ہے،

(۴) دیونگ اسکول سے ۵۰ کے لگ بھگ نکلے ہیں،

(۵) آئمہ ٹریننگ کلاس سے بھی اچھی خاصی تعداد نکل چکی ہے، ان میں سے اکثر طلبہ کسب حلال میں مصروفیت کے ساتھ ساتھ دین کی اچھی خاصی خدمت بھی کر رہے ہیں، اپنے ماحول اور اپنی آبادی کی اصلاح میں مخلصانہ جد وجہد کر رہے ہیں،

مدرسہ کے جملہ مساعی کا محور اس کے چار بنیادی مقاصد ہیں،

(۱) علوم عربیہ اسلامیہ کی تعلیم کے لیے معلمین تیار کرنا،

(۲) لادینی نظام تعلیم کے متوازی قرآنی نظام تعلیم کو عالمگیر بنانا،

(۳) عربی زبان اور اردو کی تعلیم کو ملت اسلامیہ میں عام کرنا،

(۴) وعظ و پند، تبلیغی جد وجہد کے ذریعہ مسلمانوں میں سچی ایمانی روح پھونکنا اور ان کو ہر باطل فتنہ سے بچانے کی کوشش کرنا،

اب آئیے کہ اس مختصر تعارف کے بعد مشاہیر کے قلبی تأثرات سے تعارف حاصل کریں، ہندوستان کے مشہور علماء، غیر ممالک کے سیاح، چوٹی کے لیڈران نے مدرسہ کو دیکھ کر ایسی قلبی مسرت ظاہر کی گویا وہ اسی چیز کے متلاشی تھے اور انھیں مدت کی گمشدہ چیز مل گئی،

(۱) "اس سے عالم اسلامی کو عموماً اور ہندوستان کے مشرقی اضلاع کو خصوصاً بے حد نفع پہنچنے کی توقعات ہیں،"

حضرت اقدس مولانا حسین احمد صاحب مدنی

(۲) مدرسہ کی جامعیت خاص طور سے جاذب قلب ہوئی، تعلیم کے ساتھ تبلیغ اور ان دونوں کے ساتھ صنعت وحرفت یعنی دین اور دنیائے حلال کا اجتماع مسرور کن رہا؛"

فخر الاماثل حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب،

(۳) نور العلوم نہایت مضبوط اساس، ترقی پذیر، امید افزا، اور پُر منفعت ادارہ ہے؛" شیخ الربانیت مولانا آزاد سبحانی؛

(۴) علم کے متن کو صنعت کا حاشیہ اس سے بہتر کہیں کیوں ہاتھ آیا ہوگا، اور آفتاب علم وحکمت کا جاہ وجلال اور صنعت پاپوش سازی میں کسب حلال کیا خوب، ع

"پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی" — مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی

(۵) یہ مدرسہ عربی مدارس کا ایک خاص نمونہ ہے، جو دوسرے مدارس کے لیے بڑی حد تک قابل تقلید ہے، دینی تعلیم اور صنعتی تعلیم کا اجتماع اس مدرسہ کی ایسی خصوصیت ہے، جو کم سے کم میری نظر سے اس وقت تک نہیں گزری"

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی،

(۶) اس ناچیز نے ان کی (مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی) رہنمائی میں چھوٹی عمر کے مختلف درجات کے بچوں کو دیکھا اور اندازہ

کیا کہ موصوف کا مشن اور تجربہ ان کے اس مدرسہ میں قابلِ اطمینان حد تک کامیاب ہے، دیگر تمام دینی مدارس و مکاتب کے اہلِ حل وعقد اور ماہرین تعلیم کے لئے موصوف کا یہ جدید تعلیمی نظریہ اور تجربہ بلاشبہ قابلِ غور ہے، اگر یہ نہج کسی درجہ میں بھی کامیاب ہو جاتی ہے، تو کم از کم ہندوستانی مسلمانوں کا ایک اہم مسئلہ بڑی حد تک حل ہو جاتا ہے۔

اس مدرسہ کی یہ خصوصیات و امتیازات الحمد للہ اب بھی باقی ہے کہ یہ ایک بامقصد مدرسہ ہے، مدرسین دکم از کم جن سے میں واقف ہوں، خدمت دین کے جذبہ کے تحت کام اخلاص سے کرتے ہیں، اور اس کو آخرت کی کمائی سمجھتے ہیں، طلبہ کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ دینی و اخلاقی نگرانی کا اہتمام جو پہلے تھا بحمد اللہ وہ بھی باقی ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔

(۷) اپنی عمر میں یہ پہلا دینی مدرسہ دیکھا، جس میں علم دین کے ساتھ ساتھ کسب حلال کا بھی طریقہ سکھایا جاتا ہے، تاکہ ایک عالم دین دنیاداروں کا محتاج نہ رہے۔　　خطیب امت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری و مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی۔

(۸) ادارہ نور العلوم کی یگانہ خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طلبہ میں قرآن کی حقیقی روح کارفرما ہے۔

عبدالمجید قرشی سیرت کمیٹی پٹی لاہور۔

(۹) میں یہاں کے طلبہ کے فہم و فراست سے بہت متاثر ہوا، مجھے امید قوی ہے کہ ان میں ایسے لوگ نکلیں گے جو قوم کے لئے باعثِ فخر ہوں گے۔　　سید محمد حسین صاحب سیکریٹری (و) بی۔ ڈبلو۔ آئی۔ (امریکہ)

(۱۰) میں نے یہاں ایک بالکل نئی بات کا مشاہدہ کیا کہ طلبہ کو دینی تعلیم کے ساتھ بوٹ شوز بنانا سکھایا جاتا ہے تاکہ پڑھنے کے بعد وہ اپنی معاش کا دارومدار مذہبی طبقہ کی خیرات پر نہ رکھیں۔

رفیع احمد صاحب قدوائی مرحوم

(وزیر غذا حکومتِ ہند)

(۱۱) یہ مدرسہ دین و دنیا اور علم و عمل کا مجمع البحرین ہے، طلبہ کا مقصد حصول علم ہے نہ کہ علم فروشی، حصولِ معاش کے وسائل خود ان کے دست و بازو کے مساعی کا نتیجہ ہے۔

شاعر اسلام اقبال احمد خان صاحب سہیل، ایم۔ اے، علیگ

ان حضرات کے علاوہ ہندوستان کے اور بہت سے مشہور ہندو مسلمان، رہنماؤں اور لیڈروں نے مدرسہ کا معائنہ کیا اور اپنی قلبی مسرتوں کا اظہار کیا۔

یہ ہے جامعہ عربیہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے حالات کا مختصر نقشہ!

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور

ضلع اعظم گڈھ

(از: جناب مولانا عبد الباری صاحب قاسمی ناظم جامعہ)

دورِ اول | ہندوستان میں انگریزی تسلط کے بعد مسلمانوں سے احساس کمتری دور کرنے، دینی شعور اور مذہبی ثقافت کو برقرار رکھنے کے لئے، ٹھوس کام کرنے والے اداروں کی ضرورت سے کون انکار کرسکتا ہے۔

یہی مطمح نظر تھا، جس کے پیش نظر ۱۳۱۶ھ میں مشرقی یوپی کے مشہور علمی، دینی اور صنعتی قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ نظامت کا منصب پر خلوص بزرگ حکیم الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا گیا۔ تدریسی خدمت کے لئے حضرت مولانا حکیم محمود صاحب معروفی منتخب ہوئے مالیات کا ابھی کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے چند اہل خیر حضرات مل کر نو روپیے ماہانہ مولانا کی خدمت میں بطور مشاہرہ پیش کر دیتے، مولانا کے ارد گرد قصبہ کے بچوں کا ہجوم ہوگیا۔ اور آپ آرام کا خیال کئے بغیر شب و روز تعلیمی خدمت انجام دینے لگے۔

مولانا کی شفقت اور مشاہرہ کی کمی سے بہت جلد لوگوں نے محسوس کی، تنخواہ پندرہ روپئے کر دی گئی۔ اور ایک مدرس کا بھی اضافہ ہوگیا۔ جامعہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ اور اخراجات کی کفالت مخلص حضرات کرتے رہے۔ یکایک قصبہ اور مضافات میں طاعون کی وبا پھیلی اور کئی سو بچے یتیم و لاوارث ہوگئے، جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ بانیان جامعہ سے ان کی کسمپرسی دیکھی نہ گئی، تو ان معصوموں کو جامعہ میں پناہ دیکر رہنے، سہنے، کھانے، کپڑے اور تعلیم و تربیت کا خاطرخواہ انتظام کر دیا گیا۔

اس وقت اخراجات کا بار وسعت سے کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا، اس لئے قوم کے سامنے چندہ کی تحریک ہوئی، اور محلہ محلہ سے غلہ آنے لگا جس سے مشکلات بہت حد تک کم ہوگئیں۔

چونکہ بچوں کی تعداد بھی کافی ہوگئی تھی۔ جن کا سنبھالنا دو استادوں کے امکان سے باہر تھا۔ لہذا مدرس بڑھائے گئے اور ناظم صاحب کی اہلیہ محترمہ نے اپنا مکان جامعہ کے لئے پیش فرما کر جگہ کی تنگی کو دور کر دیا۔

جامعہ کی خدمات کا شہرہ قصبہ سے مضافات اور آس پاس پہنچا۔ مگر اب تک صرف ابتدائی تعلیم کا انتظام تھا۔

دورِ ثانی | ۱۹۳۳ء میں مولانا شکر اللہ صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے فہیم نوجوان دیوبند سے سند فراغت لیکر آئے تو مولانا الٰہی بخش صاحبؒ اُن کے جذبۂ خدمت اور اپنی ضعیفی کو مدنظر رکھتے ہوئے مشورہ کرنے کے بعد نظامت کی باگ ڈور مولانا شکر اللہ صاحبؒ کے حوالہ کردی۔

مولانا نے اس عہدہ کو سنبھالتے ہی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کے ساتھ جامعہ کے تعمیری اور تعلیمی معیار کو اونچا سے اونچا کرنے کیلئے لوگوں کو تیار کیا، قوم کو دعوت دی، سرمایہ کے لئے چندہ کی اپیل کی عطیات چرم قربانی اور دوسرے ذرائع سے مالی مشکلات کا حل نکالا، علوم و فنون میں ماہر اساتذہ خدمتِ درس پر مامور ہوئے۔ اور ہر طرف سے کھنچ کھنچ کر طلبہ کا جم غفیر پروانے کی طرح شمع کے ارد گرد جمع ہوگیا۔

ایک طویل و عریض زمین پر جامع کی خوبصورت عمارت بھی کھڑی ہوگئی، اور دینی تعلیم کا مکمل انتظام کر دیا۔

جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارکپور، جو ان دنوں اپنی عمر کی ۵۰ ویں منزلیں طے کر رہا ہے اپنی تعلیمی، تدریسی، تبلیغی خدمات کے اعتبار سے ہندوستان کے ان چند مشہور اور ممتاز مدارس میں شمار کئے جانے کے قابل ہے جنھوں نے مذہبی تعلیمات کی اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

تعلیم یہ محض قدرت کا فضل و کرم ہے کہ اس وقت مدرسہ کے کامل الفن اساتذہ اور جامعہ کے ارباب حل وعقد نے تعلیمی چیز کو اپنے طویل تجربات کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ کارآمد اور مفید بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے، جامعہ کی ٹھوس تعلیم کا بلند معیار اور اس کا خصوصی نظام تعلیم دینیات و مذہبیات کی اونچی سطح پر وہی تعلیم کے ساتھ ساتھ خاص طور پر ہندی، اردو، فارسی، ریاضی، حفظ قرآن، تجوید، حدیث و تفسیر، فقہ و اصول فقہ، منطق و فلسفہ، معانی و بیان، ادب و انشاء جیسے علوم و فنون، اور اہم شعبوں پر حاوی ہے۔ مختلف فنون میں ماہر اور تجربہ کار اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں جن کا علمی تجربہ ہند کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین حاصل کر رہا ہے، نیز کوشش کی جیز ضروریات زمانہ کے لحاظ سے نئے علوم اور جدید کتابوں کا اضافہ ہے۔ جن کے ذریعہ طلبہ کی استعداد کو مکمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو بحمد للہ کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ جامعہ کے فارغین ایک طرف ملک کے مشہور مدارس میں علمی خدمات انجام دے رہے ہیں تو دوسری طرف صحافتی دنیا میں اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ علم وادب کے ساتھ مذہب کی روشن حقیقتوں کو بھی دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اور خطابت و تقریر کے میدان میں بھی ان کا مقام بہت بلند ہے۔

جامعہ میں ضلع اور صوبہ کے دیگر اضلاع کے علاوہ بہار و بنگال، برما، پاکستان کے تقریباً تین سو طلبہ ہر سال مختلف علوم و فنون کی تحصیل میں مشغول رہتے ہیں۔ جن سے کسی قسم کی فیس نہیں لی جاتی، ان میں سے ۰۰ طلبہ کے قیام و طعام کتاب و روشنی اور دیگر ضروریات کو مدرسہ اپنی طرف سے پورا کرتا ہے۔ طلبہ کی تعلیم و تربیت کے لائق اور محنتی اساتذہ اور اتالیق ہیں، تعلیم کی نگرانی کے لئے چار آدمیوں کی ایک کمیٹی ہے جس کے افراد وقتاً فوقتاً تعلیمی معاملات کا جائزہ

لیتے رہتے ہیں۔ ہمارے نظامِ تعلیم میں تقریر و تحریر کو بھی نصاب کا ضروری جزو ٹھہرایا گیا ہے۔ ہر پنجشنبہ کو طلبہ اپنے شفیق اساتذہ کی نگرانی میں اس کی مشق کرتے ہیں۔ تاکہ فراغت کے بعد تبلیغ دین کی کماحقہٗ خدمات انجام دے سکیں۔ کبھی کبھی ان کی حوصلہ افزائی کے لیے باہر مقابلہ کے جلسوں میں بھی انہیں تقریروں کا موقع دیا جاتا ہے۔

شعبۂ تبلیغ | یوں تو جامعہ ابتداء سے اصلاح و ارشاد کے کام انجام دیتا چلا آرہا ہے، لیکن زمانہ کی ضروریات پر نظر رکھتے ہوئے ہم نے اس شعبہ کو ترقی دی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ ملک میں وعظ و نصیحت اور عام جلسوں میں تقریروں کے ذریعہ عوام کی اصلاح کی جائے، اور ان کی توجہ غلط رسم و رواج سے ہٹا کر شرعی امور کی طرف مبذول کرائی جائے، اس شعبہ میں عرصہ سے ایسے حضرات کی خدمات حاصل ہیں جو مستقل طور سے پورے سال قرب و جوار کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کے علاوہ ملک کے دور دراز مقامات کا بھی سفر کرکے مختلف طریقوں سے تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں، اسی پر بس نہیں، جامعہ کے نائب ناظم صاحب ایک طرف جامعہ کے نظم و نسق میں مصروف رہتے ہیں، دوسری طرف سال کے تین مہینے شعبۂ تبلیغ سفارت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔

شعبۂ افتاء | اس شعبہ کے ذریعہ نکاح و طلاق، فسخ و خلع، ورثہ و ترکہ، ہلال عید، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ اور مسلمانوں کی دینی زندگی سے متعلق قرب و جوار اور دوسرے شہروں سے آئے ہوئے استفسارات کے جوابات دیئے جاتے ہیں، جوابات عام طور سے قرآن و حدیث کی روشنی میں نظائر و شواہد اور کتابوں کے حوالجات کے ساتھ لکھ کر روانہ کیئے جاتے ہیں۔

کتبخانہ | جامعہ کے ارباب اختیار نے کتابوں کو جمع کرنے میں بڑی ہمت سے کام لیا ہے جس کے نتیجہ میں جامعہ کا کتب خانہ آج رشک نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ کتبخانہ ایک بلند و بالا عمارت کے وسیع ہال میں ہے۔ جس میں درسیات کے علاوہ عربی، فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی کے قدیم و جدید مصنفین کی علمی، تاریخی، سیاسی، معاشی، سائنس و جغرافیہ، غرض ہر علم و فن کی کئی ہزار کتابیں موجود ہیں۔ جن سے طلبہ کے علاوہ قصبہ اور مضافات کے لوگ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، کتابوں کے علاوہ ملک اور بیرونِ ملک کے علمی، ادبی، رسالوں کی ضخیم فائلیں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اس کے ماسوا روزانہ اخبارات اور ماہانہ رسالے مستقل طور پر آتے ہیں۔

ذرائع آمدنی | یہ شعبۂ اہتمام کی خوش قسمتی تھی کہ جامعہ زمانہ قیام سے اب تک اہل قصبہ کے مخیر حضرات کی دریا دلی کی بدولت بڑھتے ہوئے اخراجات کے باوجود ترقی کی کتنی منزلیں طے کر گیا اور اس کی اہم ضروریات انھیں حضرات کے ہاتھوں بحمد اللہ پوری ہوتی رہی ہیں، لیکن ادھر کچھ برسوں سے ملک کی بڑھتی ہوئی گرانی اور بدحالی نے جامعہ کو بھی متاثر کیا، اس لیئے طے کیا گیا کہ بیرونی حضرات کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے جب کہ ملک میں اس قدیم درسگاہ نے اپنی خدمات کا ایک شاندار ریکارڈ قائم کر دیا ہے، اور احیاء العلوم کے منتسبین ملک میں ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں، جو جامعہ کے شاندار کارناموں سے پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ اس لیئے ایک ایسے ادارہ نے جو اپنی فیض رسانی کے لیئے مشہور رہا ہے، عوام گریز نہیں کریں گے

چنانچہ کچھ سالوں سے جامعہ کے صدر ملک کے بیشتر حصوں میں دورہ کرتے ہیں، اور فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کے ساتھ مخیر مسلمانوں کو جامعہ کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

اساتذہ

حضرت مولانا الحاج مفتی محمد لیٰسین صاحب صدر مدرس

جناب مولانا شبیر احمد صاحب

جناب مولانا محمد یحییٰ الاعظمی صاحب

جناب مولانا محمد عثمان صاحب

جناب مولانا قاری حافظ ظہیر الدین صاحب معروفی

جناب مولانا شمس الدین صاحب حسینی نائب ناظم و مبلغ جامعہ۔

جناب مولانا خواجہ محمد شفیع صاحب مبلغ جامعہ

جناب مولانا عبد المنان صاحب

جناب مولانا انوار الحق صاحب

ان کے علاوہ ناظرہ، حافظہ، اردو، حساب و کتاب، ہندی وغیرہ کے لئے اساتذہ کام کرتے ہیں۔

جنرل کمیٹی | جامعہ نے اپنی تعلیمی، تبلیغی اور دینی کام کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے لئے منتظمہ کمیٹی کے علاوہ ایک جنرل کمیٹی بنائی ہے جس کے نگراں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ ہیں۔ اس کمیٹی میں قصبہ اور اطراف کے دیہاتوں کے تقریباً پانچسو سربرآوردہ حضرات شریک ہیں۔ اور کم از کم سال میں ایک مرتبہ ماہ شعبان میں جامعہ کے جلسہ کے موقع پر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور جامعہ کے تمام حالات اور اس کی ضروریات کا جائزہ لیتے ہیں۔

بقیہ مضمون صفحہ ۱۲۹ روپیہ لیکر آیا جسے مدن سے کسی نامعلوم صاحب خیر نے روانہ کر دیا تھا، وصال سے چند منٹ پہلے آپ کی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف بار بار اٹھی تھی، اور کلمۂ شہادت زبان پر جاری تھا۔ اس عالم میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی تجہیز و تکفین میں اس قدر آدمی تھے کہ شمار مشکل تھا۔ قبل مغرب نماز جنازہ ادا ہوئی اور قصبہ کے شمالی طرف عیدگاہ کے قریب ایک پختہ قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا، لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

هذا قبر محي السنة الشيخ الحاج مولانا شكر الله المبارکفوری
رحمه الله تعالى المتوفى يوم الاثنين في تاريخ ٥ ربيع الاول ١٣٦٠

(٭٭٭)

محی السنہ مولانا شکر اللہ مبارکپوری

متوفی سنہ ۱۳۶۱ھ

از جناب مولانا محمد عثمان صاحب پروفیسر جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور

افق عالم پر ہزاروں ہستیاں ابھریں اور انجم بن کر نمودار ہوئیں اور اپنی روشنی سے شاہراہ زندگی کو منور و تابان بناگئیں، ان کے قدموں نے دشوار گذار راستوں کو ہموار بنا کر آنے والوں کے لئے منزل مقصود تک رسائی آسان کردی،

ان ہی میں سے ایک بزرگ، عالم باعمل، مصلح قوم، فدائی مذہب، شیدائے کتاب و سنت، بطل حریت حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارکپوری قدس سرہ ہیں جن کی زندگی احیاء دین اور ملک و ملت کی فلاح و بہبود کیلئے وقف تھی جہد للبقاء مصائب سے ٹکر، حوادثات سے مقابلہ، مکروہات سے جنگ اور جہالتوں سے پنجہ آزمائی، ان کا شیوہ تھا، دور اندیشی اور صحیح فکر و نظر کے ساتھ ہر چیز میں اصول و ضابطہ کی مداومت ان کی فطرت تھی، اخلاص، عزیمت اور قوۃ ایمان ان کا حربہ تھا، نمود شہرت و ہنگامہ سے دور رہ کر پیہم عمل اور ٹھوس کام ان کا طرۂ امتیاز، آپ شیراز ہند پورب کے ضلع اعظم گڈھ کے مشہور علمی اور صنعتی قصبہ مبارک پور میں پیدا ہوئے، گھر والوں نے باوجود غربت کے تعلیم کے لیئے آزاد چھوڑ دیا، آپ نے ابتدائی تعلیم مقامی مکتب احیاء العلوم میں حضرت مولانا محمد محمود صاحب معروفیؒ سے حاصل کی، آپ نے یہاں پر عربی کی نحو و صرف کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، صبح کام کاج کر کے مدرسہ جاتے، پھر آکر گھر کے کام کاج میں لگ جاتے، اس طرح آپنے تنگ دستی میں اپنی تعلیم جاری رکھی، اس زمانہ میں منطق کا متن تہذیب آپ کو زبانی یاد تھا، شام کو روزانہ صمودی کے میدان میں آتے جاتے اسے دہرا لیا کرتے تھے۔

غرض کہ جب اس طرح بھی دینی تعلیم حاصل کرنا مشکل ہو گیا، تو آپ الہ آباد چلے گئے، اور کئی ماہ تک لاپتہ رہ کر تعلیم حاصل کرتے رہے، آخر مولانا حکیم الٰہی بخش صاحب ناظم مکتب احیاء العلوم سے ناگہانی ملاقات ہوجانے پر اس طالب علم کا پتہ چل ہی گیا اور آپ نے اپنے کو ظاہر کر دیا، جب گھر والوں کو ان کے علمی شوق کا صحیح اندازہ ہوا تو انھوں نے تنگی کے باوجود ان کو پڑھنے کے لیئے آزاد کر دیا، پھر آپ الہ آباد سے سیتاپور گئے، اور وہاں علمائے خیرآباد کے اسکول میں فلسفہ و منطق وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، قرأت بھی آپنے وہیں حاصل فرمائی، آپ وہاں سے اس وقت کی مشہور درسگاہ مدرسۃ العلوم علیگڈھ

تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا ماجد علی صاحبؒ مانی کلاں تلمیذ حضرت گنگوہیؒ سے علمی فیض حاصل کیا، آخر علم کے متوالے نے دار العلوم دیوبند کو اپنایا اور وہیں تعلیم پوری کی۔

دار العلوم دیوبند میں جب تک رہے طلبہ میں ممتاز اور اساتذہ کے دیدہ و دل بنکر رہے، اور جب ۱۳۵۴ھ میں سند فراغت لیکر نکلے تو ایک امتیازی شان یعنی طلبہ میں اول نمبر پر کامیاب اور منقولات و معقولات میں کامل، فنون و ادب میں فائق ہوکر وطن آئے، جب ہر حصہ سے کسب علم و فضل کرکے آئے، تو اولوالعزمی، بلند خیالی، وسیع النظری اور ژرف نگاہی کے ساتھ ساتھ تقریر میں سحر، بیان میں اثر، عمل میں جوش کے ساتھ ہوش، قدم میں ثبات، مزاج میں استقلال، اور دل میں خدمت دین کا جذبہ جیسی صفتیں آپکے جلو میں تھیں۔

جامعہ عربیہ احیاء العلوم | آپنے مبارکپور آنے کے بعد حالات کا جائزہ لیا تو تمام فضا گمراہیوں کے گرد و غبار سے مکدر تھی، علم سے بےتوجہی اور جاہلانہ رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے دینی ماحول سخت خستہ حال تھا، کتبی تعلیم کے سوا دینی علوم کا نہ کوئی ادارہ تھا، نہ پڑھنے اور پڑھانے والے تھے، چند علما ضرور تھے، مگر وہ اپنے زاویہ سکون میں کام کرتے تھے، سب سے پہلے آپ نے قرب و جوار میں وعظ و پند کے ذریعہ عوام کو دین کی طرف متوجہ کیا، بچوں کو تعلیم پر آمادہ کیا، اور سرپرستوں کو پڑھانے کیلئے ابھارا، مدرسہ احیاء العلوم جو دینا بابا کی مسجد کے کمرہ میں قرآن شریف اور اردو فارسی کی چند رسمی کتابوں کی تعلیم تک محدود تھا، اس میں ایک مدرس تھا اور قصبہ کے کھاتے پیتے گھرانوں کے چند بچے تھے، اس کی ذاتی عمارت تھی نہ معلم و متعلم اور نہ کسی قسم کا سرمایہ تھا، مگر اس کو جامعہ بنانے کا نقشہ مولانا کی آنکھوں کے سامنے آیا، چنانچہ ان ہی ناگوار حالات میں آپنے فراہمی سرمایہ کیلئے قوم کو جھنجھوڑا، اس کے لیئے مختلف فنڈ کھولے، چشم زمانہ نے دیکھا کہ آپ کی آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوئی، بلکہ ایسا معلوم ہوا کہ لبیک کہنے کے لیئے لوگ پہلے ہی سے تیار تھے، قوم کے دردمندوں نے ہر طرح آپ کا ہاتھ بٹایا، سرمایہ اکٹھا ہونے لگا، مستقل زمین خریدی گئی اور تعمیر کا کام شروع ہوگیا، رفتہ رفتہ طلبہ کی تعداد میں زیادتی کے ساتھ مدرسین کا بھی اضافہ ہوتا گیا اور مولانا نے دکھا دیا کہ وہی احیاء العلوم جسمیں چند بچے تھے، آج تشنگان علوم کا مرجع بنا ہوا ہے، اور آج ہند اور بیرون ہند کے ساڑھے تین سو بچے ۱۸ مدرسین و ملازمین اور ایک وسیع زمین پر پھیلی ذاتی عمارت میں تعلیم و تعلم کا کام جاری ہے، جامعہ عربیہ کی تعمیر و تشکیل میں آپ کے ساتھ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی برابر شریک کار رہے۔

عیدگاہ | اسی اثنا میں جب کہ جامعہ کیلئے جد و جہد جاری تھی، قصبہ کے دکھن جانب صمودی کے میدان میں ایک طویل و عریض و دیدہ زیب عیدگاہ کی تعمیر بھی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی، چہار دیواری اور تمام فرش پختہ، ساتھ ہی ایک لمبا چوڑا اور کافی گہرا پختہ تالاب بھی تیار ہوگیا، شمالی جانب درخت لگ گئے، اور ایک پائیدار کنواں بھی بن گیا، اور یہ عیدگاہ آج قصبہ کے بہترین مناظر میں سے ایک ہے۔

جامع مسجد مولانا کی ہمت اور ذوق میں دن بدن زیادتی ہوتی جارہی تھی، ایک کام جہاں ختم ہوتا فوراً قدم دوسرے کام کے لیئے اٹھ جاتا، یوں تو آپ عرصہ سے ایک عظیم الشان جامع مسجد کا خاکہ اپنے ذہن میں رکھے ہوئے تھے مگر اس خاکہ میں رنگ بھرنے کا وقت ۱۹۴۰ء آگیا چنانچہ وہ تحریک ہوئی، خود آپنے اور قوم نے حوصلہ سے بڑھ کر ہمت دکھائی، مردوں نے نقد روپیہ اور عورتوں نے زیورات اور ساز و سامان سے خانۂ خدا کی تعمیر کا سامان مہیا کردیا۔

مولانا نے جامع مسجد کے سنگِ بنیاد کی تقریب کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان اجلاس طلب فرمایا، اور ۱۲ جون ۱۹۴۰ء کو بعد نماز عصر مقدسین امت نے سنگِ بنیاد رکھا، اہلِ حق کے صرف تین سو گھرانوں کی ہمت سے، ڈیڑھ دو لاکھ کے سرمایہ سے ایک عظیم الشان جامع مسجد زیورِ تکمیل سے آراستہ کردی گئی۔

مولانا خود دن بھر کام کی نگرانی کرتے، بہت سا کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے، یوں تو آپ ہر کام کے وقت جوشِ عمل کا نمونہ بن جاتے تھے، مگر جامع مسجد کی تعمیر کے وقت جو جذبہ کام کر رہا تھا، وہ نرالا ہی تھا، یہ مبارک و متبرک مسجد یوپی میں اپنی شان کی نرالی مسجد ہے، اور دور دور سے لوگ اس کے دیدار کے لیئے آتے ہیں، یہ مسجد دعا کی مقبولیت کی خاص جگہ مانی جاتی ہے اور ہر وقت نمازیوں، طالب علموں، اور ذکر و شغل کرنے والوں سے معمور رہتی ہے

سیاسی حالات مولانا ۱۹۱۸ء میں وطن تشریف لائے، اس وقت رولٹ بل کا صبا آتا تھا کہ تمام ملک میں آگ لگ گئی، اور ستیہ گرہ کی بنیاد پڑی تو آپ نے بھی پورا پورا حصہ لیا، استخلاص وطن کی ہر تحریک میں اور ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت، بدیشی مال کے بائیکاٹ میں دلیری اور جوانمردی سے کام کیا، قصبہ اور مضافات میں اپنی قیادت سے جذبہ قربانی پیدا کردیا، اور اپنے مخلص دوستوں کے ساتھ چھ ماہ کے لیئے جیل بھی بھیج دیئے گئے، انگورہ فنڈ، سمرنا فنڈ، خلافت فنڈ کے لیئے گھر گھر جاکر چندہ جمع کیا، ۱۹۲۳ء میں شدھی سنگٹھن، فتنۂ ارتداد کا زہریلا طوفان چلا تو پامردی سے مقابلہ کیا، جگہ جگہ تبلیغی انجمنیں بنائیں، مبلغین تیار کیئے، سرمایہ فراہم کیا، اور تمام قرب و جوار میں مکاتب و مدارس کا جال بچھا دیا،

اس کے علاوہ شاید ہی کوئی دینی یا قومی تحریک ایسی ہوگی، جس کو مولانا کی حمایت و اعانت دامے درمے، سخنے حاصل نہ ہوئی ہو، آس پاس اور پڑوس کے مسلمانوں بھی کوئی افتاد اگر پڑجاتی تو موصوف ان کی مدد کرنے والوں میں سب سے آگے ہوتے، مولانا نے جمعیۃ علماء کی رہنمائی میں ہر کام کیا، اور اپنے علماء کے نقشِ قدم پر چلتے رہے،

خاص خاص حالات آپ اشاعت علم میں اپنی مثال آپ تھے، آپ نے قصبہ اور اطراف کے ہر طبقہ میں علماء پیدا کیئے، اور علم دین کی روشنی ان کو بخشی، طلبہ پر نہایت شفقت و محبت کرتے تھے، ان کی عزت کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ذرہ برابر ان کی توہین نہیں برداشت کرسکتے تھے، مہینہ میں ایک دوبار سارے طلبہ اور مدرسین کو جمع کرکے گھنٹوں وعظ و نصیحت فرماتے، اور سب کے دل بڑھاتے اور کام کے لیئے ہمت و جوش دلاتے، طرز تعلیم اور سمجھانے کا اسقدر عمدہ ملکہ تھا کہ سخت سے سخت مضامین کو چند منٹوں میں پانی کردیتے، آپ کی تقریر میں غضب کا اثر تھا، اور تائید غیبی شامل حال تھی

توحید کی ترویج اور سنت کی اشاعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرات ائمہ اور علمائے دین کے مسلک پر نہایت شدت سے پابند تھے، اور کسی معاملہ میں ذرہ برابر کتاب و سنت اور دین و دیانت سے گریز نہ فرماتے تھے۔ دین کے معاملہ میں مردانگی اور ہمت آپ کا وصف تھا۔ قد میانہ، بدن بھرا ہوا، رنگت گندمی، چہرہ بارعب، آنکھیں سرخ، ہیبت ناک تھیں۔ کیا مجال کہ کسی کی طرف وہ پھر نظر دیکھ لیں اور مرعوب نہ ہو۔ گاڑھے کا سفید کرتہ پائجامہ اور گاڑھے کی دوپلی ٹوپی آپ کا عام لباس تھا۔ نیچی شیروانی بھی پہنا کرتے تھے، کندھے پر رومال لازمی ہوتا تھا۔ وضع قطع میں بالکل اسلاف کا نمونہ تھے، اور اپنے طالب علموں کو صفائی، سادگی، دلیری، علمی تعمق اور ہمت کی خوبو پیدا کرنے میں کوشش کیا کرتے تھے۔ ان باتوں کے باوجود مزاج میں ذرا تقشف اور تری خشکی نہیں تھی، اپنے شاگردوں میں زندہ دلی دیکھنا پسند کرتے تھے، اور اس کی تاکید کرتے تھے۔

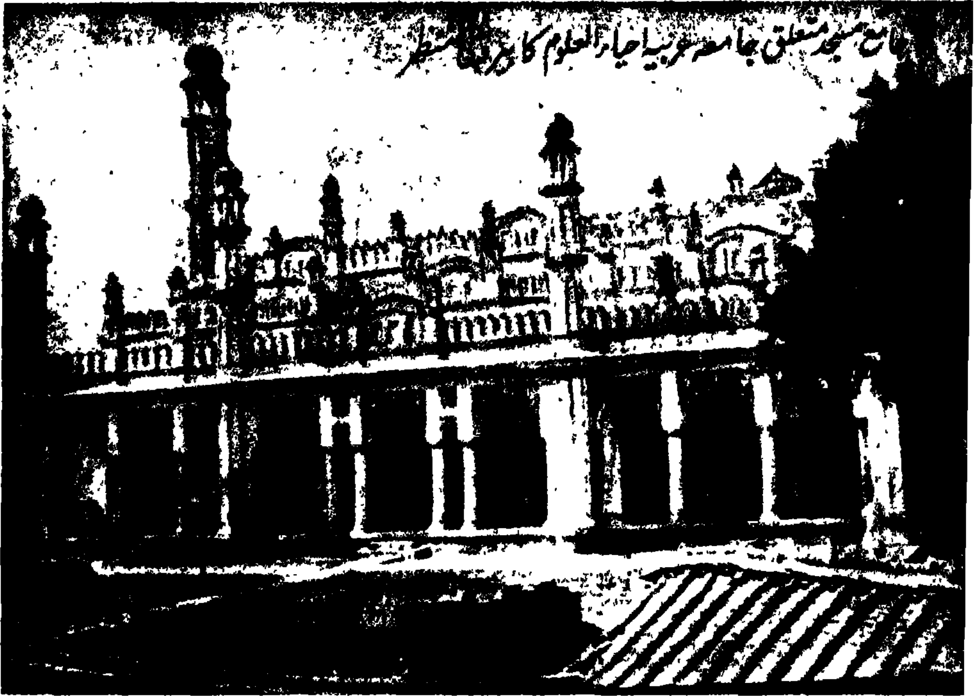
چنانچہ آپ کے شاگردوں میں صفائی، سادگی، اور علمی قابلیت کے ساتھ رنگین مزاجی، زندہ دلی امتیازی چیز ہے، اور وہ اپنی زندگی کو اپنے استاد کے رنگ میں ڈھالے ہوئے ہیں۔

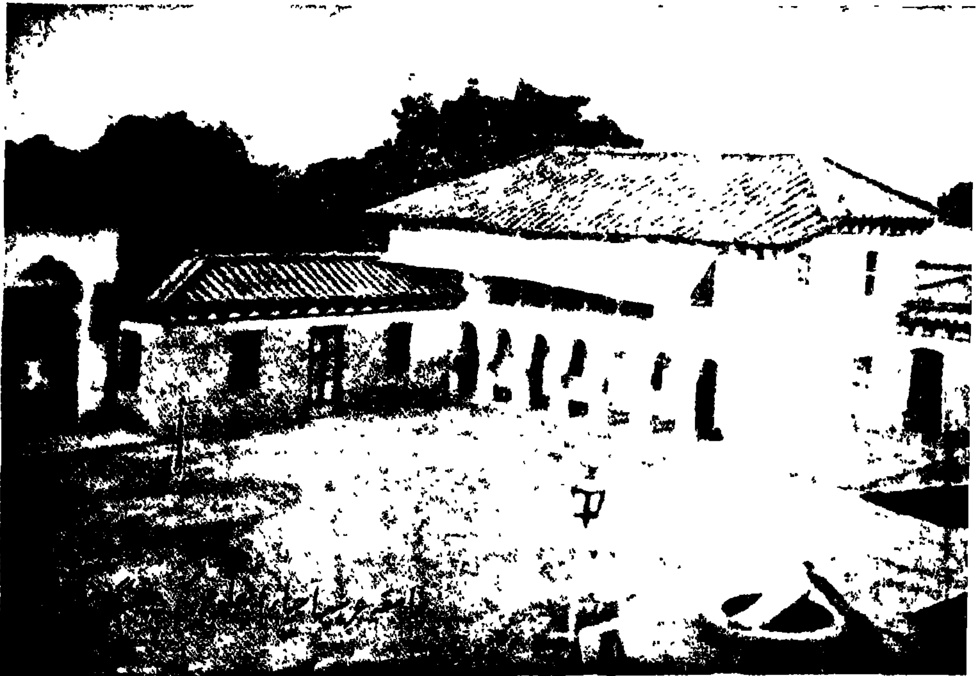
خدا تعالیٰ نے بعد میں آپ کو اور خاندان کو دنیاوی عروج سے خوب نوازا، اور آپ نے دینی کاموں میں بے دریغ مال خرچ کیا، ضرورت مند علماء کی خفیہ مالی امداد کرنا آپ کا خاص وصف تھا۔

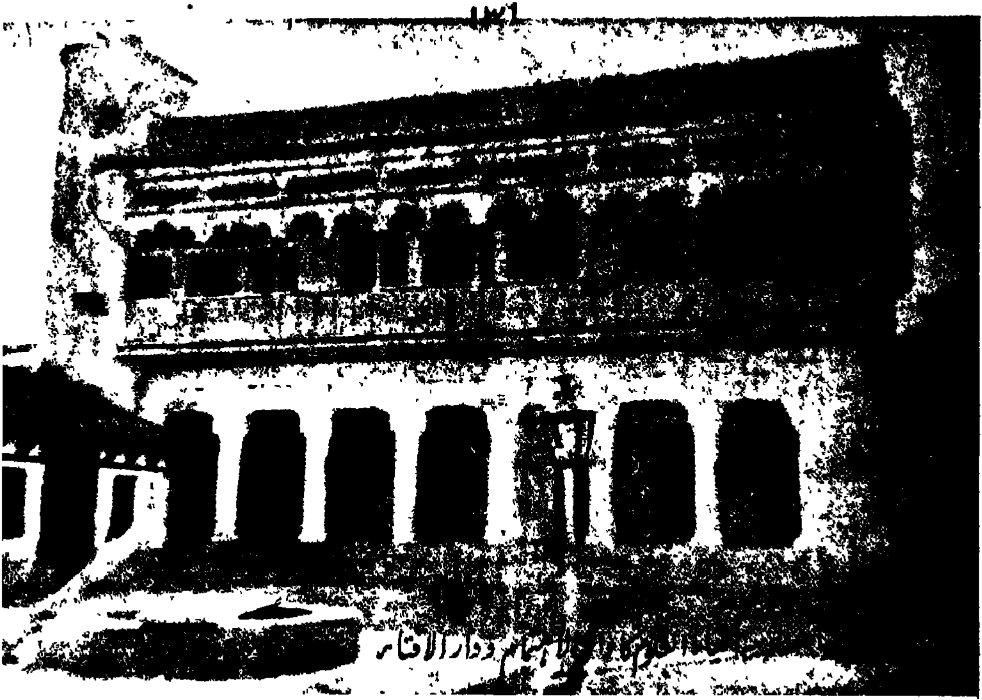
آخری لمحات اور وفات | کام کی کثرت بشبانہ روز کی مشقت اور بے اطمینانی کی وجہ سے صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی، اس پر سل کا حملہ بھی ہو گیا۔ اطباء نے علاج کے لئے لکھنؤ جانے کا مشورہ دیا، مگر آپ اس وجہ سے جانا نہیں چاہتے تھے کہ جامع مسجد کا کام کماحقہ نہ ہو سکے گا۔ لیکن جب حالت بہت گر گئی، اور گھر والوں کا اصرار بھی ہوا تو لکھنؤ گئے۔ مگر وہاں بھی جامع مسجد کا فکر دامنگیر رہا۔ تیمار داروں کو مبارکپور لیجانے کے لئے مجبور کیا، دنیاوی زندگی کے دن پورے ہو چکے، چنانچہ ماہ مبارک ربیع الاول ۱۳۶۲ھ کی پانچویں تاریخ کو دوشنبہ کا دن ٹھیک چاشت کے وقت پیغام اجل آیا اور آپ کی روح نے لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم نے کوئی صلبی یادگار نہیں چھوڑی۔ بلکہ بجائے اس کے جامعہ احیاء العلوم، جامع مسجد، عیدگاہ کی خوشنما عمارت اور آپ کے ہزاروں روحانی فرزند آپ کی یادگار ہیں۔

وصال سے چند دن پہلے آپ نے زیر تعمیر مسجد دیکھنے کے لئے اصرار فرمایا، خادموں نے ایک جم غفیر کے ساتھ آپ کو چارپائی پر رکھ کر جامع مسجد میں پہنچایا۔ اس آخر وقت میں آپ کے بڑے بھائی حاجی محمد زاہد متوفی ۱۳۵۳ھ نے مولانا کی طرف سے کئی ہزار روپیے مسجد کے لئے دیئے۔ اس کے بعد اصرار فرمایا کہ مجھے گھر کے بجائے مدرسہ میں لیجا چل کر رکھو، اور میں وہیں رہوں گا۔ چنانچہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں آپ کو لیجایا گیا، مگر چونکہ حالت دگرگوں ہوتی جا رہی تھی، اس لئے آپ کو گھر لیجایا گیا۔

وصال سے چند روز پہلے آپ نے مدرسہ کے اساتذہ کو یاد فرمایا اور روتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مدرسہ کی بہت سی مرتبہ غیب سے مدد فرمائی ہے، اور میں نے اس کے لئے ابھی بہت مخفی خزانے رکھے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مدرسہ میں تنخواہ کے لئے ایک پیسہ نہیں تھا، صبح تنخواہ دینی تھی، رات بھر بے چینی رہی، مگر جب صبح کو ڈاکیہ دو سو روپیہ


جامع مسجد متعلق جامعہ عربیہ احیاء العلوم کا منظر

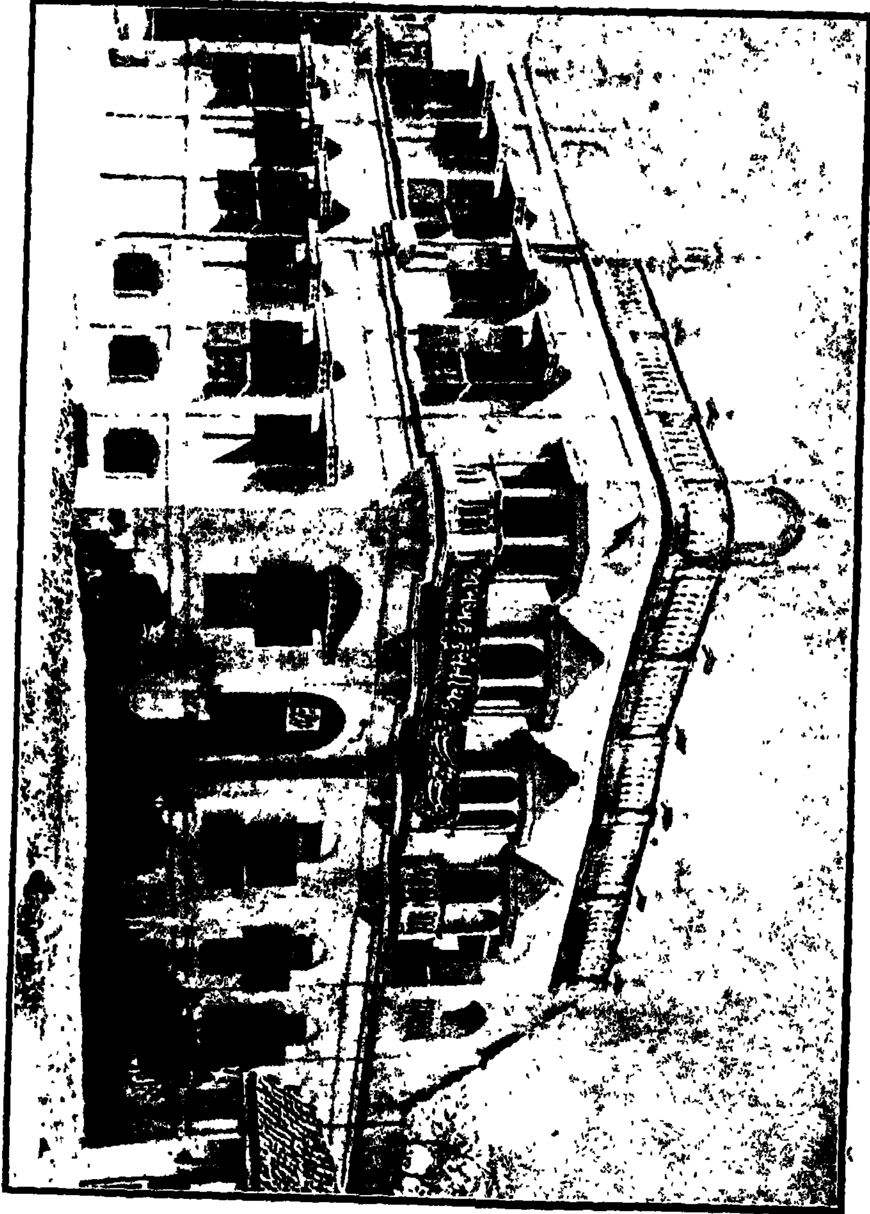




[illegible] اہتمام و دار الافتاء



جامعہ عربیہ احیاء العلوم
کے کتب خانے کا ایک حصہ



گجرات میں اسلامی سرگرمیاں

جامعہ حسینیہ راندیر کا فیضان،

مولانا محمد سعید صاحب مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر

ہندوستان میں جب اسلامی سلطنت زوال پذیر ہوئی، تو اس کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ اور برکات علوم نبویہ کے خورشید جہانتاب کی ضیا پاشیاں بھی رفتہ رفتہ ماند ہونے لگیں، ہر حکمران قوم نے اپنی لادینی تعلیم کو عام کرکے اسلام کے خرمن اخلاق و عادات و تہذیب و معاشرت پر بجلیاں گرانا شروع کردیں، اور مسلمانوں سے روح اسلام سلب کرنے کیلئے ایسی کامیاب جد و جہد شروع کردی جو پیرا یہ اور دست اسلام پر معاندانہ حملہ کے مترادف تھی،

مغربی تعلیم کا دلدادہ مسلمان خود اپنی تہذیبی روایات سے یکسر بے خبر ہو کر اسلام کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گیا، عیسائی مشینری کی تبلیغ، آریہ سماج کے لاطائل اعتراضات اور علمائے سوء کے ضرر رساں طور و طریق، ناخواندہ مسلمانوں کے لئے علیحدہ باعث تخریب ثابت ہونے لگے، ہمیں چونکہ سرزمین گجرات سے تعلق ہے، اس لئے ہم لکھنے پر مجبور ہیں کہ اس سرزمین پر غیر اقوام کی در پردہ تخریبی کارروائیوں کے علاوہ غیر شرعی مولوی نما رہنماؤں نے ان پڑھ اور شریعت سے بے خبر مسلمانوں کو عام طور سے قبیح رسم و رواج اور بدعتوں کی گمراہیوں میں مبتلا کرکے صراط مستقیم سے اس بری طرح ہٹا دیا کہ وہ غیر شرعی امور کو عین اسلامی امور اور اسلامی اعمال سمجھنے لگے،

پس ایسے اسلامی دور تنزل میں جس طرح ہندوستان کے دوسرے اکابرین نے تحفظ اسلام کی خاطر ہر زحمت کو گوارہ کرکے روایات اسلام کو برقرار رکھنے کی کوشش فرمائی، اسی طرح سرزمین گجرات کے چند نفوس مقدسہ نے بھی جو علم و عمل سے آراستہ اور شریعت کے رموز و غوامض سے اچھی طرح باخبر تھے، مسلمانان گجرات کی غیر شرعی حالت کا اندازہ کرکے تہیہ کرلیا کہ جس طرح ممکن ہو مسلمانان گجرات کی مذہبی حالات کو سنبھالنا چاہئے اور حتی الامکان گجرات سے جہالت مذہب اور ضلالت بدعت کو ختم کرنا چاہئے، اور ان تشکک و شبہات اور لاطائل اعتراضات کے جوابات بھی دینے چاہئیں، جو وقتاً فوقتاً غیر اقوام کی طرف سے اسلام پر عائد کئے جاتے ہیں،

چنانچہ ان نفوس قدسیہ سے حضرت مولانا مولوی عبدالحی صاحب کفلیتوی قدس سرہ اپنے مقام پر ہی مسلمانوں

کی اصلاح و اخلاق و اعمال کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر طرح سے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر لانے کی کوشش فرماتے رہے،
راندیر ضلع سورت میں حضرت مولانا حافظ قاری محمد اسماعیل صاحب راندیری اور حضرت مولانا حافظ غلام محمد بن حافظ صادق صاحب نور اللہ مرقدہ نے احیائے سنن کے لئے بیڑہ اٹھایا،

حضرت مولانا حافظ قاری محمد اسماعیل صاحب مرحوم وعظ و پند اور رشد و ہدایت کے بادشاہ تھے آپ نے اپنے دل پذیر مواعظ حسنہ اور مخلصانہ پند و نصائح سے گجرات کے مسلمانوں کو جہالت شرعیہ اور ضلالت بدعت کی تیرہ و تار غاروں اور وادیوں سے نکالکر اتباعِ سنتِ نبویہ کی روشن اور پر نور منزل تک پہنچانے کے لئے کامیاب جد و جہد فرمائی، حضرت مولانا موصوف کو بدعات اور قبیح رسم و رواج سے دلی نفرت تھی، آپ کسی طرح گوارہ نہیں کر سکتے تھے کہ گجرات کے سیدھے سادے مسلمان دینِ نبویؐ کے سچے طور و طریق سے بیگانہ رہیں، رات دن حضرت اسماعیل صاحب کا یہی مشغلہ تھا کہ اسلام کے صحیح عقائد اور صحیح اخلاق و اعمال مسلمانانِ گجرات میں اشاعت پذیر ہوں، اور قعرِ ضلالت میں گرے ہوئے اسلامیات کی اونچی سطح پر پہنچیں،

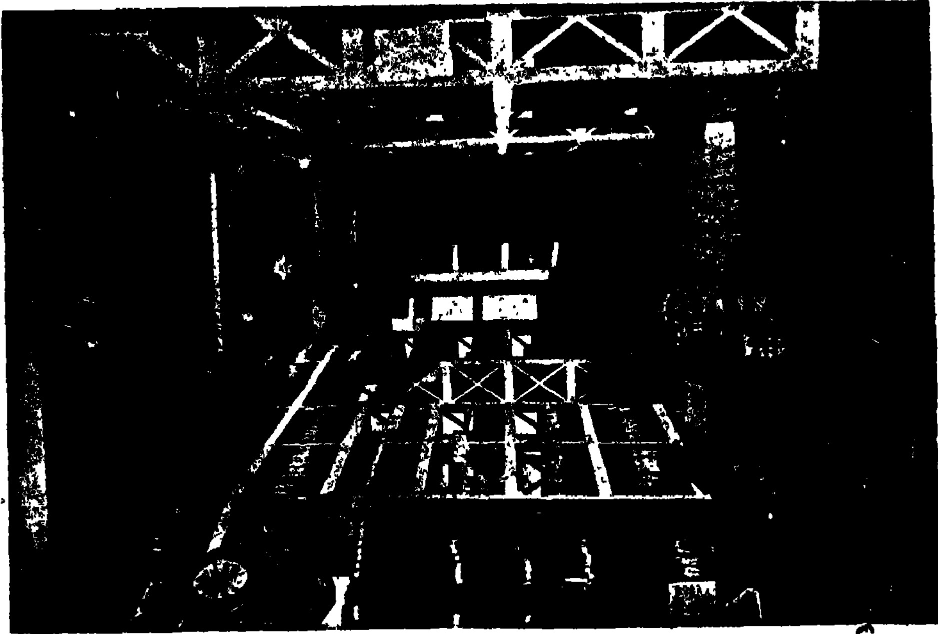
دوسری اہم شخصیت گجرات میں حضرت مولانا حافظ غلام محمد بن حافظ صادق صاحب راندیری مرحوم کی تھی، آپ سچے مجاہد اسلام اور سچے پیکر علم و عمل تھے احیائے سنتِ نبوی کی خاطر ہر اثیار کے لئے تیار تھے آپنے زبان سے ہی نہیں، بلکہ اپنے قلم کے زور سے بھی دین اسلام کی وہ شاندار خدمات انجام دی ہیں جس کو گجرات کبھی فراموش نہیں کر سکتا، آپنے گجراتی میں عقائد اسلام اور فقہ اسلام کی وہ وہ نادر کتابیں تصنیف و تالیف فرماکر شائع کیں جن کے مطالعہ سے مسلمانانِ گجرات کی آنکھیں کھلیں، اور ان کو معلوم ہوا کہ اسلام کس چیز کا نام ہے، اور اسلام کیا کیا باتیں سکھلاتا ہے، اور کن کن چیزوں سے روکتا ہے، اور اب تک ہم کن کن بدعات میں مبتلا تھے، حضرت مولانا مرحوم و مغفور نے عقائد و فقہ کی کتابوں کے علاوہ غیر قوموں کے اسلام پر اعتراضوں کے بھی وہ دنداں شکن جواب دیئے ہیں، جن کو دیکھ کر اعدائے اسلام کو دوبارہ اسلام پر اعتراض کرنے کی ہمت نہ ہوئی،

غرض گجرات کے مسلمانوں پر ان نفوس مقدسہ نے تادم حیات جو دینی احسانات کئے ہیں، وہ عظیم الشان احسان ہیں ان حضرات والا سے پہلے کسی نے مسلمانانِ گجرات کے حال کی طرف اس طرح توجہ مبذول نہیں فرمائی، ان نفوس مقدسہ کے احسانات ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں، بلکہ ان کی روحانی برکات سے ان احسانات دینی کا سلسلہ انہیں کے اصول و یادگار کے طریقے سے ایسی اونچی سطح پر پہنچ گیا ہے جو اہلِ گجرات کے لئے باعثِ افتخار ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلہ کو "تا ابد" لیل و نہار قائم رکھے آمین ۔ ہماری مراد مدرسہ جامعہ حسینیہ ہے، جس سے اضلاع گجرات کے عام و خاص صغیر و کبیر مسلمان مستفیض ہو رہے ہیں، ہر ہر قریہ اور ہر ہر گھر میں جس کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پہنچ رہے ہیں، جس کے ذریعہ ان رسوم قبیحہ و بدعات کا قلع قمع کیا جاتا ہے، جس میں مسلمان پھنسکر اپنی دینی زندگی کو پامال کر رہے تھے، جس کے ذریعہ معاندین اسلام کے ان اعتراضات کا جواب دیا جاتا ہے، جو وقتاً فوقتاً اسلام کے بے لوث اور ہمہ گیر پاکیزہ اصول و عقائد پر کئے جاتے ہیں، باقی ص ۱۵۱

کتب خانہ جامعہ حسینیہ راندیر



دارلا قیامہ جامعہ حسینیہ راندیر



مختصر روداد جامعہ حسینیہ سورت گجرات،

سنِ بنیاد جامعہ ۔ جامعہ کا بنیادی سن ۱۳۳۵ھ اور ۱۹۱۶ء ہے،

جامعہ کے بانی مبانی :۔ جامعہ کے بانی مبانی حضرت مولانا حافظ قاری محمد اسماعیل صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے فرزند گرامی، یعنی حضرت مولانا حکیم ابراہیم صاحب خلف اکبر اور حضرت مولانا محمد حسین فرزند ثانی اور جناب حافظ احمد موتا صاحب نور اللہ مرقدہم ہیں،

جامعہ کا خاص مقصد :۔ اشاعت و تبلیغ اسلام و ترویج سنت نبویہ و اصلاح عامۃ المسلمین خصوصاً اصلاح مسلمانان گجرات

جامعہ کا نصاب تعلیمی :۔ جامعہ کا نصاب تعلیمی وہی نصاب ہے جس کو درس نظامی کہا جاتا ہے، جو تفسیر، حدیث، فقہ، صرف و نحو و دیگر علوم پر مشتمل ہے، عربیات کے ساتھ فارسی اور اردو کا بھی مخصوص طریقہ سے لحاظ رکھا گیا ہے،

تربیت :۔ جامعہ میں تعلیم کے ساتھ طلبہ کی اخلاقی تربیت کی طرف بھی خاص طور سے توجہ کی جاتی ہے اور پوری طور سے ان کے حرکات و سکنات کو مودب بنایا جاتا ہے،

بورڈنگ :۔ جامعہ کے بورڈنگ میں تقریباً ایک سو پچیس طلبہ رہتے ہیں جن کے خوردونوش اور کتابوں وغیرہ کے جملہ مصارف جامعہ کے ذمہ ہیں، جامعہ کا ماہوار خرچ تقریباً تین ہزار روپیہ ہے،

جامعہ کا اسٹاف :۔ جامعہ کے اسٹاف میں ۱۴ اساتذہ ہیں، چھ درجہ عربی میں، دو درجہ فارسی میں، ایک درجہ اردو میں درجہ حفظ میں دو حافظ، درجہ تجوید میں ایک قاری اور درجہ ناظرہ کے لئے دو استاد،

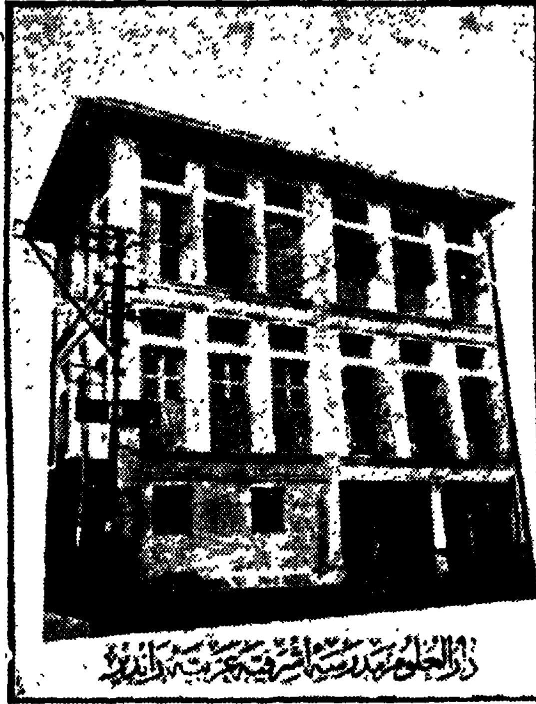
کتب خانہ جامعہ :۔ جامعہ کے کتب خانہ میں اردو، فارسی اور عربی کی تقریباً آٹھ ہزار بیش قیمت کتابیں موجود ہیں،

جامعہ کا دار الافتاء :۔ جامعہ میں دار الافتاء بھی ہے، مختلف مقامات سے ضرورت مند اصحاب سوالات بھیجتے ہیں جنکو دار الافتاء سے تسلی بخش جواب ارسال کیئے جاتے ہیں،

شعبۂ تبلیغ جامعہ :۔ جامعہ کے ابتدائی دور سے اس وقت تک تبلیغی کاموں کا سلسلہ جاری ہے، وقتاً فوقتاً تبلیغی کتابیں و اشتہارات چھپوا کر مفت تقسیم کیئے جاتے ہیں، شعبۂ تبلیغ کی طرف سے الجواہر الزواہر اور مجالس الابرار جیسی ضخیم کتابوں کا اردو ترجمہ چھپوا کر شایع کیا جا چکا ہے۔ گجراتی میں بھی مختلف کتابیں شائع کی گئی ہیں،

سالانہ جلسے :۔ جامعہ میں ہر سال امتحان سالانہ کے بعد سالانہ جلسہ منعقد ہوتا ہے، جس میں لازمی طریقہ سے ہندوستان کی مشہور اور مقدس ہستیوں کو دعوت دی جاتی ہے، جس میں مدرسہ کی سالانہ روداد پڑھ کر سنائی جاتی ہے، مسلمانان گجرات اکثر و بیشتر مدرسہ کے سالانہ جلسے کے منتظر رہتے ہیں، اس لئے کہ ان کو اس موقع پر بہترین مواعظ حسنہ سننے کا موقع ملتا ہے ہندوستان کے مقدس بزرگوں کی جامعہ پر ہمیشہ بندگانہ نظر رہی ہے،

جامعہ کے فارغ التحصیل طلبہ :۔ جامعہ سے اب تک تقریباً ۱۴۴ طلبہ مولوی کی سند حاصل کر چکے ہیں اور تقریباً ۷۰۰ طلبہ نے قرآن پاک حفظ کیا ہے،


دار العلوم مدرسہ اشرفیہ عربیہ راندیر

دار العلوم مدرسہ اشرفیہ عربیہ

یا مجددِ گجرات

مولانا احمد اشرف صاحب مہتمم دار العلوم اشرفیہ راندیر

مدرسہ کا پس منظر | عموماً مذہب اسلام کو نقصان پہنچانے والی دو طاقتیں ہمیشہ سرگرم رہی ہیں، ایک اندرونی دوسری بیرونی،
اسلام کو اندرونی یعنی اسلام کا نام لیکر نقصان پہنچانے والی طاقت روافض کی تھی اور بیرونی طاقت عیسائی قوم کی تھی تاریخ
اسلام ان دو طاقتوں سے کبھی غافل نظر آتی ہے کسی دوسری طاقت سے نہیں، اسلامی اقتدار اور اسلامی تعلیمات کو ختم کر دینے میں جس قدر
پیش پیش یہ دونوں قومیں متحرک نظر آتی ہیں کوئی اور قوم نہیں،

ابتداء سے تاریخ بنو امیہ بلکہ آخر تاریخ تقسیم ہند تک ان دونوں قوموں نے اسلام کا خون چوسنے میں کوئی دریغ نہ رکھا
ہم اس دردناک تاریخ کے عبرتناک اور بھیانک صفحات کھولنا نہیں چاہتے محض اشارۃً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تاریخ کے ان نہایت
واقعات سے اسلامی دنیا کو ہر قرن و ہر زمانہ میں دوچار ہونا پڑا، اس کے مقابلہ اور اس کے انسداد کیلئے ملت کے لیے کن
جانگداز اور بیش بہا قربانیوں کے ذریعہ کام لینا پڑا،

ہمارا صوبہ گجرات جس میں ہمارا مدرسہ اشرفیہ عربیہ قائم ہے، جس نے گجرات کی تاریخ میں مجدد ہونے کا شرف حاصل کیا،
جس کی تفصیل ہم پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں، یہ صوبہ بھی مذکورہ بالا دونوں اسلام دشمن طاقتوں سے متاثر ہوئے
بغیر نہ رہ سکا۔ روافض کا زور گجرات میں کسی زمانہ میں بہت تھا، شیخ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ و شیخ وجیہ الدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ
وغیرہ نے فتنہ روافض کا سخت اور جا بجا مقابلہ کر کے کمزور کیا، اور اسلامی تعلیمات جن کو روافض نے مسخ کر ڈالا تھا، پھر سے
تجدیدی جامہ پہنایا اور مجدد گجرات ہونے کا شرف حاصل کیا، اور عام مسلمانوں کو صحیح اسلامی مسلک کا تابعدار بنایا حتیٰ کہ
آج تک گجراتی مسلمان جب تک دسترخوان پر کھانا کھانے بیٹھتا ہے تو اوّل روٹی کے چار ٹکڑے کرتا ہے، جس سے روافض کا
رد مقصود ہوتا ہے کہ ہم چار یار یعنی چار خلفاء راشدین کے ماننے والے ہیں، اور سب کو برحق تسلیم کرتے ہیں، عام مسلمانوں
میں عقائد کی یہ پختگی انہیں اکابر ملت کے فیض باطن کا اثر ہے جو آج تک چلا جاتا ہے، اس کے بعد جب عیسائی قوم کو (انگریزوں)
ہندوستان پر غلبہ حاصل ہونے لگا، تو پھر دوبارہ اسلامی تعلیمات و اقتدار کے ماہ منور کو گہن لگنا شروع ہوا، اور بدقسمتی سے

۱۸۵۷ء تک پہنچنے پر یہ ماہ منور بالکل غروب ہوگیا، اب کوئی روشنی نہ تھی جس کے ذریعہ ہدایت کا نور حاصل کیا جاتا، اور یہ کیفیت صرف گجرات ہی کی نہیں بلکہ سارے ہندوستان کی ہوگئی، اس وقت علمائے اسلام سخت کشمکش میں مبتلا ہوگئے، ہاتھ میں اس وقت کوئی سیاسی اقتدار نہ تھا، کہ طاقت کے ذریعہ اسلام کی اس سب سے بڑی دشمن منحوس قوم کو دبایا جاتا، اس انگریز عیسائی قوم نے نہ صرف مسلمانوں سے اقتدار ہی چھینا تھا، بلکہ سب سے زیادہ اس کو اسلامی تعلیمات کے محو وفنا کردینے کی دھن لگی تھی، چنانچہ کثرت سے مدارس اور مکاتب اور خانقاہیں، جو شاہانِ مغلیہ کے زمانہ سے ہندوستان میں موجود تھیں، ان کو مٹانا اور برباد کرنا شروع کردیا، بعض کو طاقت کے ذریعہ، اور بعض کو عیسائی مشنریوں کے، اور اکثر کو بذریعہ ملحدانہ وزندیقانہ طریقۂ تعلیم جس کو ہندوستان میں جاری کیا تھا، اس کے ذریعہ نفرت پھیلا پھیلا کر ملیا میٹ کردیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ اکثر لوگ اسلام کے عقائد اور اس کی تعلیمات سے جاہل ہونے لگے، دوسری طرف عیسائی مشنریوں پر کثرت سے روپیہ خرچ کرکے ہندوستان میں مسیحی تعلیم کا پروپگنڈا کیا جانے لگا، جس کے باعث ہندوستان کے ہندو مسلم اور دیگر باشندے کثرت سے عیسائی مذہب قبول کرنے لگے، یہ وقت ہندوستان میں اسلامی تعلیمات اور خود مسلمانوں کی حفاظت کا سخت محتاج تھا،

علمائے اسلام کی فراستِ ایمانی نے بھانپ لیا کہ ایسے سخت وقت کا مقابلہ بس ایک صورت سے ہوسکتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی امداد وتعاون اور خداوندِ کریم کے فضل کے اعتماد پر خالص دینی مدارس قائم کئے جائیں، اور مسلمان بچوں کو مفت تعلیم دیجائے اور ان کو خالص قرآن وحدیث کی روشنی میں تربیت دے کر وقت کے اس تیز رو اور گمراہ کن دھارے کا مقابلہ کیا جائے، چنانچہ سب سے پہلے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین وخلفاء نے اس مسئلہ پر توجہ کی، اور قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے شمالی ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی، اور ٹھیک اسی زمانہ میں جنوبی ہندوستان میں مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری، رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء واشارہ سے راندیر ضلع سورت کے ایک دیندار بزرگ جن کا اسم گرامی جناب حاجی اسماعیل صاحب ابن حاجی محمد اشرف ہے، راندیر میں مدرسہ دارالعلوم اشرفیہ کی بنیاد ڈالی، اور اس کے خرچہ کی کفالت کے لیے خود اپنی جائداد کو وقف مدرسہ کردیا، تاکہ تعلیماتِ اسلامی کی یہ میگزین اپنے کام میں کسی اور کے گولی بارود کی محتاج نہ رہے، گویا انگریزی اقتدار کا آفتاب جب کہ ٹھیک نصف النہار پر تھا، اور اس کی جانب کوئی نظر اٹھانے کی جرأت بھی نہ کرسکتی تھی، یہ مدارس اس سے آنکھیں لڑانے کے لیے تیار ہوگئے، فللّٰہ الحمد والمنۃ، مدرسہ اشرفیہ کے تعلیمی مشن کو صحیح طور پر چلانے کے لیے مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے سب سے پہلے اپنے شاگرد رشید مولانا محمد برکت اللہ صاحب سورتی کو شیخ الحدیث منتخب کرکے متعین فرمایا، گجرات میں دورِ آخر کا یہی سب سے قدیم مدرسہ ہے، جو باطل طاقتوں اور ان کی باطل تعلیمات سے ٹکر لینے کے لیے وجود میں آیا، اور اپنی آغوشِ تعلیم وتربیت سے ایسے ایسے صحیح افراد پیدا کیے جنھوں نے پورے گجرات میں جہل ونادانی کی جگہ علم وعرفان کی شمعیں روشن کیں، اگر اس مدرسہ کو اس کی خدمات کو سامنے رکھکر گجرات کا مجدد کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا،

دورِ آخر میں مولانا حافظ اسماعیل صاحب اور مولانا غلام محمد صادق صاحب کو گجرات کا مجدد مانا گیا، الحمد للہ ان

دونوں حضرات نے ابتدائی اور متوسط تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی ہیں، اور بعد میں یوپی اور بھوپال و دہلی جاکر اکابر امت سے تکمیل کی اور بعد میں پورے گجرات میں تجدد و احیائے دین کا بہترین شرف حاصل کیا، رحمہم اللہ۔ علیٰ ہذا القیاس قاضی سید رحمۃ اللہ علیہ راندیری و صوفی سلیمان صاحب لاجپوری اور شہید ظ ... صاحب لاجپوری، او مولانا وصی احمد صاحب راندیری، اور سید سعد اللہ صاحب کولھاپوری، وغیرہم رحمہم اللہ قابلِ ذکر ہیں جن کی ابتدائی اور متوسط تعلیم و تربیت کا شرف اسی مدرسہ اشرفیہ کو حاصل ہے، ان تمام حضرات کی خدمات دینی گجرات و بیرون گجرات میں جو ہوئیں روز روشن سے زیادہ ظاہر ہیں، لہٰذا مجموعی افراد کی مساعی و خدمات کو سامنے رکھا جائے تو یہ مدرسہ گجرات کے ان صالحین کے واسطے سے جن کو اس نے اپنی آغوش میں تعلیم تربیت دی ہے۔ یقیناً مجدد گجرات کہلانے کا مستحق ہے،

بحمد اللہ آج تک مدرسہ برابر جاری ہے، ابتدائی یوم سے تاحنوز اس میں خالص مذہبی، دینی تعلیم دی جاتی ہے، ہزاروں تشنگانِ علوم فضلائے کرام اس مدرسہ سے فارغ ہو کر مذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں، مدرسہ میں تفسیر، حدیث، فقہ، عربی و فارسی، منقولات اردو، حفظ قرآن، ناظرہ، کی شب و روز تعلیم دی جاتی ہے، تجوید کا بھی انتظام خصوصی طور پر ہے، ہر سال جو طلبہ مدرسہ سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں، ان کی باقاعدہ دستار بندی ہوتی ہے، اور سندیں دی جاتی ہیں، دار الاقامہ میں سو سے زائد طلبہ رہتے ہیں، خور دو نوش اور تمام ضروریات کا مدرسہ ہی متکفل ہوتا ہے، شہری و بیرونی طلبہ جن میں افریقہ تک کے طلبہ شامل ہیں، جملہ تقریباً ۔۔ تک تعلیم حاصل کر رہے ہیں، سارے خطۂ گجرات میں سب سے پہلا و قدیمی مدرسہ ہونے کا شرف اسی کو حاصل ہے، مدرسہ ہذا کا ماہانہ خرچہ ساڑھے تین ہزار روپیوں کا ہے، سالانہ میزان کل خرچ بیالیس ہزار کا ہوتا ہے، مدرسہ ہذا میں بحمد اللہ کتب خانہ بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہے، جو قدیم و جدید مطبوعہ اور غیر مطبوعہ قلمی کتابوں پر مشتمل ہے، مدرسہ میں ایک تبلیغی شعبہ بھی چند سال سے قائم ہے، اطراف و اکناف کے دیہاتوں میں مدارس و مکاتب قائم کئے گئے ہیں جن کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے، وقتاً فوقتاً گجراتی زبان میں کتب و رسائل شائع کئے جاتے ہیں، جس سے عام پبلک بہت ہی مستفید ہو رہی ہے، بوقت ضرورت حضرت مدرسین و علمائے کرام بھی دیہاتوں میں وعظ و تذکیر، نیز مدارس کے امتحانات کے لئے سفر کرتے ہیں، مدرسہ میں روزانہ فتاوے آتے ہیں، ان کے جوابات بھی دیئے جاتے ہیں، اللہ جل مجدہٗ اس دینی درسگاہ و نیز جملہ مدارسِ دینیہ کو تا قیامت قائم و دائم رکھے، اور ان کے فیوضات و برکات سے لوگوں کو سیراب و فیضیاب فرمائے۔

آمین ثم آمین۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝ بِرَحْمَتِکَ

یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۝

—————:—————

گجرات کے چند برگزیدہ اور باکمال علمائے کرام

از حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہٗ

(۱)

مولانا الحاج قاری محمد اسماعیل راندیری

آپ کا نام نامی محمد اسماعیل بن حافظ احمد بن حافظ صالح ہے، آپ کا وطن قصبہ راندیر ضلع سورت ہے، حافظ محمد اسماعیل صاحب نے علوم عربیہ دینیہ کی کتابیں اپنے وطن میں پڑھیں، پھر ریاست بھوپال جاکر وہاں کے مشہور علامہ محدث شیخ حسین یمنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حدیث شریف اور دیگر علوم و فنون کی کتابیں دیگر علمائے بھوپال سے پڑھیں تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد وطن تشریف لائے، اور حاجی اسماعیل اشرف مرحوم کے مدرسہ محمدیہ اور حاجی اسماعیل اشرف صاحب کے مدرسہ اشرفیہ میں ایک عرصہ تک درس و تدریس میں مشغول رہے، راندیر کی مسجد جینار واڑ کی خدمت خطابت بھی آپ کے سپرد کی گئی، جس کو آپ نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے، آپ کی طبیعت میں خشیت اور تقویٰ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، اس لئے مدرسہ سے علیحدگی اختیار کرکے اپنے مکان پر طلبہ کو لوجہ اللہ درس دینا شروع فرمایا، اور خطابت کی تنخواہ لینے سے بھی انکار کردیا، حق تعالیٰ نے جس طرح آپ کو جمال ظاہری عطا فرمایا تھا، اسی طرح آپ کو وقار، رہیبت اور جلال باطنی سے بھی حصہ کاملہ عطا ہوا تھا۔

حق گوئی | مولانا موصوف کی حق گوئی اور حق پسندی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے دولت مندوں اور لکھپتیوں کے جلسوں اور دعوتوں میں بھی آپ ان کی ناشائستہ حرکات کے روکنے اور منع کرنے سے نہ چوکتے تھے، مجمع کے لوگوں پر نظر ڈال کر آپ معلوم کر لیتے تھے کہ ان میں کون سی کوتاہیاں اور کون سے عیوب ہیں، پس انھیں امور کا لحاظ فرماکر آپ وعظ میں وہی باتیں بیان فرماتے، جن سے حاضرین کی اصلاح ہو، دور دور سے لوگ آکر خدمت میں حاضر ہوکر وعظ کے لئے اپنے شہروں اور دیہات میں لیجانے کی درخواست کرتے اور ان کے تلخ مگر حق بھرے الفاظ کو نہایت عقیدت مندی اور خوشی کے ساتھ سنتے تھے۔

تقویٰ | آپکے تقویٰ اور پرہیزگاری کی یہ حالت تھی کہ جس چیز میں ذرا سا بھی شبہہ ہوا اسے آپ فوراً چھوڑ دیتے، اشتباہ سے پرہیز کرتے تھے، آپ کا قصبہ راندیر بہت خوشحال قصبہ ہے، اور بڑے بڑے مالدار لکھپتی اور کروڑپتی تاجر اس میں سکونت پذیر ہیں، اور جو عزت و وقعت آپ کی یہاں کے لوگ کرتے تھے وہ صرف آپکے تقویٰ اور پرہیزگاری کا اثر تھا، چاہتے تو

ہزاروں کیا لاکھوں روپیہ فراہم کر سکتے تھے، مگر آپ نے دنیائے دنی کی طرف مطلق پروا نہیں کی، اسی کا یہ اثر تھا کہ موافق و مخالف ہر شخص آپ کی عزت کرتا تھا۔

لحن داؤدی فن قرأت وتجوید میں آپ جناب قاری عبد المعطی صاحب خطیب مکہ معظمہ کے شاگرد تھے جس وقت آپ خطبہ پڑھتے تھے یا قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو تمام سامعین ہمہ تن گوش بنجاتے، بڑے بڑے ماہرین فن تجوید دور دراز سے آپ کا قرآن مجید سننے کے لئے آتے۔ عرب کے خاص خاص قاریوں نے بھی آپ کی قرأت و تجوید کی خوبی کا اعتراف کیا ہے اور تعریف کی ہے، سورت بلکہ بمبئی تک کے بعض عرب تجارت پیشہ محض آپ کی قرأت سننے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کے شوق میں ہر جمعہ کو راندیر آتے تھے۔

دیوبند ضلع سہارنپور کے مشہور دار العلوم کے ۱۳۲۸ھ ہجری والے عظیم الشان جلسۂ دستار بندی میں جناب حافظ صاحب مرحوم و مغفور، معہ چند رفقاء تشریف لائے تھے، اس جلسہ میں تقریباً پچیس تیس ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ افتتاح جلسہ پر جناب حافظ صاحب مرحوم نے قرآن پاک کے ایک رکوع کی تلاوت فرمائی تھی، یہ آپ کی کرامت تھی کہ اتنے بڑے پنڈال میں جس کے نیچے اتنا عظیم الشان مجمع تھا، آپ کی آواز برابر سنی گئی، اور ہر شخص یکساں محظوظ ہوا، اس قدر بلند آواز اور خوش آواز اعلیٰ درجہ کا قاری مجوّد جس کی خاص اہل عرب بھی حد سے زیادہ تعریف کریں نہ صرف گجرات بلکہ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی حافظ صاحب مرحوم کے سوا دیکھا اور سنا نہیں گیا۔ قرآن مجید کے ساتھ آپ کو ایک خاص شغف بلکہ عشق تھا، بکثرت تلاوت فرماتے رہتے تھے اور قرآن مجید کی تعلیم نہایت شوق و ذوق اور محبت سے لوجہ اللہ دیا کرتے تھے۔

مساکین سے محبت فقراء اور مساکین سے آپ کو بہت انس تھا، امراء کی صحبت پسند نہیں کرتے تھے، اپنی طالب علمی کے زمانے کے رفیقوں اور طالب علموں اور مسکینوں سے محبت اور ربط و ضبط رکھتے تھے، باوجود اس کے کہ کسی قسم کی حاجت دوسروں کے سامنے پیش کریں، ان کے نزدیک سخت معیوب تھا، راندیر کی مسجد جھاپڑ دراصل آپکے دم سے مساکین کا ملجا و ماویٰ بنی ہوئی تھی، اور کتنی بیواؤں، اپاہج اور مفلوک الحال عورتوں اور بچوں کو ماہواری امداد میں حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے، اور کسی کو مطلقاً اطلاع نہیں ہوتی تھی، ان کے وصال کے بعد لوگوں کو ان تمام حالات کا علم ہوا۔

مذہبی اور قومی سعی اگرچہ حافظ صاحب ایک خلوت پسند بزرگ تھے، لیکن باوجود اس خلوت پسندی کے آپ کے قومی اور مذہبی رفاہ عام کے کارنامے بھی تمام ہندوستان میں آفتاب کی طرح روشن رہیں گے، ہندوستان کے اکثر مدارس اسلامیہ اور مساجد میں جناب حافظ صاحب مرحوم کی کوششوں کے آثار نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اور اسی طرح بہت سے مذہبی مرکز اور علمی درسگاہیں حافظ صاحب کے امداد و اعانت کے شکر گذار ہیں۔

الغرض علاقہ گجرات کا یہ خیر مجسم اپنے زمانے کا یکتا شخص بچپن سال کی عمر میں بتاریخ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ روز پنجشنبہ کو دنیائے دنی سے رحلت گزین عالم جاودانی ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حافظ صاحب کی وفات حسرت آیات کا صدمہ صرف

مقامی صدمہ نہ تھا بلکہ ایک عالمگیر مصیبت تھی جس سے ہندوستان کے اکثر لوگوں کے دل ہل گئے، اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا جاری ہو گئے، ان سے ہندوستان محروم ہو گیا، گجرات اور خاص سورت و رانڈیر میں تو گھٹا ٹوپ اندھیری چھا گئی، حافظ صاحب مرحوم کے غم فراق کو ہندوستان کے ہر گوشے سے اہل علم نے نظم و نثر میں ظاہر کیا، لیکن فاضل اجل مولانا مولوی حافظ محمد عبدالحئی صاحب مرحوم کفلیتوی خطیب جامع رنگون و مؤلف البصائر وغیرہ نے بھی اخبار ہمدم مورخہ ۲۳ر مارچ ۱۹۱۲ء میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں حافظ صاحب کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ان کے انتقال پر اپنے دلی صدمے کا اظہار فرمایا تھا، نیز خادم المحدثین سید الفقہاء والمفسرین بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت شیخ الہند مولانا مولوی محمود حسن صاحب محدث صدر مدرس دار العلوم دیوبند نور اللہ مرقدہ نے حافظ صاحب کے وصال کی تاریخ حسب ذیل فرمائی تھی،

قطعۂ تاریخ

عالم و حافظ و وجیہ و نبیہ — نیک خو نیک رو فرشتہ شیم
آج دار البقا کو جاتے ہیں — چھوڑ کر سب کو مبتلائے الم
غربا کے لئے ہے یوم عسیر — ہو مبارک انھیں نعیم ارم
ہے مساجد میں یاس اور حسرت — اور مدارس میں چھا رہا ہے غم
فقرا کے لئے تھا آب بقا — خضر تھا بہر اہل جود و کرم
آج مسکین یتیم رہ گئے حیف! — اور بیتامے ہیں مسکنت توام
سنتا تھا دور سے صدائے ضعیف — تھا تو حاتم مگر نہیں تھا اصم
دم عیسے و لحن داؤدی! — چھپ گئے ہائے زیر کتم عدم
فکر سال وفات ہے بے سود — ہے ہر اک دل پہ سانحہ یہ رقم

ہاتھ سے ہیں اجل کے بے سروپا
فضل و علم و تقا و ورع و کرم

۱۳۳۰ھ

ولہ دام ظلہ،

تقی و نقی و سمی و ذبیح — چو زیر کفن چہرۂ خود نہفت
ز روئے بکا سال او ہاتفے — ثمال المساکین قد مات گفت

۱۳۳۰ھ

حافظ صاحب مرحوم کو خدا نے اپنے فضل وکرم سے کثیر اولاد عطا فرمائی تھی۔ آپ کے چھ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں انتقال کے وقت موجود تھیں۔

صاحبزادوں میں سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب اور حضرت مولانا محمد حسین صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (منقول از اخوان الزمان ہری)

نام نیک رفتگان ضائع مکن ۔۔۔ تا بماند نام نیکت برقرار

(۲)

الحاج علامہ حافظ محمد عبدالحی کفلیتوی قدس سرہ

آپ کا نام عبدالحی بن حافظ احمد بن سلیمان بن یوسف ہے۔ آپ کا وطن قصبہ کفلیتہ ہے۔ جو گجرات کے مشہور شہر سورت سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کا سن ولادت ۱۲۸۳ھ ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب کے والد ماجد چونکہ حضرات حقانی اور فقرائے ربانی سے بہت مانوس تھے اس لیے بعد ولادت والدین آپ کو اپنے پیر و مرشد مولانا مولوی لیاقت علی الہ آبادی کی خدمت میں لے گئے۔ مرشد طریقت نے طول عمر اور حصول علم کے لیے دعا فرمائی۔ اور عبدالحی نام رکھا۔ شیخ کی دعا کا اثر کہ آپ نے ابتدائی سن تمیز میں کلام پاک حفظ کیا اور اپنے بزرگوار ماموں زاد بھائی مولانا ہاشم بن موسیٰ کفلیتوی کے بوستان تک فارسی اور عربی میں صرف ونحو کے رسائل اور فقہ کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مولانا ہاشم کے انتقال کے بعد محمد فاضل صاحب سورتی سے کافیہ۔ کنز الدقائق۔ سیاحوجی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد بمبئی کے مدرسہ اسلامیہ میں کچھ کتابیں پڑھ کر ۱۳۰۲ھ میں بھوپال چلے گئے۔ اور وہاں مفتی عبدالحق صاحب حمد اللہ کا کچھ حصہ پڑھا اور مولانا سراج احمد صاحب دیوبندی سے تصریح شرح چغمینی اور دیوان حماسہ کا اور مولانا ظفر اللہ صاحب دیوبندی سے متنبی اور حریری کا درس لیا۔ اور مولانا نذیر احمد صاحب مرادآبادی سے ملا حسن اور شرح مسلم کا حدیث شریف کی صحاح ستہ فاضل اجل مولانا مولوی حافظ احمد صاحب سے پڑھیں۔ اور محدث مشہور شیخ حسین یمنی سے صحاح ستہ کے اوائل کا کچھ حصہ پڑھا۔ جب بھوپال سے واپسی کا ارادہ کیا تو دونوں موصوف ذی قدر بزرگوں نے سندیں عطا فرمائیں۔ اور حدیث کی اجازت دی۔ اور اسی کے ساتھ مولانا مولوی احمد صاحب نے اپنا مد جو صاع کی ایک چوتھائی کے برابر ہوتا ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے برابر تھا، مع سند کے بھیجا۔ دونوں سندیں یعنی سند حدیث اور سند مد آپ کے ایک رسالہ میں منقول ہیں۔ بھوپال سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ وطن میں قیام فرما کر کانپور چلے گئے۔ اور جناب فاضل اجل علامہ مولوی الٰہی بخش صاحب پنجابی سے ہدایہ آخرین۔ رسالہ قطبیہ، میر زاہد، ملا جلال، شرح عقائد دوانی اور سراجی کا درس لیا۔

کانپور سے رامپور جا کر خاتم العلماء فی الفنون العقلیہ مولانا الفاضل المولوی عبدالحق خیرآبادی کے درس میں شرکت فرمائی۔ اور قاضی مبارک، حمد اللہ، صدرا مولانا نادر الدین پنجابی سے پڑھیں۔

رامپور سے علی گڈھ پہنچکر مولانا لطف اللہ صاحب سے شمس بازغہ، حمد اللہ اور تصریح پڑھی، علیگڈھ سے پھر کانپور جاکر حضرت علامہ مولانا مولوی احمد حسن صاحب مرحوم سے تفسیر بیضاوی، شرح معانی الآثار اور مسلم، توضیح، تلویح، اور شرح مسلم حمد اللہ اور قاضی مبارک، اور خلاصۃ الحساب پڑھیں، چونکہ حصولِ علم کا کامل شوق تھا۔ اس لیے درسِ نظامیہ ختم کرکے علم طب کے حصول کے لیے لکھنؤ پہنچے۔ اور وہاں کے مشہور طبیب فاضل حکیم عبدالعزیز صاحب سے طب کی مشہور کتابیں، موجز۔ شرح اسباب پڑھیں، اس کے بعد دہلی جاکر زبدۃ الاطبا حکیم محمد عبدالمجید خان صاحب دہلوی سے شرح موجز اور شرح اسباب اور کلیات القانون وحیات لقانون وتشریح القانون کا درس لے کر مطب میں بیٹھے۔ اور علم طب میں ملکۂ تامہ حاصل کیا، دہلی سے آپ وطن پہنچے، کچھ دن وطن میں قیام فرماکر راندیر کے مدرسہ اسلامیہ بیتری میں (جو آجکل انگریزی اسکول ہے)، منصبِ تدریس پر متقرر ہوئے۔

بہ قیامِ راندیر کانپور سے جلسہ دستاربندی کے سلسلہ میں آپ کی طلبی ہوئی، اور علمی سوالات کا جواب دینے کے بعد آپ کو کانپور سے سند اور دستارِ فضیلت حاصل ہوئی۔ اس سند کی نقل آپکے ایک رسالے میں منقول ہے، کانپور سے واپسی پر آپنے راندیر میں پھر تدریس کا سلسلہ شروع کردیا، کہ اہلِ مولمین بزمانے آپ کو جامع مسجد مولمین کی امامت وخطابت کے لیئے مجبور کیا، چنانچہ آپ مولمین تشریف لے گئے اور دس سال وہاں قیام کیا، اور اس عرصے میں آپنے وہاں اپنی خطابت اور وعظ وتذکیر اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ اشاعتِ اسلام کا کام انجام دیا۔ مولمین سے آپ کو حج بیت اللہ کا شوق دامنگیر ہوا۔ اور ۱۳۲۳ھ میں حج ادا کرکے روضۂ نبوی کی زیارت کی غرض سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور سات ماہ تک مدینہ منورہ میں قیام کرکے حسبۃً للہ لوجہ اللہ طلبۂ علوم کو علمِ دین کی تعلیم دیتے رہے۔

قیامِ مدینہ کے زمانہ میں حضرت علامہ مفتی سید احمد صاحب برزنجی سے، اور حضرت علامہ اکمل مولانا سید محمد سعید بن مولانا السید محمد مغربی اور شیخ الدلائل سے اجازت وسند حاصل کی۔ زمانۂ حج کے قریب مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آکر دوسرا حج ادا کرکے مکہ معظمہ کے مشہور عالم حضرت علامہ اکمل فاضل مولانا سید حسین طرابلسی اور حضرت علامہ ابوالخیر شیخ احمد صاحب سے اجازت نامے اور سندیں حاصل کیں، واپسی کے بعد جب آپ مراجعت فرمائے وطن ہوئے، تو پھر آپ کو سورتی جامع مسجد رنگون کی خطابت کے لیئے مجبور کیا۔ چنانچہ آپنے بعد استخارہ اس کو قبول کرکے نو سال رنگون میں قیام فرمایا۔ ان نو سالہ قیام میں بھی آپنے وعظ وتذکیر کے ذریعہ اہل برما کو دینی فیض پہنچایا۔ اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔

مولانا موصوف نے علوم دینیہ کے جو بیش بہا ذخیرے تالیف فرمایا ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

نمبرشمار	نام کتاب	مختصر کیفیت
۱	البصائر فی تذکرۃ العشائر	عربی زبان میں وعظ کی معتبر اور مفید کتاب ہے
۲	اطیب المرام	عربی نظم میں نماز نفل کا عمدہ رسالہ

نمبر شمار	نام کتاب	مختصر کیفیت
۳	ادارۃ التنبیہ	اردو میں مشابہت بکفار کے بیان میں
۴	الشہاب الثاقب	بانی انجمن اتحاد مذاہب عالم نگون کے الحاد کا رد
۵	الخلافۃ	اردو میں خلافت اسلامیہ پر مفصل بحث
۶	المدافع الآلہیہ	اردو میں بانی مذہب کا عمدہ رد
۷	اجابۃ السائل عن القنوت فی النوازل	اردو میں مصائب کے وقت قنوت پڑھنے کا حکم
۸	القول الجلی	عیدگاہ میں نماز عیدین کی مسنونیت کا بیان
۹	السبیل الاقوم فی توضیح السلم	سلم العلوم کی اردو شرح
۱۰	سلعۃ القریہ فی شرح النخبہ	نخبۃ الفکر کی مطالب خیز اردو شرح
۱۱	سوانح علوم اسلامیہ	علوم اسلامیہ کی تاریخ اور متقدمین اہل اسلام کے کارنامے
۱۱	عقد الفرائد فی نظم العقائد	عربی نظم میں عقائد اسلامیہ کا بیان
۱۳	کلمۃ الفصل	اختلافی مسائل تقلید وغیرہ کا منصفانہ فیصلہ
۱۴	مجموعہ خطب منبریہ	جمعہ و عیدین کے خطبے
۱۵	نظم الند مع شرح القول الاغر	متن و شرح دونوں عربی علم صرف کا عمدہ رسالہ
۱۶	نزہۃ الانظار	عربی نظم میں منطق کا رسالہ
۱۷	نضرۃ النعیم مع ترجمہ اردو	حضورؐ کے علم غیب کے بیان میں
۱۸	نسیم الصبا	اردو حرمت سود کے بیان میں
۱۹	ہدیۃ السفر	ارکان اسلام
۲۰	رسالہ حکم اجرت قرآن	
۲۱	رسالہ حکم ثبات مقصورہ	
۲۲	رسالہ حکم التحرک فی الصلوٰۃ	
۲۳	رسالہ حالات خود	ترجمہ حصون حمیدیہ

موخرالذکر پانچ رسالوں کے علاوہ تمام کتابیں مؤلف کی زندگی میں طبع ہو کر مقبول ہوگئیں، آخر حیات مبارکہ میں رویت ہلال کے بارے میں ٹیلیگراف کی خبر کا اعتبار کیا جائے یا نہیں، عربی میں ایک سوال مرتب کر کے ہندوستان عرب استنبول کے علماء کے جوابات حاصل کیے، لیکن ان کے شائع کرنے سے پہلے پیام صادق آپہنچا۔ آپ چند روز

معاصی میں مبتلا ہوکر ۱۰ رجب المرجب ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۰ رجون ۱۹۱۳ء یوم دوشنبہ عصر کے بعد دارفانی سے رخصت گزین عالم جاودانی ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اہلِ علم و ارباب فضل و کمال سے محبت رکھنے والے حضرات کے دلوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اور بادل بہ یاں دیدہ گریاں نے اس علم و تقویٰ کے خزانے کو بنگرون کے مقبرۂ عامہ میں زمین کے سپرد کیا۔

ہرکہ زاد بنا چار بایدش نوشید ز جام دہر مئے کل من علیہا فان

مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم کے جو مسودات شایع نہیں ہوئے تھے ان کو جناب مولانا مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیری نے مرتب فرماکر مع ایک تمہیدی مضمون کے جو رویت ہلال کے متعلق تمام اہم اور ضروری معلومات پر روشنی ڈالتے ہوئے ہے، ایک رسالہ کی شکل میں شایع فرمایا۔ اس رسالہ کا نام البیان الکافی فی حکم الجز التلغرافی ہے۔

(الجواہر الزواہر)

(۴)

مولانا الحاج الحافظ غلام محمد صاحبؒ راندیری

آپ کا اسم شریف غلام محمد بن حافظ صادق ہے۔ آپ کا بھی وطن اصلی راندیر ضلع سورت ہے۔ آپ نے علوم دینیہ کی تحصیل ہندوستان کے متعدد شہروں مثلاً میرٹھ، دہلی، دیوبند، کانپور وغیرہ میں کی تھی، ہمیشہ ماہرین و کاملین کی تلاش میں رہتے۔ اور جہاں کسی اہلِ کمال کا سراغ ملتا، اس کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ فرماتے۔

فاضل اجل علامہ اکمل حضرت مولانا مولوی احمد حسن صاحب کانپوری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، حضرت مولانائے ممدوح جب راندیر تشریف لاتے تو مولانا مولوی غلام محمد صاحب کے ہاں قیام فرماتے تھے۔ آپ کو قدرت نے نہایت تیز عمدہ حق فہم صواب رس ذہن صافی عطا فرمایا تھا۔ تمام علوم میں آپ کو کمال دستگاہ تھی، مسائل فقہیہ میں نہایت وسیع نظر رکھتے تھے، باوجود ان کمالات کے طبیعت میں نہایت سادگی تھی، زہد و تقویٰ آپ کا تمام خواص و عوام پر آفتاب کی طرح روشن تھا۔ صاف گوئی اور حق گوئی آپ کا خاص ممتاز وصف تھا۔ نہایت بلند ہمت، دینی خدمات میں چست، کریم النفس بزرگ تھے، لباس سادہ رکھتے اور بسا اوقات موٹا کپڑا پہنتے تھے۔

آپ حضرت شیخ العرب والعجم مرشدِ کامل مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ سے بیعت تھے، اور حضرت حاجی صاحب کے خلیفۂ خاص، حضرت راس المحدثین مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمتِ مبارک میں آکر حاضر ہوتے۔ اور مولانا بھی آپ کی طرف خاص التفات سے نظر فرماتے تھے، آپ کو مولانا گنگوہیؒ سے بے حد محبت تھی، اور مولانا کو بھی آپ کے ساتھ دلی تعلق تھا، ان کو دینی خدمت میں مشغول رہتے تو (رات ریاضت و مجاہدہ اور عملیات

اور عبادات ومناجات میں گذارتے، محنت وجفاکشی اور مشقت سے نہیں گھبراتے، اور ہر نیک کام میں دوسرے ہمراہیوں سے آگے آگے رہتے، لوگوں کے عقائد واعمال درست کرنے کی دھن میں لگے رہتے، اور ہمیشہ اسی کی تدبیریں سوچتے، اور ان تدبیروں کو منصۂ وجود پر لاتے رہتے۔

مخالفینِ اسلام سے مقابلہ ومناظرہ کرنے کا آپ کو خاص شوق تھا، اور اس میں آپ کو ایک خاص مہارت ہوگئی تھی، بڑے بڑے پادری اور پنڈت وغیرہ آپ کے سامنے آتے ہوئے گھبراتے، اور اکثر اوقات آپ کا نام سنکر دم چرا جاتے، تھے، گجرات کے مسلمانوں پر آپ نے جو دینی احسانات کیے ہیں، وہ نہایت عظیم الشان احسان ہیں، آپ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا، جو آپ نے اپنے برادرانِ وطن کی خیرخواہی کی بنا پر کیا، عقائد وفقہ کی بہت سی کتابوں کا گجراتی میں ترجمہ کیا اور چھپوا کر شایع کیا، گجرات کے لوگوں کے عقائد اور اعمال کی اصلاح اور درستی مولانا کے گجراتی تراجم کی بدولت ہی ہوئی ہے، یہ تمام دینی خدمات حسبۃً للہ کرتے اور نہایت شوق واخلاص سے دن رات اس میں مشغول رہتے، آپ کی تالیفات کی مختصر فہرست یہ ہے،

نمبر شمار	نام کتاب	نمبر شمار	نام کتاب
۱	مشارق الانوار کا گجراتی ترجمہ تین جلدوں میں	۱۳	اظہار الحق کا گجراتی اور انگریزی ترجمہ
۲	تحفۃ الہند کا گجراتی اور انگریزی ترجمہ	۱۴	ستیارتھ پرکاش کا رد گجراتی اور انگریزی میں،
۳	تنبیہ محافظ گائے گجراتی وانگریزی۔	۱۵	بہشتی زیور کامل کا گجراتی ترجمہ
۴	مالابد منہ کا گجراتی ترجمہ	۱۶	تنبیہات ابن جوزی کا گجراتی ترجمہ
۵	اصلاح الخیال کا گجراتی ترجمہ	۱۷	فرائض کا رسالہ گجراتی میں
۶	تقویۃ الایمان کا گجراتی ترجمہ	۱۸	راہ نجات کا گجراتی ترجمہ
۷	نصیحۃ المسلمین کا گجراتی ترجمہ	۱۹	سبیل برکت گجراتی
۸	حقیقتِ جہاد گجراتی	۲۰	حقیقت تعزیہ ونقوش تعزیہ داری گجراتی۔
۹	دو کلمہ نصیحت گجراتی۔	۲۱	نور ہدایت گجراتی۔
۱۰	رد شرک گجراتی۔	۲۲	زبدۃ المناسک کا ترجمہ گجراتی۔
۱۱	الوعظ اردو۔	۲۳	نیمی رسالہ اردو
۱۲	مولوی بشیر صاحب بڑودوی کا رد (اردو)	۲۴	ازالۃ الریب فی علم الغیب اردو

وغیرہ وغیرہ۔

قرآن شریف کے گجراتی میں ترجمہ کرنے کی آپ کی بڑی آرزو تھی، آپ کی اس آرزو کو آپ کے فرزند ارجمند مولانا

عبدالرحیم صادق صاحب راندیری نے پورا فرمایا۔ یہ گجراتی مترجم قرآن شایع ہوچکا ہے اور بے حد مقبول ہے۔

ناظرین خیال فرما سکتے ہیں کہ مولانا کی نظر انتخاب نے کیسے کیسے عمدہ اور مقبول رسالے ترجمے کے لیے منتخب فرمائے، اور یہ کہ گجراتی زبان میں ان کی اشاعت ہونے کی کس قدر سخت ضرورت تھی، جو خدائے تعالیٰ نے حضرت مولانا کے ہاتھ سے پوری کرائی، اور یہ کہ ان تراجم کے ذریعے اہل گجرات کو کسقدر دینی فائدہ پہنچا،

حق تو یہ ہے کہ ضلع سورت اور اس کے اطراف میں جس قدر دینی روشنی نظر آتی ہے، وہ حضرت مولانا حافظ محمد سماعیل صاحب مرحوم وحضرت مولانا غلام محمد صاحب مرحوم کے انفاس طیبہ کے طفیل سے پھیلی ہے۔ خدا ان حضرات کی قبروں کو نور سے بھردے، ۲۰ر مارچ سنہ ۱۹۵۱ء کو جمعہ کا دن تھا آپ جمعہ کی نماز کو تشریف لے گئے، نماز پڑھی اور واپسی میں آئسکریم یعنی ملائی کی برف بچوں کے لیے لیتے ہوئے مکان تشریف لائے، اہل وعیال کو کھلائی اور خود بھی دو چار چمچے نوش فرمائے۔ برف کھاتے ہی آپ کے تمام بدن پر پسینہ آگیا اور لیٹ گئے اور فرمایا کہ بس میرا وقت آخر ہوگیا، اور خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ اور سفر آخرت کے لیے تیار ہوگئے، اور برابر کلمہ شریف پڑھتے رہے، یہاں تک کہ تقریباً ترپن ۵۳ کی عمر میں یہ علم وتقوی، ہدایت و ارشاد کا آفتاب وقت عصر سے پہلے غروب ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور بارہ بجے رات کے قریب گجرات نے بیش بہا علم واتقا کے آخری خزانے کو زمین میں دفن کردیا۔ رحمۃ واسعۃ کاملۃ

(۴)

مشاہیر گجرات

مولانا محمد حسین صاحب راندیری رحمۃ اللہ

از مولانا محمد سعید صاحب راندیری

مولانا مرحوم حضرت مولانا قاری حافظ محمد اسماعیل صاحب راندیری رح کے ہونہار صالح فرزند تھے اور حضرت مولانا مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب رح کے چھوٹے بھائی۔ آپ کا نام نامی محمد حسین ہے سن ولادت ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء ہے۔ ایام طفولیت ختم کرنے کے بعد ہی شفقت پدری نے آپ کو اپنی تعلیمی آغوش میں لے لیا۔ سب سے پہلے خداوند تعالیٰ نے آپ کو جو دولت بخشی وہ حفظ قرآن کی لازوال دولت تھی۔

حفظ قرآن اور ابتدائی گجراتی و دو تعلیم کے بعد والد بزرگوار نے مفتی اعظم علامہ محمد کفایت اللہ صاحب رح کے سپرد کیا۔ اور اب آپ کی تعلیمی ارتقاء کا مرکز مدرسہ امینیہ دہلی بنا۔ اور کتب دینیہ ختم کرکے مدرسہ امینیہ دہلی سے ۱۳۳۲ھ میں سند فراغت حاصل کرلی۔

مگر چونکہ جذبات علمی جوان تھے، اور علمی ذوق و شوق کامل تھا اس لئے بغرض تکمیل دارالعلوم دیوبند کا قصد کیا۔ اور راس المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رح اور علم کے بحر زخار حضرت مولانا انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر ان کے فیوض علمیہ سے مستفید ہوئے۔ دورۂ حدیث و دیگر کتب دینیہ کی تعلیم حاصل کرکے وطن آئے اور مستقل طور سے یہیں قیام فرمایا۔

جب ۱۹۱۹ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے تو علمائے حرمین سے بھی حدیث کی اجازت و سند حاصل کی۔ راندیر میں مستقل قیام کے بعد مولانا مرحوم نے راندیر۔ سورت اور اطراف گجرات پر اسلامی نظر ڈالی۔ اور گجرات کے مسلمانوں کی مذہب سے بے خبری کے دردناک حالات دیکھے اور سنے تو مرحوم کا دل تڑپ اٹھا اور آپ کو محسوس ہوا کہ اہل گجرات کے لئے ضرور ایسا تعلیمی دینی مرکز ہونا چاہیئے جس سے وہ علوم دینیہ کی عظمت و اہمیت سے باخبر ہوں اور ان کے ہونہار بچے اسلامیات سے واقف ہوکر حدیث۔ تفسیر۔ فقہ۔ کی طرف مائل ہوں۔ اور گجرات میں اسلام کی حفاظت کرنے والی ایک جماعت تیار ہو۔

اسی صحیح احساس ملی کے پیش نظر بنام خدا آپ نے ۱۳۳۷ھ میں مسجد قوۃ الاسلام راندیر میں ایک مختصر سی تعلیم گاہ کی بنیاد ڈالی۔ اور بذات خود درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ لیکن یہ مختصر تعلیم گاہ آپ کے لئے اطمینان بخش ثابت نہیں ہوئی

اس لئے اپنے بڑے بھائی مولانا حکیم حافظ محمد ابراہیم صاحب راندیری اور جناب حافظ احمد ابن حافظ اسمٰعیل لا صاحب کے تعاون سے ۲۰ فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد ڈالدی گئی۔ بڑے بھائی نے مالی اعانت کے لئے اور مولانا مرحوم نے تعلیمی سلسلہ کے لئے اور حافظ احمد صاحب نے تنظیم مدرسہ کے لئے کمر کس لیں۔ اور بفحوائے انما الاعمال بالنیات۔ نیت فیض رسانی کی تھی۔ اس لئے جلد از جلد مدرسہ نے ترقی کی طرف قدم اٹھایا۔ تشنگان علم گجرات کے اطراف اکناف سے ہی نہیں بلکہ بیرون گجرات سے بھی آکر مدرسہ میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ حدیث۔ تفسیر۔ فقہ۔ معانی۔ صرف۔ نحو ناظرہ وحفظ قرآن کے درجات کا افتتاح ہوا۔ مدرسہ کے لئے عمارت و دار الاقامہ و دار الطعام وغیرہ کی کوشش کی گئی۔ جو بفضلہ تعالیٰ بارآور ہوئی۔ اور مولانا مرحوم کی حیات ہی میں مذکورہ بالا عمارتیں تیار ہوگئیں۔

ان ایام میں عوام کو احکام دین اور ضروری مسائل میں دینی رہبری حاصل کرنے کے لئے بڑی دشواری پیش آتی تھی۔ اس لئے مولانا نے مدرسہ میں دار الافتاء کا شعبہ بھی قائم کیا۔ تاکہ لوگوں کو صحیح طور پر دین کے احکام سے واقفیت حاصل ہو۔ یہ فتاوی اخبار "ہمدرد" میں شایع بھی ہوتے رہتے تھے۔ مولانا مرحوم کے فتاوی کا مجموعہ گجراتی میں "فتاوی حسینیہ" کے نام سے شایع ہوچکا ہے جو بے حد مقبول ہوا۔ اور جس کے کئی اڈیشن چھپ چکے ہیں۔

مولانا مرحوم جس طرح اشاعت اسلام کے جان و دل سے دلدادہ تھے۔ اسی طرح ادائے فریضۂ تبلیغ میں بھی پیش پیش تھے جب آپ نے دیکھا کہ گجرات کے بعض مقامات کے مسلمان گمراہ ہو رہے ہیں تو آپ نے فوراً شعبۂ تبلیغ قائم کیا اور مبلغین کی ایک جماعت تیار کی اور خود ان گمراہ اور ضلالت آمیز مقامات کے دورے کئے۔ اور اسلام پر تقریریں کیں۔ قرآنی مکاتیب قائم کئے۔ ارکان اسلام کی تعلیم کے لئے دیندار مسلمانوں کو شعبۂ تبلیغ سے تنخواہ دے کر مقرر کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان مقامات کے رہنے والے اسلام کی خصوصیات سے واقف ہوکر نماز روزے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اپنے بچوں کو پڑھنے کے لئے مکاتیب میں بھیجنا شروع کیا۔

گجرات میں مولے سلام گراسیہ نامی ایک قوم ہے جو پورے طور سے ہندوانہ معیشت رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ ان کے نام بھی ہندوانہ ہیں۔ اسلام سے تو بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ صرف اتنا ہے کہ زبان سے خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ مولانا مرحوم نے اس قوم کی اصلاح کے لئے بہت کام کیا۔

جب بعض ہندو اخبارات نے اسلام کے خلاف نہایت دل آزار مضامین لکھنا شروع کئے اور ضلع سورت میں کوئی مسلم اخبار نہ تھا جو جوابات دے سکتا۔ تو مولانا مرحوم نے کوشش فرماکر بعض اہل خیر کو تیار کیا اور گجراتی میں ہفتہ وار "ہمدرد" جاری کرایا۔ جس نے وقت کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا۔

غرض مولانا مرحوم کے تبلیغی حالات اگر بالتفصیل بیان کئے جائیں تو چند اوراق کی جگہ ایک بڑے دفتر کی ضرورت ہے سردست نہایت اختصار کے ساتھ اور مشتے نمونہ از خروارے سے دو چار واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ ۱۹۲۲ء میں جبکہ شدھی سبھا کے صدر سنیاسی شردھانند سورت آئے تو مسلمانوں کو چیلنج کیا کہ مجھے اسلام پر کچھ اعتراض ہیں جو فلاں تاریخ کو عام جلسہ میں ظاہر کروں گا۔

مولانا مرحوم کے گوش مبارک میں جب یہ صدا پہونچی تو آپ مقررہ تاریخ پر چند مخصوص لوگوں کے ساتھ شریک جلسہ ہوئے اور خاموشی سے اعتراضات سنتے رہے۔ شردھانند صاحب جب تقریر ختم کر چکے تو مولانا نے اجازت لے کر حقانیت اسلام پر پرجوش تقریر کرتے ہوئے اعتراضات کے وہ دنداں شکن جواب دیے کہ سنیاسی صاحب کو جلسہ میں ٹھہرنا بھاری ہو گیا اور کچھ عذر کر کے جلسہ سے چل دیئے۔

۲۔ بالاگھاٹ (مدراس) میں اچھوتوں نے جن کی تعداد کئی لاکھ ہے ایک جلسہ میں بہ تعیین تاریخ ہر مذہب و ملت کے پیشواؤں کو مدعو کیا تاکہ اپنے مذہب کی حقانیت پر تقریر فرمائیں۔ مولانا مرحوم نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور فوراً شریک جلسہ ہونے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ آپ کی معیت میں مولوی انیس احمد بی اے بھی تھے۔ مولانا مرحوم جلسہ میں شریک ہوئے اور نہایت دلیری اور ایمانی قوۃ کے ساتھ اسلام کی صداقت و حقانیت پر وہ دلکش اور بلند پایہ تقریر کی کہ دیگر پیشوایان مذاہب مولانا کا منھ تکتے رہے۔

۳۔ ۱۹۲۴ء کے جولائی میں جب مولانا مرحوم کو معلوم ہوا کہ ماسٹر آتمارام بڑودہ والی اپنے لڑکے کی معیت میں کپڑونج ضلع کھیڑا کے اطراف میں ملکانا مسلمانوں اور ان کے سرداروں کو شدھ کر کے جنیو پہنانے کے لئے تاریخ مقرر کر چکے ہے تو مولانا جلد از جلد اپنی جماعت کے چند مبلغین کو اور پنڈت مولانا عبدالحق لاہوری۔ اور مولانا عبداللہ کانپوری کو لیکر کپڑونج پہنچے بارش ہو جانے کی وجہ سے دیہاتی راستے اگرچہ نہایت پر صعوبت اور ہمت شکن ہو گئے تھے لیکن خدا کے نام کی تبلیغ کرنے والوں نے موانعات راہ کو ہیچ سمجھا اور ہر زحمت راہ کو راحت سمجھتے ہوئے ماندوا دربار۔ پوتادرا دربار۔ کھنڈآل دربار ڈابا دربار۔ رماس دربار تک پہونچے۔ اور پیغام حق پہونچا کر ان سے جنیو اتروا کر نئے سرے سے حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اسی طرح جہاں جہاں گجرات میں حلقہ بگوشان اسلام پر آریہ سماج نے حملہ کیا۔ مولانا مرحوم وہاں پہونچے اور آریہ سماجی حملہ کا جواب دے کر نئے سرے سے اسلام کی لگن ان کے دلوں میں ڈال دی۔

مولانا مرحوم سیاسیات میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر گامزن رہے۔ شیخ الہندؒ کے ترک موالات کے فتوی کو گجراتی میں شایع کر کے گجرات میں گھر گھر پہونچایا۔ حضرت شیخ الہند اور ان کے جانشین مولانا مدنی مدظلہ سے کمال عقیدت رکھتے تھے۔ یورپ کے غداروں نے جب ترکوں پر ہر طرف سے یورش بولکر اور قبائے خلافت کو پارہ پارہ کر کے ترکوں کے لئے کفر کا فتوی لینا چاہا تو مولانا مرحوم نے اسوقت ترکوں کی اعانت و حمایت میں حکومت وقت سے نڈر ہو کر وہ وہ تقریریں کیں جن کو سنکر مسلمانان گجرات نے بالاتفاق مولانائے مرحوم کو شاعر گجرات کے لقب سے ملقب کیا۔

غرض مولانا محمد حسین صاحب نوراللہ مرقدہٗ ان پاکباز مقدس ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام پر اپنی جانیں قربان کردی تھیں۔ مولانا مرحوم کی زندگی کا ہر سانس آخر وقت تک دین خدا کی خدمت کے لئے وقف رہا۔ اور آپ نے تمام دنیوی راحتوں اور امیرانہ زندگی کو چھوڑ کر ایک مجاہد اسلام کی طرح درویشانہ زندگی پر قناعت کی۔

۱۳۵۱ھ میں درجۂ سفاصل کا بڑا سخت حملہ ہوا۔ ہر چند معالجین نے ازالہ کی پوری کوشش کی۔ مرض میں کمی نہیں ہوئی۔ بلکہ مرض در مرض پیدا ہوتا گیا۔ آخر ۱۰ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۳۲ء بروز جمعرات بعد ظہر اس عالم فانی کو خیرباد کہہ کر عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ دارالعلوم دیوبند کے مشہور بزرگ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے مرحوم کو قبر میں لٹایا۔ مولانا مرحوم کی مقبولیت عامہ کا صحیح منظر اس وقت قابل دید تھا۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہو۔ اور نہ کوئی دل ایسا تھا جو دگار نہ ہو۔

مولانا کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے تھے۔ دونوں صاحبزادے خورد سال ہی انتقال فرما گئے۔ مولانا مرحوم بیماری کے عالم میں اکثر احیاء شریعت اور مدرسہ کی حفاظت کے لئے وصیت فرمایا کرتے تھے۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مولانا کی وفات کے بعد یہ گلشن اسلام بطور مرحوم کی یادگار کے "جامعہ حسینیہ" کے نام سے موسوم ہو کر گجرات کے مسلمانوں میں دینی تعلیم پھیلانے کا کام بخوبی انجام دے رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بھروسہ نہایت کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔

۵

مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب رانديری رحمۃ اللہ علیہ

از مولانا سید ظہور الحسن صاحب استاد جامعہ حسینیہ رانديرہ

آپ رانديرہ کے مشہور عالم باعمل متقی اور پرہیزگار حضرت مولانا قاری حافظ اسمٰعیل صاحب مرحوم کے فرزند صالح اور شیر گجرات حضرت مولانا محمد حسین صاحب مرحوم و مغفور کے بڑے بھائی اور جامعہ حسینیہ رانديرہ کے معمار اور روح رواں تھے آپ نے اپنے والد بزرگوار کی خدمت بابرکت میں حفظ قرآن کی دولت حاصل کی۔

وطن میں ابتدائی گجراتی اور اردو تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کی سرپرستی میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علماء و فضلائے دیوبند سے فیوضات علمیہ حاصل کئے۔ دارالعلوم دیوبند کے سنہ ۱۹۱۰ء کے تاریخی جلسہ میں اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے اپنے دست مبارک سے آپ کو دستار فضیلت عطا کی۔

دینی تعلیم کے بعد آپ نے دہلی کے مشہور نامور حکیم محمد رضی خاں بہادر سے فن طب حاصل کیا اور تجربات طب میں بیش بہا معلومات حاصل کیں۔ علوم دین اور فن طب کی سند لے کر جب آپ وطن آئے تو دینی و ملی شغف کے ساتھ سورت میں رانی باغ کے سامنے دواخانہ کا اجراء کیا۔ ابھی اہالیان سورت نے آپ کے مذہبی و طبی مشاغل سے فائدہ اٹھانا شروع ہی کیا تھا کہ رنگون میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب خطیب سورتی مسجد رنگون نے وفات پائی۔ اور مخلصین رنگون نے آپ کے صحیح علمی مذہبی مقامات کا اندازہ کر کے آپ کو مجبور کیا کہ اب آپ اس منصب خطابت کو قبول کریں۔ آپ مخلص احباب کے اصرار پر رنگون تشریف لے گئے اور بہت عرصے تک باحسن وجوہ خطابت کی خدمت بلامعاوضہ انجام دیتے رہے۔ اگرچہ منتظمین نے بے حد اصرار کیا کہ آپ تنخواہ قبول فرمائیں۔ لیکن آپ نے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تنخواہ کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ سامان معیشت کے لئے رنگون میں دواخانہ کا اجراء کیا۔ جس نے تھوڑی سی مدت میں کافی ترقی کی۔ جب تک آپ کا قیام رنگون میں رہا آپ نے مسلمانان رنگون کو جادۂ حق پر چلنے کی تعلیم دی۔ اور ہمیشہ سنت نبویہ کا راستہ بتاتے اور سمجھاتے رہے۔ آپ کی مبارک سعی حسنہ سے رنگون سے بہت سی بدعتوں اور بری رسموں کا انسداد ہوا۔ رنگونی حضرات مسجد میں رسم نکاح خوانی کو گوارا نہیں کرتے تھے بلکہ معیوب سمجھتے تھے۔ بڑے بڑے ہالوں میں مجالس نکاح منعقد کرنے کا عام دستور ہو چکا تھا جس سے غریب طبقہ کو تکلیف ہوتی تھی۔ حضرت مولانا سخت ترین جہد و مشقت کے بعد کامیاب ہوئے، اور اب بجائے ہال کے مسجد میں نکاح ہونے لگے۔ اور متمول و غیر متمول ہر قسم کے حضرات نے اس کو قبول کیا۔

مولانا موصوف نے سورتی مسجد میں شعبۂ دارالافتاء قائم کیا۔ جو آج تک بفضلہ تعالیٰ جاری ہے۔ اور جس میں ایک قابل مستند مفتی رہ کر ہمیشہ عوام کی دینی رہنمائی فرماتے رہتے ہیں۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب مرحوم بھی والد ماجد کی طرح لحن داؤدی کے مالک تھے۔ آپ کی قرارت اور لحن داؤدی دور دور سے لوگوں کو کھینچ کر آپ کے پیچھے نماز پڑھنے پر مجبور کرتی تھی۔ اور بسا اوقات سامعین پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ اور وجد کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ آپ کے شاندار پر رعب جاذب جمعہ و عیدین کے خطبے ابھی تک لوگوں کے دل و دماغ سے فراموش نہیں ہوئے ہیں۔ آپ نے دینی خدمات و مفاد کے پیش نظر مجالس الابرار اور البصائر جیسی ضخیم کتابوں کی اشاعت کے علاوہ دوسری دینی کتابیں بھی شائع کرائیں آپ نہایت خوش خلق سادگی پسند تھے۔ غربا کی حمایت اور ان سے ہمدردی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ سینکڑوں دینی کام آپ کے مبارک ہاتھوں سے انجام پذیر ہوئے۔ آپ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت تھے۔ اور ہندوستان کے نامور علماء سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ مکہ معظمہ کی عالم اسلام کانفرنس میں علی برادران و دیگر اکابرین جمعیۃ العلماء کے ساتھ آپ نے بھی شرکت فرمائی۔ آپ حضرت شیخ الہند کے جانثاروں میں سے تھے۔ حضرت کی تحریک انقلاب (جو ریشمی خطوط کی تحریک کے نام سے مشہور ہے) میں مالی امداد دیتے رہے۔ حضرت شیخ الہند کی مالٹا کی اسیری کے زمانہ میں بھی مالی امداد بھیجتے

رہتے تھے۔

آپ کی وفات حسرت آیات پر استقلال برما نے جو مقالہ تعزیت سپرد قلم کیا تھا اور جس میں مولانا مرحوم کی بیش بہا خدمات اسلامی کا اعتراف کیا ہے اس کے بعض حصے ہم نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو مولانا مرحوم کا منصب علمی و مذہبی اچھی طرح معلوم ہوجائے۔ استقلال رنگون ۱۱ اپریل ۵۴ء میں مولانا کے متعلق لکھتا ہے:۔

"مولانا مرحوم کا برما اور رنگون سے جو تعلق تھا اور مولانا نے اپنی زندگی کا بیش قیمت زمانہ جو رنگون میں گذارا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں اور اس کے بعد ترک موالات کے وقت ان کی جو خدمات ہیں ان کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ سورتی جامع مسجد رنگون کے در و دیوار آج بھی گواہ ہیں کہ مرحوم نے سالہا سال تک بغیر کسی اجرت و تنخواہ کے اس منبر و محراب کی خدمت کی۔ حالانکہ اس مسجد کی امامت و خطابت کے عوض بہت بڑی تنخواہ اور مالی امداد کی پیش کش کی گئی تھی۔ برمی زبان میں اسلامی کتابوں کے ترجمے کی ابتداء۔ برمی طلباء کو ہندوستان بھیجنے کی تحریک، مساجد اور مذہبی عبادت گاہوں سے بدعات اور جاہلی رسوم کا استیصال، گمراہ فرقوں کے خلاف تبلیغ و نشر و اشاعت کا کام اتنے اچھے پیمانے پر کیا کہ آج ان کے بعد آنے والی نسلوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مسجدیں کبھی اور کسی وقت محض میلاد خوانوں کا اڈہ تھیں۔ تفسیر و افتاء سے جن لوگوں کو ذرا بھی لگاؤ نہیں تھا اور جو ہوا و ہوس اور شکم کے غلام ہوتے تھے وہ ہندوستان سے آکر تفریق اور فرقہ بندی پھیلاتے تھے۔ مولانا راندیری مرحوم نے پوری طرح زمین ہموار کی۔ امراء کو تیار کیا کہ اس راہ میں دولت خرچ کریں۔ علماء حق کو دعوت دی کہ وہ منبروں پر بیٹھ کر حق گوئی کریں۔ اور بے لاگ و لپیٹ خدا اور رسول کے احکام بیان کریں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جس دلیری، جرأت اور بہادری کے ساتھ مرحوم نے بڑے بڑے دولت مندوں اور بزعم خود اَنَا وَلَا غَیْرِی کا نعرہ لگانے والوں کا دماغ درست کیا وہ انھیں کا حق تھا۔ اور یہ جرأت ان میں اس لئے تھی کہ کسی دینی خدمت کے عوض کوئی تنخواہ یا کوئی نذرانہ نہیں لیتے تھے، بلکہ اپنے لئے مطب سے روزی حاصل کرتے تھے۔ الخ"

مولانا مرحوم ایک عرصہ تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہ چکے ہیں۔ آپ صوبۂ گجرات کے مشہور با اثر اور بارسوخ عالم باعمل تھے۔ ۱۹۱۷ء میں اپنے بھائی مولانا محمد حسین صاحب راندیری کے ساتھ مل کر آپ نے جامعہ حسینیہ، راندیر کی بنیاد ڈالی جو آج ایک ترقی پذیر دارالعلوم ہے۔ مولانا محمد حسین صاحب کے انتقال کے بعد رنگون کا اپنا کاروبار چھوڑ کر آپ راندیر چلے آئے اور جامعہ کا انتظام سنبھالا۔ آپ نے ہمیشہ جامعہ کو ایک ترقی یافتہ دینی مرکز بنانے کے لئے جان توڑ کوشش فرمائی اور جامعہ کا فیض جاری رکھنے کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھا۔ جامعہ کے لئے آپ نے بڑی بڑی زحمتیں برداشت کیں۔ پیرانہ سالی کے باوجود جامعہ کی ضرورتوں کے لئے افریقہ؛ برما وغیرہ کا سفر اختیار کیا۔ غرض آپ کی زندگی مسلسل جد و جہد کی ایک تاریخ ہے

مرض وفات میں بھی جامعہ کو مستحکم رکھنے کے لئے وصیت فرماتے رہتے تھے۔ برما کے آخری سفر کے بعد آپ کی صحت بھی نہیں رہتی تھی۔ کمزوری قلب جگر کی بیماری میں مبتلا ہوکر آخر سہ شنبہ ۱۷ اپریل ۵۲ء کو ظہر کے وقت ستر سال کی عمر میں اس فانی دنیا سے عالم بقا کی طرف کوچ فرمایا۔ آپ کی اولاد میں ایک صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ جنازے میں بے شمار لوگوں نے شرکت کی۔ راندیر اسلام جم خانہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب کے مزار کے سرہانے دفن کیا گیا۔ آپ کی وفات سے تعلیمی اور دینی خدمت کرنے والے عالم باعمل سے گجرات محروم ہوگیا اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ مراتب عطا فرمائے۔ آمین

در عالم ارواح او چون بر در جنت رسید
بشنید کہ ادخل خالدا فیہا ندائے ہاتف

۶۔ حضرت حافظ احمد صاحب راندیری

مخلصین اسلام کی تاریخ مرتب کرنے والا جوہر نگار یقینی مرحوم حافظ احمد صاحب راندیری کی پاکیزہ حیات اور اس کے جذبات کو بالتفصیل لکھے گا۔ لیکن ہم سردست نہایت اختصار کے ساتھ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ حافظ صاحب مرحوم کن اوصاف کے حامل اور کس سیرت پاک کے حامل تھے۔

حافظ احمد صاحب اوائل عمری سے حیات صالحہ کے دلدادہ تھے۔ چھوٹی عمر والوں کے لئے جو فضول مشاغل دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں ان سے آپ قطعی کنارہ کش رہے۔

۱۸۹۵ء میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ راندیر کے مشہور اہل اللہ بزرگ حافظ ہدایت صاحب کی صحبت میں رہ کر علم حاصل کیا۔ شیخ کامل کی صحبت کا اثر تھا کہ ابتدا ہی میں زہد و تقویٰ پرہیزگاری آپ کی طبیعت ثانیہ ہوگئی۔

جب عہد برنائی میں قدم رکھا تو اسی وقت سے آپ نے دو مجتہدین و مبلغین اسلام یعنی حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب اور حضرت مولانا محمد حسین صاحب قدس سرہما کا دامن رفاقت ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اور اسی سبب سے کہ حافظ احمد صاحب مرحوم صالح زندگی کے دلدادہ ہیں۔ مذکورۂ بالا دونوں بزرگوں یعنی حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب اور شیر گجرات مولانا محمد حسین صاحب نے ان کو اپنی معیت میں لیکر ۱۹۱۷ء میں جامعہ حسینیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور تنظیم جامعہ حسینیہ کے جملہ امور آپ کے حسن فہم اور حسن تدبر سے سپرد کئے۔ جامعہ حسینیہ ابھی ابتدائی دور میں تھا کہ شیر گجرات حضرت مولانا محمد حسین صاحب کی وفات واقع ہوئی اور جامعہ کو وہ سخت دھچکا لگا جس کی تلافی غیر ممکن نظر آنے لگی۔ لیکن اس

وقت حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ذات بابرکت نے اور مرحوم و مغفور حافظ احمد صاحب کی ذات ستودہ صفات نے اس دھچکے کو محسوس ہونے نہیں دیا۔ اور نہایت کامیاب اور جد وجہد کے ساتھ اس گلشن علم و عمل کو سرسبز و تازہ رکھا۔ اس کے بعد جب حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا تو جامعہ حسینیہ کے لئے پھر بڑا سخت وقت آیا۔ اور محسوس ہونے لگا کہ اب جامعہ حسینیہ کے ستون اعظم کے گرنے کے بعد شاید کچھ تغیرات شروع ہو جائے لیکن حافظ احمد صاحب مرحوم نے اپنے حسن انتظام اور اوصاف حمیدہ اور مخلصانہ کوششوں سے اس وقت کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ اور جامعہ حسینیہ کے کسی شعبہ میں ذرا سا تغیر بھی پیدا نہیں ہونے دیا۔ حافظ صاحب مرحوم جامعہ کی خدمت کو اپنا مقصد زندگی بنا چکے تھے۔ سردی۔ گرمی۔ بارش یا زمانہ کا کوئی حادثہ جامعۂ حسینیہ کی نگرانی اور تنظیم سے ایک گھڑی کے لئے آپ کو نہ روک سکا۔

مرحوم حافظ احمد صاحب نہایت متقی، پرہیزگار، ہر دلعزیز، خوش خلق، مرنجاں مرنج، بزرگ تھے۔ دیانتداری، امانتداری، راستی، خدا ترسی۔ مردم شناسی کا جوہر خاص طور سے قدرت کی طرف سے آپ کو ودیعت کیا گیا تھا۔

آپ نے حضرت شیخ الہند رح سے بیعت کی تھی۔ اور وظائف و تعویذات وغیرہ کی عطیات بھی آپ کو اپنے مرشد کامل حضرت شیخ الہند رح اور حضرت مولانا اصغر حسین صاحب المعروف بہ میاں صاحب قدس سرہٗ دیوبندی سے پہنچے تھے۔ حافظ صاحب مرحوم کی متقیانہ اور صالحانہ زندگی کی برکت تھی کہ اکثر آپ کے تعویذ موثر اور تیر بہدف ثابت ہوتے تھے۔ آپ کے تعویذات کسی خاص طبقہ کے لوگوں کے لئے مخصوص نہ تھے۔ بلکہ ہر ملت کے انسان آپ سے اور آپ کے تعویذات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ آپ کے تعویذات سے خدا کی مخلوق کو جو عجیب غریب خصوصیات پہنچے ہیں۔ وہ بہت تفصیل طلب ہیں۔ فرائض پنجگانہ، وظائف اور طاعت سحری کے بعد آپ لوجہ اللہ بغیر کسی معاوضہ کے دن کو نو دس بجے تک اہل حاجات کو اپنے تعویذات سے فائدہ پہونچاتے تھے۔ اس کے بعد فوراً آکر جامعہ حسینیہ کے انتظامی شعبہ میں آپ موجود ہوتے یا جسقدر اس کے متعلق امور ہوتے اس کو انجام دیتے تھے۔ غرض آپ کی ذات گرامی ایک عجیب فیض رساں ذات تھی۔

افسوس کہ ایسی باکمال پرفیض بزرگ ہستی گذشتہ ماہ بروز یکشنبہ اذان ظہر کے وقت ہم سے جدا ہوگئی۔ بعد نماز عشاء آپ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ مخلصین اور عقیدتمند حضرات ہزاروں کی تعداد میں شریک جنازہ تھے۔ شب کے گیارہ بجے حضرت مولانا اصغر حسین صاحب کے مزار کے قریب دفن کئے گئے۔ مرحوم کی مقبولیت عامہ کا صحیح منظر اس وقت قابل دید تھا۔ ہر صغیر و کبیر جو جنازہ میں شریک تھا آہ برلب اور چشم پرنم تھا۔ آہ اس دور قحط الرجال میں ایسی پاکباز مخلص اسلام ہستی کا اٹھ جانا مسلمانوں کے لئے ایک نقصان عظیم ہے۔

جامعہ مفتاح العلوم مئو

ضلع اعظم گڑھ

از جناب مولانا مسعود الرحمن الاعظمی ندوی

ہندوستان میں آج دینی مدارس اور مذہبی اداروں کی کمی نہیں۔ یہاں جس طرح دینی تعلیم کے بعض مرکزی ادارے موجود ہیں، اسی طرح ایسے دینی ادارے بھی خدمت تعلیم میں مشغول ہیں جن کو مرکزیت تو حاصل نہیں ہے لیکن وہ اپنے نصاب تعلیم اور دیگر امتیازی خصائص میں ان مرکزی اداروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

آج ہم آپ کے سامنے اس مدرسہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو باوجود اپنے قلت وسائل اور تہی دستی کے نمایاں کارنامے انجام دینے اور دینی تعلیم کی اشاعت میں ایک مدت سے مصروف ہے۔ حوادثِ زمانہ اس کے ساتھ عجیب عجیب کھیل کھیلتے رہے ظلم و ناانصافی کی گھنگھور گھٹا میں دین کے اس لہلہاتے ہوئے کشتِ زراعت کو تلف کر دینے کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہیں۔ لیکن اللہ کی نصرت ہمیشہ اس کے ساتھ وابستہ رہی، اور اس کے لئے ترقی کی شاہراہیں کھلتی گئیں۔

یہ مدرسہ یوپی کے مشرقی علاقہ قصبہ مئو ضلع اعظم گڑھ میں دینی علوم کی ایک شاندار درسگاہ ہے۔ جہاں سے ہر سال نبوتِ محمدی کا پیغام مہمانانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عالم اسلام کو پہنچتا ہے۔

یہ قصبہ اپنی دینی وضع و شرافت میں ہمیشہ سے معروف و مشہور رہا ہے۔ لیکن یہاں دینی علم حاصل کرنے اور مذہب کی تعلیم و اس کی اشاعت کا کوئی مستقل اور اچھا ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے جہالت اور کم خواندگی کی عام وبا پھیلی ہوئی تھی، علماء موجود تھے مگر ان کے سامنے بھی قرآن و حدیث کی تعلیمات کی ترویج کا مسئلہ ایک اہم اور پیچیدہ مسئلہ بنا ہوا تھا۔ بعض دینی مکاتب بھی قائم تھے، لیکن ان کو لائق علماء اور قابل اساتذہ کی خدمت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ترقی کی کوئی صورت نہیں نظر آ رہی تھی اور نہ ہی عوام کو ان سے کوئی خاص فائدہ پہنچ سکتا تھا۔

ایسی صورت میں ایک بزرگ اور درد مند عالم حضرت مولانا امام الدین صاحب پنجابی رحمۃ اللہ علیہ میدان عمل میں آئے اور مسلمانوں کی اس ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے ۱۳۰۷ھ میں مدرسہ مفتاح العلوم کی بنیاد رکھی۔ شروع میں یہ مدرسہ ایک چھوٹے پیمانے پر جامع مسجد شاہی میں قائم ہوا۔ اس کے بعد محلہ اورنگ آباد اور وہاں سے محلہ آلہ داد پورہ کی مسجد میں

منتقل کر دیا گیا جہاں مسجد کے دائیں جانب مدرسہ کی ایک چھوٹی عمارت بھی تیار ہو گئی، اور اس میں سلسلۂ تعلیم کی ابتدا ہوئی یہیں پر یہ سلسلہ ایک مدت تک قائم رہا، اور خصوصیت سے مسلمان بچوں کو اس سے بہت فائدہ حاصل ہوا۔ لیکن ابھی تک یہ مدرسہ اپنی افادیت کے لحاظ سے بہت محدود تھا، اس سے جو مقصد بنیا تھا وہ پوری طرح حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ جس کی وجہ سے ۱۳۴۳ھ میں اس کو شہر کی مشہور جامع مسجد شاہی میں دوبارہ منتقل کیا گیا، اور یہاں پر اس کے دائرۂ تعلیم و تربیت کو وسیع تر بنانے کے لیے لائق ترین اور قابلِ فخر اساتذہ بلائے گئے۔ ابھی تھوڑے دن بھی نہ بیتے تھے کہ اس کی شہرت امصار و بلاد میں دور دور تک پہنچ گئی اور یہ مدرسہ بڑی بڑی دینی درسگاہوں میں بھی ایک خاص شرف و امتیاز کا مالک ہو گیا۔

اس مدرسہ میں درس نظامی کے مطابق تمام علوم و فنون کی کتابیں مثلاً تفسیر و حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق و فلسفہ، ادب و معانی، صرف و نحو، حساب و ریاضی کی تعلیم نہایت قابل اور ذی استعداد اساتذہ کی نگرانی میں ہونے لگی، اسی کا اثر تھا کہ اطراف ملک سے جوق جوق شائقین علم دین آنا شروع ہوئے۔

یہ مدرسہ اپنی نشاۃ ثانیہ کے بعد کم و بیش ۴۰ سال سے دین کی خدمت انجام دینے میں ہمہ تن مشغول ہے۔ اور اپنی جد و جہد کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے اہل علم میں کافی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلسل باد مخالف کے جھونکوں اور موانع روزگار کے باوجود اس کے پایۂ استقامت میں کوئی لغزش پیدا نہیں ہو سکی، اور بجائے کسی تنزلی کے اس کے زینے ترقی کی راہیں ہمیشہ کھلتی گئیں۔

۱۳۵۵ھ میں مدرسہ نے دستاربندی کے ایک عظیم الشان جلسہ میں ایک سو بیس فارغ التحصیل عالموں کو دستارِ فضیلت اور سند فراغ پیش کر کے ملک میں کافی شہرت و مقبولیت حاصل کی، اس سے پہلے بھی ۱۳۵۲ھ میں دستاربندی کا جلسہ ہوا تھا جس میں فارغین کی ایک کثیر تعداد کو دستارِ فضیلت دی گئی تھی۔

۱۳۵۵ھ سے لیکر اب تک تقریباً نوے عالم پھر فارغ التحصیل ہو کر نکل چکے ہیں جن کو بعض مشکلات کی بنا پر اب تک دستار فضیلت نہیں دی جا سکی۔

گویا یہ مدرسہ اپنی دوسری زندگی شروع ہونے کے بعد سے اب تک کم و بیش ڈھائی سو علماء اور سیکڑوں حافظ قرآن و قراء کو دین کی خدمت کے لیے ملک و قوم کو پیش کر چکا ہے۔ جو آج تقریباً ملک اور بیرون ملک میں کسی نہ کسی اہم خدمت پر مامور ہیں، اور یہ سلسلہ آج بھی لائق و فائق اساتذہ کی نگرانی و سرپرستی میں قائم ہے، اس کے علاوہ مدرسہ میں ایک شعبۂ تصنیف و تالیف بھی ہے۔ جس نے نہایت شاندار دینی خدمات انجام دی ہیں، مثلاً نصرۃ الحدیث جو منکرین حدیث کے رد میں ایک بے نظیر تصنیف ہے، الاعلام المرفوعہ۔ ایک مجلس کی تین طلاقوں پر محققانہ بحث ہے۔ رکعات التراویح۔ یہ بھی اسی موضوع پر ایک جامع اور مبسوط رسالہ ہے۔

تنقید سدید۔ حیلہ شرعی اور تقلید وغیرہ کے مسائل پر نہایت عالمانہ بحث ہے۔ احکام النذر۔ آیت ما اھل للہ لغیر اللہ۔ دفع المجادلہ عن آیت مباہلہ کی تفسیر۔ ان تمام کتابوں کے مصنف حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی ہیں۔ مدرسہ کے قابل قدر اساتذہ میں

دینی علوم کی عظمت اور فضیلت

اسلامی تعلیمات کی اخلاقی اور تہذیبی قدریں

(جناب مولانا حافظ محمد صدیق المیمنی صاحب)

"دین" ایک مختصر سا لفظ ہے، اس لفظ کا کوئی دوسرا نعم البدل نہیں، دین۔ مذہب کے لفظ سے زیادہ وسیع، زیادہ موثر اور زیادہ ترجیح لفظ ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رح کی طرف یہ منسوب ہے کہ ان کے نزدیک دین کے معنی نظام کے ہیں اس اعتبار پر دین زندگی کے پورے نظام پر حاوی ہے، اور کوئی شک نہیں کہ اسلام زندگی کے ایک مکمل نظام کا نام ہے، دینی تعلیم میں یہی وسعت ہے۔ ہمارے محترم مولانا الحاج حافظ محمد صدیق صاحب المیمنی نے ذیل کے مضمون "دینی علوم کی عظمت اور فضیلت" قدر وقیمت ہر چیز پر گراں قدر نظر ڈالی ہے، مضمون اپنے موضوع کے لحاظ سے اسلامی علوم کے ہر گوشہ کی ترجمانی کرتا ہے۔

علم کی فضیلت وعظمت، ترغیب وتاکید مذہب اسلام میں جس بلیغ ودلآویز انداز میں پائی جاتی ہے اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی، تعلیم وتربیت، درس وتدریس تو گویا اس دین برحق کا جزو لاینفک ہے، کلام پاک کے تقریباً اٹھتر ہزار الفاظ میں سب سے پہلا لفظ جو پروردگار عالم جل شانہٗ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل فرمایا وہ اِقْرَأْ ہے، یعنی پڑھ، اور قرآن پاک کی چھ ہزار آیتوں میں سب سے پہلے جو پانچ آیتیں نازل فرمائی گئیں ان سے بھی قلم کی اہمیت اور علم کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۔ یعنی پڑھ اور جان کہ تیرا رب کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعے سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا،

گویا وحی الٰہی کے آغاز ہی میں جس چیز کی طرف سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نوع بشر کو توجہ دلائی گئی وہ لکھنا پڑھنا اور تعلیم و تربیت کے جواہر و زیورے انسانی زندگی کو آراستہ کرنا تھا، یہاں ضمناً اس حقیقت کو واضح کردینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جہاں عام انسانوں کیلئے قلم حصول علم کا ایک دنیوی اور مادی ذریعہ ہے وہاں رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور رب العالمین کے درمیان حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ایک نورانی اور ملکوتی واسطہ، یہی وہ ملکوتی واسطہ ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حصول علم کے مادی ذرائع سے بے نیاز کردیا، اور آپ کی تعلیم و تربیت براہ راست خود خالق کائنات نے فرمائی، جس کی تشریح کلام پاک میں بایں الفاظ موجود ہے

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ — یعنی اور اتاری اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت، اور آپ کو سکھائیں وہ باتیں جو آپ جانتے نہ تھے۔

علم و حکمت اور دین و دانائی کا درجہ اور علم والوں کا رتبہ اسلام میں کس قدر بلند ہے اس کا اندازہ کلام پاک کی مندرجہ ذیل آیات سے ہوتا ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ — یعنی اللہ جسے چاہتا ہے عقل اور دانائی کی باتیں مرحمت فرماتا ہے، اور جسے اللہ عقل اور دانائی کی باتیں بخشتا ہے اسے بہت بڑی نعمت عطا کرتا ہے

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ — اللہ تم میں سے ان لوگوں کے درجے بلند کردے گا جو ایمان لائے، اور جنھوں نے علم حاصل کیا

خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر اور مختلف پیرایوں میں علم و حکمت کی ترغیب دلائی ہے۔ مثال کے طور پر چند احادیث نبویؐ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے درج ذیل کی جاتی ہیں

(۱) طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ — یعنی طلب کرنا علم کا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے (اور فرض کا چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے۔)

(۲) ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص علم کی طلب اور جستجو میں کوئی راستہ چلے تو آسان فرمادیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی کوئی راہ اور فرشتے اس کے لئے اپنے بازو بچھادیتے ہیں اس کے اس کام سے خوش ہوکر، اور بے شک عالم کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں سارے آسمان و زمین والے یہاں تک کہ پانی میں جو مچھلیاں ہیں وہ بھی دعائے مغفرت کرتی ہیں، اور عالم کی بزرگی عبادت کرنے والے پر ایسی ہے جیسے چاند کی بزرگی ستاروں پر، اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء نہیں چھوڑ جاتے ہیں ورثہ میں درہم و دینار۔ (یعنی مال و دولت) وہ تو ترکہ میں صرف علم چھوڑ جاتے ہیں، پس جس نے بھی اس کو حاصل

کیا، اس نے پالیا ایک بہت بڑا حصہ۔

(۳) حضرت انس رضہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص علم کی طلب میں نکلا وہ گویا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے، یہانتک کہ وہ اپنے وطن واپس لوٹے۔

(۴) ابو امامہ رضہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک عالم کی برتری ایک عبادت گذار پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر، اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور زمین و آسمان کی ہر شے حتیٰ کہ بلوں کی چیونٹیاں اور سمندروں کی مچھلیاں بھی علم سکھانے والوں کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں،

قرآن حکیم کا نظریہ تعلیم: مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ اسلام یا قرآن ہم کو تعلیم حاصل کرنے سے روکتا نہیں۔ بلکہ تعلیم کو ہمارے لئے فرض قرار دیتا ہے، وہ تعلیم کے ذریعے ہم کو صحیح معنوں میں شرف مخلوقات کے درجہ پر پہونچانا چاہتا ہے، وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو حقیقی علم ثابت کرتا ہے، اور اس کو بنی نوع انسان کی حقیقی صلاح و فلاح اور کامیابی و بہبودی کا ضامن بتاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ قرآن حقیقی علم ہے، اور دوسرے تمام علوم و فنون معلومات کے درجہ میں ہیں، ان تمام معلومات کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق حاصل کرسکتے ہیں، کیونکہ ان سب کے اصول حضرت آدم ہی کے خمیر میں ودیعت کردئے گئے ہیں جیسا کہ کلام پاک کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے

وعلم آدم الاسماء کلھا — اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں بتادیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے بلیغ انداز میں فرمادیا ہے

الحکمۃ ضالۃ المومن فحیث وجدھا فھو احق بھا

کہ حکمت کو ایک گم شدہ لال سمجھو — جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

یہی وجہ ہے کہ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و حکمت اور صنعت و حرفت کے وہ ذخائر جن کے مالک آج اہل یورپ بنے بیٹھے ہیں ان کے حقیقی وارث تو ہم لوگ ہیں، لیکن اپنی غفلت و جہالت اور اضمحلال و تعطل کے سبب ہم اپنی خصوصیات کے ساتھ اپنے تمام حقوق بھی کھو بیٹھے۔

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو — پھر پسر وارث میراث پدر کیوں کر ہو

ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ دینی علوم کے علاوہ دنیاوی و عمرانی علوم کا کوئی شعبہ یا پہلو ایسا نہیں ہے جو اہل اسلام کے ہاتھوں فروغ نہ پایا ہو، علم کیمیا، طب، جراحی، ہندسہ، ریاضیات یا ہیئت و فلکیات، طبیعات وجوہیات، ارضیات وحیاتیات، معاشیات واقتصادیات، تاریخ وجغرافیہ اور خدا جانے کتنے بے شمار علوم و فنون اور بیش بہا ایجادات و اختراعات کے ایسے ماہر و موجد گذرے ہیں کہ اس دور جدید میں بھی ترقی یافتہ قومیں اپنے جدید سے جدید انکشافات و تحقیقات کے لئے ہمارے آبا و اجداد کی تشریحات و تسخیرات کی خوشہ چین اور رہین منت ہیں،

جیسا کہ مارگولیتھ، جرجی زیدان، ڈریپر، لیبان، نولڈکی وغیرہ جیسے شہرۂ آفاق مصنفین و مؤرخین کی بلند پایہ تصانیف سے پتہ چلتا ہے

غرض فن ہیں جو مایۂ دین و دولت — طبیعی، الٰہی، ریاضی و حکمت
طب اور کیمیا، ہندسہ اور ہیئت — سیاست، تجارت، عمارت، فلاحت

لگاؤ گے کھوج ان کا جا کر جہاں تم
نشاں ان کے قدموں کے پاؤ گے واں تم (حالیؔ)

دین و دنیا کا فرق:- اہل اسلام کے اس دور ترقی اور موجودہ تہذیب یورپ کے درمیان جو اصولی اور بنیادی فرق معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی ترقی کی بنا خدا پرستی اور اطاعت خداوندی پر رکھی گئی تھی اور موجودہ تہذیب دنیا کی تہ میں مادہ پرستی، تسکین پروری، اور اطاعت نفس کارفرما ہے، ان کا منتہائے مقصد رضائے الٰہی اور خدمت خلق تھا، وہ دنیاوی طاقتوں کی تسخیر احکام الٰہی اور قوانین قرآن کے ماتحت کرتے تھے، وہ کائنات کے ہر ذرہ میں، اور ہر ذرہ کی کائنات میں آیات الہیہ کا سراغ لگاتے تھے، انھوں نے دنیا یا دنیا کی کسی چیز کو مقصود بالذات نہیں بنایا، ان کی حکومت و دولت، ان کا جاہ و جلال، ان کے علوم و فنون اسباب و ذرائع تھے معرفت کردگار اور عبادت پروردگار کے بخلاف اس کے مغربی تہذیب و تمدن کی بنیاد چونکہ مادہ پرستی پر رکھی گئی تھی، اس لئے الحاد و دہریت افراد و جماعت کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے، اس قسم کی تہذیب کا لازمی اور قدرتی نتیجہ قوانین فطرت سے جنگ، خالق و مالک سے بغاوت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

مسلمان جب تک اسلام کی صاف اور سیدھی راہ پر چلتے رہے یعنی احکام الٰہی اور تعلیمات نبوی کو اپنے لئے مشعل راہ بنائے رکھا اس وقت تک ظاہری و معنوی ہر طرح کی سربلندیوں اور سرافرازیوں سے خود بھی مالامال ہوتے رہے، اور نوع انسان بھی ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتی رہی، جب انھوں نے دین کا دامن چھوڑا تو فضل الٰہی نے ان کا ساتھ چھوڑا، برکتوں اور عزتوں نے ان سے منہ موڑا، اور ان کے علوم و فنون، ان کی زبردست طاقتیں، اور فلک بوس عمارتیں، ان کے جاہ و جلال اور ان کے مال و منال کچھ کام نہ آئے، ان سے چھین لئے گئے

یہ گدلا ہوا جبکہ چشمہ صفا کا — گیا چھوٹ سر رشتہ دین ہدیٰ کا
نہ ثروت رہی ان کی قائم نہ عزت — ہوئے علم و فن ان سے ایک ایک رخصت
گئے چھوڑ ساتھ ان کا اقبال و دولت — مٹیں خوبیاں ساری نوبت بہ نوبت

مذکورہ بالا موازنہ سے یہ نتیجہ ہاتھ آیا کہ مسلمانوں کو دین کے بغیر نہ دولت و ثروت سرنگوں ہونے

سے بچا سکتی ہے، نہ طاقت و حکومت، نہ دین کے چھوٹے فقر و فاقہ انھیں سربلند ہونے سے روک سکتے ہیں، نہ بے سر و سامانی و بے بسی، نہ ہی اکثریت و اقلیت کا مسئلہ ان کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے

بالفاظ دیگر مسلمانوں کے لئے دارین کی فلاح و بہبودگی، کامیابی و کامرانی کی

نامور اہل علم کا اعتراف:- اگر کوئی چیز حقیقی ضامن اور اصلی ذریعہ بن سکتی ہے تو وہ صرف اسلام ہے، جو نہ صرف مسلمانوں ہی کیلئے بلکہ ان کے ذریعہ ساری انسانیت کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین رہبر اور مکمل دستور حیات بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جیساکہ ہر ملک و مذہب کے ہر زمان و ہر زبان کے بڑے بڑے نامور اور انصاف پسند مدبروں اور مؤرخوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، اور آئے دن کرتے رہتے ہیں، اقوام عالم کی ممتاز ہستیاں اسلام کی زندہ و جاوید تعلیمات کو فطرت انسانی کے مطابق بتاتی رہیں، اور جس ایمان افروز انداز میں اسلام کے اصولوں کو خراج تحسین ادا کرتی رہی ہیں ان سے کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں، مثال کے طور پر یہاں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، ممتاز روسی فیلسوف کاؤنٹ ٹالسٹائی اپنی کتاب " دی لائٹ آف ریلیجن " میں ایک جگہ رقمطراز ہے

"قرآن مسلمانوں کی ایک مذہبی کتاب ہے، جس کی نسبت ان کا یہ خیال ہے کہ اس کو خدا نے نازل کیا ہے، یہ کتاب عالم انسانی کی رہنمائی کے لئے ایک بہترین رہبر ہے، اس میں تہذیب ہے، شائستگی ہے، تمدن ہے، معاشرت ہے، اور اخلاقی اصلاح کے لئے ہدایت ہے، اگر صرف یہی کتاب دنیا کے سامنے ہوتی اور کوئی ریفارمر (مصلح) پیدا نہ ہوتا تو یہ عالم انسانی کی رہنمائی کے لئے کافی تھی، ان فائدوں کے ساتھ ہی جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ یہ کتاب ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش کی گئی جبکہ ہر طرف آتش فساد کے شرارے بلند تھے، خوں ریزی اور قتل و غارتگری کا دور دورہ تھا اور فحش کاری عام تھی، تو ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ اس مقدس کتاب نے معجزانہ طور پر ان تمام گمراہیوں کا خاتمہ کر دیا"

یہ حیرت دوچند ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نبی امی ﷺ نے عرب جیسی جاہل مطلق قوم کو زمین کے خانوں سے نکال کر فلک الافلاک پر پہونچا دیا، عرب کے خانہ بدوش چرواہوں کے سر پر دنیا کی بادشاہت کا تاج رکھ دیا، اور یاد رہے کہ یہ عظیم الشان انقلاب کل ۲۳ سال کی مختصری مدت میں کر دکھایا، اور ان ہی قرآنی تعلیمات کے زیر اثر عالم اسلام میں ایسی جلیل القدر شخصیتیں اور اولوالعزم ہستیاں رونما ہوئیں کہ دنیا کی کسی قوم نے آج تک ایسی عدیم النظیر مثالیں پیش کی ہیں نہ قیامت تک پیش کر سکتی ہے۔ عرب کے ریگستان سے نکل کر عرب کے شتربان دیکھتے ہی دیکھتے اقصائے عالم میں پھیل گئے، اور جہاں کہیں پہونچے وہاں قرآن کے نور ہدایت اور علم و حکمت سے اس خطہ کو

اور اس آبادی کو منور کر دیا، علوم و فنون کی بڑی بڑی درسگاہیں قائم کیں، بڑے بڑے متمدن شہر آباد کئے، جن کی ترقی و عروج کی یہ شان تھی کہ آج جس طرح طلبہ ممالک یورپ میں اعلیٰ تعلیم کے لئے جاتے ہیں، کبھی زمانے میں ممالک یورپ سے بلادِ اسلامیہ کی طرف علم و حکمت کے موتیوں سے اپنے دامن مراد بھرنے کے لئے آتے تھے۔

مسٹر سٹینلی لین پول اپنی تصنیف "گارڈنس آف ہولی قرآن" میں کس بصیرت افروز اور فصیح انداز میں اظہار خیال کرتے ہیں:-

"قرآن کو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسے نازک وقت میں دنیا کے سامنے پیش فرمایا جبکہ ہر طرف تاریکی و جہالت کی حکمرانی تھی، اخلاقِ انسانی کا جنازہ نکل چکا تھا، روبہ بت پرستی کا ہر طرف زور تھا، قرآن نے ان تمام گمراہیوں کو مٹایا، جو دنیا پر کئی صدیوں سے چھائی ہوئی تھیں، قرآن نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی، دینیات کے اصول اور علوم و حقائق سکھائے، ظالموں کو رحم دل اور وحشیوں کو پرہیزگار بنایا، اگر یہ کتاب شائع نہ ہوتی تو انسانی اخلاق تباہ ہو جاتے، اور دنیا کے باشندے برائے نام ہی انسان رہ جاتے۔"

غیر قوموں کے مفکرین دینِ اسلام کے گہرے اور سنجیدہ مطالعہ کے بعد مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ خدارا وہ اسلامی اصولوں کے آئینہ دار بن کر زندگی کے میدان میں آئیں، اور بے چین و پریشان حال انسانیت کے لئے عالمگیر امن و سکون کا، راستبازی و صداقت کا، اور اخلاص و ہمدردی کا خدائی پیغام پہونچائیں اپنے ہی وطن کے ایک مایۂ ناز اور صلح جو سپوت مسٹر جے پرکاش نرائن کس یقین اور درد بھرے انداز میں فرماتے ہیں:

"اگر آج بھی دنیا بھر کے مسلمان غفلت کے پردے چاک کر کے کھلے میدان میں آئیں اور اسلام کے اصولوں پر عمل کریں تو ساری دنیا کا مذہب اسلام ہو سکتا ہے، صحرائے عرب میں جو ہیرا چمکا تھا اس نے نگاہوں کو خیرہ کر دیا تھا، آج اس کے چمکنے دمکنے اصولوں پر گرد و غبار جم گیا ہے اگر اس گرد و غبار کو دور کر دیا جائے تو وہ اپنی چمک سے سارے عالم کو مسحور کر سکتا ہے اور ساری دنیا اس کے سامنے اپنی آنکھیں بچھا سکتی ہے۔"

اسلامی تعلیمات کی عالمگیر صداقت و حقانیت کے پیشِ نظر یورپ کے شہرۂ آفاق ادیب و مدبر جارج برنارڈ شاہ نے چند سال قبل ہی یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ:-

" آنے والے سو سال میں ساری دنیا کا مذہب اسلام ہوگا، مگر یہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں

کا اسلام نہ ہوگا ، بلکہ وہ اسلام ہوگا جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں دلوں دماغوں اور روحوں میں جاگزیں تھا۔

اور وہ حقیقی اسلام جس کی آج ساری دنیا متلاشی اور محتاج ہے وہ اگر کہیں موجود ہے تو قرآن کریم، احادیث نبویہ میں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں، اور اصحاب کرام کی پاک زندگیوں میں، لہٰذا اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان قرآن کریم کو سمجھیں، اور اس پر عمل کریں، احادیث نبویہ کا بغور مطالعہ کریں، سیرت طیبہ سے مستفیض ہوں، اور اصحاب کرام کی پاک زندگیوں کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔

دینی تعلیم اور مذہبی فہم:- ظاہر ہے کہ دینی تعلیم کا مناسب انتظام اور اہتمام کئے بغیر دین کا ذوق اور دین کا فہم پیدا ہونا ناممکن ہے، اس لئے ہمارا اولین فرض ہے کہ آنے والی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لئے کوئی ایسا معقول نظام تعلیم مرتب کریں کہ جس کے تحت ہم اپنے بچوں کو مخصوص اوقات میں خالص دینی تعلیم دلاسکیں، یہ نظام تعلیم کیسا ہو۔ اور کس نہج پر ہو، اس کا صحیح اور بہترین فیصلہ تو آل انڈیا دینی تعلیمی کونسل ہی کرے گی جو اسی مقصد کے لئے بلائی جارہی ہے، اور جس میں ہندوستان بھر کے ممتاز اور چیدہ ماہرین تعلیم شرکت فرمارہے ہیں لیکن میری ناقص رائے میں موجودہ حالات میں سردست ایک آسان صورت یہ ہوسکتی ہے کہ سرکاری اور نیم سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کو مقامی حالات کے مطابق صبح یا شام قوم کے قائم کردہ مکاتب میں زیادہ نہیں تو صرف دو گھنٹے ہی کے لئے دینی تعلیم دی جائے،

چونکہ سرکاری اسکولوں میں عموماً چھ سال سے کم عمر بچوں کو داخل نہیں کیا جاتا اس لئے اسلامی مکاتب کا یہ بھی فرض ہونا چاہئے کہ بچوں کی صحت و صلاحیت کے مطابق ۴ ۱/۲ سال یا ۵ سال ہی کی عمر سے دینی تعلیم شروع کردی جائے، تاکہ ابتداہی سے ان کے ذہن و دماغ کو اسلامی تعلیمات سے لگاؤ پیدا ہوجائے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ بچپن میں ذہن و دماغ پر جو نقوش ثبت ہوجاتے ہیں وہ کالنقش فی الحجر کے مصداق ہوتے ہیں

اسلامی تعلیمات کی تہذیبی قدریں:- مجھے یقین ہے کہ اگر موجودہ حالات کی روشنی میں قوم دینی تعلیم کے اہم ترین تقاضے کو صحیح جذبے کے ساتھ حل کرنے میں کامیاب ہوگئی تو آئندہ نسل خالق و مخلوق کے حقوق صحیح طور پر ادا کرنے کے قابل ہوجائے گی، اور اس اعتبار سے دیانتدار امن پسند شہری اور ملک و سماج کی مخلص، دردمند اور خیر خواہ بن جائے گی، اس لئے کہ اسلام جو باتیں اسے سکھلائے گا وہ اس نوعیت کی ہوں گی،

(۱) کوئی مسلمان انسانی برادری کے کسی شخص کا دل اس کے مخصوص مذہب یا خیال کی توہین کرکے نہیں دکھا سکتا، اور نہ وہ کوئی ایسا کام کرسکتا ہے جو انصاف سے دور ہو، کیونکہ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ (مائدہ) — کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کو ہاتھ سے دیدو، تمھیں ہر حال میں انصاف ہی کرنا چاہئے، یہی بات پرہیزگاری سے قریب ہے،

(۲) انسانی برادری کا کوئی شخص اگر پڑوس میں رہتا ہو تو پڑوسی ہونے کے اعتبار سے اس کا وہی حق ہے جو کسی مسلمان کا حق ہے

(۳) ہر انسان ہمدردی اور رحم کا مستحق ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا"

(۴) صدقہ وخیرات میں (زکوٰۃ کے علاوہ) مسلمانوں کے علاوہ انسانی برادری کا ہر شخص حقدار ہے، بشرطیکہ وہ امداد کا مستحق ہو،

(۵) عقائد اور عبادات کے بعد اسلام میں اخلاق کی بے حد اہمیت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اخیارکم احسنکم اخلاقاً — تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں،

(۶) ایک اور موقع پر فرمایا

"(قیامت کی) ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی کہ حسن اخلاق والا اپنے حسن خلق سے ہمیشہ کے روزہ دار اور نمازی کا درجہ حاصل کر سکتا ہے" (ترمذی)

(۷) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"کسی بندہ کا ایمان پورا نہیں ہوگا جب تک وہ جھوٹ کو ہر طرح سے نہ چھوڑ دے، یہانتک کہ مذاق اور جھگڑے میں، اگرچہ وہ حق ہی پر کیوں نہ ہو"

(۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

"جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں"

جس سے دیانتداری اور امانت کی جو بے حد اہمیت اسلام میں ہے وہ ظاہر ہوتی ہے، حدیث شریف میں صاف صاف نظر آتا ہے کہ اصلی مسلمان وہی ہے جو اپنے تمام معاملات میں سچا ہو، ایمان دار ہو، امانت دار ہو اور وعدے کا پکا ہو۔

(۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

"ہر دین کا ایک خاص خلق ہوتا ہے، اور اسلام کا خاص خلق حیا ہے"

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:- "حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے"

(باقی ص۱۸ پر)

چند اہم تجربے اور چند اہم تجویزیں

مسلمانانِ ہند کا تعلیمی مسئلہ

ماضی — حال — مستقبل

(جناب مولانا محفوظ الرحمن صاحب نامی سابق پارلیمنٹری سکریٹری یو پی)

مضمون ذیل جو نہایت ہی قیمتی خیالات اور تجربات کا نتیجہ ہے، ہماری درخواست پر خاص البلاغ کے لیے لکھا گیا ہے۔ مولانا محفوظ الرحمن صاحب نامی ایک ارجمند عالم، اور اردو و سند فاضل ہیں۔ قرآنی علوم کی نشر و اشاعت، عربی زبان کی تبلیغ اور دینی تعلیم کا فروغ آپ کی زندگی کا نصب العین ہے، مولانا موصوف گورنمنٹ یو پی میں پارلیمنٹری سکریٹری رہ چکے ہیں اور وزارتِ تعلیم سے براہ راست متعلق رہے ہیں، اس لیے آپ کے خیالات اور تجربات کو دین اور دنیا ہر پہلو سے اہمیت حاصل ہے۔ (ادارہ)

تمہید

مسلمانوں کا تعلیمی مسئلہ جتنا پیچیدہ و اہم اور مشکل ہے اتنا کسی اور قوم کا نہیں، اوروں کے پیش نظر محض مادی ترقیاں اور دنیاوی عیش و عشرت کی بہاریں ہیں، لہٰذا ان کے لیے ایک ایسا نظام تعلیم بآسانی تیار کیا جا سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹی جائے، خوشحالی حاصل کی جائے، سامانِ عیش و تفریح فراہم کیا جائے، اور دنیاوی عزت و وقعت کے بلند سے بلند مقام پر پہنچا جائے، مگر مسلمان اپنے اسلامی نصب العین اور اپنے ملی منصب کی بنا پر "دنیا کمانے" تک اپنی نگاہ محدود نہیں کر سکتا، اس کو دنیا کی چند روزہ بہار سے بھی لطف اٹھانا ہے اور ساتھ ہی آخرت کی حیاتِ پربہار کو پربہار بنانا ہے، دنیا میں رہ کر ایک طرف اپنے اور اپنے خاندان کے معاش کا سامان بھی کرنا ہے، تو دوسری طرف نیکیاں پھیلا کر اور برائیوں کو مٹا کر پورے عالم انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔

ان ہی خصوصیات اور گوناگوں ذمہ داریوں کی بنا پر مسلمانوں کا تعلیمی مسئلہ بہت پیچیدہ ہے اور اس کا حل بہت وقت طلب ہے، کیونکہ تعلیم ہی کے ذریعہ ایک طرف سچی ایمانی زندگی، اور اعلیٰ اسلامی سیرت پیدا ہوتی ہے، تو دوسری طرف اسی سے معاشی مسائل بھی حل ہوتے ہیں، مزید یہ کہ یہی تعلیم ہی سے انسانوں کی بے لوث خدمت کا جذبہ ابھار کر عالم انسانیت کی خدمت کرنا ہے، ضرورت اس کی تھی کہ اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی جاتی، اور اس کے ہر پہلو پر پوری روشنی ڈالی جاتی، مگر نہ اس کے لیے وقت ہے اور نہ یہ مختصر مضمون تفصیل کے لیے کافی، اس لیے اس سلسلہ میں چند سرسری اشارے

کیے جاتے ہیں جن سے اجمالی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ ماضی میں مسلمانوں کا تعلیمی مسئلہ کیسے حل کیا گیا۔ اب صورت حال کیا ہے؟ اور آیندہ کیا کرنا چاہیے۔

ماضی

یہاں مجھے ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ کے صفحات نہیں الٹنے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد انگریزی حکومت کے دور میں مسلمانوں کی تعلیم کا نظام کیا تھا، اسی کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزی حکومت کے قدم ہندوستان میں پوری طرح جم گئے اور مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت بالکل ختم ہو گئی، تو مسلمانوں کی نئی زندگی کا داعیہ پیدا ہوا، اس سلسلہ میں مسلمانوں کے قومی مصلحوں اور ملی معماروں کے تین گروہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور اپنی اپنی صوابدید کے مطابق انھوں نے جد و جہد کا آغاز کر دیا۔

تین تعلیمی گروہ:۔ پہلا گروہ علمائے ربانین کا تھا جنھوں نے علم دین کی نشو و نما، بقا اور اشاعت کے لیے عربی مدارس اور اسلامی مکاتب کا سلسلہ شروع کیا، اس مرحلہ میں سب سے نمایاں خدمت حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اکابر دیوبند نے انجام دی کہ انھوں نے دیوبند، سہارنپور، دہلی، مرادآباد وغیرہ میں عربی مدارس کی بنیاد رکھی، اور ان کی ایسی جد و جہد کی کہ صرف ۵۰-۶۰ سال کے عرصہ میں درۂ خیبر سے برماتک اور نیپال کی ترائی سے ساحل مالابار تک ہر طرف علم دین کے چشمے جاری ہو گئے، اور ہندوستان کا گوشہ گوشہ قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

دوسرا گروہ:۔ دوسرا گروہ قومی رہبروں اور مصلحوں کا تھا جنھوں نے انگریزی زبان اور علوم جدیدہ کی ضرورت کا شدید احساس کر کے اسلامیہ سکولوں اور اسلامیہ کالجوں کے قیام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا، اس گروہ کی کامیاب رہنمائی جناب سر سید احمد خان مرحوم نے کی، ان کی محنتوں اور قربانیوں کا یہ ثمرہ تھا کہ سارے ملک میں اسلامیہ اسکولوں اور اسلامیہ کالجوں کا جال پھیل گیا، اور آج ہند و پاکستان میں لاکھوں گریجویٹ، وکلا، بیرسٹران، انجینیر، ڈاکٹر اور اعلیٰ حکام دکھائی دے رہے ہیں، وہ اسی تعلیمی تحریک کا فیض ہے، جس کے رہنما سر سید خان مرحوم اور ان کے رفقا تھے۔

تیسرا گروہ:۔ تیسرا گروہ دینی مبلغوں اور معاشرتی و اخلاقی مصلحوں کا تھا، جنھوں نے جا بجا اپنے ذوق کے مطابق تبلیغی انجمنیں اور خانقاہیں قائم کیں، تبلیغی انجمنوں نے لٹریچر اور مجالس پند و موعظت کے ذریعہ پورے اپنے دائرہ میں معاشرتی اصلاحات بھی کی، اور علوم کی اشاعت بھی، عام مسلمانوں کو مجالس و وعظ کے ذریعہ قرآنی احکام و فرائض، احادیث نبوی اور دینی مسائل معلوم ہوئے، اور ان انجمنوں ہی کی توجہ سے ہزاروں مکتب اور اسکول قائم ہوئے، جن میں لاکھوں مسلمان بچوں نے تعلیم حاصل کی، اسی طرح خانقاہوں کے تعلق سے لاکھوں مسلمانوں کی روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاح ہوئی اور ان میں ہزاروں ایسے نکلے جنھوں نے اپنی اپنی توجہ سے دینی تعلیم کے زبردست مراکز قائم کیے۔

سرکاری مدارس:۔ یہ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ماضی کے تذکرے میں انگریزی حکومت کے ان مساعی کو نظر انداز کر دیا جائے

دین کو منحصر فی الصوم و صلوٰۃ کہنا غلط ہے۔

جو اس نے مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلہ میں کیں، مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے اس وقت کی گورنمنٹ نے اسلامیہ اسکولوں اور اسلامیہ مکاتب کا ایک جال پورے ملک میں پھیلا دیا، ان کے لئے کافی رقمیں بجٹ میں رکھی جاتی تھیں، ان کی دیکھ بھال کے لئے ہر ضلع میں، اسلامیہ مکتب کمیٹی قائم تھی، اور ان اسکولوں کے معائنہ کے لئے کافی افسران مقرر کئے جاتے تھے، ان اسکولوں میں زبانِ تعلیم اردو تھی، اور مکاتب میں مذہبی تعلیم کو کافی اہمیت دی جاتی تھی، عام مسلمانوں نے زیادہ تر انھیں اسلامیہ مکاتب سے فائدہ اٹھایا ہے، اور بلاشبہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پچیس سالہ دور کی مسلمانوں میں نوشت وخواند کا ذوق اور مذہبی باتوں کا علم ان ہی مکاتب ومدارس کے ذریعہ عام ہوا۔

الغرض ماضی کے اس دور میں جسے آج ہم دورِ غلامی سے یاد کرتے ہیں علمائے ربانیین اور ملت کے بالغ نظر رہنماؤں کی مخلصانہ جدوجہد تعلیمی میدان میں ہندوستان کے مسلمان تمام ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں پر سبقت لے گئے، دار العلوم دیوبند، یونیورسٹی علی گڑھ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ ملیہ دہلی، دار المصنفین اعظم گڑھ، آج دورِ ماضی کی یادگاریں ہیں، جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر علمی دنیا میں آج بھی بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔

حالِ حاضر

جب ملک کی تقسیم کی وجہ سے مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی پر نہایت برے اور حد درجہ ناگوار اثرات پڑے۔ تو ان کے ہر قسم کے تعلیمی نظام اور تعلیمی اداروں کی حیثیت اور حالت پہلے جیسی نہ رہی، اور اب تو مختلف وجوہ واسباب کی بنا پر اسلامی تعلیم اور تعلیمی اداروں کی حالت اتنی ابتر ہوتی جا رہی ہے کہ مستقبل نہایت تاریک نظر آ رہا ہے، اگر سرسری طور پر اپنے ہر شعبۂ تعلیم کا جائزہ لیتے چلیں تو بہتر ہے۔

عربی مدارس :- جن عربی مدارس کا قیام ابھی جلد ہی ہوا ہے، اور جنہیں مسلمانوں نے تازہ ولولے کے ساتھ اپنی جدوجہد کا آغاز کیا ہے، ان کا حال کچھ بہتر ہو تو ہو، ورنہ ہمارے پرانے مدرسے عموماً بڑی تیزی سے روبہ زوال ہیں، اور کتنے تو ختم ہو چکے ہیں، زوال کے وجوہ واسباب بالکل عیاں ہیں، بڑی وجہ ان کی مالی کمزوری ہے، مسلمان خود سخت معاشی مشکلات سے دوچار ہیں تو وہ خیرات وزکوٰۃ کہاں سے دیں، زمیندار طبقہ زمینداری ختم ہونے سے اور تجارت پیشہ کاروبار کی ابتری کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ پہلے کی طرح اعانت کر سکے، علاوہ بریں عربی مدارس کے طلبہ کی تعداد روز بروز گھٹتی جا رہی ہے، تقسیم سے پہلے ہمارے مدارس میں بیرونی ممالک اور دوسرے صوبوں کے طلبہ کی کثرت رہتی تھی، لیکن تقسیم ہوتے ہی بخارا، چینی ترکستان افغانستان، سندھ، سرحد، پنجاب کے طلبہ کا آنا بند ہو گیا، پرمٹ سسٹم جاری ہونے کے بعد مشرقی پاکستان کے طلبہ کی تعداد میں روز بروز نمایاں کمی ہوتی گئی، ان دونوں وجہوں کے علاوہ زوال کی ایک سب بڑی وجہ معیارِ تعلیم کی پستی اور طلبہ کی بے توجہی ہے۔ آپ اگر عربی مدارس کا کچھ بھی تجربہ رکھتے ہیں تو اس کے تسلیم کر لینے میں ذرا تامل نہ ہوگا کہ آپ عربی مدارس سے ایسے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے رہے ہیں جو عربی کتابوں کی صحیح عبارت بمشکل پڑھ سکتے ہیں، پھر یہی حضرات ہیں کہ فارغ ہوتے ہی

مال اللہ کی نعمت ہے اس کا ناجائز استعمال برا ہے۔

مسند تدریس پر متمکن ہو جاتے ہیں، ایسے اساتذہ کے تلامذہ کتنے قابل ہوں گے اس کا اندازہ مشکل نہیں ہے۔

اسلامیہ اسکول و کالجز: - اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں کی ابتری کا حال ان اداروں کے منتظمین یا اساتذہ سے پوچھیئے جنہیں کئی کئی تنخواہ نہیں ملتی اور انہیں قرض لیکر اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ بھرنا پڑتا ہے، یہاں بھی ابتری کے وجوہ میں سے سب سے بڑی وجہ مالی کمزوری ہے۔ چونکہ یہ ادارے گورنمنٹ کی گرانٹ کے علاوہ طلبہ کی فیس اور قوم کے مخیر امراء کے چندے سے چلا کرتے تھے اب گورنمنٹ کی گرانٹ ملے یا نہ ملے لیکن جہاں تک فیس کی آمدنی اور چندوں کا سوال ہے ان میں اتنی کمی آگئی ہے کہ ان اداروں کی ترقی تو درکنار بقا بھی دشوار ہے۔ ان اداروں کی ابتری اور زوال کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اپنی افادیت کھو چکے ہیں، ان اداروں میں ۹۰ فی صدی طلبہ ملازمت کے لیے تعلیم پاتے تھے، اب چونکہ ان پر اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے قریب قریب بند ہیں تو ان اسکولوں میں تعلیم کیوں حاصل کی جائے، یہ سوال بار بار پیدا ہوتا ہے، دو تین سال تک تو یہ سلسلہ رہا کہ طالب علم تعلیمی ڈگری حاصل کرتے ہی پاکستان کا رخ کرتا تھا، وہاں اسے ملازمت ملے یا نہ ملے مگر یہاں اسے ہر طرف ایسی مایوسی دکھائی دیتی کہ مجبوراً ہجرت کر جاتا، اب یہ سلسلہ بھی قریب قریب بند ہو چکا ہے کیونکہ وہاں نو واردوں کے لیے "نو ویکینسی" کا بورڈ ہر جگہ آویزاں دکھائی دے رہا ہے، اور یہاں تو کثیر مصارف اور شب و روز کی مشقت کا نتیجہ بیکاری اور پریشانی کے سوا کچھ نہیں نظر آتا ہے۔ ان حالات میں تعلیم کے نام پر کچھ ہی دنوں یہ مشغلہ بیکاری جاری رہ سکتا ہے آگے ہر قسم کے نئے تجربوں کے بعد اس کے بقا کی کوئی صورت نہیں سمجھ میں آتی،

پرائمری اسلامیہ مدارس و مکاتب: - لوکل بورڈ کے ماتحت پائجی مکاتب جن کے ذریعہ نوشت و خواند کے علاوہ ابتدائی دینی تعلیم ہو جاتی تھی وہ بڑی تیزی سے ختم ہوتے جا رہے ہیں، کیونکہ ان مکاتب جو حفاظ یا میاں جی صاحبان معمولی تنخواہوں پر کام کرتے تھے، اب اپنی گذران کی صورت نہ دیکھ کر اس مشغلہ کو چھوڑتے چلے جا رہے ہیں اس کے علاوہ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جبری تعلیم کی اسکیموں کی وجہ سے بیسک اسکولز کا جال پھیلتا جا رہا ہے۔ جبری تعلیم کے حلقوں میں ۶ برس سے ۱۱ برس تک کے بچوں کو معیاری تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے، لہٰذا اس اسکیم کی وجہ سے رفتہ رفتہ تمام مکاتب کا ختم ہو جانا یقینی ہے، عام مسلمانوں کے بچوں کے لیے مذہبی تعلیم کا سلسلہ کیسے جاری رہے گا، اس کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے۔

مستقبل

پس چہ باید کرد

روشن ماضی کے بعد حال کی تاریکی کا منظر میں نے اس لیئے نہیں پیش کیا ہے کہ رنج و تاسف بڑھے اور مایوسی کی زیادہ ہو جائے بلکہ اس لیئے کہ صحیح صورتِ حال سامنے آ جانے کے بعد مستقبل کے لیئے صحیح پروگرام بنانا آسان ہو، اس سلسلہ میں کچھ مزید کہنے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آج مسلمانوں کے تعلیمی مسائل اتنے سہل نہیں کہ محض اخباری

علماء کی مخالفت کرنا حضورؐ کی مخالفت کرنا ہے۔

چند کانفرنسوں یا کسی نصاب کے تیار کر دینے سے حاصل ہو جائیں، بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ملک کے روشن خیال حضرات دینی، دین کے علوم سے دلچسپی رکھنے والے کچھ لوگ تمام مشاغل سے الگ ہو کر اسی ایک مقصد عظیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں، جس طرح ہمارے اکابر نے تن من دھن کی بازی لگا کر ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیمی مہم کو عملاً کامیاب کیا، اسی طرح کام کرنے والے یہ نعرہ لگا کر کام شروع کر دیں کہ

یا تن رسد بجانان، یا جان ز تن برآید

درست یہ تو بہت ہی مشکل ہے کہ ہم کوئی ایسی جامع تعلیمی تحریک شروع کریں جو ملت کے مجموعی مفاد پر مشتمل ہو، یا کوئی ایسا جامع ادارہ قائم کر لیں جو ایک طرف عالم اسلام کو عالمگیر کرنے میں غزالی اور رازی کی نیابت کر سکے، تو دوسری طرف مادی ترقیوں میں صحیح رہنمائی کر سکے، قدرتی خزانوں اور سائنسی ایجادات کو انسانیت کی راحت و تعمیر میں لگا سکے، اس لئے میں چند ایسے مشوروں کے پیش کر دینے پر قناعت کرتا ہوں، کہ ان پر اگر عمل کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ ہمارا صد سالہ تعلیمی نظام محفوظ ہو جائے گا، بلکہ خدائی رحمت سے امید ہے کہ اس کی افادیت بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

عربی مدارس:۔ عربی مدارس کی بقا و ترقی کے لئے ان امور کی طرف توجہ بے حد ضروری ہے

اول۔ پچھلے دور کے طرح بیرونی طلبہ پر عربی درجات کو موقوف نہ رکھا جائے، بلکہ پوری کوشش کی جائے کہ عربی درجات میں مقامی طلبہ زیادہ سے زیادہ داخل ہوں، اب تک عموماً یہ طریقہ رہا ہے کہ عربی مدرسوں کے ابتدائی درجات یعنی ناظرہ، اردو، فارسی میں تو آپ کو مقامی طلبہ ضرور نظر آئیں گے۔ مگر عربی درجات عربی طلبہ سے بھرے دکھائی دیں گے جن کے طعام و قیام کا انتظام بھی مدرسوں کو کرنا پڑتا ہے، یا وہ مسجدوں کی امامت اور مؤذنی کر کے گذارہ کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طلبہ چند روزہ مہمان ہوتے ہیں، یہ تو فارغ ہو کر چلے گئے، اور ساتھ ہی مدرسہ کے فیض بھی اپنے ساتھ ہی لیتے گئے شہر اور مدرسہ کے لوگوں نے حسبۃً للہ مدرسہ اور طلبہ کے ساتھ ہمدردی کی، کچھ مالی مدد بھی کر دی، مگر خود اور ان کے بچے عربی علوم کے فیوض سے یکسر محروم رہے، اسی لئے ان میں مدرسہ کی حفاظت اور علوم عربیہ کی ترقی کی فکر بھی نہیں پیدا ہوتی ہے عربی زبان و عربی مدارس کی عظمت و ضرورت کا احساس انہیں ہوتا ہے، اور جب یہ احساس ہی نہیں تو وہ ان مدرسوں کی مالی امداد میں کیوں حصہ لیں۔ اور اپنے بچوں کو عربی تعلیم کے لئے کیوں بھیجیں، انہیں وجوہ سے عموماً ہمارے عربی مدارس کا حال یہ رہا کہ مدرسہ تو ہے نیپال کی ترائی کے کسی گاؤں گھریا یا کھڑگپور میں اور اس کے آباد کار میں بنگال، بہار یا دوسرے [illegible] کے چند طلبہ اور اس کے مصارف کے لئے بمبئی، کلکتہ اور رنگون جیسے شہروں میں چندہ مانگا جا رہا ہے،

اب یہ صورتِ حال باقی نہیں رہ سکتی، اگر عربی مدارس کو اپنا وجود باقی رکھنا ہے، تو سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مقامی طور پر علوم دین کا شوق اور عربی کا ذوق پیدا کیا جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ مقامی طلبہ عربی پڑھیں، اس سے شہر میں [illegible] پیدا ہو گی کہ لوگ مدرسہ کی اعانت میں بھی دلچسپی لیں گے۔

اس کا عملی طریقہ جو تجربہ میں کامیاب ثابت ہو چکا ہے، یہ ہے کہ ابتدائی درجات میں ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم اس نصاب کے ذریعہ دی جائے کہ بچے ناظرہ پڑھتے پڑھتے عربی زبان، قرآن پاک کا ترجمہ اور عربی قواعد سے بہت کچھ مانوس ہو جائیں، جو بچے اس طرح قرآن ناظرہ پڑھ لیتے ہیں کہ الحمد للہ سے والناس تک ایک ایک آیت کا ترجمہ بھی کر لیتے ہیں ان میں کم از کم ۲۵ فی صدی کی عربی زبان پوری طرح سیکھنے اور عربی علوم کی تکمیل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ امر ہی مسئلہ ہو چکی ہے کہ یہی طلبہ عربی درجات میں داخل ہوں گے، اس طرح عربی دان طلبہ کی تعداد زیادہ ہو گی، اور وہ عموماً مقامی ہوں گے، لہٰذا محض بیرونی طلبہ پر عربی تعلیم کا دارومدار نہ رہے گا، بلکہ علوم عربیہ سے مقامی لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فیض پہنچیگا اور ان کو مدرسہ سے دلچسپی بھی ہو گی، اور پھر مالیات کے لئے زیادہ پریشانی نہ اٹھانی پڑے گی۔

دوم: ـ عربی پڑھانے کے لئے طلبہ کی اچھی طرح جانچ کی جائے اور صرف ذہین، شوقین، محنتی اور صالح طلبہ کو عربی پڑھائی جائے، آج عربی درجات قائم رکھنے کے لئے یا اپنے ہاں طلبہ کی تعداد زیادہ دکھانے کے لئے عموماً دینی مدرسے ہر اس لڑکے کو داخل کر لیتے ہیں جو عربی کا طالب علم بنکر آئے، خواہ اس میں ایک مضمون پڑھنے کی بھی استعداد نہ ہو، لیکن نصاب کے موافق صرف نحو، ادب، منطق، فلسفہ، فقہ کئی کئی مضامین کا بوجھ لاد دیا جاتا ہے، اپنی بے استعدادی کی وجہ سے وہ غریب ورق گردانی ضرور کر لیتا ہے، لیکن اسے آتا جاتا خاک نہیں، اس لئے بہت زیادہ توجہ اس طرف کرنی چاہیئے کہ ذی استعداد طلبہ داخل کئے جائیں، کسی مدرسے میں دس اچھے طلبہ ہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ سیکڑوں کی بھیڑ جمع ہو جائے اور ان میں کام کا ایک بھی نہ ہو۔

سوم: ـ ہر عربی مدرسہ کو اپنی حیثیت کے مطابق معیار تعلیم معین کر لینا چاہیئے، تمام مدارس میں پورے درس نظامیہ یا درجہ تکمیل تک کی تعلیم نہیں دیجا سکتی، لیکن عموماً ہر مدرسہ کی کوشش یہی ہے کہ دو چار طلبہ دورۂ حدیث کے جمع کر کے اپنے دار العلوم، یا جامعہ، یا یونیورسٹی ہونے کا اعلان کر دے، اس قسم کی ذہنیت اور سعی سے تمام عربی مدارس اور علوم عربیہ کو بڑا نقصان پہنچ رہا ہے، اس لئے گورنمنٹ کے نصاب تعلیم کی طرح عربی مدرسوں کو تین گروپ میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔ اوّل وہ عربی مدرسے جن میں ابتدائی جماعت سے لیکر درجاتِ فارسی، درجات ترجمۂ قرآن، اور درجہ شرح وقایہ تک تعلیم دی جائے، دوم وہ عربی مدرسے جن میں ہدایہ اور مشکوٰۃ شریف تک یا دورہ تک تعلیم دی جائے، سوم وہ عربی مدارس یا دار العلوم جن میں ابتدا سے اعلیٰ علوم اور دورۂ حدیث و درجات تکمیل تک تعلیم دیجائے۔

چہارم: ـ قدیم نصاب کے تمام ضروری مضامین بقدر ضرورت باقی رکھ کر ایسے مضامین کا اضافہ ضرور کرنا چاہیئے، جن کی وجہ سے ہمارے علماء موجودہ دنیا اور اس کے رجحانات کو اچھی طرح سمجھ سکیں، اور اسلام کے پیغام کو حکمت کے ساتھ دنیا میں عام کر سکیں۔

پنجم: ـ سخت ضرورت ہے عربی کے معلمین اور مدارس عربیہ کے اساتذہ کو طریقۂ تعلیم سکھانے کے لئے کوئی

اگر کسی سے وعدہ کرو تو وفا کرو۔

مرکز قائم کیا جائے تاکہ عربی مدرسون کے لئے قابل اور تعلیم کے ماہر مدرسین دستیاب ہو سکیں، آج حالت یہ ہو کہ ایک طرف فارغ التحصیل علماء کی کثرت ہے تو دوسری طرف معقول مدرسین عنقا ہو رہے ہیں، نئے نئے فارغ التحصیل علماء جو تدریس کے کام پر لگائے جاتے ہیں، ان سے عربی علوم کی اشاعت و ترقی کے بجائے نقصان پہنچ رہا ہے کیونکہ عموماً استعداد ناقص، پھر طریقہ تعلیم سے ناواقفیت، مزید برآن بدذوق طلبہ کو تعلیم دینا، نتیجہ یہ ہے کہ بڑی تیزی سے علم ختم ہو رہا ہے، اور اگر یہی لیل ونہار ہیں تو اس ملک میں عربی علوم کا خدا حافظ ہے۔

مجھے ۳۔۴ سال سے اس ضرورت کا سخت احساس ہے، مگر کام اپنے بس کا نہیں ہے، ہاں اگر دار العلوم دیوبند سے ہمارے مخدوم مولانا محمد طیب صاحب، ندوہ سے مولانا ابو الحسن علی صاحب، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے حبیب الرحمن صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج، اور جامعہ ملیہ سے سعید انصاری صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج، اس ناچیز کی مدد فرمائیں تو مدرسۃ المعلمین کے لئے ضرور کوشش کرے گا۔

اسلامیہ اسکولز اور کالجز:۔ اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں میں چونکہ گورنمنٹ کا منظور شدہ نصاب پڑھایا جاتا ہے، اور ایجوکیشن بورڈ کے مطابق ان کا نظام عمل ہوتا ہے، لہذا ان کے نظام میں ہم کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتے، لیکن دو باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کی طرف پوری توجہ کر کے کامیاب بنایا جائے تو ہمارے ہاں اداروں کے لئے بہت زیادہ سودمند ہو سکتے ہیں، یہ دونوں کام ہمارے سطحی ذوق کو دیکھتے ہوئے مشکل ہیں، ہیں، مگر ہمت والے ہر مشکل کو آسان کر لیتے ہیں۔ ملک کا ہر طبقہ گورنمنٹ کے اداروں کی موجودگی میں اگر گورنمنٹ کے قواعد کے مطابق کچھ اپنے ادارے قائم کرتا ہے، تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ خود اس طبقہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو، اسی لئے گورنمنٹ کے اداروں کے ساتھ ساتھ ملک میں مختلف فرقوں اور ذاتوں کے الگ الگ اپنے ایسے ادارے بھی ہیں، مسلمانوں نے بھی اپنے مفاد کے پیش نظر اپنے ادارے قائم کر لیے، غرض یہ تھی کہ ان اداروں کے ذریعہ ہم اپنی مذہبی و ملی خصوصیات کو باقی رکھتے ہوئے، ترقی کے میدان میں ترقی کے میدان میں کسی سے پیچھے نہ رہیں، تاکہ ہمارے بچے ایک طرف اسلام کے مخصوص شعائر و فرائض سے آگاہ ہوں دوسری طرف فارغ البالی اور عزت کے ساتھ گذران کر سکیں، اس غرض کو بروئے کار لانے کے لئے دو باتیں عرض کرنی ہیں:

(۱) تعلیمی پروگرام ایسا بنایا جائے کہ اس میں ایک پیریڈ تعلیم قرآن کے لئے مقرر کر لیا جائے، اور یہ تعلیم قرآن اس طریقہ پر دی جائے کہ مسلمان بچوں کی تین ضرورتیں اس سے پوری ہو جائیں،

الف:۔ قرآن پاک کے ذریعہ دین کی تمام بنیادی باتوں کا علم ہو جائے، اور اصل دین طلبہ کے دل و دماغ میں اتر جائے

ب:۔ عربی زبان سے مع قواعد کے اچھی مناسبت ہو جائے۔

ج:۔ اردو میں اتنی قابلیت پیدا ہو جائے کہ اردو کی املیٰ سے کتاب بلا تکلف پڑھ سکے۔

اچھا آدمی وہ ہے جو اپنوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آئے۔

(۲) جو طلبہ اعلیٰ درجہ کے ذہین اور ہر لحاظ سے بہت باصلاحیت ہوں، انھیں کو یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے منتخب کیا جائے تاکہ مقابلہ کے امتحانات اور اعلیٰ ملازمتوں میں اپنی قابلیت کی وجہ سے کامیاب ہوسکیں۔ اس کے علاوہ جتنے طلبہ ہیں انھیں تجارتی و زراعتی کاموں کیطرف ذوق پیدا کیا جائے تاکہ وہ سکنڈری اسکول سے سرٹیفکٹ لیکر ملازمت کی تلاش میں سرگرداں نہ ہوں، بلکہ اسکول سے باہر کامیاب تاجر، اچھے کاشتکار بننے کا عزم لیکر نکلیں، ہمارے طلبہ میں اگر یہ ذہنیت پیدا ہوگئی تو انشاء اللہ یہ برے دن پھر جائیں گے۔ ملازمت کے دروازے طلبہ پر بند ہو سکتے ہیں، مگر کاریگروں، تاجروں اور کاشتکاروں پر رزق کے دروازے نہیں بند ہو سکتے، کاش کہ ہمارے اسلامی اداروں کے منتظمین ان دونوں مشوروں کو قبول کرکے ان پر عمل شروع کردیں، تو ہمارے نونہالوں کی زندگی کامیاب ہو جائے، ایک طرف قرآنی تعلیم ان کے اخلاق وکردار کو اتنا بلند کردے گی کہ دنیا ان کی عزت وعظمت کرنے پر مجبور ہوگی، دوسری طرف فطری وسائل رزق کو ہاتھ میں لیکر اتنے خوشحال ہوجائیں گے کہ غریب اور دکھیاری دنیا کو خوشحال بنانے میں اہم حصّہ لے سکیں گے۔

ابتدائی مدارس و مکاتب:۔ جبری تعلیم کے زمانہ میں بنیادی مذہبی تعلیم کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، کیونکہ سرکاری تعلیم کی طرح اگر ہمارے بچوں میں مذہبی تعلیم عام نہ ہوئی تو کچھ دنوں میں وہ برائے نام مسلمان رہ جائیں گے، اور نہ عقیدہ وفکر اخلاق وکردار کے لحاظ سے انھیں اسلام سے دور کا لگاؤ بھی نہ ہوگا، اس لئے یہ مسئلہ ہماسے غور وتوجہ کا بہت زیادہ مستحق ہے۔

اس سلسلہ میں چار امور بہت زیادہ محتاج توجہ ہیں۔

(۱) ایسے دینی مکاتب میں سرکاری بنیادی تعلیم کا نصاب منظور کرکے محکمۂ تعلیم سے مکتب کو تسلیم کرالیا جائے تاکہ وہاں کے بچے جبری تعلیم سے مستثنیٰ قرار دیئے جاسکیں، اور آپ ان کو مکتب کے اچھے ماحول میں رکھ کر بنیادی تعلیم بھی دے سکیں، ساتھ ہی ان کو بقدر ضرورت ان کی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت کا انتظام بھی کرسکیں۔

(۲) اگر مسلمان اپنے مستقل مکتب نہ کھول سکیں تو صبح یا شام کو تعلیمی حلقوں کا انتظام کریں، ان میں ہر جماعت کو کم ازکم ایک گھنٹہ تعلیم دی جائے، آدھ گھنٹہ قرآن پاک کی تعلیم اور آدھ گھنٹہ اردو میں دینیات پڑھائی جائے، قرآن کی تعلیم اس طریقہ سے دی جائے کہ بچے کی عربی زبان اور قرآنی مضامین سے مناسبت ہو جائے، اور دینیات کی تعلیم کے لئے ایسی کتابیں منتخب کی جائیں جو مختصر اور سہل ہونے کے ساتھ پر از معلومات ہوں۔

اس سلسلہ میں جمعیۃ علمائے ہند نے جو کورس تیار کیا ہے وہ بہت مفید ہے۔

(۳) اگر مکاتب یا حلقے نہ قائم ہوسکیں تو جو بچے قرآن شریف پڑھ رہے ہوں ان کے ورثا و معلمین کو توجہ دلائی جائے کہ صرف الفاظ پڑھانے پر قناعت نہ کریں، بلکہ اس نصاب کے مطابق قرآن پڑھائیں، کہ قرآن ہی سے دین کی باتوں کا علم ہوجائے کم از کم ایمانیات اور امر و نواہی، نماز میں پڑھی جانے والی صورتیں، اور دعائیں مع ترجمہ ان کے علم میں آجائیں،

(۴) اس سلسلہ میں اگر ہمارے اکابر ایک سعی فرمائیں تو امید ہے کہ اس سے بہت نفع ہو، ابتدائی تعلیم کے لئے

گورنمنٹ کی جو اسکیمیں ہیں جن کی بنا پر مکاتب ٹوٹتے چلے جاتے ہیں ان میں تھوڑی سی ترمیم کرائی جائے اور یہ کہ جہاں بھی مسلمانوں کے اپنے مکاتب ہیں، گورنمنٹ ان کو توڑنے کے بجائے ان کی اصلاح کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ ان کی اسکیم میں کچھ اضافہ کرکے بنیادی تعلیم کا پورا کورس اس میں داخل کردے ان میں مدرسین ٹرینڈ مقرر کیے جائیں گے، تاکہ بنیادی تعلیم اچھی طرح دی جاسکے اور ساتھ ہی بقدر ضرورت اس میں بقدر ضرورت مذہبی تعلیم بھی ہوتی رہے، اس طرح گورنمنٹ کی اسکیم بھی کامیاب ہوگی اور مذہبی تعلیم کی ضرورت بھی پوری ہوجائے گی، گو اس طریقہ پر ابھی بہت سے مکاتب میں کام ہو رہا ہے اور یہ سب اپنے ایجوکیشن کے مطابق، مکاتب اسلامیہ کے اسکیم کے سلسلہ میں ہے، بنیادی جبری تعلیم کی اسکیم تو ابھی چند سالوں سے جاری ہوئی ہے، ضرورت ہے کہ اس تعلیم کے ساتھ مکاتب کو ہم آہنگ کیا جائے، اس ترمیم کو منظور کرنے میں گورنمنٹ کا بھی نفع ہے کیونکہ مکاتب کے پورے خرچ کی وہ ذمہ دار نہ ہوگی، بلکہ اسے کچھ مدد دینی ہوگی بقیہ اخراجات منتظمین مکاتب خود برداشت کریں گے اس طرح گورنمنٹ پر مصارف کا بوجھ کم پڑے گا اور اس کی تعلیمی اسکیم بھی کامیاب ہوتی جائے گی،

مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلہ میں ایک آخری بات ضروری مشورے پیش کرچکا، لیکن ان مشوروں پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کے لیے فنڈ کی ضرورت ہے، پرجوش اور توصد مند حضرات اپنی اپنی جگہ ان مشوروں کے مطابق کام کرنے لگیں، مگر عام حالات ایسے نہیں کہ پوری قوم میں ان کو عملی جامہ پہنایا جاسکے، جب تک کہ مالیات کا مسئلہ حل نہ ہو، اس کے حل کے لیے ضرورت ہے کہ ہندوستان بھر کے اوقاف کو متولیوں کے دست وبرد سے بچاکر ان کی آمدنی حسب منشا واقف قوم کے تعمیری کاموں اور مذہبی تعلیم میں لگائی جائے، اوقاف کی اصلاح کے بعد مالیات کا مسئلہ آسانی سے حل ہوجائے گا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

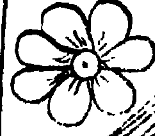
(بقیہ صفحہ ۱۶۸)

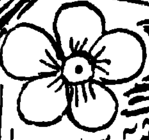
"مسلمان نہ طعنہ دیتا ہے، نہ لعنت بھیجتا ہے، نہ بدزبانی کرتا ہے، اور نہ گالیاں بکتا ہے۔" (حدیث)

ان کے علاوہ جن برائیوں کو دور کرنے کی ہدایات ہمیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول پاکؐ کی احادیث میں ملتی ہیں، ان میں سے کچھ بہت اہم برائیاں یہ ہیں

"جھوٹ، وعدہ خلافی، دغابازی، تہمت لگانا، خوشامد کرنا، کنجوسی، لالچ، بے ایمانی، چوری، ناپ تول میں کمی، رشوت لینا، اور دینا، سود لینا، اور دینا، شراب پینا، غصہ کرنا، کسی کو دیکھ کر جلنا، اترانا، دکھاوے کے لئے کام کرنا، فضول خرچی وغیرہ۔

مومن کی زندگی ان جیسے تمام عیبوں سے بالکل پاک ہونا چاہئے، مومن دنیا میں نیکی کا سپاہی ہے، نیکی پھیلانا اور برائی مٹانا اس کا کام ہے، اگر خود اس کے دامن میں بداخلاقی کی گندگیاں لگی ہوئی ہوں تو وہ برائی سے جنگ کرنے کے لئے اللہ کا سپاہی کیسے بن سکے گا، اسی طرح زندگی کے ہر ہر شعبہ کے لئے پاکیزہ تعلیمات اسلام میں پائی جاتی ہیں،





دینی تعلیم کا نصب العین

تنظیم ——— سرمایہ ——— مقاطعہ

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب

زندگی کا بہشتی نظام جس کا وعدہ اہل ایمان سے مرکر جی اٹھنے کے بعد کیا گیا ہے، آئندہ پیش آنے والی اس زندگی سے مسلمانوں کے قلوب میں افسردگی، یا خدانخواستہ بے اعتمادی کی کیفیت اس زمانہ میں پیدا ہوگئی ہے، گو الزام لگانے والے ہم مسلمانوں پر بھی الزام لگا رہے ہیں، لیکن جہاں تک اپنا ناچیز خیال ہے ایک بے بنیاد الزام بلکہ اتہام سے زیادہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی کوئی حیثیت نہیں

خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور ان کی رسالت پر جب تک اہل اسلام کا بھروسہ باقی ہے، کسی تردید کے خوف سے بے پروا ہو کر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یہ بھروسہ باقی ہے، اور پوری قوت کے ساتھ باقی ہے، ایسی صورت میں بھلا اس کا امکان ہی کیا ہے کہ چشم سر کی آنکھوں سے زیادہ یقین آور ہی اور وثوق انگیز علمی ذریعہ "رسالتِ محمدیہ" کی راہ سے ہم جن چیزوں کو دیکھ رہے ہیں ان ہی کے متعلق ہم پر یہ تہمت جوڑی جائے خدانخواستہ وہ اسے سوجھ نہیں رہی ہیں، قطعاً کسی شک وشبہ کے بغیر ہر مومن اپنے آگے ان چیزوں کو پا رہا ہے جن کا علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی کتاب پیدا کر رہی ہے، ہم جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول اور ان کی لائی ہوئی کتاب القرآن الحکیم کو اپنے پیدا کرنے والے خالق دوجہاں کی کتاب یقین کرتے ہیں، اس وقت تک اس وسوسہ کی بھی گنجائش نہیں کہ "زندگی کے بہشتی نظام" کے متعلق یقین و وثوق کی کیفیت میں کسی قسم کا اضمحلال یا ضعف ہمارے دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے، مسلمانوں پر جو یہ تہمت جوڑتے ہیں، بغیر کسی دغدغہ کے کہنا چاہیئے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں، واقعہ سے جس کا کوئی تعلق کسی حیثیت سے نہیں ہے، اس کے وقوع پذیر ہونے کا وہ بیہودہ لایعنی دعویٰ کر رہے ہیں۔

ہاں! اسی کے ساتھ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خاکی زندگی کے عبوری دور سے بھی مسلمان دلچسپی رکھتے ہیں، ممکنہ حد تک اس زندگی میں آسائش و آرام، راحت و عزت کی گنجائش جس حد تک پیدا ہو سکتی ہے، اس گنجائش سے بھی استفادے کی خواہش ان میں پائی جاتی ہے، بلکہ دیکھنے والے حالات کو دیکھ کر اگر یہ کہیں کہ بظاہر اسی خواہش کا مسلمانوں پر غلبہ ہے تو جہاں تک واقعات کا تعلق ہے اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن کیا یہ حال اسی زمانہ کے عام مسلمانوں کا ہے، آپ قرآن میں پڑھیے۔

ایمان و اسلام کے مدارج علیٰ سے بہرہ ور تھے۔ میرا اشارہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف ہے، زندگی کے بہشتی نظام کا ذکر کرتے ہوئے سورہ صف میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ

اخریٰ تحبونہا نصر من اللہ و فتح قریب   (یعنی علاوہ بہشتی زندگی کے) دوسری بات جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی نصرت اور نزدیک ہی پیش آنے والی "فتح" ہے۔

جس کا حاصل یہی ہوا ہے کہ اس خاکی زندگی کے عبوری دور میں خدا کی نصرت اور "فتح قریب" جس کا صحابۂ کرام سے وعدہ کیا گیا تھا، حالانکہ اس وعدہ کا تعلق بہشتی نہیں، بلکہ خاکی زندگی کے عبوری دور ہی سے تھا، باوجود اس کے قرآن کا خدا صحابۂ کرام کو مخاطب بنا کر اطلاع دے رہا ہے کہ

"تم اس کو چاہتے ہو، اور یہ تم کو محبوب ہے۔"

"تحبونہا" کا جو لفظ یہاں جس موقعہ پر جس طریقہ سے داخل کیا گیا ہے، اگر غور کیا جائے تو اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مستقبل کی امیدوں کے مقابلہ میں حال کی آسودگیوں سے آدمی کے دل کا زیادہ تعلق ہوتا ہے، ریل کے ڈبے میں سوار ہونے کے بعد یہ سوچ کر کہ گھر میں پہونچنے کے بعد لیٹنے بیٹھنے کا چونکہ اطمینان سے موقعہ ملنے ہی والا ہے، اس لئے سفر کی حالت میں راحت و آسائش کی طرف دھیان دینے کی ضرورت نہیں، کسی کو نہیں دیکھا جاتا کہ ڈبے میں اپنے اٹھنے بیٹھنے، لیٹنے، آرام کرنے کی فکر سے غافل ہو جاتا ہو، کچھ یہی صورت یہاں بھی نظر آتی ہے، یہ صحیح ہے کہ زندگی کے بہشتی نظام کی امیدیں بھی اہل ایمان اپنے اندر رکھتے ہیں، لیکن بایں ہمہ اس گذشتنی و گذاشتنی زندگی میں بھی چاہتے ہیں کہ خدا کی نصرتوں سے پیشت پناہی کے مواقع بھی ان کیلئے آسان ہوتے رہیں، قوموں کے درمیان عزت و آبرو کے ساتھ اپنی اس خاکی زندگی کو بھی گذاریں، جس سے عارضی اور مسافرانہ رشتہ سے جانتے ہیں کہ زیادہ تعلق نہیں ہے، یہ تعلق جتنا بھی عارضی، وقتی، ناپائدار ہو، لیکن بہرحال ہماری فطرت کا یہ اقتضا ہے کہ ہم اس زندگی میں بھی فتح و فیروزی، کامیابی و شادکامی کے ذرائع سے غافل نہ ہوں، خدا کا شکر ہے کہ مسلمان جس حال میں بھی ہوں، نہ پہلے اس معاملہ میں انہوں نے غفلت سے کام لیا ہے، اور نہ اس وقت لے رہے ہیں، اور یہ سب کچھ اسی "تحبونہا" کے قرآنی لفظ کی گویا عملی تفسیر ہے، زندگی کے موجودہ عبوری دور سے ہماری دلچسپیاں جیسے اس کی دلیل نہیں ہیں کہ زندگی کے جس بہشتی نظام کو ایمان و عمل صالح، اور مسلمانوں کے صحیح دانش، درست کردار کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے اس کی طرف سے ہمارے اندر کسی قسم کی غفلت یا سستی پیدا ہو گئی ہے۔ اسی طرح میرا خیال یہ بھی ہے کہ اسلامی تاریخ کے فاتحانہ دور میں پیدا ہونے والے مسلمانوں کے متعلق یہ جو بار بار دہرایا جاتا ہے کہ وہ ان مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ خوش قسمت تھے جو مغلوبیت اور زبوں حالیوں کے موجودہ دور میں پیدا کئے گئے ہیں، ممکن ہے مسلمانوں کا عام احساس بھی یہی ہو، لیکن قرآن ہی میں جب ہم پڑھتے ہیں۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل   تم میں سے جن لوگوں نے "فتح" سے پہلے خرچ کیا، اور جنگ

اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا (سورۃ الحدید)

کش مکش میں حصہ لیا، وہ برابر نہیں ہو سکتے، رتبہ میں وہ بڑے ہیں، ان لوگوں سے جنھوں نے فتح کے بعد خرچ کیا، اور بعد میں کش مکش میں حصہ لیا۔

اس کا مطلب خود سوچئے اس کے سوا اور کیا ہے کہ صحابہ کرام میں بھی ان لوگوں کا درجہ بلند قرار دیا گیا جنھوں نے فتح سے پہلے مالی اور جانی قربانیاں پیش کی تھیں، تو عام مسلمانوں کے متعلق یہ خیال کتنا عجیب ہوگا کہ "فتح" کے ایام میں پیدا ہونے والوں، اور کام کرنے والوں کو ان لوگوں سے زیادہ خوش قسمت قرار دیا جائے، جو "فتح" کے ان ایام میں پیدا نہ ہوئے، اور مغلوبیت کے ان ہی دنوں میں ان کو کام کرنے پڑے، مشہور حدیث بھی تو ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول مبارک منسوب کیا گیا ہے کہ

مثل امتی کالمطر لایدری اولہ خیر ام اخرہ

میری امت کی مثال بارش کے مانند ہے، نہیں بتایا جاسکتا کہ (افادیت) میں پہلی بارش زیادہ بہتر ثابت ہوئی ہے یا آخری بارش۔

بہرحال اپنا خیال تو یہی ہے کہ مالی اور جانی قربانیوں کے ساتھ آگے بڑھنے والے ان مسلمانوں کا مرتبہ عہد فتح کے ان مسلمانوں سے زیادہ بلند و برتر ہے، جو دمشق کی جامع بغداد کا شہر مدور اندلس کے قصور زہرا، وحمرا دلی کے لال قلعہ، آگرہ کے تاج کی تعمیر کر رہے تھے، قرآن ہی اس فیصلہ تک پہونچنے کا حق عہد مغلوبیت کے ان مسلمانوں کو عطا کر رہا ہے جو خواہ اپنی ہی نظروں میں خود بخود نہ معلوم کیوں چھوٹے بنتے چلے جا رہے ہیں۔

بہرحال دوسرے مہمات کے ساتھ اس وقت سرزمین ہند میں مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ حد سے زیادہ نازک ترین نقطہ پر پہونچ گیا ہے، عام تقاضا ہے کہ اس مسئلہ کو حل کیا جائے، خدا جزاء خیر دے جمعیۃ العلماء ہند کو، جس نے وقت پر مسلمانوں کے اس اجتماعی، اور اجماعی تقاضے کی تکمیل کے لئے بمبئی میں ایک دعوتی مجلس کا انتظام کیا ہے، یہ حسن اتفاق ہے کہ ملک کے ایک تجربہ کار، ماہر تعلیم "ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے" اس مجلس کی صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی ہے، خاکسار کے نزدیک اس سلسلہ میں تین باتیں خصوصیت کے ساتھ مستحق توجہ ہیں،

(۱) **تنظیم**:- یعنی مسلمانوں کی ابتدائی دینی تعلیم کے مسئلہ کو چاہئے کہ کسی "اجتماعی ادارہ" کے سپرد کر دیا جائے، جہاں تک میرا خیال ہے، مسلمانوں میں راستباز، جفاکش، مخلص کارکن افراد کی اب بھی کمی نہیں ہے، اپنا تجربہ تو یہی ہے چھوٹی بڑی آبادیوں میں بہت افراد مجھے ملتے رہتے ہیں جو مخلوق کی شاباشیوں سے قطعاً بے نیاز ہو کر دین ملت کے کسی خاص شعبہ کی خدمت میں اب بھی منہمک و مشغول ہیں، اکثریت البتہ اپنے ذاتی معاشی مسائل میں الجھی رہتی ہے، اور ضرورت بھی ہے کہ ان ہی مشاغل میں وہ الجھی رہے، ان غریبوں کو اپنے کار و بار سے علیحدہ کر کے اس کا مکلف بنانا کہ ہمہ تن وہ دینی اور ملی خدمات میں غرق ہو جائیں ایک غیر ضروری بلکہ شاید ایسی کوشش ہوگی جس کے نتائج مضر ہوں، اکثریت جن دھندوں میں مشغول ہے اس کو اسی

حال میں چھوڑ دینا چاہئے، ہاں! آبادیوں کے ان ہی انفرادی ہستیوں کو خود سوچنا چاہئے کہ اپنی انفرادی کوششوں کو وہ اجتماعی قالب میں ڈھال دیں، وقت تو ان کا اب بھی مذہبی اور قومی خدمات ہی میں صرف ہو رہا ہے، ضرورت صرف اس چیز کی ہے کہ اب اسی وقت کو بجائے انفرادی کاروبار کے اجتماعی اداروں کے راہ نمائیوں کے زیر اثر خرچ کرنے کا ارادہ کرلیا جائے، جو جہاں ہو وہیں سے کھڑے ہو کر قائم ہونے والے "تنظیمی ادارہ" میں شریک ہو جانے کا اعلان کرے، معقول تعداد کام کرنے والوں کی انشاء اللہ تعالیٰ یوں ہی مہیا ہو جائے گی، نا کافی ہونے کی صورت میں جو ملت کے ان افراد کے مسئلہ کو سوچا جا سکتا ہے، جو ملک و ملت کی انفرادی خدمتوں میں اپنے معاشی یا دوسرے مشاغل کی وجہ سے حصہ نہیں لے رہے ہیں۔

(۲) سرمایہ:- تنظیم کے بعد دوسرا مسئلہ "سرمایہ" کا ہے، اس باب میں بھی جہاں تک میں سوچتا ہوں نیکی کی مدوں میں باضابطہ یا بے ضابطہ اس وقت بھی مسلمان جو کچھ انفرادی طور پر خرچ کر رہے ہیں، مثلاً سالانہ عید الفطر میں فطرہ ادا کرتے ہیں، قربانی کی کھالوں کے فروخت سے جو رقوم حاصل ہوتی ہیں، پھر زکوٰۃ ادا کرنے والے زکوٰۃ کے نام سے جو کچھ ہر سال نکالتے رہتے ہیں، اور آخر میں "اسلامی اوقاف" کی ان آمدنیوں کو اگر سوچا جائے جو مختلف وجوہ سے اس وقت تک مسلمانوں کی اجتماعی نگرانی کے تحت نہ وصول ہو رہی ہیں، اور نہ خرچ ہو رہی ہیں، اسی طرح بے ضابطہ طور پر خیر و خیرات کی مدوں پر روزانہ مسلمانوں کی جیبوں سے نکل نکل کر مستحق اور غیر مستحق لوگوں کے ہاتھوں میں جو کچھ پہونچ رہا ہے، یہ مسلمانوں کا ایسا "سرمایہ" ہے جسے وصول کرنے کے لئے کسی نئی تحریک کی ضرورت نہیں ہے، بغیر کسی تحریک کے مسلمان اس "سرمایہ" کو خود ہی اپنی جیبوں سے نکال نکال کر الگ کرتے رہتے ہیں، اگر غور کیا جائے تو سال کے بارہ مہینوں میں ان رقوم کی میزان لاکھوں ہی نہیں بلکہ شاید کروڑوں تک پہونچ سکتی ہے۔ صرف صدقۃ الفطر ہی کو لیجئے، چار کروڑ مسلمانوں میں اگر دعویٰ کیا جائے کہ کم از کم ان کی چوتھائی آبادی اس صدقہ کو ہر سال ادا کرتی ہے، اور مانا جائے کہ اوسطاً ایک روپیہ فی کس اس صدقہ کی مد میں ان مسلمانوں کی جیبوں سے نکل جاتا ہے، تو ایک کروڑ کی رقم سالانہ شاید یہ بھی ہو جائے گی، مگر انفرادی تقسیم کے سوا غلوں ہی کی شکلوں میں عموماً صدقۃ الفطر کے ادا کرنے کا جو دستور ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس بھاؤ میں غلہ مثلاً گیہوں خرید کر فقیروں میں اس صدقہ کو لوگ تقسیم کرتے ہیں، اس سے کم بھاؤ میں عموماً یہی فقیر ان ہی بنیوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، جن سے گراں نرخ پر یہ غلہ خریدا جاتا ہے، عملاً اسی لئے اس صدقہ کا کوئی نمایاں اثر یا نتیجہ ہمارے سامنے نہیں آتا، حالانکہ ہدایہ تک میں احناف کے اقضی القضاۃ قاضی ابو یوسف کا یہ فتویٰ مدرسوں میں بچوں کو پڑھایا جاتا ہے کہ

الدقیق اولیٰ من البر والدراھم اولیٰ	گیہوں سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ آٹا صدقۃ الفطر میں ادا کیا جائے
من الدقیق	اور آٹے سے بھی زیادہ بہتر یہ ہے کہ "درہم" یعنی گیہوں یا آٹے

کی نقد قیمت ادا کی جائے،

پہلے تو اس فتویٰ کی توجیہ ترجیح صرف یہ بیان کی جاتی تھی کہ پیسے سے غرباء کے زیادہ کام نکل سکتے ہیں، لیکن اس زمانے میں تو علاوہ ان کے اس نقصان اور خسارہ کا خطرہ بھی سامنے آگیا ہے، کہ جس قیمت میں غلہ خریدا جاتا ہے اس سے کم قیمت میں اسی غلہ کے بیچنے والے اسی کو خرید لیا کرتے ہیں، خیر یہ قصہ تو بجائے خود الگ مسئلہ ہے، صدقۃ الفطر کا ذکر تو مثالاً کر دیا تھا، مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں پر مزید کسی نئے مالی بار کے عائد کرنے سے پہلے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو "سرمایہ" اس وقت برضا و رغبت، بغیر کسی جد و جہد کے ہر سال مسلمانوں کی جیبوں سے نکل نکل کر بکھرتا رہتا ہے، اور عدم تنظیم کی وجہ سے چنداں مفید نتائج اس کے سامنے نہیں آرہے ہیں، کم از کم ایسے نتائج جن کی افادیت کا زندگی کے موجودہ جبوری دور سے تعلق ہو، کاش! افرادی انفرادی توانائیوں کی تنظیم کے بعد سب سے پہلا اجتماعی کام یہی کیا جائے، یعنی جو سرمایہ انفرادی طور پر خرچ ہو رہا ہے اسی کو اجتماعی تنظیم کے تحت وصول کیا جائے، اور اس سرمایہ کی حفاظت و صحیح شرعی تقسیم کا نظم کیا جائے، تو اپنا خیال یہی ہے کہ دوسری ضرورتوں کے ساتھ ساتھ بہت بڑی مدد ابتدائی تعلیم کے مسئلہ میں اسی "سرمایہ" سے مل سکتی ہے

(۳) **مقاطعہ:-** اجتماعی تنظیم کو کام کرنے کے لئے پہلے تو مالی سرمایہ کی ضرورت ہوگی، سرمایہ کے متعلق تو اپنا خیال ظاہر کر چکا لیکن اس کے بعد اس تنظیم کے احکام اور مشوروں، تجویزوں وغیرہ کی تعمیل کے لئے ایک بڑا مسئلہ "دباؤ" کا بھی ہے، یوں تو خود مسلمانوں کے فہم عمومی ہی میں مجھے اس کی ضمانت پوشیدہ نظر آتی ہے، اپنے نفع و نقصان کے مسئلہ کو ان کی عمومیت خود سمجھتی ہے، اور پیش آنے والے نتائج کی طرف سے لوگ غافل نہیں ہیں، لیکن با ایں ہمہ پھر بھی "دباؤ" کے لئے "قوت" کی بھی ضرورت ہوتی ہے، "فتح" کے ایام میں تو حکومت کا "دباؤ" کافی تھا، لیکن مغلوبیت کے موجودہ دور میں اب بھی سوسائٹی کے ساتھ میں "مقاطعہ" کی قوت ہمارے اقتدار میں ہے، عہد نبوت میں بھی اس قوت کے استعمال کرنے کی نظیر ملتی ہے، تبوک کی مہم میں شرکت کی سعادت سے صحابیوں میں سے چند حضرات محروم رہ گئے تھے، ان کے ساتھ "مقاطعہ" ہی کا حربہ استعمال کیا گیا تھا، یعنی احکام اور تجویزوں سے سرتابی کرنے والے مسلمانوں سے "معاشرتی تعلقات" منقطع کر لئے جائیں، حکومت کی قوت سے جہاں تک تجربہ کی شہادت ہے، مقاطعہ کی اس ہتھیار کے "دباؤ" کی طاقت بھی کم نہیں ہے،

ان تین بنیادی امور کو طے کر لینے کے بعد اب ہمارے سامنے اصل مسئلہ یعنی ابتدائی دینی تعلیم کا مسئلہ آتا ہے، اس کے لئے کیا کیا جائے؟ ارباب فکر و نظر جو جو صورتیں پیش کریں، ان پر غور کیا جائے، فقیر کے نزدیک علاوہ عام ابتدائی مکاتب کی اسکیم جن کا نظام محلوں اور گاؤں کی مسجدوں میں قائم کرنا چاہئے، یہ بھی مناسب ہوگا کہ ہندی کے علاوہ ہندوستانی (بھارت) کی ہر زبان میں ایسی کتابیں لکھوائی جائیں جن میں دین کے ضروری مطالبات

کے ساتھ مسلمانوں کی عام تاریخ جس کی وجہ سے حال کی نسلوں کا رشتہ ماضی سے مسلسل قائم رہے، اور جیسے جیسے مواقع مہیا ہوں، قرآن مجید، اور احادیث کے تراجم کا انتظام بھی ان ہی زبانوں میں کرنا چاہئے،

لیکن ان عام تجویزوں کے ساتھ مختلف ذرائع سے تقریباً کئی سال سے اس خیال کو پیش کرتا رہا ہے کہ جہاں کہیں کالج اور اسکول سرکاری یا غیر سرکاری طور پر قائم ہیں، اور مسلمان بچے بھی ان میں پڑھتے ہوں، ان کالجوں، اور اسکولوں کے ساتھ ضرورت ہے کہ مسلمان بچوں کے لئے "اقامت خانے" قائم کئے جائیں، اصولاً تعمیر اور مصارف کے لحاظ سے ارزاں ترین معیار ان اقامت خانوں کا رکھا جائے، میرا خیال ہے کہ عموماً جہاں کہیں شہروں، یا قصبوں، یا دیہاتوں میں مسجدیں ہیں، ان مسجدوں کے گرد و پیش میں خالی زمینیں بھی پائی جاتی ہیں، اس زمانے میں سمنٹ وغیرہ کی وجہ سے تھوڑی زمینوں میں بھی چند منزلوں تک عمارتوں کا کھینچ دینا زیادہ دشوار نہیں ہے، ان زمینوں کی فضائی گنجائشوں سے کام لینا چاہئے، بہر حال جہاں ضرورت ہوتی ہے مسلمان مسجدیں تعمیر ہی کراتے ہیں، ان ہی کے ساتھ ساتھ اقامت خانوں کی تعمیر کا سلسلہ بھی چاہئے کہ شروع کر دیا جائے، زمین کے علاوہ مسجدوں کے متعلقہ خالی احاطوں کے امام باڑے، عاشور خانے وغیرہ کے ناموں سے بھی مسلمانوں کے پاس ہر جگہ کافی عمارتیں اور زمینیں اب بھی پائی جاتی ہیں، ان سے بھی فائدہ اٹھانا چاہئے، یوں بغیر معاوضہ کے ہم کو کافی زمینیں مل سکتی ہیں، ایک دفعہ اقامت خانہ کے بن جانے کے بعد آئندہ امید تو یہی کرنی چاہئے کہ ہمارے یہ اقامت خانے اسکول اور کالج میں پڑھنے والے لڑکوں کی فیس ہی سے انشاء اللہ تعالیٰ چلتے رہیں گے، عام مسلمانوں کا دنیاوی فائدہ تو یہ ہے کہ آج ہر جگہ مسلمان بچوں کو قیام و طعام کے نظم میں کافی دشواریاں پیش آتی ہیں، ان کے حل کی ایک آسان صورت نکل آئے گی، اور ہمارا جو مقصد ہے یعنی آئندہ نسلوں کا دین کے ساتھ علمی و عملی رشتہ مضمحل نہ ہونے پائے، اس مقصد کے لئے ان اقامت خانوں کو اس طریقہ سے استعمال کر سکتے ہیں کہ ہر اس طالب علم کے لئے جو اقامت خانے میں داخل ہو، چوبیس گھنٹوں میں علاوہ عملی تربیت یعنی نماز روزے کی پابندی کے دینی معلومات فراہم کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ وقت دینا لازم ہوگا، ان کو دینیات کی ایک آدھ کتاب پڑھنی پڑیگی اور جب سلیقہ پیدا ہو جائے تو روزانہ چار پانچ آیتیں قرآن کی صحت کے ساتھ با ترجمہ پڑھنا ان کے لئے ضروری ہوگا، دو تین پارے بھی میٹرک تک اگر پڑھا دئے جائیں تو ہماری یہ آئندہ نسلیں موجودہ اور گذشتہ نسلوں کے عام مسلمانوں سے بھی انشاء اللہ زیادہ بہتر ہوں گی، براہ راست قرآن سمجھ لینے کی صلاحیت خواہ جس حد تک بھی ہو پیدا ہو جائے گی، اردو زبان سے بھی ان کا رشتہ قرآن ہی کی راہ سے قائم ہو جائے گا، کاش! ہمارے عربی مدارس کے فارغ ہونے والے اپنی معاشی مزدوریوں کیلئے مختلف قسم کے غیر ضروری قصوں میں جو الجھے ہوئے ہیں، ہر جگہ میزان سے ہدایہ و بخاری تک پڑھانے کے لئے مدارس قائم کرتے رہتے ہیں، ان عام مدارس سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسکولوں اور کالجوں کے لڑکوں کو اپنی دینی تربیت و تعلیم کے زیر اثر رکھنے کے لئے اقامت خانوں کا جال ملک میں پھیلا دیں، ہمارے ان فارغ شدہ علماء کے معاش کے حل کی بھی ایک نئی راہ اس ذریعہ سے کھل جائے گی، یہی مولوی صاحبان ان بچوں کو قرآن کا ترجمہ، دینیات کے مسائل، اسلامی تاریخ سے واقف بھی بناتے رہیں گے، اور نماز روزہ کی پابندی بھی کرائینگے

استشراق اور مستشرقین

یورپ میں اسلامی علوم وفنون کی مختصر تاریخ

(قاضی اطہر مبارکپوری)

جب مشرق میں بنو امیہ کی حکومت وخلافت پر زوال آیا تو مغرب کی سرزمین نے اس خاندان کیلئے اپنی آغوش کھولی، چنانچہ عباسی خلفاء کے مظالم سے بھاگ کر عبد الرحمٰن داخل نے اندلس کے شہر قرطبہ میں جا کر ۱۳۸ھ میں ایک بار دوم اموی حکومت کی بنیاد رکھی، مغرب کی اموی خلافت نے ۲۸۴ سال تک عبد الرحمٰن کی نسل سے ۱۵ خلفاء کو یکے بعد دیگرے تخت نشین بنایا، پھر اس کے بعد اس میں طوائف الملوکی پھیل گئی، اور مختلف خاندانوں نے اندلس کے مختلف مقامات پر اپنی اپنی حکومت وریاست قائم کی۔

اندلس میں اسلامی علوم کی تجلی

خلفائے اموی نے مغرب میں اپنی اس سیاست کو نہیں چلایا، جو مشرق میں ان کیلئے طغرائے امتیاز تھی، اور جس کی بدولت خلفائے بنو امیہ نے دین اسلام، عربی تہذیب وتمدن اور عربی زبان وادب کو اغیار کے اثرات سے ہر طرح محفوظ رکھا تھا، بلکہ مغرب میں انھوں نے مغربی قوموں سے میل جول پیدا کر کے ان کے ساتھ علمی اور دینی رابطہ پیدا کیا، جس طرح کہ مشرق میں بنو عباس نے عجمی عناصر سے تعلقات وسیع کر کے ان سے ربط پیدا کیا

مگر اس میں مغرب کے اموی خلفاء مشرق کے عباسی خلفاء سے زیادہ کامیاب سیاست کے مالک رہے، یعنی اندلس میں خلفائے بنو امیہ نے دوسری مغربی قوموں کو اپنے ثقافتی، تہذیبی، دینی اور لسانی اثرات سے متاثر کر کے ان سے میل جول پیدا کیا، اور بغداد میں خلفائے بنو عباسیہ غیر قوموں پر اپنا اثر ڈالنے کے بجائے خود ہی ان کے اجنبی اثرات وخیالات سے متاثر ہوئے اور دوسروں نے آکر ان کی سیاست، ثقافت، خیالات اور زبان وادب پر قبضہ جمایا، مغرب میں یہ صورت نہ تھی، بلکہ وہاں پر مغربی قوموں نے مسلمانوں سے تعلق پیدا کر کے اس طرح اسلامی زبان وادب اور دینی خیالات کو اپنایا کہ مسیحی پادریوں کو مجبوراً اپنی مذہبی کتابوں کو قدیم زبانوں سے عربی زبان میں منتقل کرنا پڑا،

اندلس میں خلیفہ عبد الرحمٰن ثانی (۲۰۶ھ تا ۲۳۸ھ) سے لیکر خلیفہ عبد الرحمٰن ثالث (۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ) اور اس کے بیٹے حکم تک کا زمانہ نہایت زرین زمانہ گذرا ہے، اس دور میں مغرب میں اسلامی علوم وفنون نے خوب ترقی کی، اسلامی افکار وخیالات کو خوب عروج ہوا، اور اسلامی ثقافت وتہذیب نے مغربی قوموں کو اپنے اندر خوب جذب کیا،

یورپ میں جہالت کا خطرناک دور،

اس زمانہ میں اندلس سے متصل مغربی ممالک کی قومیں جہالت کی اندھیری میں گرفتار تھیں، عوام کے دل و دماغ پر کلیسائی جہالت سوار تھی، اور مسیحی پادری علوم وفنون کی ہر روشنی کو بجھا کر اپنے اور مسیحی حکمرانوں کے لئے عوامی ذہن وفکر پر تخت بچھا رہے تھے۔ آخر یورپ کو علم کی روشنی اندلس کی اسلامی درسگاہوں سے ملی، اور مغربی قوموں نے نہایت سرعت سے ساتھ تحصیل علم میں کوشش کی، اور اس معاملہ میں بعض مسیحی پیشواؤں نے سبقت کی، چنانچہ سنہ ۱۱۳۰ء میں اندلس کے شہر طلیطلہ میں ایک مدرسہ جاری کیا گیا جس میں عربی زبان کے علوم کو لاطینی زبان میں ترجمہ کرنے کا شعبہ قائم کیا گیا، اس مدرسہ کا نگران ریمونڈ نامی ایک پادری تھا، اندلس کے یہودیوں نے اس علمی اکاڈمی میں خوب حصہ لیا، اور عربی زبان کی بڑی بڑی کتابوں کو لاطینی زبان میں منتقل کرنے کا کام نہایت تیزی سے ہوا، ان ترجموں نے مغربی قوموں میں علم وفن کی روشنی بخشی شروع کی جس کی وجہ سے اہلِ مغرب میں علمی دلچسپی نئے رنگ میں نئی امنگ کے ساتھ ابھرنے لگی، عربی کتابوں کے لاطینی ترجم کا زور دن بدن زیادہ ہوتا گیا، اور بارھویں صدی عیسوی سے لیکر تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی تک عربی کتابوں کے تراجم کا بہت بڑا ذخیرہ مغرب کے پاس آگیا، ڈاکٹر لکلارک نے شمار کرکے بتایا ہے کہ چودھویں صدی تک عربی زبان کی ۳۰۰ بڑی بڑی کتابوں کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا،

یورپ کے عقلیاتی دور کی ابتدا

ان ادوار میں جن کتابوں کا ترجمہ کیا گیا ان کا زیادہ تر حصہ فلسفہ اور طبعی اور عقلی علوم سے تھا، اور اس وقت خاص طور سے زکریا رازی، ابوالقاسم زہراوی، ابن رشد اور بوعلی ابن سینا جیسے اسلامی فلاسفہ اور علوم عقلیہ کے ماہرین کی کتابیں مغربی زبانوں میں ترجمہ کی گئیں، نیز اہلِ یورپ نے عربوں کے واسطہ سے اسی زمانہ میں جالینوس، بقراط، افلاطون، ارسطو اور اقلیدس کی کتابوں کو جو یونانی زبان سے عربی میں منتقل ہو چکی تھیں ان کا ترجمہ بھی لاطینی زبان میں کیا،

اور یہی کتابیں یورپ میں علمی شعور کے ساتھ ساتھ مقبول ہوئیں، اور پڑھی گئیں، بلکہ بارھویں صدی سے لیکر ان مذکورہ بالا کتابوں میں سے اکثر و بیشتر کتابیں، پانچ چھ صدیوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں عقلی وطبعی علوم وفنون کے لئے نصاب بنی رہیں، بلکہ ان میں سے بعض بعض کتابیں تو انیسویں صدی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں داخلِ درس رہیں، اور اہلِ مغرب ان سے استفادہ کرتے رہے،

اس طرح اہلِ مغرب نے اندلس کے اسلامی علوم وفنون کی شمع سے روشنی حاصل کرکے اپنے کلیسائی دورِ جہالت سے نجات حاصل کی، اور مسلمانوں کے توسط سے قدیم یونانیوں کی کتابیں اور خود مسلمان عقلاء و فلاسفہ کی کتابیں حاصل کیں، اور ان کو پڑھا پڑھایا، اس علمی نہضت کے نتیجہ میں آج یورپ ایجادو فلسفہ اور فکر و سائنس میں اس قدر آگے بڑھ گیا ہے، اگر اسے اندلس سے روشنی نہ ملی ہوتی تو یقیناً آج بھی یورپ جہالت اور لاعلمی کی دلدل میں پھنسا ہوا ہوتا۔

ایک انگریزی مورخ مسٹر ملر اپنی کتاب "فلسفہ تاریخ" میں لکھتا ہے کہ:۔

مغربی علوم کے اصل ماخذ عربوں کے وہ مدارس ہیں جو اسپانیہ میں قائم تھے، اور یورپ کے ہر ہر ملک کے طلبہ ان مدرسوں کی طرف دوڑتے تھے، اور ان میں علوم طبیعہ، علوم ریاضیہ، اور علوم ما وراء الطبیعہ حاصل کرتے تھے، اسی طرح جب عربوں نے جنوبی اٹلی پر قبضہ کیا تو وہ بھی یورپ میں اسلامی علوم کے داخلہ کا واسطہ بنا،

اسلامی علوم سے یورپ کی دلچسپی

اسپانیہ کی درسگاہ سے جو پہلا مغربی عالم نکلا ہے، وہ ایک فرانسیسی پادری جربرٹ نامی ہے، اس نے اپنے لاہوتی علوم کی تکمیل کر کے فرانس سے اشبیلیہ کی راہ لی، اور وہاں پر تحصیل علم کیا، پھر قرطبہ میں جاکر ریاضی اور فلکیات وغیرہ کا علم تین سال تک حاصل کیا، پھر فرانس آکر ان علوم عربیہ سے عوام کو روشناس کرایا، جس پر اسے جادوگر اور کافر کا خطاب دیا گیا، مگر ۹۹۹ء میں اس نے اپنی ترقی کی راہ لی، اور نادانوں سے اسے نجات ملی، اسی طرح قرطبہ کی درسگاہ سے شانجہ نامی ایک مغربی حکمران نے بھی علم کی تکمیل کی، اسی زمانہ میں اٹلی کے بعض لکھے پڑھے لوگوں نے عربی زبان کو حاصل کیا اور اسے دنیا کی بہترین ادبی زبان سمجھ کر اس میں مہارت حاصل کی، نیز اسی دور میں ایک مسیحی راہب نے مسیحی قوم کو عربی زبان حاصل کرنے کی ترغیب دی کرتے ہوئے بتایا کہ

"اللہ حکمت کو جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اس نے لاطینی زبان کو حکمت نہیں دینا چاہا بلکہ یہود اور عرب وغیرہ کو دیا، اس لیے تم لوگ عربی زبان حاصل کر کے حکمت کو حاصل کرو۔"

اس طرح مغربی قوموں میں علمی شعور کی جڑ بنیاد پیدا ہوئی، اور ترقی پسند پادریوں اور مذہبی طبقوں نے عربی زبان اور اسلامی علوم سے دلچسپی لینی شروع کی، یورپ کے جس ملک میں یہ ذہن پیدا ہوا، وہاں کے لکھے پڑھے لوگوں نے اندلس کی اسلامی درسگاہوں کا رخ کیا، اور واپس آکر اپنے ملک میں علم و حکمت کی بساط بچھائی،

یورپ کے علمی شعور میں سیاسی شعور کی آمیزش

آہستہ آہستہ یورپ میں علمی شعور پیدا ہوتا گیا، اور وہاں کے علمی دائرہ میں وطنیت اور قومیت کا عمل دخل بھی ہونے لگا۔

اس قومی اور وطنی احساس نے یورپ کی علمی سرگرمی میں دوسرا رنگ پیدا کر دیا، چنانچہ اہل مغرب نے آگے چل کر عربی علوم و فنون کے علاوہ مشرق کے دوسرے معاملات میں دلچسپی لینی شروع کی، اور ان کی توجہ تجارت، استعماریت اور دینی تبلیغ کی طرف بھی ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کی قومیت نے ان نظریات کو سامنے رکھ کر مشرق کے ساتھ ربط پیدا کرنا شروع کیا، مشرقی دنیا کے حالات کا پتہ چلایا، یہاں کے ملکی اور جغرافیائی حالات دریافت کیے، یہاں کے دینی تہذیبی اور تمدنی و معاشرتی رجحانات معلوم کیے اور مشرقیت کے مخفی خزانوں کی دریافت کے لیے عام مشرقی علوم و فنون حاصل کیے، اپنے یہاں مشرقی ادب کو زندہ کیا، یہاں کی کتابوں کو چھاپا، ان کے ترجمے کیے، اور عربی زبان کے علاوہ فارسی، ہندی، سنسکرت، اردو وغیرہ زبانوں کو حاصل کیا، ان کی کتابوں کو پڑھا، اور ان زبانوں میں خود بھی کتابیں لکھیں،

اس طرح یورپ کے مستشرقین نے استشراق کو ایک فن کی حیثیت دے دی، جس کی رو سے وہ مشرق کی زندہ اور مردہ

زبانون کو حاصل کرنے لگے اور اس کے ادب و اسلوب کو پوری طرح معلوم کرنے لگے،

اسلامی علوم کے لئے پریس سوسائٹی اکاڈمی اور دوسرے تصنیفی مشاغل

اس مقصد کے لئے اہلِ مغرب نے پریس اور مطابع جاری کیئے اور عربی زبان کی کتابین شایع کرنی شروع کین، چنانچہ یورپ والون نے اپنے یہان سب سے پہلے عربی کتابون مین "المجموع المبارک" اور ابن العمید، سکین کی تاریخ، ابن عربی کی کتاب تاریخ الاول، سعید بن بطریق کی نظم الجوہر، پھر تاریخ ابوالفداء اور مقاماتِ حریری کو چھاپ کر ان کو شایع کیا،

اہلِ یورپ نے مشرقی علوم و فنون کی فراہمی کے لئے خاص خاص کتبخانے قائم کیئے، اور کتابین یکجا کین، انیسوین صدی عیسوی کی ابتداء مین یورپ کے مختلف کتب خانون مین عربی زبان کی ڈھائی لاکھ سے زیادہ کتابین موجود تھین، جو پیرس، برلین، لندن، آکسفورڈ، روم، اسکوریال وغیرہ کے کتب خانون مین رکھی ہوئی تھین، اسی طرح عربیت کے لئے اہلِ مغرب نے بہت سی علمی اکاڈمی کی بنیاد ڈالی، اور علمی مجلسین قائم کین، جن مین عربی کتابون کی نشر و اشاعت کا کام ہوتا تھا، سب سے قدیم انجمن ۱۷۷۸ء مین جاوا کے دار الحکومت مین قائم کی گئی، پھر کلکتہ مین سر ولیم جونس نے ۱۷۸۴ء مین عربی کی اشاعت کے لئے ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی، اور ۱۸۰۱ء سے ۱۸۶۳ء تک بیس جلدون مین اس سلسلہ کی کتابین شائع ہوئین، نیز کلکتہ کی اس سوسائٹی کی طرف سے ایک رسالہ بھی ۱۸۳۲ء سے شائع ہونا شروع ہوا تھا، جو برابر شایع ہوتا تھا،

اس زمانہ مین لنڈن مین شاہ انگلستان کی سرپرستی مین مشرقیات کے پڑھنے کے لیئے ایک سوسائٹی قائم کی گئی، انگلستان کے بڑے بڑے فضلاء اس کے ممبر تھے،

۱۸۲۲ء مین فرانسیسی مستشرقین نے فرانس مین عربی کی کتابون کی طباعت و اشاعت کے لئے ایک سوسائٹی قائم کی، اور انھون نے اس سوسائٹی کی طرف سے ایک رسالہ بھی جاری کیا جس مین عربی اور عربیت کے بارے مین قیمتی معلومات ہوتی تھین،

اسی طرح امریکہ، روس، اٹلی، بلجیم، ہالینڈ، ڈنمارک وغیرہ کے مستشرقین نے انگریزون اور فرانسیسیون کے نقشِ قدم پر چل کر عربی علوم و فنون کے لئے اکاڈمی اور سوسائٹی قائم کی، کتابین شایع کین اور رسالے جاری کیئے، مشرقی علوم و فنون کے سلسلے مین یورپ کے مستشرقین نے بڑی بڑی کانفرنسین بھی کین، بلکہ آج تک مستشرقین یورپ کی بین الاقوامی کانفرنسین دنیا کے مختلف ممالک مین ہوتی رہتی ہین، خاص طور سے مستشرقین نے یورپ کے مختلف ممالک مین عربیت کے لئے انیس کانفرنسیں قائم کین،

پہلی کانفرنس ۱۸۷۳ء مین پیرس مین منعقد ہوئی، ۱۹۰۰ء مین بھی پیرس مین یہ کانفرنس ہوئی، اس قسم کی کانفرنسون مین اہلِ مغرب مشرقیات کے مختلف پہلوؤن پر علمی اور تحقیقی مقالات پیش کرتے ہین اور بڑی تلاش و جستجو سے ایک ایک

موضوع پر بیش بہا اور قیمتی معلومات جمع کرتے ہیں،

اہلِ یورپ نے عربی علوم کی نشر و اشاعت کیلئے عربی کے مجلات و جرائد جاری کئے، دنیا بھر سے مخطوطات اور قلمی کتابوں کے ذخیرے جمع کئے، نادر و نایاب اور عمدہ سے عمدہ کتابوں کو بہترین حواشی تحقیق اور دقت کے ساتھ شایع کیا، ان میں فہرستوں کا اضافہ کیا، اور مختلف ناموں، موضوعوں اور مقامات کی الگ الگ فہرست مرتب کر کے لگائی، الفاظ کی تحقیقات اور اصول متن کی تنقیحات میں کمال دکھایا،

واقعہ یہ ہے کہ کتابوں کی تصحیح، اور ان کو پورے اہتمام کے ساتھ شایع کرنے میں اہلِ مغرب اپنی نظیر نہیں رکھتے اور یہ ان کا امتیازی کارنامہ ہے۔

موجودہ حالات پر ایک نظر اس طرح اہلِ یورپ نے اسلامی علوم اور عربی زبان کو حاصل کر کے اپنی زندگی میں ایک ایسا عظیم انقلاب برپا کیا جس نے ایک طرف ان کو علم و تحقیق، سائنس و ایجاد اور فلسفہ میں اختراع میں مشہور کیا اور دوسری طرف ان کو مغرب سے اٹھا کر مشرقی ممالک کی حکومت کے تخت پر بٹھایا۔

اہلِ یورپ نے اگرچہ اسلامی علوم و فنون کی وجہ سے قومیت و وطنیت کی راہ پائی اور مغرب سے چل کر مشرق کی حکمرانی کی، مگر اس حال میں بھی انھوں نے اسلامی علوم و فنون کا ذوق ختم نہیں کیا بلکہ آج بھی یورپ اور امریکہ میں اسلامیات پر بہت کچھ کام ہو رہا ہے، اور ان ممالک کے علماء اور فضلاء عربی زبان اور عربی علوم کی نشر و اشاعت میں لگے رہتے ہیں، اور اسلامی کتابوں کی اشاعت میں اسی نشاط سے کام کرتے ہیں،

اسپین میں جنرل فرانکو کی سرپرستی میں عربی کتابوں کی اشاعت کا طباعت کا کام جاری ہے، امریکہ میں عربی کتابوں کی تعلیم اور اشاعت کا کام جاری ہے، اسی طرح یورپ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں اسلامیات کے شعبے قائم ہیں، اور اسلامی علوم و فنون پر اہلِ مغرب اپنے ذوق کے مطابق کام کر رہے ہیں،

حرفی پریس کی مختصر تاریخ اس سلسلہ میں پریس اور مطبع کی تاریخ ایک دلچسپ کہانی معلوم ہوگی، مختصر طور پر اس کا حال ملاحظہ ہو:-

ٹائپ کے ذریعہ طباعت کی ایجاد ایک جرمنی نے ۱۴۴۲ء میں کی، اس کو عربی زبان میں "حناجو تمبرج" کہتے ہیں، طباعت کی ایجاد نے علوم اور فنون کی ترقی میں کافی مدد کی، اور ایک مدت تک یورپ میں اس کا دائرۂ عمل وسیع ہوتا رہا، اور عربی زبان کی سب سے پہلی کتاب ۱۵۱۴ء میں چھاپی گئی، اس کے بعد مشرقی ممالک میں پریس ترقی کرتا گیا خصوصیت سے عربی زبان کی کتابیں دن بدن زیادہ چھپنے لگیں، مگر ابتداء میں ان کی طباعت بھی یورپ ہی کے ممالک میں ہوتی رہی، چنانچہ ان ہی زمانوں میں نزہتہ المشتاق ادریسی، قانون طب علی بن سینا، تحریر اصول اقلیدس، وغیرہ یورپ سے شایع ہوئیں، بلکہ اب تک یورپ سے نادر و نایاب کتابیں شایع ہوتی رہتی ہیں، اس کے بعد مشرقی دنیا میں طباعت کا فن سلطنت ترکیہ کی راہ سے ۱۷۲۹ء میں داخل ہوا

اور آستانہ میں ایک یہودی عالم نے سنہ ۱۴۹۰ء میں پریس قائم کر کے کئی علمی اور مذہبی کتابیں چھاپیں، مگر اب تک چھپائی کا کام رومن رسم الخط میں ہوتا رہا، پھر سنہ ۱۷۲۰ء میں عربی حروف کی ابتدا ہوئی، اور ان کا پریس قائم ہوا، اس دور میں عربی حروف کا سب سے مشہور پریس آستانہ کے پریسوں میں "مطبعۃ الجوائب" تھا، جو احمد فارس شدیاق مرحوم کی ملکیت میں تھا، اس مطبع میں مختلف علوم، فنون اور ادب کی امہات الکتب چھاپی گئیں، یہ مطبع ترکی کا مشہور ترین مطبع تھا،

عرب ممالک میں حروف کی چھپائی کی ابتدا لبنان سے ہوئی، اور مسیحی پادریوں اور مبشروں نے اس میں سبقت کی، چنانچہ لبنانی مسیحی پادریوں نے سترہویں صدی عیسوی کے شروع میں سب سے پہلا پریس قائم کیا۔ اس کے بعد ان ہی کی طرف سے سنہ ۱۸۴۲ء میں "مطبعۃ کاتولیکیہ" قائم ہوا، اس پریس نے عربی زبان کی قدیم ورثہ اور کتابوں کو شائع کیا اور علم و ادب کی بہت خدمت کی، اس کے بعد ہی مصر میں مطبع کا قیام ہوا اور سنہ ۱۷۹۸ء میں نپولین کے ہاتھوں چھپائی کا کام جاری ہوا، اس نے سرکاری فرامین اور احکام کو عربی زبان میں چھاپنے کے لیئے "مطبعہ اہلیہ" کے نام سے پریس جاری کیا، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ پریس بھی جاتا رہا، اور محمد علی پاشا نے مطبعہ اہلیہ کی جگہ سنہ ۱۸۲۲ء میں "مطبعہ بولاق" جاری کیا اور اس کی ادارت کا کام شام کے ایک ماہر "نقولا مسابکی سوری" کے سپرد کیا۔ مطبعہ بولاق کے لیئے خاص طور سے مختلف سائز کے بہترین طریقے پر حروف ڈھالے گئے، پھر دوسری مرتبہ عربی حروف کی ڈھلائی مصر کے سب سے بڑے خوشنویس مرحوم جعفر بیگ کے قاعدہ کے مطابق ہوئی، مصر میں آج تک مرحوم جعفر بیگ کے اصول پر ڈھالے ہوئے حروف کا استعمال ہوتا ہے۔

"مطبعہ بولاق" نے ریاضیات، طب و جراحت اور غیر زبانوں سے ترجمہ شدہ تقریباً تین سو کتابوں کو چھاپا، اور اس کے شعبہ "القسم الادبی" سے ادب کی امہات کتب چھاپی گئیں، اب صرف دونوں سے "مطبعہ بولاق" سرکاری چیزوں کو چھاپتا ہے، اور درسی کتابیں اور سرکاری کاغذات اس میں چھپتے ہیں، "مطبعہ بولاق" کے بعد مصر میں بہت سے چھاپہ خانے قائم ہوئے، جو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام کرتے ہیں،

ہندوستان میں سب سے پہلے پرتگیزیوں نے جنوبی ہند میں ٹائپ پریس جاری کیا، اور تامل اور ملیالم زبان میں مذہبی کتابیں چھاپیں، کلکتہ میں سنہ ۱۸۰۱ء میں ٹائپ پریس قائم ہوا، جس میں بہت سی عربی کتابیں چھاپی گئیں، بمبئی میں سنہ ۱۲۹۹ھ مطابق سنہ ۱۸۸۲ء میں ایک ٹائپ پریس تھا، جس میں علامہ ادیب عبدالجلیل بن یاسین بصری متوفی سنہ ۱۲۶۰ھ کا دیوان ۲۰۰ صفحات پر چھاپا گیا تھا، اس کے بعد بمبئی میں کئی اور حرفی پریس جاری ہوئے، مگر وہ بہت معمولی قسم کے تھے، اور زیادہ دنوں تک نہیں چل سکے، آجکل بعض پریس اچھا کام کر رہے ہیں، ریاست حیدرآباد میں دائرۃ المعارف نے ایک پریس جاری کیا، جس میں بہت سی نادر و نایاب کتابیں چھاپی گئیں، زمانہ ہوا مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے میرٹھ سے ایک حرفی مطبع "مطبعہ خیریہ" کے نام سے جاری کیا، جس میں خاص طور سے ابن اثیر کی جمع الفوائد چھاپ کر شائع کی، جو حدیث کی اہم کتاب ہے، اسی طرح ہندوستان کے بعض دوسرے مقامات پر حرفی مطابع میں اور اچھے طور پر کام کر رہے ہیں۔

قرآنی تعلیم کا ایک نیا تجربہ

تعلیمی مشین ——— ایک نئی ایجاد

جناب حافظ محمد یعقوب صاحب شاہجہانپوری مقیم دہلی

جناب قاری حافظ محمد یعقوب صاحب سالہاسال سے ابتدائی مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں نت نئے تجربات کر رہے ہیں۔ اگرچہ غیر معروف ہیں مگر اپنے کام کے سلسلہ میں معروف اشخاص سے سند حاصل کر چکے ہیں اگر مسلمانوں میں شوق ہو اور وہ جگہ جگہ اپنے طریقۂ تعلیم کا مظاہرہ کر سکیں، تو امید کی جا سکتی ہے کہ اس سے ہر جگہ کے مقامی اساتذہ کو نیا سبق حاصل ہو سکے گا۔ حافظ صاحب نے ہمیں اپنے تعلیمی تجربات کے سلسلہ میں ایک تعلیمی مشین سے متعارف کرایا ہے۔ اس مشین کی اہمیت اور افادیت کا صحیح اندازہ اسی وقت ہو سکے گا جب ہم اس کو بچوں کی تعلیم میں استعمال کریں۔ مدیر



یہ مشین برسوں کے غور و فکر کے بعد بہت کثیر رقم سے تیار کی گئی ہے۔ اس مشین کی خوبیاں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ قرآن مجید اور اردو پڑھنے کے لئے جن امور کا جاننا ضروری ہے، ان میں سے ہر ایک کی مشق اس میں نہایت آسانی کے ساتھ کرائی جا سکتی ہے۔

۲۔ اس میں قرآن مجید اور اردو کے ہزاروں الفاظ ٹائپ کی صورت میں اس طرح ظاہر ہوتے ہیں کہ بچے ان کی پوری شکلوں کے ساتھ ساتھ اُن کے حصول

کو الگ الگ بھی نہایت آسانی سے سیکھ لیتے ہیں۔

(۳) یہ مشین اس قدر خوش نما اور دلچسپ ہے کہ بچے اسے ایک کھیل سمجھ کر دیکھتے ہی خوش ہو جاتے ہیں اور وہ اس کے ذریعہ کھیل ہی کھیل میں قرآن مجید اور اردو بہت جلد پڑھنے لگتے ہیں۔

(۴) اس مشین سے استادوں کو تعلیم میں بہت زیادہ سہولت ہوتی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ ان کی معمولی رہنمائی سے بچے خود ہی پڑھتے پڑھاتے آگے بڑھتے ہیں مشین کے متعلق معلومات کتب خانہ تعلیمی نور گنج۔ دہلی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

اس عاجز نے اردو کی تعلیم کے لئے بعض دوسری چیزیں بھی تیار کی ہیں، ان میں سے تعلیمی مشین جس کا نقشہ اگلے صفحہ پر موجود ہے، خاص طور پر اہم اور بہت ہی سادہ دلچسپ اور مفید چیز ہے اور اس کے استعمال کا مشورہ مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند نے بھی اسلامی مدارس کو دیا ہے۔

ابتدائی مذہبی تعلیم کے اہم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اس عاجز کے خیال میں اردو اور عربی رسم الخط کے صحیح طریقہ تعلیم کی طرف خصوصی توجہ کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ غالباً جناب کو بھی اس حقیقت کا علم ہوگا کہ ہمارے بچوں کا عزیز وقت اردو اور عربی کے قاعدوں کی تعلیم میں بہت ہی زیادہ ضائع ہوتا ہے۔

پس اگر دینی مدارس کے اساتذہ نئی تعلیم کے صحیح طریقہ سے واقف ہو جائیں تو پھر بلا شک شبہ ہمارے بچے بہت ہی تھوڑے وقت میں قرآن مجید اور اردو کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کی مذہبی تعلیم کا انتظام آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

ہندوستان کے دینی مدارس — مسلمانان کلکتہ کی نظر میں

محترم جناب غلام رسول صاحب

کلکتہ ہندستان کا ایک مرکزی شہر ہونا بھی مشہور ہے۔ یہاں کے مسلمان ہمیشہ خواص کے ساتھ دینی کام میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ملک التجار خان بہادر شیخ محمد جان صاحب ایم ایل سی کا نام نمایاں ہے آج کل محترم شیخ غلام رسول صاحب اور ان کے رفقاء دینی کام میں انتہائی کر محنت کر رہے ہیں۔ تبلیغی کام میں مولوی ضیاء الدین صاحب اور ان کے رفقاء کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ کلکتہ کے چند مخلصین نے شمالی ہندوستان کے دینی مدرسوں کا جائزہ لیا ہے اور اس کی فہرست شائع کی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان کلکتہ کن مدارس کو مستند سمجھتے ہیں اور ان مدرسوں کی مستقل امداد کرتے ہیں۔ اگر متمول طبقہ کی توجہ اس طرف ہو جائے تو ان مدرسوں کی امدادیں قلیل عرصہ میں کچھ سے کچھ ہو سکتی ہیں۔ یہاں ہم معلومات عامہ کے لئے اسلامی مدارس کے متعلق مسلمانان کلکتہ کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ مدیر

میرے محترم دینی بھائیو! السلام علیکم۔ یوں تو ماشاء اللہ آپ کی دینی خدمات قوم کے لئے ہمیشہ سے رہی ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ اسی طرح قائم رہیں گی۔ لیکن دینی مدرسوں کے متعلق مجھے چند ضروری باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنا ہے، امید ہے کہ آپ اسے ردی کی ٹوکری میں نہ ڈالتے ہوئے غور و فکر فرما کر کچھ انتظام فرمائیں گے۔

چونکہ آج دین کا ہر شعبہ اجتماعی اور انفرادی امداد کا محتاج ہے اور اس دور میں دین کے ہر شعبہ کی امداد کی ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ اگرچہ ہمارے بہت سے بھائی اکثر دینی اداروں کی خدمت حسب حیثیت کر رہے ہیں۔ مگر کچھ تھوڑی سی بے ترتیبی اور اداروں کے صحیح حالات کے علم میں نہ آنے کی وجہ سے ان کو کما حقہ امداد نہیں پہنچ رہی ہے۔

بھائیو! اس وقت دینی مدارس بے حد کسمپرسی کی حالت میں ہیں۔ حالانکہ ان کی حفاظت سے ہمارے دینی علوم کی حفاظت وابستہ ہے۔ اگر ان کی طرف توجہ نہ کی گئی تو یہ انتہائی محنت سے قائم کئے ہوئے ادارے ہماری بے توجہی کی نذر ہو جائیں گے۔

محض خدائے تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم چند احباب کو اس طرف متوجہ ہونے کی توفیق دی اور ہم نے اپنے اُن دینی مدارس کی جو اس وقت دین کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یا وہ مدارس جو برابر دینی خدمات انجام دیتے رہے اور اب مالی مشکلات میں پریشان ہیں۔ ایسے ادارے جن کی تحقیق کرا کر ان کی فوری ضرورتوں کا چند سال سے

اپنی حسب حیثیت انجام دے رہے ہیں۔ مگر ہمارے علم میں یہ چند مدارس ہیں اور خدا جانے اس کے علاوہ کتنے مدارس ہوں گے جو قوم کی توجہ اور عنایت کے انتہائی محتاج ہیں۔ اگر ہمارا متمول طبقہ ان کی ضروریات کی پوری طرح کفالت کرتے ہوئے ان کے نظم و نسق اور طریقہ تعلیم، نصاب اور ضرورت حاضرہ کی بنا پر کسی ہنر اور ذریعہ معاش کا اضافہ کراتے ہوئے پوری توجہ اور درد سے ان کی سرپرستی فرمائیے تو یہی مدارس قوم کے بچوں اور نسلوں کی دینی اخلاقی اور اقتصادی تربیت کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں۔

مدارس کی فہرست مع مختصر رپورٹ کے آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک دردمند دوست کی مخلصانہ گذارش بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔

مخلصانہ گذارش رمضان شریف میں ادائے زکوٰۃ کی وجہ سے مستحقین کی کثرت آمد و رفت اور ہجوم سے دینے والوں کے مشاغل اور مصروفیات میں کچھ خلل واقع ہوتا ہے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ ان کی کثرت آمد و رفت سے ہمارے قلوب میں کوئی گرانی یا تکدر پیدا ہو کر ان مستحقین سے بے توجہی یا بار بار بلانے یا دیر تک بٹھانے یا کسی اور طرز عمل سے ان کو اذیت پہنچ کر ہم اس آیت یا ایھا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ (اے مسلمانو! تم اپنے صدقات کا ثواب فقراء پر احسان جتلا کر یا ان کو تکلیف پہنچا کر ضائع مت کرو) کا مصداق نہ بن جائیں۔

اس لئے یہ سوچ کر کہ جس طرح نماز کے لئے پاک پانی تلاش کرکے وضو کرنا ضروری ہے اسی طرح زکوٰۃ کے لئے مستحقین کو تلاش کرکے ان تک زکوٰۃ پہنچانا بھی ضروری ہے لہٰذا مستحقین کی از خود آمد سے ہمیں مسرور و ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے خود ہم تک پہنچ کر ہمارے وقت اور محنت سے ہم کو بچالیا اور ہمارے مال کو قبول کرکے ہمارے فریضہ کی ادائیگی کے سبب بن گئے اور اس شکریہ میں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں لاکھوں کا مالک بنا کر اس فریضہ کی ادائیگی کی توفیق بخشی۔ مستحقین و سائلین کے ساتھ پوری فراخ دلی و نرمی و سہولت سے کام لیں۔ بالخصوص اس موقع پر چونکہ اکثر مدارس دینیہ کے علماء و سفراء حضرات تشریف لاتے ہیں اس لئے ان کے اکرام کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ اور عام سائلین کی طرح ان سے برتاؤ نہ کیا جائے۔ کیونکہ انہیں حضرات نے ۱۸۵۷ء سے لے کر اب تک مسلمانوں کی دین سے باوجود بے توجہی و غفلت کے ہزاروں مصیبتیں جھیل کر ان مدارس کے ذریعہ سے ہندستان میں علوم نبویہ اور دین محمدی کی حفاظت فرما کر تمام مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اور اب بھی ان کا یہ احسان ہے کہ وہ رمضان شریف میں ہماری عطایا اور زکوٰۃ لے جا کر ان مدارس کے ذریعہ سے دین کی حفاظت فرما رہے ہیں۔

آہ! وہ دین جس پر ابو بکر صدیقؓ اور دیگر صحابہ کے پورے راس المال اور ہزاروں جانیں قربان ہوئی ہوں۔ آج ہم اس دین کی خدمت اپنے اموال کے میل کچیل سے کرکے سبکدوشی حاصل کر رہے ہیں۔ کاش ہم اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور قیامت میں اپنے اموال کا حساب دینے سے پہلے ان دینی مدارس اور مکاتب کی حفاظت کے لئے ان کے حالات اور ضروریات کی تحقیق کرکے ایسا قدم اٹھائیں جس سے ان کی مستقل اور پوری امداد ہو سکے۔

الحمد للہ کہ اس سلسلہ میں چند دوستوں نے توجہ فرمائی ہے اگر آپ کی توجہات بھی اس میں شامل ہو جائیں تو ہندوستان کی دینی اور علمی درسگاہیں انتہائی عروج پر پہنچ جائیں۔

ہم میں آپ کے مخلص بھائی :۔ الحاج جناب احسان الہٰی صاحب مالک آسام جنگل ریبڈ کس۔ الحاج خدا عبد القیوم صاحب مالک امینیہ ہوٹل۔ الحاج جناب محمد یعقوب صاحب منیجر عمان بہادر شیخ محمد جان ایم ایل سی مالک النخی روز مینداد۔ الحاج جناب شمس العارفین صاحب تاجر کلکتہ۔ الحاج جناب محمد میاں صاحب تاجر و زمیندار۔ جناب میاں بخش الہٰی مالک فرم لے۔ بی صادق برادرس۔ الحاج جناب فضل محمود صاحب تاجر میوہ منڈی۔ الحاج جناب محمد سلیمان صاحب واڈ ڈہ منیجر ابُو دجی دادا بھائی۔ الحاج جناب مولانا سید محمد قریش صاحب مفسر جامع مسجد کلکتہ۔ جناب ابراہیم صاحب متولی جامع مسجد کلکتہ۔ بندہ ناچیز غلام رسول عفی عنہ۔

نوٹ :۔ مندرجہ فہرست مدارس کو تین قسموں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ اسی نسبت سے ان کی امداد کی جائے۔

مدارس قسم اوّل جن کی سالانہ امداد کی جاتی ہے

نام مدارس	معیار تعلیم	طلبہ بیرونی	کل طلبہ	ذرائع آمدنی	خرچ ماہانہ
دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور	تا انتہا	۱۷۰۰	۳۰۰۰		اس رسالہ میں ان مدرسوں کے متعلق تفصیلات موجود نہیں
مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور	"	۹۰۰	۱۵۰۰		
مدرسہ قاسمیہ شاہی مسجد مرادآباد	"	۲۵۰	۵۰۰		
ندوۃ العلماء لکھنؤ	"	۲۰۰	۳۰۰		

مدارس قسم ثانی جن کی سالانہ امداد کی جاتی ہے

نام مدارس	معیار تعلیم	طلبہ بیرونی	کل طلبہ	ذرائع آمدنی	خرچ ماہانہ
مدرسہ اسلامیہ امینیہ عربیہ دہلی	دورہ			زر وقف مال	دو ہزار
مدرسہ عالیہ مفتاح العلوم جامعہ شاہی مئو	"	۶۴	۴۳۱	چندہ	تین ہزار
جامع عربیہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڈھ		۷۵	۲۸۰	امداد	۳۵۰۰
مدرسہ جامع العلوم مظفرپور	تا انتہا	۴۵	۱۱۵	۵۰ روپیہ سالانہ	۱۰۰۰
یتیم خانہ بدریا بتیا ضلع چمپارن		۴۰	۵۸	وقف زمین	۱۰۰۰
جامع عربیہ اسلامیہ ناگپور سی پی	دورہ	۲۰	۲۰۰	چندہ	۱۰۰۰
جامع قاسمیہ اسلامیہ گیا	تا مشکوۃ	۲۰	۱۰۰	"	۱۱۰۰

کمزور کا تکبر اور بھی زیادہ برا ہے

مدرسہ انوار العلوم گیا	دورہ	۷۰	۱۵۰	۱۰۰۰ روپیہ از اوقاف	۲۰۰۰
مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ	تا انتہا	۹۰	۲۸۲	۲۰۰۰ روپیہ از وقف	۵۰۰۰
مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں	”	۶۰	۱۱۶	چندہ	۱۰۰۰
مدرسہ عالیہ اسلامیہ چلا امروہہ	”	۲۵	۱۳۳	از گورنمنٹ للعمر	۱۰۰۰
مدرسہ اکڑا ضلع ۲۴ پرگنہ			۴۰۰	۶۰۰	۱۰۰۰
مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ	درس نظامی	۶۰	۲۳۰	۲۲۲ روپیہ از وقف	۳۵۰۰
مدرسہ حنفیہ فرقانیہ گونڈہ			۲۰۰	[illegible] از وقف	۷۵۰
مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد مظفر نگر	دورہ	۱۴۵	۲۵۰	چندہ	۱۵۰۰
مدرسہ امدادیہ دربھنگہ	”	۷۰	۱۷۲	”	۳۰۰۰
مدرسہ سبحانیہ قصاب پورہ دہلی		۶۰	۸۰	”	۱۵۰۰
مدرسہ دعائیہ دہلی	متوسط	۲۵	۷۰	”	۱۰۰۰
مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا سمیلا لال گنج ضلع دربھنگہ	درجہ اوسط	۳۰	۹۰	اہل خیر حضرات	۱۰۰۰

مدارس قسم ثالث جن کی سالانہ امداد جاری ہے

جونیر مدرسہ منیر الاسلام سوہڈیہہ بہار	درجہ ہفتم	۵	۷۸	۳۵ روپے	۱۵۰۰
مدرسہ احمدیہ ابابکر پور۔ مظفر پور	متوسط	۴۰	۲۰۰	چندہ	۳۰۰۰
مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ اہلحدیث	”		۷۵	[illegible] از وقف	
مدرسہ تجوید القرآن مونگیر	قرآن مجید		۱۰۰	چندہ	
مدرسہ رحمانیہ دلیل گنج۔ شاہجہان پور	اردو فارسی		۱۰۴	اہل خیر حضرات	
جامعہ مظہر العلوم بنارس	متوسط		۱۵۰	ماسر	۱۰۰۰
مدرسہ تجوید القرآن بینا پارک بنارس	ابتدائی	۱۲	۵۴		
مدرسہ عربیہ نگینہ بجنور	مشکوٰۃ	۸	۱۸۰		
مدرسہ اسلامیہ امروہہ	متوسط		۱۷۵		
مدرسہ مظہر العلوم کرت پور ضلع بجنور	قرآن مجید		۱۵۱	عمہ ڈسٹرکٹ بورڈ	

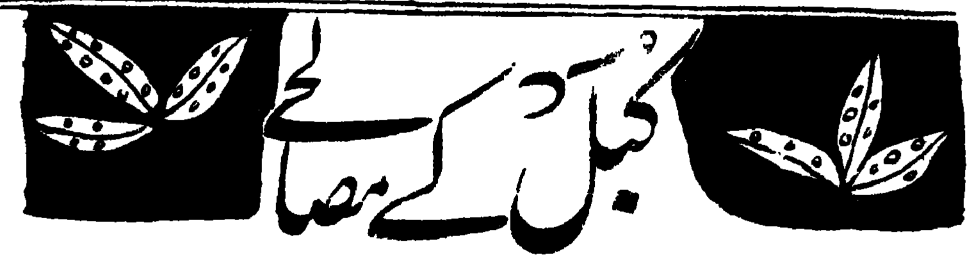
مسلمان کو چاہیئے کہ اچھی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔

یتیم خانہ اسلامیہ بھاگلپور	ابتدائی			مستقل ماعمر	۲۰۰
مدرسہ ضیاءالاسلام سیوڑی ضلع بیربھوم	مشکوٰۃ	۳۵	۸۰	چندہ	۵۵۰
یتیم خانہ اسلامیہ لہیریا سرائے		۵	۱۵	"	
یتیم خانہ خادم الاسلام کشمیر کوٹھی صدرگلی پٹنہ	۷ کلاس		۱۰۵	سالانہ ۶۰۰	
مدرسہ اشرفیہ جدید بھوج پور شاہ آباد	مشکوٰۃ	۱۵	۶۰	۸ بیگہ زمین	۵۰۰
مدرسہ حنفیہ احمدیہ دریاپور چمپارن	متوسط	۱۷	۸۲	چندہ	۵۰۰
مدرسہ عربیہ ڈبرا ضلع مان بھوم	ابتدائی	۱۰	۱۸۰	"	۵۰۰

مدرسہ رحمانیہ سپول ۔ ڈاکخانہ بریل۔ ضلع دربھنگہ قابل امداد ہے۔

لوگو! موت کو اکثر یاد کرو کہ اس کٹھن منزل سے سب کو گزرنا ہے، انبیاء علیہم السلام کو بھی اسی گھاٹی سے گزرنا پڑا ہے۔ جو اللہ کا بندہ اپنی زندگی کے تمام مشاغل میں اس بلاشک وشبہ آنے والی گھڑی کو یاد رکھتا رہا اور آخرت کی زندگی سنوارنے کے لئے نیک اور اچھے کام کرتا رہا وہی دنیا میں کامیاب ہے۔

دین کو منحصر فی الصوم والصلوٰۃ کہنا غلط ہے



تقریبوں میں ہمارے تانسنؔ اور حنہ یل اسرائے مصالحے بہت مشہور ہیں۔ کے ٹی۔ کبل کمپنی ایک مختصر وقت میں اس شہر کی آبادی کیلئے جن مصالحوں کی ضرورت تھی۔ اسے پورا کر دیا۔ اور ہر قسم کے تیار مصالحے بنا کر شہر کے مختلف حصوں میں بھیجنے کے لیئے دُکانیں کھولدیا ہے۔

کُبل کا مصالحہ :۔ یعنی تمام قسم کا کھانا پکانے کیلئے **ایک عمدہ ملاوٹ** ہے۔ ہر قسم کے مصالحے پیسنے کے لیئے چکیاں بھی چلائی جاتی ہیں

K. T. KUBL & CO. LTD.
Harharwala Bluiding.
GOLPITHA BOMBAY.

کے۔ ٹی کبل اینڈ کمپنی۔ ہرہروالا بلڈنگ۔ گول پیٹھا بمبئی

کبل کی دکانیں:۔ (۱) لال باغ (۲) گول پیٹھا (۳) دادر (۴) نائیگاؤں (۵) پریل (۶) تاردیو (۷) ورلی اور لال باغ مارکیٹ

بچوں اور کم نظر والوں کے لئے عکسی قرآن مجید بطرز تیسیر القرآن نمبر 1038



اٰیاتها ٢٨٦ — (٢) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِیَّةٌ (٨٧) — رکوعاتها ٤٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۚ ﴿١﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۖ فِیْهِ ۛۚ

هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿٢﴾ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ

بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿٣﴾ وَالَّذِیْنَ

یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾

ملنے کا پتہ:- کتب خانہ تاج آفس پوسٹ بکس ٣٠٥٨ محمد علی روڈ بمبئی ٣

مالابار میں دینی تعلیم کی مرکزی درسگاہیں

(از جناب محمد اسلم صاحب سکریٹری جمعیۃ دعوت تبلیغ اسلام مالابار)

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اس لئے اسلامی علوم کو بھی عالمگیری اور جہانبانی کا فخر حاصل رہا ہے۔ اسلام جہاں جہاں پہونچا وہاں وہاں اسلامی علوم نے بھی اپنے پرچم لہرادیے۔ کہاں عرب اور کہاں جنوبی ہند میں مالابار کا کنارا۔ چند مسلمانوں کا ایک قافلہ حبیب ابن دینار کی رہنمائی میں عرب سے چل کر مالابار پہونچا۔ یہ مسلمان خالی ہاتھ تھے۔ ان کے پاس نہ حکومت تھی نہ فوج اور نہ تلواریں تاہم انھوں نے ساحل ہند پر محض اسلامی تعلیم کی طاقت سے ایک راج کو فتح کرلیا۔ اور راجہ چیرامان مسلمان ہوگئے۔ ——— اسی مالابار میں اسلامی اور دینی تعلیم کا نقشہ کیا ہے اس کا ایک ہلکا سا خاکہ آپ کو اس مختصر اور بیش قیمت معلوماتی مضمون سے معلوم ہوگا — مدیر



مدرسۃ العالیہ عربک کالج دارالاسلام کاسرگوڈ ساؤتھ کنارا یہ دینی تعلیم کا ایک بڑا مرکز ہے۔ نہایت ہی زبردست علمی اور تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس ادارہ میں قریب چارسو طلباء دینی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ اسکی بناء ۱۹۴۱ء میں پڑی۔ مدرسۃ العالیہ کے صدر مہتمم جناب سی، ایچ، کنجی کلندن صاحب ہیں۔ اسلامی علوم کی ترقی اور ترویج سے خاص دلچسپی لے رہے ہیں۔ آپ قرآن و سنت کی تعلیم اور نشرو اشاعت کے کام میں

بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہے ہیں۔ ہر سال افضل العلماء کی ڈگری کے لئے پندرہ بیس طلبہ اس تعلیم گاہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اسلامی علوم کی اعلیٰ سند لیکر جاتے ہیں۔

روضۃ العلوم عربی کالج فروک ساؤتھ مالابار یہ ادارہ جناب مولوی ابوصبا احمد علی صاحب نے قائم کیا ہے مولوی صاحب محترم بڑی سرگرمی سے دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ کالج کے ساتھ ہی ساتھ ایک اورئیٹل ہائی اسکول بھی چلاتے ہیں۔ تقریباً ۲۰۰ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ کالج کا انتظام ایک مقامی کمیٹی چلا رہی ہے۔ ہر سال بچوں کو افضل العلماء کی ڈگری کے امتحان کے لئے تیار کر کے بھیجا جاتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہاں کے طلبہ سو فیصدی پاس ہوئے ہیں۔ اخراجات سرکاری گرانٹ اور عطیات سے پورے کئے جاتے ہیں۔ یہاں کے اساتذہ خدا کے فضل سے بہترین دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مدرسہ لواء الاسلام کالی کٹ مالابار ہندوستان میں سب سے پہلے مالابار کے خطہ میں مسلمان آئے اور وہاں سے اسلام کی شعاعیں چاروں طرف پھیلیں۔ مذہبی اور علوم عربیہ کے اعتبار سے مالاباری مسلمانوں میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ عربی تعلیم کے لئے جابجا مدرسے قائم ہیں۔

مدرسہ لواء الاسلام مالابار کے عربی مدرسوں میں ایک اضافہ ہے۔ چونکہ حکومت کے مدرسوں میں جانے والے طالب علموں کو عربی تعلیم اور مذہبی معلومات حاصل کرنے کا موقع نہیں رہتا اس لئے بالخصوص ایسے طالب علموں کی سہولت کے لئے یہ مدرسہ جاری کیا گیا ہے۔ چنانچہ صبح ۷ سے ۹ تک سرکاری اسکولوں میں جانے والے طلبا و اس مدرسہ سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ دوپہر اور رات میں شہر کے دوسرے لوگ اس مدرسے میں پڑھتے ہیں۔ اور حدیث و فقہ کی کتابوں سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اور کسی سے کوئی فیس وغیرہ نہیں لی جاتی۔ اس مدرسہ نے مختصر سی مدت میں عام لوگوں کے دلوں میں دینی تعلیم سے متعلق جو دلچسپی پیدا کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انشاء اللہ اسکی تعلیم عام ہوگی۔

جناب خلیفہ عبدالرزاق صاحب، جناب حاجی اے پی محی الدین صاحب، جناب ایم حسن صاحب، جناب جے جعفری صاحب، وغیرہم اس مدرسہ کے منتظمین ہیں۔ اور بڑی دلچسپی کے ساتھ اس مدرسہ کو اعلیٰ پیمانے پر پہونچانے کے لئے منہمک ہیں۔ انگریزی اسکول میں پڑھنے والوں کو دین کی طرف لگانے کے خیال سے ایک مستقل عربی مدرسہ کا اجراء مالابار میں پہل ہے۔ جو اسوقت مدرسہ لواء الاسلام کالی کٹ کی صورت میں ظاہر ہے۔

مدرسہ مشکوۃ الھدی انجمن ندوۃ المجاہدین کالیکٹ اس انجمن کے ماتحت ایک مدرسہ جاری ہے، جو قرآن حکیم اور حدیث شریف کی بہترین تعلیم دے کر مسلمانوں کو صحیح مسلمان بنانے میں کوشش کر رہا ہے۔ خرچ عام چندے سے پورا کیا جاتا ہے۔ صدر مدرس جناب عبداللطیف مولوی صاحب ہیں جو بڑے عالم اور فاضل ہیں۔ اعلیٰ قابلیت اور بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں۔

مدرسہ سلم السلام جمعیۃ المجاہدین اریکوڈ ساؤتھ مالابار اس ادارہ کے بانی جناب مولانا مولوی

خواہ عمل ہو یا نہ ہو، دونوں حالتوں میں علم دین حاصل کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ حدیث

عبدالسلام صاحب ہیں۔ جو عربی اور انگریزی کے اسکالر ہیں۔ موصوف نے بہت ہی جدوجہد اور تگ و دو کے ماتحت اریکوڈ ردیس میں یہ مدرسہ قائم کیا ہے۔ خدا کے فضل سے چار سو طلباء اور طالبات (۳۰۰ لڑکے اور ایک سو لڑکیاں) بڑی خوبی کے ساتھ قرآن اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔ مدرسہ کے صدر مدرس جناب مولانا شیخ محمد صاحب افضل العلماء ہیں۔ آپ حدیث کے حافظ اور ایک زبردست محدث ہیں۔ مولانا شیخ محمد صاحب ایک زبردست مقرر اور خطیب ہیں۔ جب آپ اسلام کی خوبیوں پر تقریر کرتے ہیں تو آپ کی تقریر لوگوں کے دلوں پر چھا جاتی ہے۔

مدرسۂ معدن العلوم کنّور یہ بہت پرانا مدرسہ ہے۔ جہاں پر ۴۰۰ لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پا رہے ہیں۔ ہر سال کم و بیش ۲۵ بچے باہر نکل جاتے ہیں۔ اور نئے بچے داخلے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ اس مدرسہ کے بانی کویا کٹی صاحب ہیں۔ اب بھی اس مدرسہ کے ناظم ہیں۔ بہت ہی عمر رسیدہ اور نیک انسان ہیں۔ اسی عمر میں جوانوں سے بڑھ کر قومی خدمت کر رہے ہیں۔

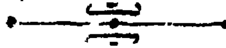
مدرسۃ المحمدیہ یہ ادارہ بھی شہر کالی کٹ میں واقع ہے۔ ۵۰۰ طلباء دینی اور مذہبی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مدرسہ کا انتظام ایک کمیٹی کر رہی ہے، جس کے صدر جناب پی، آئی، کنجمو کٹی صاحب ہیں۔ اور صدر مدرس جناب پی، ڈی، محمد مولوی فضل العلماء ہیں۔

مدرسۂ حمایت الاسلام کالیکٹ یہ مدرسہ شہر کالیکٹ میں واقع ہے۔ ۴۰۰ مسلم طلبہ دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ منتظمین کی ایک کمیٹی مدرسہ کا انتظام کر رہی ہے۔ صدر مدرس جناب حاجی پی، ایم احسن کویا صاحب ہیں۔ جو بڑی محنت کے ساتھ مدرسہ چلا رہے ہیں۔

جو شخص تقویٰ کرتا ہے اسکو پریشانیاں نہیں ہوتیں

جَامعہ مَدینۃ العُلوم (عربی کالج) پُلکّل مالابار

از جناب مولانا سی، سی عبدالرحمن صاحب مہتمم جامعہ مدینۃ العلوم



مالابار کی مشہور جنگ آزادی کے بعد وہاں کے موپلا قوم کے مسلمان تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور دینی و دنیوی تعلیم کے لئے انھوں نے سارے علاقہ مالابار میں ابتدائی مدارس اور چھوٹے چھوٹے مکاتب کا جال بچھادیا۔

ابتدا میں مالاباری بچے سرکاری مدارس میں سرکاری نصاب تعلیم کے ساتھ ساتھ ابتدائی دینی علوم بھی حاصل کرتے تھے، اور اس طرح قرآن ختم کرتے، کچھ سورتیں یاد کرتے، اور عقیدہ، فقہ اور تاریخ کے ملیاری زبان کے رسائل پڑھتے تھے، اس کے بعد مالابار کے مسلمانوں نے سرکاری مدارس ثانویہ میں عربی زبان کے داخلہ کے لئے کوشش کی۔ اور مطالبہ کیا کہ ہر سرکاری اسکول اور مدرسہ میں عربی زبان کا خصوصی انتظام ہونا چاہئے۔ چنانچہ حکومت نے ان کے اس مطالبہ کو ان کے بعض بعض مدارس میں عربی زبان کو داخل کیا۔ اور مسلمانوں نے اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں عربی زبان حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ تاکہ وہ وہاں پر کتاب وسنت اور دینی تعلیم پوری طرح حاصل کر سکیں، اس طرح بہت سے مسلم طلبہ انگریزی کی اعلیٰ ڈگری کے ساتھ عربی زبان کی اعلیٰ ڈگری بھی لے کر اسکولوں اور کالجوں سے نکلے۔

مَساجد میں دینی تعلیم

اس زمانہ تک مالابار کی اکثر مسجدیں دینی تعلیم کے لئے مرکز ہوا کرتی تھیں۔ اور ہر مسجد میں اپنے اپنے طور پر تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔ البتہ ان مساجد میں کوئی باقاعدہ نصاب تعلیم اور نظم و ضبط نہیں تھا۔ دوسرے مقامات کے طلباء آکر ان مسجدوں میں پڑھتے تھے۔ اور غریب ہونے کی وجہ سے محلوں میں کھانا کھاتے تھے۔ اور کھلانے والوں کے مکانات پر دور دور تک ان کو آنا جانا پڑتا تھا۔ مگر جب حکومت کی طرف سے وظیفہ جاری کرنے کا قانون چلا تو یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ اور گھروں پر عربی زبان کے طالب علموں کے کھانے کھلانے کا کام ختم ہو گیا۔ اس سے مصیبت یہ ہوئی کہ مسجدوں کے دینی مدارس بند ہونے لگے اور طلباء کا فقدان ہو گیا۔ اور دینی تعلیم کے بجائے امراء میں انگریزی اور دنیوی تعلیم کا ذوق بڑھ گیا۔ غرباء تو سرے سے تعلیم ہی سے محروم ہو گئے اور امراء انگریزی تعلیم میں لگ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجدوں کے مدرسے ویران ہو گئے۔ اور انگریزی اور مالاباری زبان کے مدرسے آباد ہو گئے۔

اور اب تو حال یہ ہے کہ موجودہ حکومت نے ہر قسم کی سرکاری تعلیم گاہوں میں مذہبی تعلیم کو غیر قانونی قرار دیدیا ہے اور ابتدائی مدارس سے لیکر کالجوں تک میں مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ کیونکہ ان سرکاری مدارس میں دینی تعلیم کا بالکل ہی سدباب ہو گیا ہے۔

جَامعہ مَدینۃ العلوم کی تشکیل

اس صورت حال نے مالابار کے علماء کو چونکا دیا۔ اور انھوں نے سوچا کہ اگر یہی سلسلہ جاری رہے تو مالابار کے مسلمانوں سے دینی تعلیم ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ اس دینی احساس کے ماتحت جمعیۃ علماء

رضائے حق علم دین حاصل کرنے پر موقوف ہے۔

کیرالا کے اراکین نے اٹھ کر علاقہ ایرناڈ کے موضع پلکل میں ایک "جامعہ عربیہ دینیہ" کی بنیاد ڈالی۔ اس علاقہ میں مسلمانوں یعنی موپلا قوم کی اکثریت ہے۔ یہ دینی اقدام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں کیا گیا۔ اس جامعہ میں تعلیم کے لئے چار درجے ہیں۔

۱۔ درجۂ اول۔ اس درجہ میں حروف ہجاء۔ قرآن، تجوید، بعض سورتوں کا حفظ، ان کا ترجمہ، مسنون دعائیں، ان کے ترجمے، عربی کی ابتدائی نحو وصرف، مختصر سیرۃ الرسول، ایمان، اسلام، عبادات میں ایک مختصر کتاب، اور تھوڑے حساب کے ساتھ ملیباری رسم الخط میں ملیباری زبان کی تعلیم ہوتی ہے۔

۲۔ درجہ دوم:۔ اس درجہ میں مکمل قرآن کریم کا ترجمہ۔ اس کے بعد الفوز الکبیر، کتاب الاربعین نووی۔ بلوغ المرام، ریاض الصالحین۔ نخبۃ الفکر۔ مختارات مسلم شریف، وغیرہ، کتاب المنہاج والقنیہ۔ مرقات، شرح تہذیب۔ الشیدیہ مدارج القراءت۔ الفیہ ابن مالک۔ النحو الواضح۔ البلاغۃ الواضحہ وغیرہ اور ناگری رسم الخط میں اردو زبان کی تعلیم اور حسب فرصت اور حسب ضرورت انگریزی زبان کی معمولی تعلیم۔ اس درجہ میں پڑھنے کے بعد طالب علم مدراس کالج کے اونچے امتحان میں بیٹھتا ہے

۳۔ درجۂ سوم:۔ یہ درجۂ علیا ہے۔ اس میں حسب ذیل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں:۔ مشہور تفسیروں کے اجزاء جیسے تفسیر المنار، الوحی المحمدی کے ساتھ۔ تفسیر بیضاوی، تفسیر کشاف، صحیح مسلم، صحیح بخاری، موطا۔ سنن ابو داؤد۔ وغیرہ، کتاب المحلی۔ جمع الجوامع مختصر المعانی۔ مسلم الثبوت۔ تشریح الافلاک۔ رسالہ ماردینی۔ فی المیقات۔ اقلیدس۔ خلاصۃ الحساب۔ جغرافیہ۔ تاریخ اسلام اردو زبان۔ عربی ادب کی تاریخ۔ عربی کے امثال۔ سبعہ معلقہ۔ نیز اور بہی علوم اس درجہ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ جو ہمارے نصاب سے معلوم ہوں گے۔ اس درجہ میں پڑھنے کے بعد طالب علم مدراس کالج کے "افضل العلماء" کے امتحان میں بیٹھتا ہے۔

۴۔ درجہ خصوصی:۔ یہ درجہ ان طالب علموں کے لئے ہے جو کسی خاص علم میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ درجہ باوجود کوششوں کے ہم قائم نہیں کرسکے۔ کیونکہ جامعہ کے مالی حالات اسکی اجازت نہیں دیتے۔

اور یہ واقعہ ہے کہ جمعیۃ علماء کیرالا نے جامعہ کے ان تین شعبوں کے اجراء میں بہت زیادہ کوشش کی مگر افسوس کہ ارباب ثروت کی غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے چوتھا درجہ ابتک قائم نہیں ہوسکا۔ مالدار لوگ دینی تعلیم کی طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ اور ان کو ان خطرات کا کوئی احساس نہیں ہے جو لادینیت کی راہ سے ان کے گھروں پر نظر جمائے ہوئے ہیں۔ اگر ملیبار کے اہل خیر معمولی سی توجہ کریں۔ تو اس قسم کے بہت سے نیک کام نہایت آسانی سے ہوسکتے ہیں۔ اور وہ اپنی ذمہ داری سے بھی عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔

خدمات کا سرسری جائزہ

جامعہ مدینۃ العلوم پلکل پورے علاقہ مالابار میں سب سے بڑی دینی اور عربی درسگاہ ہے۔ اس کالج کے اونچے درجے میں فی الحال پچاس لڑکے اور تین لڑکیاں تعلیم حاصل کررہی ہیں۔ اسی طرح درجہ اول و دوم میں پچاس لڑکے اور پانچ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں۔ ان میں سے ۸۰ لڑکے

جامعہ کے ہوسٹل میں رہتے ہیں۔ جن کے کھانے پینے کا انتظام مدرسہ کی طرف سے ہے ۔ نیز ان کی تمام ضروریات زندگی جامعہ پوری کرتا ہے۔ اسی طرح ۲۱ طالب علم ایسے جن کو جامعہ دوپہر کا کھانا دیتا ہے۔

جامعہ میں تعلیم کے بارہ ماہر اساتذہ ہیں جو مدراس کالج سے "افضل العلماء" کی سند رکھتے ہیں۔ ان تمام اساتذہ کو مولانا سی، سی، عبدالرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ ہذا کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس جامعہ کا طریقہ تعلیم نہایت مفید اور آسان ہے۔ سات سال کی قلیل مدت میں جامعہ سے سینکڑوں عالم نکل چکے ہیں۔ جو مالابار کے اطراف میں درس وتدریس کا کام کرتے ہیں' مالابار میں کوئی دینی مدرسہ ایسا نہیں ملیگا جس میں جامعہ مدینۃ العلوم کے فارغ التحصیل حضرات تعلیمی خدمت انجام نہ دیتے ہوں یا ان کے شاگرد اس میں کام نہ کرتے ہوں۔ یہ تو جامعہ کے تعلیمی اور دینی حالات تھے۔

جامعہ اپنی عمارت اور سامان کے اعتبار سے بہت ہی محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس سلسلہ میں ہماری امیدیں وابستہ ہیں۔

اس جامعہ کا سالانہ میزانیہ اس وقت تیس ہزار روپے تک پہونچ چکا ہے۔ املاک موقوفہ سے سالانہ ۱۵۰۰ کی رقم حاصل ہوتی ہے۔ باقی رقم جمعیۃ علماء کیرالا کے اراکین بہ نفس نفیس عوام سے وصول کرتے ہیں۔ اور صدقات خیرات زکوٰۃ اور چندوں سے بجٹ پورا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جامعہ کی طرف توجہ دیں۔ تاکہ یہ دینی ادارہ زیادہ سے زیادہ دینی خدمت انجام دے سکے۔

مالابار کے یتیم خانے

از جناب محمد اسلم صاحب

۱۔ جمعیۃ دعوت تبلیغ الاسلام مالابار

اسلامی تعلیمات کو کتاب وسنت کے مطابق ان کی صحیح روشنی میں تمام دنیا کے مسلموں اور غیر مسلموں کے سامنے پیش کرنا۔ یتیم اور لاوارث بچوں کی نگہداشت اور تعلیم کا انتظام۔ مدارس۔ یتیم خانوں اور صنعتی مراکز کے ذریعہ کرنے کے لئے مالابار کے مرکزی مقام کالی کٹ میں آج سے ۲۳ سال پہلے یہ جمعیۃ دعوت وتبلیغ اسلام کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

اسکی ابتدا نام نہاد موپلا بغاوت کے بعد ۱۹۲۱ء میں مرحوم ومغفور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب قصوری اور ان کے خلف الرشید مولانا محی الدین صاحب بی اے و مولانا محمد علی صاحب ایم اے نے کی تھی۔ ۱۹۲۱ء کے حادثہ عظیم میں اس جمعیۃ نے تین لاکھ روپے اپنے مالپلہ بھائیوں پر ان کی اصلاح وفلاح کے لئے خرچ کیا تھا۔

اس وقت مسلم والیان ریاست، اور مشہور اسلامی جماعتوں کے علاوہ نواب آف حیدر آباد نے پچاس ہزار روپوں کا شاندار عطیہ دیا۔ نیز آل انڈیا خلافت کمیٹی۔ جمعیۃ العلماء ہند ومسلم برادران رنگون وبنگلور نے جمعیۃ کو کافی مالی اعانت فرمائی۔ جس کی وجہ سے جمعیۃ نے سیکڑوں خاندانوں کو ہلاکت سے بچالیا۔ الحمد للہ

سنہ ۱۹۴۳ء میں ہیضہ کی وبا میں مالابار کے تقریباً تیس ہزار انسان لقمۂ اجل ہو گئے۔ جن میں تقریباً بیس ہزار مسلمان تھے جنھوں نے اپنے پیچھے کئی ہزار یتیم بچوں کو چھوڑا۔ ایسے نازک مرحلہ پر اس جمعیۃ نے حتی الامکان انسانی اور اسلامی ہمدردی کا ثبوت دیا۔

اس جمعیۃ کا ماہانہ خرچ چار ہزار روپے ہے، اس لئے کہ آج بھی یہ یتیم خانہ تقریباً ساڑھے تین سو یتیموں کی نگہداشت کر رہا ہے۔ اس مدرسہ کے منتظمین میں مولانا عبدالوہاب صاحب بخاری حاجی نذیر حسین صاحب تاجر مدراس۔ جناب ایس حاجی حسن صاحب اور جناب ایس، ایم، سید محمد صاحب۔ جناب کے محمد نہا صاحب، جناب سی، پی، کنجامو اور کے، پی احمد کویا ہیں۔ یہ لوگ کالی کٹ میں اپنی تجارت کرتے اور اس یتیم خانے کی نگہداشت بھی کرتے ہیں۔

اس یتیم خانے میں مذہبی تعلیم کا خاص انتظام ہے۔ حفظ بھی کرایا جاتا ہے۔ باغبانی۔ خیاطی اور بٹائی رسی وغیرہ بڑے

علم دین میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گمراہی سے بچاتا ہے

انتظام کے ساتھ سکھایا جاتا ہے۔ اس جمعیۃ نے کافی اسلامی لٹریچر کو ملیالم میں منتقل کیا ہے۔ جہاں کمزوری ہوتی ہے، وہاں غیر مسلم جماعتیں خصوصًا عیسائی مشنیری بڑی تیزی سے کام کرتی ہے۔ مالابار میں عیسائیوں کے بڑے بڑے مرکز ہیں، مالابار کے یتیم بچوں کو اسلام کے صحیح راستہ پر لگانے اور ان کو صحیح اسلامی ماحول میں تربیت دینے کے لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اس ادارہ کی طرف توجہ کریں۔

۲۔ ترورنگاڑی یتیم خانہ یہ یتیم خانہ ترورنگاڑی (جنوبی مالابار) میں ۱۹۴۳ء میں قایم کیا گیا۔ اس وقت ۳۰۵ بچے زیر پرورش ہیں۔ جناب ایم کے کنجی احمد صاحب یتیم خانہ کے ناظم ہیں۔ انتظام لوکل کمیٹی کرتی ہے۔ جس کے صدر جناب ایم کے مولوی صاحب ہیں۔ جو عمر رسیدہ ہونے کے باوجود نوجوانوں کی سی ہمت رکھتے ہیں اور اس ادارہ کو کامیاب بنانے کے لئے پوری کوشش کر رہے ہیں۔ مذہبی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

۳۔ چیرامان مالک منزل یتیم خانہ و مدرسہ۔ کرانگنور، کوچین یہ ادارہ مالابار قوم کی بھلائی و بہبودی کے لئے ۱۹۵۱ء میں کالی کٹ کی جمعیۃ دعوت تبلیغ اسلام (رجسٹرڈ) (ڈی، ٹی، اسلام) نے قایم کیا۔ ۵۰ یتیم بچوں کے علاوہ مقامی بچے بھی دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بچوں کو قرآن شریف، تفسیر و حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے۔ انجمن مقامی لوکل کمیٹی کے ذریعہ چل رہی ہے۔ مولوی کے ٹی ایشیخ علی صاحب وکادر کویا صاحب ناظم اور سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ فی الحال یتیم خانہ کے لئے عارضی سائبان بنالئے گئے ہیں۔ چیرامان (ہند و بادشاہ) جو پیغمبر کے زمانہ میں مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں مذہب اسلام قبول کیا۔ چیرامان تاج الدین نام رکھا واپسی میں انتقال کر گئے۔ مالک بن دینار وغیرہ انھیں کا فرمان لے کر کرانگنور آئے وہاں ایک مسجد تعمیر کی یہ مسجد ہندوستان کی سب سے پہلی مسجد مانی جاتی ہے۔ ٹھیک اسی مسجد کے سامنے مسلمانوں کو آباد کرنے کے لئے ہم نے یہ ادارہ بھی اسی بادشاہ کی یاد میں قائم کیا۔ جو آج بھی بڑی خوبی کے ساتھ چل رہا ہے۔

۴۔ دار السلام یتیم خانہ تلیچری۔ شمالی مالابار اس یتیم خانے میں اس وقت ۷۰ یتیم اور لاوارث بچے تعلیم پا رہے ہیں۔ مقامی لوکل کمیٹی یتیم خانہ و مدرسہ کا انتظام کرتی ہے۔ خرچ گورنمنٹ گرانٹ اور پبلک کے چندے سے پورا کیا جاتا ہے۔

۵۔ ترور مسلم دھرمہ پریالنہ سنگھم ترور شمالی مالابار اس ادارے کے ماتحت ایک یتیم خانہ اور ایک مدرسہ دو ادارے چل رہے ہیں۔

۶۔ ادتھناٹھکرا یتیم خانہ یہ یتیم خانہ بھی حال ہی میں قائم ہوا ہے۔ اللہ کے فضل سے سو بچے موجود ہیں۔ اس میں ۴۰ یتیم اور لاوارث ہیں۔ دینی تعلیم کا بہترین انتظام کیا گیا ہے۔ یتیم خانہ عام لوگوں کے چندے سے چلتا ہے۔ خدا کرے اس سال گورنمنٹ منظور کرلے تو گرانٹ بھی مل جائے گا۔

جو علم دین جان کر بھی غلطی کرے تو اس کو صاحب علم نہ کہا جائے گا۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دار العلوم مئو

ضلع اعظم گڑھ

(از جناب مولانا مشتاق احمد نائب ناظم)

یہ مدرسہ دار العلوم ایک قدیم مدرسہ ہے، جو تقریباً باسٹھ سال سے قائم ہے۔ بحمد اللہ اس اسلامی درسگاہ نے روز اوّل ہی سے روز افزوں ترقی کی ہے، اور اب بھی اس کے قدم میدان علم وعمل میں بڑھتے ہی جا رہے ہیں، اس کی ہمہ گیری ترقی اس کی وابستگیٔ شہرت اور کامیابی کی ضامن ہے

ہزاروں علماء قراء اور حفاظ اس درسگاہ سے فارغ ہو کر ہند وپاک کے مختلف مقامات میں اشاعتِ علم دین میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

اس بلند پایہ اور مستحکم بالشان درسگاہ کی نام ومقبولیت نے دور دراز کے مقامات سے شیدایانِ علم دین کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے، چنانچہ اس سرچشمۂ علم سے بنگال، آسام، برما، ملابار، مدراس، لنکا، پاکستان اور جزائر مالدیپ کے طلبہ سیراب ہو چکے ہیں، اور ہو رہے ہیں۔

سردست مدرسہ میں تقریباً ساڑھے پانچ سو طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جن کی معقول اور مناسب تعلیم وتربیت کے لئے قابل اور تجربہ کار اساتذہ مامور ہیں، جملہ مضامین ضروریہ، عربی، فارسی، دینیات، ریاضی، اردو، ہندی، تاریخ وجغرافیہ کے لئے ہر شعبہ الگ ہے، درس نظامیہ کی تعلیم دینے والے مدرسین اپنی ذاتی قابلیت، تبحر علمی، اور تجربات تعلیمی میں یکتا ومنفرد ہیں، جو طلبہ کو جملہ علوم وفنون مثلاً صرف ونحو، ادب، معانی، بلاغت، کلام، فلسفہ، تجوید کے لئے دو بے مثل قاری، درجہ حفظ وناظرہ کے لئے چھ مایۂ ناز وبیدار حافظ، فارسی ودیگر مضامین کے لئے لائق وتجربہ کار اساتذہ اپنے فرائض منصبی کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔

درس نظامیہ کے علاوہ امتحانات عربی وفارسی (عربی فارسی امتحانات بورڈ یوپی) کے امتحانات منشی کامل مولوی، عالم، اور فاضل کی بھی تعلیم کا معقول انتظام ہے، جس میں ہر سال کافی تعداد میں طلبہ شریک ہو کر کامیابی حاصل کرتے رہتے ہیں۔

وسعت آبادی شہر ونیز تعلیم کی مزید ضرورت محسوس کرتے ہوئے شہر کے اندر ایک دوسری درسگاہ شاخ

مدرسہ دارالعلوم کے نام سے تقریباً تیس سال سے قائم کر دی گئی ہے جس [illegible] رائی تعلیم دی جاتی ہے
اس وقت اس میں تقریباً ۱۵۰ طلبہ تعلیم پا رہے ہیں، یہاں بھی دو شعبے ہیں [illegible] اور [illegible] ہی اس مدرسہ
کی کفالت بھی مدرسہ دارالعلوم ہی کے ذمہ ہے۔ مدرسہ کی اپنی ایک [illegible] لاکھ کے صرفہ سے تیار
ہوئی ہے۔ رشاخ دارالعلوم کے علاوہ) جس میں متعدد درسگاہیں ہیں لیکن [illegible] کے لحاظ سے ناکافی ہیں،
اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ارباب حل وعقد مدرسہ کوشاں ہیں

ایک دارالعلوم بورڈنگ ہاؤس کی بھی عمارت ہے۔ لیکن اب وہ بھی [illegible] کی وسعت ناکافی ثابت
ہو رہی ہے، اس کی تعمیر کا مسئلہ زیر غور ہے۔

[illegible] غریب الوطن طلبہ کے طعام وقیام و دیگر اخراجات کا مدرسہ [illegible] ان بچاس طلبہ کے خورد و
نوش کا انتظام مدرسہ کے مطبخ سے ہے، اس کے علاوہ طلبہ کی ایک کثیر تعداد [illegible] کا انتظام شہر کے مخیر حضرات
نے اپنے ذمہ لیا ہے، مدرسہ میں جملہ اساتذہ کی تعداد اٹھارہ ہے، اور چھ دیگر ملازمین [illegible] تنخواہ کے سلسلے میں ساڑھے
گیارہ سو روپیہ ماہانہ صرف ہو رہا ہے۔

اس مدرسہ کے موجودہ مدرسین میں صدر المدرسین مولانا محمد مسلم صاحب جونپوری، مولانا [illegible] علی صاحب
بحریاآبادی، مولانا نظام الدین صاحب قابلِ ذکر حضرات ہیں، جو نہایت [illegible] دینی علوم وفنون کی خدمت کر رہے
رہے ہیں۔

اس مدرسہ سے استفادہ کرنے والوں میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی، حضرت مولانا محمد منظور صاحب
نعمانی، مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانی اور مولانا محفوظ الرحمن صاحب نامی وغیرہ ہیں۔


جامعہ دارالسلام عمرآباد

جامعہ دار السلام عمرآباد

(از مولانا عبد السبحان اعظمی عمری)

صوبہ مدراس ضلع نارتھ آرکاٹ میں آمبور ایک مشہور شہر اور اسٹیشن ہے آمبور سے جانب شمال تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر گڑھ آمبور ایک تاریخی مقام ہے جو کسی زمانے میں بہت آباد تھا لیکن اب ویران پڑا ہے اسی سے متصل جانب شمال ایک چھوٹا سا گاؤں عمرآباد ہے یہ پہلے ایک ویرانہ تھا کاکا حاجی محمد عمر صاحب مرحوم شریک روشن کمپنی ساکن گڑھ آمبور نے اس ویرانہ کو آباد کیا اور اپنے نام کی مناسبت سے اس کا نام "عمرآباد" رکھا، اسی عمرآباد میں "جامعہ عربیہ دار السلام" واقع ہے، اس علمی درسگاہ کی بنیاد ۷، دسمبر ۱۹۲۴ء میں پڑی۔

جامعہ دار السلام کی بنیاد کا سبب کاکا حاجی محمد عمر صاحب ایک معزز خاندان کے مخلص موحد اور پابند سنت تھے آپ کوئی اونچے تعلیم یافتہ نہ تھے مگر اہل علم کے بڑے عقیدت مند اور قدرداں تھے آپ تاجر چرم تھے۔ تجارتی سلسلے میں بھوپال، ٹونک، دہلی اور امرتسر وغیرہ کا سفر کیا اور جہاں گئے اکابر علماء سے ملاقاتیں کیں اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا، درج ذیل علماء جن سے آپ نے فیض حاصل کیا خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولینا سید نذیر حسین میاں صاحب مرحوم، سر سید احمد خان مرحوم، مولینا محمد بشیر صاحب مرحوم سہسوانی۔ مولینا سلامت اللہ صاحب مرحوم جیراجپوری، نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اور مولینا عبد الجبار صاحب غزنوی مرحوم

ان بزرگ علماء کی صحبت سے متاثر ہو کر آپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی دینی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا جائے جس میں دینی تعلیم کے ساتھ مغربی علوم بھی پڑھائے جائیں تاکہ طلبا دینی و دنیوی، مشرقی اور مغربی دونوں علوم سے واقف و مستفید ہو سکیں، چنانچہ آپ نے بڑی مستعدی اور سرگرمی سے اپنے اس خیال کو عملی شکل دیدی اور دار السلام کے نام سے ایک عربی مدرسہ کی بنیاد رکھ دی جو بعد میں چل کر "جامعہ عربیہ دار السلام" بن گیا۔

کاکا حاجی محمد عمر صاحب مرحوم نے اپنی دور اندیشی سے سات آدمیوں پر مشتمل ایک بورڈ بنا دیا تھا تاکہ مدرسہ ایک کمیٹی کے زیر اہتمام باضابطہ چلتا رہے، کمیٹی کو بڑی مستعدی کے ساتھ چلاتے اس کے اجلاس کرتے مدرسہ کی کارگزاری اور آمد و خرچ سب کو سناتے۔

اراکین جامعہ بورڈ کے ممبران کی تفصیل درج ذیل ہے (۱) کاکا حاجی محمد عمر صاحب صدر اور ٹرسٹی (۲) جلال حاجی عبد الکریم صاحب شریک روشن کمپنی، نائب صدر اور ٹرسٹی (۳) کاکا محمد اسماعیل صاحب فرزند

مال اللہ کی نعمت ہے اس کا ناجائز استعمال بُرا ہے

[illegible] معتمد [illegible] ٹرسٹی [illegible] ...ہیم صاحب فرزند بانی، نائب معتمد اور ٹرسٹی (۵) کاکا حاجی عبد الرزاق صاحب براد۔
[illegible] بانی ٹرسٹی [illegible] ...ب فہیم، ٹرسٹی (۷) مولینا محمد فضل اللہ صاحب، ناظم۔

دسمبر ۱۹۲۷ء [illegible] ...احب کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد صدر جلال حاجی عبد الکریم صاحب اور نائب صدر جناب نواب کی عبد الحکیم صاحب [illegible] ارکین کے انتقال کر جانے کی وجہ سے تیسرا انتخاب دسمبر ۱۹۳۹ء میں عمل میں آیا اور حسب ذیل اشخاص منتخب ہوئے (۱) کاکا حاجی عبد الرزاق صاحب، صدر اور ٹرسٹی (۲) جلال محمد ابراہیم صاحب فرزند جلال حاجی عبد الکریم صاحب مرحوم، نائب صدر و ٹرسٹی (۳) جناب کاکا محمد اسمٰعیل صاحب معتمد اور ٹرسٹی (۴) کاکا حاجی محمد اسحاق صاحب فرزند بانی مرحوم، نائب معتمد اور ٹرسٹی (۵) کاکا عبد العزیز صاحب فہیم آمبوری، ٹرسٹی۔

اگست ۱۹۵۲ء میں صدر جامعہ کاکا حاجی عبد الرزاق صاحب کا انتقال ہوگیا، ابھی جدید انتخاب عمل میں نہیں آیا، بہت دنوں سے ارکین کی کمیٹی کا کوئی جلسہ بھی نہیں ہوا۔

تعلیمی انتظام جامعہ کا تعلیمی انتظام ایک ناظم کے ماتحت ہوتا ہے اس کے اولین ناظم مولینا محمد فضل اللہ صاحب مرحوم جو علاقہ مدراس کے ایک جید عالم تھے۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۴۳ء تک رہے۔ مرحوم مدرسہ کے رکن بھی تھے آپ کے انتقال کے بعد جامعہ کے پرانے استاد مولینا غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۰ء تک ناظم رہے۔ آپ کی صحت کمزور ہونے کی وجہ سے ۱۹۵۰ء میں مستعفی ہوگئے اس کے بعد پورے اساتذہ کی ایک کمیٹی بنا کر اس کا صدر مولینا حافظ عبد الواجد صاحب عمری رحمانی کو منتخب کیا گیا اب نظامت کے فرائض مذکور موصوف، اساتذہ کی کمیٹی کو ساتھ لے کر انجام دے رہے ہیں۔

تعلیمی اسٹاف بڑی بڑی مشہور شخصیتوں نے جامعہ میں تعلیمی خدمات انجام دی ہیں مثلاً مولینا عبد الصدیق صاحب بہاری مرحوم، مولینا محمد شفیع صاحب مئوی (مئوناتھ بھنجن) مولینا عبد الوہاب صاحب آروی (موجودہ صدر اہلحدیث کانفرنس) مولینا محمد عثمان صاحب شاہجہانپوری میرٹھی مولینا محمد نعمان صاحب مرحوم مئوی (راقم سطور کے والد محترم) مولینا ابو القاسم صاحب قدسی مئوی (راقم سطور کے عم محترم) مولینا حافظ محمد صاحب پنجابی گوندلانوالے، مولینا عبید الرحمن صاحب رحمانی عاقل بہاری، مولینا محمد اسمٰعیل صاحب مدراسی، مولینا سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری

موجودہ اسٹاف حسب ذیل ہے:۔ (۱) استاذ الاساتذہ مولینا غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی۔ جنوبی ارکاٹ میں تینمبور ایک موضع ہے وہیں کے آپ باشندے ہیں مدرسہ لطیفیہ ویلور کے فارغ ہیں۔ اردو، فارسی اور عربی ادب پر کامل عبور رکھتے ہیں اس فن کے مسلم الثبوت استاذ ہیں، شعر و شاعری میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ مصحف نامی رسالہ آپ کی ادارت میں جامعہ سے نکلتا تھا۔

(۲) مولینا حافظ عبد الواجد صاحب رحمانی عمری۔ شمالی ارکاٹ میں عمرآباد سے سات میل جانب شمال پرنام بٹ ایک شہر ہے وہیں کے آپ باشندے ہیں۔ جامعہ دار السلام سے فراغت کے بعد آپ مدرسہ رحمانیہ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں سے بھی سند فراغت حاصل کی، ٹھوس علمی قابلیت رکھتے ہیں۔ جامعہ میں تعلیم کے علاوہ اپنے شہر میں امامت و خطابت اور درس قرآن کے

روح کی غذا اللہ کا نام لینا خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنا اور موت کو یاد کرنا ہے۔

فرائض انجام دیتے ہیں، روزانہ صبح میں اپنے مقام سے آتے ہیں اور شام کو واپس چلے جاتے ہیں جامعہ کا دارالافتاء بھی آپ ہی سے متعلق ہے، نظامت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

(۳) عبد السبحان اعظمی عمری ۔ راقم سطور، مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ کا باشندہ ہے جامعہ کا فارغ اور اس کا خادم بن کر تعلیمی خدمت انجام دے رہا ہے مسجد عمر آباد کا خطیب ہے، طب سے بھی کچھ لگاؤ ہے اور جامعہ کے طلباء کے معالجہ کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

(۴) مولینا سید امین صاحب عمری ۔ شمالی ارکاٹ میں بنگرم ایک موضع ہے آپ وہیں کے باشندے ہیں۔ جامعہ سے فارغ ہوکر آپ پنجاب گئے، مولینا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی اور مولینا احمد علی صاحب لاہوری کی خدمات بابرکات میں رہ کر معارف القرآن کا ذخیرہ لے کر واپس آئے، معارف قرآن سے خاص شغف ہے

(۵) مولینا حافظ سید عبد الکبیر صاحب عمری ۔ مولانا سید محمد امین صاحب کے برادر خورد ہیں، ماشاء اللہ ذہن اور حافظہ اچھا ہے اپنی محنت سے قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا، جامعہ کے ہونہار فرزندوں میں ہیں اچھی علمی لیاقت وقابلیت رکھتے ہیں، ادب عربی کا اچھا ذوق ہے۔

(۶) مولینا ابو البیان عبد الرحمن خان صاحب حماد عمری ۔ علاقہ میسور میں مالور ایک موضع ہے آپ وہیں کے باشندے ہیں، جامعہ سے فارغ ہونے کے بعد پنجاب گئے۔ دار العروبہ جالندھر میں مولینا مسعود عالم صاحب مرحوم کے پاس بھی کچھ دنوں تک رہے، نوجوان شاعر ہیں، ذہن رسا پایا ہے شعروشاعری میں مہارت رکھتے ہیں، جامعہ میں رہتے ہوئے بنگلور سے "پیغام" نامی پندرہ روزہ ایک دینی اور اصلاحی رسالہ نکالتے ہیں۔

(۷) مولینا امین احمد صاحب عمری ۔ ضلع شمالی ارکاٹ میں وانمباڑی ایک مشہور شہر ہے آپ وہیں کے باشندے ہیں، جامعہ کے سابق ناظم مولینا فضل اللہ صاحب مرحوم کے فرزند ہیں، اسی جامعہ کے فارغ ہیں علمی لیاقت اچھی ہے ادب عربی کا ذوق بھی رکھتے ہیں۔

(۸) مولینا احمد اللہ خان صاحب عمری ۔ ضلع سیلم میں کشنگری ایک تاریخی مقام ہے وہیں کے ایک موضع کے باشندے ہیں، قومی خدمات کا جذبہ رکھتے ہیں، جامعہ کے ان فرزندوں میں سے ہیں جن کے ذریعہ جامعہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا فارسی کی زیادہ تر کتابیں آپ ہی پڑھاتے ہیں۔

(۹) مولینا قاری حافظ عبید اللہ صاحب عمری ۔ آپ پرنام بٹ کے باشندے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور بصارت کے بجائے نور بصیرت سے نوازا ہے، جامعہ سے فارغ ہوکر آپ پانی پت گئے اور وہیں سے فن تجوید کی تکمیل کرکے سند فراغت لے کر واپس آئے۔ جامعہ میں آپ کے ذمہ تجوید کے علاوہ دوسری کتابوں کے بھی اسباق ہیں، طلبا کو حفظ بھی کراتے ہیں۔

(۱۰) جناب ماسٹر سید عزیز مہدی صاحب بخاری ۔ آپ علی گڑھ کے پرانے گراجویٹ ہیں انگریزی کے علاوہ اردو فارسی

علماء کی مخالفت کرنا حضور کی مخالفت کرنا ہے۔ (اقوال اشرف)

ادب کا خاصہ ذوق رکھتے ہیں، شعر و شاعری سے بھی دلچسپی ہے، سخن سنج اور سخن فہم ہیں۔

(۱۱) جناب کاکا محمد اسماعیل صاحب معتمد جامعہ — جامعہ کی ابتداء سے اب تک معتمد ہیں، عالم نہیں مگر اہل علم کے بڑے قدر شناس ہیں، معلومات بہت وسیع ہیں، مرنجاں مرنج ہیں۔ مخالف و موافق سے اس طرح ملتے ہیں گویا ان سے خاص محبت ہے، مدبر اور دوراندیش ہیں۔ سرکار انگریزی کے دور میں قومی خدمات کے سلسلے میں "خان بہادر" کے خطاب سے نوازے گئے، ملی اور قومی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں، علم دوست ہیں، جامعہ کے علاوہ ایک اسکول بھی چلاتے ہیں جس میں مسلم اور غیر مسلم بچے تعلیم پاتے ہیں، اس کے علاوہ ایک مدرسۂ نسواں بھی چلا رہے ہیں جس میں مسلمان لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔ جامعہ کے اسٹاف سے محبت رکھتے ہیں اور برادرانہ برتاؤ سے پیش آتے ہیں، ہمدرد قوم و ملت ہیں، ہر قوم میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، عمر کی ۸۵ منزلیں طے کر چکے ہیں، قویٰ مضمحل ہونے لگے ہیں، صحت درست نہیں، اللہ تعالیٰ ان کو صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین۔

جامعہ کا نصاب

جامعہ کا تعلیمی نصاب درس نظامی سے الگ ایک جدید نصاب ہے جو قدیم و جدید دونوں عہدوں کی خصوصیات کا حامل ہے پورا نصاب نو سال کا ہے جس میں پہلے درجہ کا نام ابتدائی ہے۔ اس کے بعد اول سے ہشتم تک جماعتیں ہیں، نصاب کا اجمالی خاکہ یہ ہے۔ فن حدیث میں بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، منتقیٰ، مشکوٰۃ اور بلوغ المرام، اصول حدیث میں شرح نخبہ۔ فن تفسیر میں جماعت ہفتم میں جلالین، ہشتم میں بیضاوی، اور سوم سے ششم تک اخیر کے پندرہ پاروں کا ترجمہ، اصول تفسیر میں فوز الکبیر، فقہ میں شرح وقایہ اولین، ہدایہ اخیرین اور ہدایۃ المجتہد لابن رشد، اصول فقہ میں نور الانوار اور مسلم الثبوت، ادب میں قرأۃ رشیدہ، کلیلہ و دمنہ، مقامات حریری، سبع معلقات، کلام الملوک اور حماسہ، معانی و بلاغت میں مجموع الادب، مختصر المعانی اور دلائل الاعجاز۔ اسرار شریعت میں حجۃ اللہ البالغہ ملشاہ ولی اللہ دہلوی، منطق میں مرقات، شرح تہذیب اور قطبی، فلسفہ میں افاضہ قدسیہ، عقائد میں شرح عقائد نسفی نفسیات میں علم النفس، تاریخ میں تاریخ الامم الاسلامیہ للخضری بک حصہ اول، ثانی اور ثالث، تجوید، جغرافیہ، حساب اور انگریزی۔

تعلیمی حالت

جامعہ کی تعلیمی زبان اردو ہے، مدراس کے اکثر اضلاع میں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے، ملیبار میں اردو شاذونادر ہی بولی جاتی ہے، ملیبار سے جو طلبا جامعہ میں آتے ہیں وہ بہت جلد ماحول سے متاثر ہو کر اردو بولنے اور سمجھنے لگتے ہیں، اس طرح جامعہ خاموشی کے ساتھ اردو کی اشاعت بھی کر رہا ہے۔

مدراس کے علاقہ میں ابتدائی دینی مدارس بہت ہی کم ہیں۔ عام طور پر جامعہ میں ایسے طلبا ہی آتے ہیں جو قرآن مجید ختم کرکے اردو کچھ لکھ پڑھ لیتے ہیں اس لئے مجبورًا ایک ابتدائی مدرسہ کھولا گیا ہے ایک سال اس میں اردو اور فارسی پڑھائی جاتی ہے جس سے طلباء پہلی جماعت میں داخل ہونے کے لائق ہو جاتے ہیں، ملیبار سے آنے والے طلبا اور دیگر جماعتوں کے لائق ہوتے ہیں، مگر بحمد اللہ ملیبار میں دینی مدارس کی کثرت ہے اور وہاں کے بہت کم طلبا ادھر کا رخ کرتے

ہیں، شمالی ہند دور ہونے کی وجہ سے ادھر کی جماعتوں کے طلبار وہاں سے بھی نہیں آتے۔

نصاب کی جامعیت، اساتذہ کی محنت و توجہ اور طلبار کے شوق و رغبت سے بحمداللہ ان میں اچھی لیاقت پیدا ہو جاتی ہے اسی کے ساتھ حساب، جغرافیہ اور انگریزی سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے، مدراس یونیورسٹی سے مدرسہ کا الحاق ہے، یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات افضل العلماء اور منشی فاضل میں طلبار شرکت کرتے ہیں اور پوری یونیورسٹی میں اسی اور نوے فیصد اور بعض مرتبہ سو فیصد کامیاب ہوتے ہیں۔

جامعہ سے ملحق ایک شاندار کتب خانہ "عمر لائبریری" کے نام سے قائم ہے جس میں اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور تامل کی مختلف علوم و فنون پر مشتمل کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، فرصت کے اوقات میں طلبار یہیں کتب بینی کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی خارجی معلومات میں کافی وسعت پیدا ہوتی ہے۔

جامعہ میں دائرۃ الادب اور اصلاح الاخلاق دو علمی انجمنیں ہیں جن میں طلبار ہفتہ وار تقریر کرتے ہیں اور تحریر سناتے ہیں، اردو کے رسائل و اخبارات کے مطالعہ سے سیاسی تحریکوں سے واقفیت رکھتے ہیں، جامعہ سے "مصحف" نامی دینی، علمی اور ادبی ماہوار رسالہ بھی استاذ الاساتذہ مولینا غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی کی ادارت میں نکلتا تھا، اس کا ایک پریس بھی ہے، رسالہ بعض وجوہات کی بنا پر بند ہو گیا، جامعہ کا ایک ذاتی کتب خانہ بھی ہے جس میں عربی اور فارسی کتابوں کا بڑا ذخیرہ ہے۔

طلبار کی تعداد اور رہائش

جامعہ کی عمارت دو منزلہ سادہ مگر پختہ اور شاندار سڑک سے متصل جانب مشرق شرقاً و غرباً مستطیل واقع ہے، اندر دو صحن ہیں اور ان میں نیچے اوپر دور دیہ طلبار کے رہائشی کمرے ہیں، عقب میں دارالطعام اور اس کے عقب میں مطبخ ہے، جامعہ میں طلبار کی تعداد سو سے متجاوز رہا کرتی تھی لیکن اب چند سالوں سے خصوصاً جنگ عالمگیر کے بعد سے سو سے کم ہی رہتی ہے۔ پورے طلبار کے لئے بلاکسی امتیاز اور بلاکسی معاوضہ کے جامعہ کی طرف سے تینوں وقت کھانے کا انتظام ہے، تمام طلبار دارالطعام میں بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں، متعدد کمرے ہیں ایک کمرے میں دو دو یا تین طلبار چٹائیاں بچھا کر رہتے ہیں۔ طرز رہائش بالکل سادہ ہے، ہر کمرے میں جامعہ کی طرف سے لائٹ کا انتظام ہے، جامعہ کے کتب خانہ سے طلبار کو درسی کتابیں دی جاتی ہیں، ان کے لئے دھوبی اور حجام مقرر ہیں، شام کو چھٹی ہونے کے بعد کچھ طلبار سیر و تفریح کو نکل جاتے ہیں، کچھ ورزشی کھیلوں میں مشغول ہو جاتے ہیں مثلاً بیڈ منٹن، والی بال وغیرہ۔

اساتذہ اور طلبار

اللہ تعالیٰ کی یہ بڑی نعمت ہے کہ جامعہ کے تمام اساتذہ اتفاق و اتحاد اور میل محبت سے باہم شیر و شکر رہتے ہیں ان میں سادگی اور بے تکلفی ہے۔ فرصت کے اوقات میں سب ایک ساتھ مل کر اس طرح بیٹھتے اور باتیں کرتے ہیں جیسے احباب کیا کرتے ہیں حالانکہ ان میں بعض حضرات بعض کے استاذ اور

تقلید میں راحت ہے اور نفس کی حفاظت بھی۔

بعض کے اساتذہ الاستاذ بھی ہیں، غیر شخص ان کو دیکھ کر کبھی یہ محسوس نہیں کریگا کہ یہ اس تعلیمی ادارہ کے اساتذہ ہیں اور ان میں استاد اور شاگردی کی نسبت بھی ہے، پھر لطف یہ کہ اساتذہ فقہی اور سیاسی مسلک کے لحاظ سے مختلف الخیال بھی ہیں۔ اسی طرح طلبا کے ساتھ ان کا برتاؤ بڑا ہی ہمدردانہ ہے، وہ طلباء کے ساتھ صرف تعلیمی حد تک ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ تعلیمی اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی ان کی علمی اور اخلاقی نگرانی بھی برابر کرتے رہتے ہیں، طلباء میں حنفی، اہلحدیث اور شافعی تینوں ہیں، حنفی طلبا کی تعداد اکثریت میں رہتی ہے، لیکن ان طلباء میں فقہی تعصب ذرا نہیں ہوتا ہر ایک شخص دوسرے سے میل ملاپ کے ساتھ رہتا ہے اور اپنے اپنے مسلک پر آزادی کے ساتھ عمل کرتا ہے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار نہیں کرتا، جامعہ کی یہ خصوصیت ابتدائی دور سے اب تک محمد اللہ باقی ہے اور یہ ایسی نعمت ہے کہ اس کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

جامعہ کے فارغین

جامعہ کے فارغین، عمرآباد کی نسبت سے اپنے کو "عمری" لکھتے ہیں۔ الحمد للہ کہ تیس سال کی مدت میں جامعہ سے بہت سے افراد فارغ ہو کر نکلے بعض نے یہاں سے فارغ ہو کر انگریزی میں بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کیں، بعض نے فن طب کی تکمیل کی، جامعہ کے اکثر فارغین صوبہ مدراس کے اسکولوں اور کالجوں میں تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں، کچھ لوگوں نے دینی خدمت کے خیال سے مسجدوں کا رخ کیا اور امامت و خطابت کے ساتھ درس قرآن بھی دیتے ہیں، اس طرح وہ دین کی بہت اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔

جامعہ کے چند مخصوص افراد کے نام جو اس وقت اہم اداروں میں کام کر رہے ہیں، درج ذیل ہیں :۔

شہر مدراس میں سرکاری ملازمتوں میں حسب ذیل اشخاص ہیں (۱) مولوی محمد یوسف کوکن عمری ایم اے، جونیئر اردو لکچرار مدراس یونیورسٹی (۲) مولوی حبیب خان سرورش عمری ایم اے عربک لکچرار گورنمنٹ آرٹس کالج (۳) مولوی سید عظمت اللہ سرمدی عمری ایم اے، لکچرار آف اسلامک کلچر، گورنمنٹ آرٹس کالج (۴) مولوی نورالدین ملیباری عمری عربک منشی آرٹس کالج (۵) مولوی سید حمزہ حسین عمری منشی گورنمنٹ لائبریری، مولوی محمد حسین شاکر عمری ایم اے، اننت پور کالج آندھرا۔ مولوی عبدالرحمٰن خان تشنہ عمری ایم اے، اسلامیہ کالج وانمباڑی، مولوی سید عبدالحکیم عمری میسوری، میسور کالج فارسی منشی ہیں اور مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے ہیں، مولوی عبدالوہاب ظہوری عمری عثمانیہ طبیہ کالج حیدرآباد کے فارغ اور اب وہیں پر وفیسر ہیں۔ مولوی عبدالباقی اعظمی عمری تکمیل الطب والجراحت لکھنؤ کے فارغ اور مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ میں مطب کرتے ہیں، مولوی فضل الرحمٰن اعظمی عمری راقم سطور کے برادر خورد، مولوی عبدالعزیز اعظمی عمری راقم سطور کے برادر عمزاد، دونوں جامعہ رحمانیہ بنارس میں مدرس ہیں، مولوی عزالدین ملیباری عمری، ملیبار میں سرگرمی سے تعلیمی اور تبلیغی کام کر رہے ہیں جابجا دینی مدارس قائم کئے ہیں، مولوی سراج الاسلام ملیباری عمری، مشرقی پاکستان چٹاگانگ میں امامت وخطابت کا کام کر رہے ہیں، مولوی محمد طائی ملیباری عمری کا سرگوڈ کے ہائی اسکول میں عربک

بلا ضرورت گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے

منشی، مولوی عبداللہ ملیباری عمری، المدرسۃ العالیہ کاسرگوڈ میں مدرس ہیں، مولوی سلیمان خان عمری ستیہ منگلم میں ہائی اسکول میں منشی، مولوی سید عبدالقادر نویدی عمری ونمبتور ہائی اسکول میں منشی ہیں، مولوی شیخ عبداللہ عمری کوئمبتور میں امامت و خطابت کا کام کررہے ہیں، مولوی عبدالباری بنگلوری عمری بنگلور میں ایک پرائیوٹ مدرسہ چلا رہے ہیں آزاد اخبار بنگلور اور اس کے پریس کے مالک ہیں، مولوی محمد خلیل بنگلوری عمری آزاد پریس کے منیجر ہیں، مولوی سید ابراہیم عمری سنجو [illegible] بجنور میں منشی ہیں مسجد میں امامت و خطابت کا کام بھی کرتے ہیں، مولوی حافظ عبدالسلام عمری، سی پی کے ہیں آج کل ضلع شمالی ارکاٹ میں امامت و خطابت اور درس قرآن کے فرائض انجام دیتے ہیں، جامعہ سے فراغت کے بعد پرائیوٹ طور پر طب پڑھی اب مطب کرتے ہیں، مولوی سید قرۃ العین پھلواروی عمری حالیاً اس وقت مسلم گڑھ میں کسی کام پر ہیں مولوی اقبال احمد علمی عمری، یہاں سے فارغ ہوکر علی گڑھ میں ایم اے کیا، پھر ہیں اس وقت [illegible] کر رہے ہیں، مولوی [illegible] قدسی عمری مدرسہ نصرۃ الاسلام پرنام بٹ میں صدر مدرس ہیں، مولوی عبدالقادر عمری [illegible] ہائی اسکول میں منشی، مولوی خطیب عبدالرحمن عمری، مظہر العلوم ہائی اسکول آمبور میں منشی ہیں، مولوی سید عباس [illegible] عمری، جامعہ محمد [illegible] منیجر ہیں، مولوی سید صدیق حسین عمری مسند طبیہ کالج دہلی [illegible] باڑی میں امامت و خطابت اور طبابت کر [illegible]

جزائر ملدیپ کے بھی چند طلبا یہاں سے فارغ ہوئے ہیں ان میں ایک مولوی عبدالباری عمری ملدیپ [illegible] بڑے سرکاری مدرسہ المدرسۃ المجیدیہ میں مدرس ہیں جامعہ کے فارغین میں ادب، شعر و شاعری [illegible] تالیف کا بھی اچھا ذوق ہے اور اس سے دلچسپی رکھتے ہیں، اس فن کے چند مخصوص حضرات کے نام درج ذیل ہیں:

مولوی حبیب خاں سرو ش عمری ایم اے۔ مولوی سید عظمت اللہ مہدی عمری ایم اے، مولوی محمد یوسف کوکن عمری [illegible] مولوی عبدالوہاب ظہوری عمری پروفیسر عثمانیہ طبیہ کالج حیدرآباد، مولوی فضل اللہ شریف وحدتی عمری، مولوی عبدالرحمن خان حماد عمری، مولوی سید عبدالکبیر صاحب فوزی عمری، مولوی اقبال احمد اعظمی علمی عمری، مولوی سید عبدالقادر نویدی عمری، مولوی عبدالرحمن خان تشنہ بی۔ اے عمری۔

جامعہ کی آمدنی اور مصارف

جامعہ کی آمدنی محدود اور صرفہ کثیر ہے۔ شہر مدراس میں اس کی کچھ دکانیں ہیں جن سے کرائے وصول ہوتے ہیں، مدراس یونیورسٹی سے گرانٹ کی کچھ رقم ملتی ہے جو مصارف کے لحاظ سے ناکافی ہے، جناب کاکا محمد اسماعیل صاحب معتمد جامعہ کی کوشش و محنت اور چند مخلص معاونین کی اعانت سے کام چل رہا ہے، ذرائع آمدنی کو بڑھانے اور جامعہ کو مزید ترقی دینے کے لئے کوشش ہو رہی ہے، مخلص معاونین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

جناب حاجی شیخ عبدالعزیز صاحب مالک باوٹا بیڑی دھوبی پیٹ مدراس، جناب موکانے حاجی محمد ابراہیم صاحب تاجر چرم ساکن پرنام بٹ، جناب آنیکار حاجی عبدالشکور صاحب تاجر چرم ساکن نریم بٹ، جناب حاجی سی عبدالشکور صاحب مالک ہمالیہ بیڑی پرنام بٹ۔

کھانا کھلانا جائز ہے مگر تفاخر کے ساتھ ناجائز

جامعہ کے متعلق مولینا سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم کی رائے گرامی

جامعہ دارالسلام کی بارہ سال کی زندگی کے بعد اہنائے جامعہ کی دستار بندی کا پہلا جلسہ شعبان ۱۳۵۶ھ میں منعقد ہوا تھا اس جلسہ میں شمالی ہند کے چند نامور علماء مثلاً مولینا احمد سعید صاحب، سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند، مولینا سید داؤد صاحب غزنوی، مولینا احمد اللہ صاحب مرحوم شیخ الحدیث رحمانیہ دہلی، مولینا خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی اور مولینا سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم، تشریف لائے تھے، واپسی کے بعد جامعہ کے تعلیمی حالات سے متاثر ہو کر سید سلیمان صاحب ندوی نے رسالہ معارف میں جامعہ پر اہم نوٹ تحریر فرمایا تھا جو درج ذیل ہے:-

"مدراس کے اس مقام میں جو آرکاٹ کے نام سے مشہور ہے اور جو کبھی ایک اسلامی حکومت کا مرکز تھا اور جس کے کھنڈروں میں اب بھی اسلامی جاہ و جلال کی یادگاریں دفن ہیں، اب ایک نئی اسلامی حکومت کا آفتاب نکلنے والا ہے مگر یہ آفتاب سیاست کا نہیں بلکہ علم و فن اور کتاب و سنت اور اسلامی تبلیغ و تہذیب کا ہے اور اس کا نام "جامعہ دارالسلام عمرآباد" ہے۔

۱۹۲۴ء میں اس ویرانہ (گرڈا مبور) کی قسمت جاگی، روشن کمپنی کے شریک اعظم کاکا حاجی محمد عمر نے جو ان اطراف کے مخلص موحد تاجر تھے اور جنہوں نے سالہا سال امرتسر میں مولینا عبدالجبار صاحب غزنوی کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا، اس زمین کو خرید لیا اور اپنا مسکن بنایا اور اپنے نام کی نسبت سے "عمرآباد" اس کا نام رکھا اور اسی کے ساتھ "دارالسلام" نام ایک نئے طرز کے عربی مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اس کو مدراس کا "دارالعلوم ندوۃ العلماء" سمجھنا چاہئے، نصاب مختصر اور مفید بنایا گیا، معقولات کو کم کیا گیا، دینیات پر زور دیا گیا، انگریزی ضروری کی گئی، کتب خانہ کی بنیاد ڈالی، دارالاقامہ بنا، مسجد بنی، مدراس اور ہندستان کے مدرس یکجا کئے گئے، حنفی اور اہلحدیث عالم ساتھ مل کر بیٹھے اور فقہی تعصب کا خاتمہ کیا، طالب علموں کی تعلیم و تربیت پر محنت صرف کی گئی اور اردو زبان یہاں کی تعلیمی زبان قرار پائی، لڑکے اس میں تقریر و تحریر کرتے ہیں، اس کا "مصحف" نام کا ایک اردو رسالہ ہے ایک پریس ہے۔

اس دفعہ مدرسہ نے اپنی بارہ سال کی عمر میں اپنے فارغ طالب علموں کو سند دینے اور ان کی دستار بندی کی رسم ادا کرنے کے لئے وسط شعبان ۱۳۵۶ھ میں جلسہ ترتیب دیا اور پنجاب، دہلی، یوپی اور مدراس کے عالموں کو شرکت کی دعوت دی، جلسہ نہایت کامیاب ہوا، انتالیس طالب علموں کو فراغت کی سند دی گئی اور ان کی دستار بندی کی رسم ادا کی گئی۔

فارغ طلبہ نے اردو، عربی اور انگریزی میں تقریریں کیں۔ یہاں کے کئی طالب علموں نے عالم ہو کر انگریزی پڑھی اور یونیورسٹی کا امتحان پاس کیا ہے۔ اس کے طلبہ میں الحمد للہ پڑانے مدرسوں کی فرسودگی نہیں، با خبر اور زمانہ کے رنگ سے آگاہ ہیں اور ہندستانی جاننے کی وجہ سے ہندستان کی ساری تحریکوں سے واقف ہیں، مدرسین بھی، خیر خواہ اور مخلص ہاتھ آئے ہیں خصوصاً مولینا فضل اللہ صاحب کا وجود انکی رہبری کے لئے بیحد مفید ہوا ہے، ہم کو جنوبی ہند میں اس درسگاہ کے ذریعہ مسلمانوں میں اصلاح اور بیداری پیدا ہونے کی بڑی امید ہے۔ (معارف جنوری ۱۹۳۸ء)

اس کا اتباع کرو جو احکام خداوندی میں علم و عمل کا جامع ہو۔

جامعہ مظہر العلوم بنارس

پر

ایک نظر

(مولانا محمد اسحٰق صاحب بناری)

بنارس ہندوستان کا ایک قدیم تاریخی اور علمی شہر ہے، جس کی عظمت آج تک مسلّم ہے، یہاں ہر علم وفن کے اصحاب فضل وکمال پیدا ہوئے۔ اور یہاں کی خاک میں آسودۂ خواب ہیں، ادیب وشاعر، حکیم ومتکلم، صوفی وزاہد اور عالم ومحدث غرض ہر طبقہ کے نفوس قدسیہ سے یہ شہر آباد تھا، جن کے تفصیلی حالات اور کارنامے تاریخی شواہد کے ساتھ موجود ہیں، اگر پٹنہ میں صادق پور، اور لکھنؤ میں فرنگی محل کو نامور علماء کے مرکز ہونے کا فخر حاصل ہے، تو بنارس کی دھرتی بھی ان نجوم ہدایت کی روشنی سے جگمگا رہی ہے. جہاں دور دور سے طلبا آتے، اور اپنی علمی پیاس کیلئے یہاں کے چشمۂ صافی سے سیرابی حاصل کرتے۔

حضرت شاہ طیب بنارسی رحمتہ اللہ علیہ جن کے وسیع حلقۂ درس میں ملک کے مختلف حصوں سے طالبان علم آتے. وراس پیکر علم وعمل سے خوشہ چینی کرتے. آپ کا زندہ جاوید تذکرہ معارف اعظم گڈھ کے صفحات پر، حضرت استاذ محترم علامہ ابو المآثر حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی شیخ الحدیث کے قلم سے شائع ہو رہا ہے۔

بنارس کی مرکزیت عہد عالمگیر میں یہ ایک ثابت شدہ تاریخی شہادت ہے کہ عالمگیر اپنے علم وعمل، فراست ودانائی اور مردم شناسی میں یکتائے روزگار تھا، اہل علم کا قدردان اور تعلیم کا دلدادہ، جب بنارس پر اُس کی نظر پڑی تو اُس نے اس شہر کی مرکزیت کے باقی رکھنے کے لئے قاضی یا مفتی کا تقرر ہیں کیا اُس زمانہ میں، حضرت مفتی نور اللہ حسینی رحمتہ اللہ علیہ اس منصب پر فائز ہوئے، آپ ہی کے صاحبزادے حافظ امان اللہ حسینی ہیں جو علوم عقلیہ اور نقلیہ میں یکتائے روزگار تھے، حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بنارس میں ایک درسگاہ کی بنیاد رکھی، جہاں سے بڑے بڑے صاحب فضل وکمال مشاہیر پیدا ہوئے، حضرت ملا نظام الدین لکھنوی بانی درس نظامیہ نے یہیں تعلیم پائی، آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، ہندوستان کے تمام عربی مدارس میں جو نصاب تعلیم جاری ہے، یہ آپ ہی کی جدّت فکر کا نتیجہ ہے، مگر افسوس کہ امتداد زمانہ کی وجہ سے حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا وہ علمی چمن ہی نہ رہا، اور اب اُن قدیم درسگاہوں کا پتہ بھی نہیں۔

رزق حلال حاصل کرنا اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ

اسی طرح بنارس کے ملا محمد سابق رحمۃ اللہ علیہ کے علمی خانوادے نے بھی بڑے بڑے صاحب تصانیف علماء اور مشاہیر پیدا کئے، اس علمی گھرانے کے آخری فرد حضرت مولانا شاہ رضا علی صاحب قطب بنارس ہیں، جنھوں نے اپنی پوری زندگی اصلاح امت میں گذاری، اور لوگوں کو پند و نصیحت سے فیض یاب فرماتے رہے، انھیں نفوس قدسیہ کا پیدا کیا ہوا، ایک دینی ماحول تھا جو بنارس پر چھایا ہوا تھا، مگر جب یہ ذاتی مدرسے اور انفرادی علمی گہوارے ختم ہوگئے، تو قدرتاً بنارس کے دیندار اور خدا پرست مسلمانوں میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ جن علمائے ربانیین کو کبھی آنکھوں سے دیکھتے تھے، اب ان کے تذکروں سے دل ٹھنڈے ہوتے ہیں، اور کل تک یہ سب کچھ ایک خواب و خیال ہو جائے گا، لہذا ایک عربی کا مدرسہ قائم کرنا چاہیئے، جہاں کتاب و سنت کی تعلیم ہو، مشیت الٰہیہ کا ظہور، جامعہ مظہر العلوم کی صورت میں ہوتا ہے، اور اس کے بانی ہونے کی سعادت الحاج حافظ عبداللہ صاحب مرحوم کو ملتی ہے۔

حافظ عبداللہ مرحوم حافظ صاحب، بہت نیک نفس اور صالح مسلمان تھے، جن کو اللہ نے علم تو اتنا ہی دیا کہ وہ کتاب اللہ کے حافظ ہوئے۔ مگر دینداری اور خدا پرستی کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ اپنی محنت سے کماتے اُس کو مسجد کی تعمیر میں صرف کر ڈالتے، تعمیر مساجد کا اتنا شغف تھا کہ ایک بنکر تیار ہوتی تو دوسری مسجد کا سنگ بنیاد رکھ دیتے۔ حالانکہ مرحوم بہت مالدار یا خوش حال نہ تھے، بلکہ دستکاری کرتے تھے، اس محنت کی پاک کمائی سے اپنے بال بچوں کی پرورش فرماتے، اور جو رقم پس ماندہ رہ جاتی، اس کو اپنے گھر میں رکھنے کے بجائے، خدا کے گھر میں لگا دیتے، واقف کاروں کی شہادت ہے کہ ایک مرتبہ انھیں ترکہ میں پانچ ہزار کی رقم ملی، اس پوری رقم کو مسجد عبدالرزاق شاہ کی تعمیر میں لگا دیا، جو لب گنگا واقع ہے، جب اُن کے پاس رقم نہ ہوتی تو وہ اپنے مخصوص اعزا و احباب کو اس کی طرف توجہ دلاتے، اور اس طرح اپنے دینی جذبہ کو تسکین دیتے، دوسری طرف ان کے دل میں یہ تمنا بھی مچل رہی تھی کہ جہاں دین دار دستکاروں کی اتنی بڑی تعداد ہے وہاں ایک ایسا مدرسہ بھی ہونا چاہیئے، تاکہ کتاب و سنت کی تعلیم ہو، چنانچہ حافظ صاحب نے اللہ پر بھروسہ کرکے ۱۳۱۳ء میں مظہر العلوم کی بنیاد رکھی رحمۃ اللہ علیہ۔ جس میں ملک کے مختلف حصوں سے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کرنے والے آتے رہے"۔ اور ان کے قیام و طعام کا مدرسہ انتظام کرتا، اور بیک وقت اس کے دار الاقامہ میں، چالیس اور پچاس ایسے غریب اور نادار طلباء رہتے تھے جن کے طعام کی کفالت جامعہ کی طرف سے ہوتی آئی ہے۔

تعلیمات جامعہ مظہر العلوم (عربی کالج) میں تعلیمات کے چار شعبے ہیں (۱) قرآن مجید (۲) اُردو (۳) فارسی، (۴) عربی ــــ ان شعبوں میں، طلباء کی مجموعی تعداد تین سو، اور چار سو کے درمیان ہوتی، مگر اس وقت تقریباً دو سو پچاس طلباء ہوں گے جو مختلف شعبوں میں تعلیم پا رہے ہیں، اور اس ساٹھ برس کی مدت میں ہزاروں حفاظ

قرآن پاک اور ناظرہ خواں نکلے ہوں گے، بنارس اور اس کے اطراف وجوانب میں حفاظ کی بحمد اللہ ایک بڑی تعداد ہے، ان میں پچہتر فی صدی ایسے ہی ہیں جنھیں اسی جامعہ سے تعلیم پانے کا شرف حاصل ہے، اسی طرح ہزاروں طلباء ہوں گے جنھوں نے درس نظامیہ کے ذریعہ تکمیل کی ہے یا الہ آباد یونی ورسٹی کے مختلف درجات مثلاً منشی کامل اور مولوی، عالم وغیرہ میں امتحانات دے کر تعلیم حاصل کی ہے، اور آج جامعہ کے فارغ التحصیل طلباء ملک کے مختلف حصوں میں، اپنے اپنے منصب کے لحاظ سے خدمات انجام دے رہے ہیں ؛

تعلیمی حالت | رجسٹرار تعلیمات صوبہ یوپی کا ریکارڈ ہے، کہ جس تعداد میں اس جامعہ کے لڑکے امتحانات میں شریک ہوکر اور اپنے عددی شرکت کے لحاظ سے جو کامیابی کا تناسب حاصل کرتے ہیں وہ یوپی کے دوسرے مدارس کے مقابلہ میں، غیر معمولی کامیابی ہوتی ہے۔

افسوس | آج کل مدارس کی یہ ایک خصوصیت ہوگئی ہے کہ جہاں کے فضلاء ایک ایسی نسبت رکھتے ہیں جس سے اُن کے علمی گہوارے کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہے، مگر جامعہ کے اصحاب کار کے ذہن میں، کبھی یہ بات بھی نہ آئی کہ ایسا ہونا چاہیئے، ورنہ آج صحیح طور پر معلوم ہوجاتا کہ جامعہ کے فضلاء کہاں کہاں ہیں، اور کیا کیا خدمتیں انجام دیتے ہیں، غیر مقامی یعنی بیرونی فضلاء میں، بیشتر ایسے ہیں جو بہار و یوپی کے مختلف انگریزی اسکولوں میں تعلیم دیتے ہیں اور بعض پاکستان میں ہیں اور جامعہ بھاول پور میں عربی کے لکچرار کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں شاہ منعمی صاحب جو آج کل بہار گورنمنٹ کے وزیر پی ڈبلو ڈی ہیں، انھوں نے بھی اسی جامعہ میں اپنی علمی آنکھیں کھولی ہیں۔

غرض بیرونی طلبائے قدیم سے کوئی رابطہ قائم نہ رہ سکا، البتہ مقامی علماء کرام کی بھی کوئی کمی نہیں ہے، بحمد اللہ مقامی سیکڑوں علماء ہوں گے جنھوں نے اسی جامعہ میں تعلیم حاصل کی، بنارس اور اس کے اطراف و جوانب میں، اس وقت تک جو بھی دینی، اصلاحی اور تبلیغی کام ہوا ہے، وہ مقامی علمائے کرام ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اور بڑی خصوصیت اور شرف عزت کی یہ بات ہے کہ مقامی علمائے کرام جو اس جامعہ سے نکلے، انھوں نے علم کو کاروبار نہیں بنایا، بلکہ کاروبار کو علم کی راہ پر لگا دیا، اور اپنے وظیفہ علم کو بلا اجرت دین کے کاموں میں صرف کیا، کوئی مسجدوں کے امام، ممبروں کے خطیب اور مسند افتاء کی زینت ہیں، جو مسائل شرعیہ اور مصالح دینیہ کی حکیمانہ اور فقیہانہ تشریح سے امت کی رہنمائی اور ہدایت کا فریضہ انجام دیتے ہیں، کچھ درس وتدریس کے ساتھ پند ونصیحت اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہیں، جامعہ کے قدیم فضلائے بنارس کی ایک بڑی تعداد اپنے ابدی خوابگاہ میں چین اور سکھ کی نیند سو رہے ہیں۔ اللہ ان سب کی مغفرت فرمائے۔

بلا ضرورت گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے

مفتی بنارس | البتہ محفل دوشیں کے چراغ کی طرح اب حضرت والدی الحاج مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب خطیب جامع بنارس کی ذات گرامی بھی بنارس کے لئے کچھ کم باعث فخر و نازش نہیں ہے جو اسی جامعہ کے فارغ ہیں، جن کی پوری زندگی، دین اور اصلاح امت میں گذر رہی ہے، آپ کے مواعظ بنارس اور اطراف میں بکثرت ہوتے ہیں، جن کو بہت رغبت اور پسندیدگی کے ساتھ سنا جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور فتویٰ لکھنے کی بھی سعادت آپ کو حاصل رہی، ایک تقریباً ۲۲ برس سے بصارت کے ضعف کی وجہ سے لکھنا پڑھنا بالکل چھوٹ چکا ہے، پھر اس پر بھی یہ حالت ہے کہ مہینہ میں دو چار دس تقریریں فرماتے ہیں۔ نیز آپ نے اصلاح عقائد و اعمال پر تقریباً پچاس، کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں بعض رسائل متعدد بار چھپنے کے باوجود نایاب ہیں، اور روزانہ بکثرت مسلمان زبانی مسائل شرعیہ دریافت کرنے آتے رہتے ہیں، جن کو اپنی پختہ یادداشت پر جوابات مرحمت فرماتے ہیں اسی طرح تحریری جوابات بھی مع نقول عبارات و حوالہ کتب لکھواتے ہیں، غرض اللہ تعالیٰ نے جزئیات فقہ اور اصول شرعیہ پر بہترین بصیرت مرحمت فرمائی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی دو مرکزی شخصیتیں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبند، اور حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمہما اللہ آپ کی اصابت رائے کو مانتے تھے، حضرت ممدوح کے یہ فقہی اور علمی جواہر پارے مجموعہ فتاویٰ کی چار ضخیم جلدوں میں ہیں، حق تعالیٰ نے اگر طباعت کا نظم فرمایا تو امت کے لئے مسائل شرعیہ کا بہترین سرمایہ ہوگا، اللہ تعالیٰ آپ کی برکت کو عام فرمائیں۔

جامعہ کی خصوصیات | (۱) سوئے اتفاق سے ہندوستان میں، احناف کے دو گروہ ہیں، اور ایک اپنی شدت میں اس درجہ غالی ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کو تیار نہیں، مگر جامعہ کی فضا اس اختلاف سے کبھی متاثر نہ ہوئی، اور اس نے کبھی اپنے اوپر کسی ایک جماعت کے ساتھ قدر دانی کو عقیدہ کی حیثیت نہیں دی، حضرت الحاج مولانا خلیل الرحمٰن صاحب امام عیدین رحمۃ اللہ علیہ، بنارس کے معزز اور باعث فخر عالم باعمل تھے، وہ تازیست جامعہ کے خود مختار مہتمم تھے، اور قیام و میلاد کے عامل تھے، مگر کبھی انھوں نے اس عمل کو عقیدے کی حیثیت سے نہیں پیش کیا، اور نہ جامعہ کی چہار دیواری پر اختلافات کی اس آندھی کو گذرنے دیا، یہی وجہ ہے کہ مدرسین جامعہ کی صف میں، اس کا کوئی امتیاز نظر نہیں آتا، بلکہ جامعہ کے اورنگ صدارت پر دونوں طبقہ کے اکابر صدر مدرسی کے فرائض ادا کرتے نظر آتے ہیں حضرت مولانا عبد الغفار صاحب حضرت علامہ ابو المآثر حبیب الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سرحدی فاضل ڈابھیل، جیسی

کھانا کھلانا جائز ہے مگر تفاخر کے ساتھ ناجائز ہے

مشہور و مسلم دیوبندی شخصیتیں ہیں، تو دوسری طرف حضرت صدر الشریعت مولانا امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت مولانا عبد الحفیظ صاحب مفتی آگرہ جیسے بریلوی مکتب خیال کے حضرات کے نام بھی نمایاں ہیں۔

(۳) ہندوستان کے جتنے مدارس ہیں، اُن کی پوری کفالت اُن کے اپنے شہر سے نہیں ہوتی، بلکہ، ملک کے مختلف حصوں سے ان کی امداد و اعانت ہوتی ہے، جس سے اُن مدارس کی مقامی حیثیت کے ساتھ مقامی مسلمانوں کے دینی رجحانات کا بھی پتہ چلتا ہے، مگر تحدیث نعمت کے طور پر ہمیں اس کہنے میں کوئی باک نہیں کہ جامعہ کے اس ساٹھ سالہ دَور میں، کبھی اس کو اپنے پورے شہر سے بھی امداد نہ لینی پڑی بلکہ شہر کے جس حصہ میں ہے، وہیں کے نو یا فہ حضرات امداد دیتے رہتے ہیں کہ تقریباً سولہ ہزار سالانہ صرف ہوتا ہے، ادھر جنگ کے بعد سے جو کساد بازاری اور اقتصادی بدحالی کا سیلاب چل پڑا ہے، اس سے جامعہ کے اس مستحکم قلعہ پر بھی درماندگی کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں لیکن اس کے مخلص خادم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں، یہ کام خدا کا ہے، اور اللہ ہی اس کو انجام تک پہنچائے گا۔

جامعہ کا شاندار کارنامہ اور یتیم خانہ کی بنیاد

ہندوستان میں یتیم خانوں کی کمی نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ جو ظلم روا رکھا گیا ہے وہ بہت باعث شرم و ندامت ہے کہ وہ یتیم بچے، جن کے والدین کا سایہ اٹھ گیا اور اُن کے آغوش محبت سے وہ محروم ہو گئے، یہ یتیم پوری قوم کے ذمہ ایک مقدس امانت تھے جن کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کے بڑے فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے، مگر دینی شعور کی کمی، اور ناواقفیت کی بناء پر اکثر یتیم خانوں کے منتظمین نے ان بچوں کے ہاتھ میں ایک رجسٹر اور چند کاپیاں اور کچھ درد انگیز اشعار کا سرمایہ دے کر، یہ ذمہ داری ان پر ڈال دی کہ جاؤ اپنے اور میرے اخراجات کے لئے، دربدر کی بھیک مانگ کر چندہ لاؤ۔ یہ بیکس طبقہ شہروں کی خاک چھانتا اور ٹرینوں پر بھیک مانگتا، ان کے گانے پر، چلتے ہوئے مسافر نے جو آنہ دو آنہ دیا، وہ ان کے بیب خرچ کے کام آیا اور اس طرح ایک لمبی مدت اور طویل ٹھوکروں کے بعد جب اپنے یتیم خانوں میں پہنچے تو آمدنی کی پس ماندہ رقم منتظمین کے نظر کر دی۔ اس طریقۂ کار سے دوسرے نتائج ظاہر ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ یتیم خانوں کو ان سے کوئی مالی فائدہ بھی نہیں ہوتا، اور دوسرے یتیم خانوں کا جو فریضہ تعلیم و تربیت تھا، وہ بھی نہ ہوا۔ اس طرح یہ بد قسمت اور بے کس طبقہ اپنی زندگی کے بہترین ایام دنیا کو گذارنے کے بعد، جب یتیم خانوں سے نکلتے تو جاہل، اور نا آشنائے تربیت ہوتے، پر چندہ بازی کا جو ڈھنگ انھوں نے سیکھا تھا، اُس کو اب اپنی ذات کے لئے استعمال کرنے لگتے ہیں۔

یتیموں کا یہ حال زار آپ سے ڈھکا چھپا نہیں ہے، اگر آپ تھوڑا سا غور فرمائیں گے تو یہ بات آپ کے دل میں اترتی نظر آئے گی، جامعہ کے ارکان کے پیش نظر دینی تعلیم اور مذہبی تربیت تھی، اور اس

جس نے کسی قوم کی نقل کی وہ اس قوم میں شامل ہو گیا

کے لئے ان کی حق شناس نگاہوں نے یتیموں کے لئے فیصلہ کیا کہ جامعہ مظہر العلوم میں ایک شعبہ یہ بھی ہونا چاہیئے، الحمدللہ ثم الحمد للہ کہ ۱۹۴۷ء میں اس شعبہ کا افتتاح ہوا، اور اب جامعہ نہ صرف جامعہ رہا بلکہ ـــــ جامعہ و یتیم خانہ مظہر العلوم بنارس! کے نام سے اس کا جدید تعارف ہوا، اور اس کے لئے مستقل ایک زمین کی جستجو پیدا ہوئی الحمد للہ جامعہ کی قدیم عمارت سے تھوڑے فاصلہ پر گرانڈ روڈ بنارس سٹی کے مال گودام کے پاس ایک وسیع زمین حافظ امان اللہ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (جن کا تذکرہ آپ پڑھ چکے ہیں) کے جوار میں حاصل ہوگئی اور ۱۹۴۸ء میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ہندوستان کے گورنر جنرل راج گوپال اچاریہ جی نے، اس کا سنگ بنیاد رکھا اس کے بعد، محلہ ٹولہ کے بھائیوں اور بزرگوں کے پاس اراکین جامعہ و یتیم خانہ مظہر العلوم نے چندے کی اپیل کی، باوجودیکہ کساد بازاری اور بے روزگاری کا منہ کھل چکا تھا، پر ہر ایک نے بڑے خوشی اور جوش کے ساتھ چندہ دیا اور دیکھتے دیکھتے تقریباً انیس ہزار کی رقم جمع ہوگئی، اور یہ پوری رقم چہار دیواری کے بنوانے میں صرف ہوگئی تاکہ حصار قائم ہوجائے، اور زمین محفوظ ہوجائے۔

الحمد للہ! اس وقت طلباء کے علاوہ بارہ یتیم بچے ہیں جو جامعہ میں تعلیم و تربیت پاتے ہیں، جن کی خوراک اور پوشاک کی کفالت جامعہ کے اوپر ہے، اور اس بارہ تیرہ سال کی مدت میں، جامعہ کے اس شعبہ سے تقریباً پچاس لڑکے تعلیم و تربیت پاکر کامیاب زندگی گزار رہے ہیں،

سردست بنارس کے حالات، سازگار نہیں کہ یتیم خانہ کی عالی شان عمارت کا کام شروع ہوتا، جس پر تقریباً ایک لاکھ کی رقم صرف ہوگی، رقم بھی بڑی اور بہت بڑی ہے۔ پر یہ کام اس سے کہیں بڑا ہے، بس اللہ ہی کرم فرمائے تو یہ کام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز،

جامعہ کا کتب خانہ | جس میں ہر علم و فن کی تقریباً ڈھائی ہزار کتابیں ہیں، اور نادار طلباء کو پڑھنے کیلئے دیجاتی ہیں۔

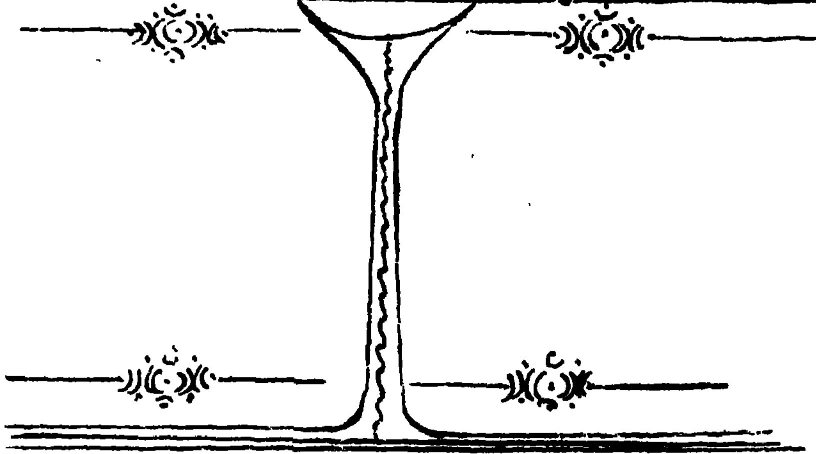
طلباء کی انجمن البلاغ | جامعہ کے فرزندوں نے ۳۵ء میں جمعیۃ البلاغ قائم کیا جس میں ہندوستان کے مشہور اور مسلّم مصنفین کی مستند تاریخ و سیر کے موضوع پر تقریباً چار سو کتابیں ہوں گی اس جمعیۃ کے ماتحت حفاظ خطابت بھی ہوتا ہے، جس میں ہر ہفتہ طلباء تقریریں کرتے ہیں۔

جامعہ کے شہری علماء کی تبلیغی جد و جہد | ملک کی تقسیم کے بعد مسلمانوں میں اعتماد پیدا کرنے کے لئے، مقامی علمائے مظہری نے شہر کی مختلف مساجد پر، بلا دعوت و طلب ہر ہفتہ جا جا کر، دین کے مختلف موضوع پر تقریر کرتے رہے جس کا سلسلہ شہر سے گذر کر، پڑوس کے دیہاتوں میں بھی پہنچا، اور الحمد للہ اس کے اثرات بھی اچھے رہے، اور اس تبلیغی جد و جہد پر تقریباً چار سال گذر چکے ہیں اور یہ سلسلہ قائم ہے ـــ یہ ایک مختصر تذکرہ ہے، اُس جامعہ کا جس نے اپنے ساٹھ سالہ دورِ حیات سے دینی اور تعلیمی خدمات خاموشی کے ساتھ انجام دیتا چلا آرہا ہے ـــ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس نے جس طرح اس کا ماضی شاندار گذارا ہے، اُس سے زیادہ اُس کے مستقبل کو روشن و تابناک بنائے، والسلام

قرض لینا بلا ضرورت جائز نہیں ہے

مسلمانانِ ہند کے تاریخی کارنامے

چند اہم دینی ادارے اور تاریخی درسگاہیں



۱ مدرسہ قرآنیہ جون پور

۲ مدرسہ شاہی مراد آباد

۳ جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ

۴ حیدرآباد میں مسلمانوں کی ملی درسگاہیں

۵ مدرسہ اسلامیہ کرنول

۶ مدرسہ دینیہ اسلامیہ غازی پور

۷ چشمۂ رحمت کالج غازی پور

۸ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریہ سرائے

مدرسہ قرآنیہ جونپور

مولانا سخاوت علی جون پوری

سلاطین شرقیہ کی تاریخی راجدھانی کا ایک تذکرہ

(جناب مولانا فضل اللہ صاحب فاروقی)

اسلام کا شاندار اور تابناک دورِ خلافتِ راشدہ کے ساتھ ساتھ ختم ہوگیا، اسلام کی سادگی مساوات انسانی انصاف اور ماسوا اللہ سے بے نیازی کی جگہ، اب عجمی شان و شوکت نے لے لی، طبقاتی امتیاز نے جسے اسلام مٹانے آیا تھا اقتدار جما لیا، اور مسلمانوں کی مابہ الامتیاز علامت کہ وہ دنیا کو فانی سمجھتا تھا اور اب اسے ابدی اور لافانی سمجھ کر احکام خداوندی سے روگردانی اختیار کرلی، بظاہر تو اسلام ایران و مصر، بغداد و قرطبہ تک پھیلا، اور مسلمانوں نے علوم فنون کو ترقی دی، شاندار اور حسین و جمیل عمارتوں سے کرۂ ارض کو سنوارا "مٹی کے حرم" کی جگہ سنگ مرمر نے لی، لیکن اسلام کی روح ختم ہوتی گئی،

ہندوستان میں اسلام ایران ہوتا ہوا داخل ہوا، اس لئے اسلام کی بہت ساری خوبیاں جو عربوں کے ذریعہ دوسرے ممالک میں پہنچی تھیں۔ وہ ہندستان نہ پہنچ سکیں۔ بظاہر ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد بھی مسلمان ہندوستان کے بہت سے عقائد و رسوم کے آگے جھک گئے، مغلوں کے عہد شباب حکومت میں اکبر نے اسلام کی جو صورت مسخ کی وہ اظہر من الشمس ہے۔ اسی دور میں حضرت مجدد الف ثانی ایک فقیر گوشہ نشین لیکن حرارت ایمانی کا ایک مجسمہ علم و عمل اور مرد مجاہد جہانگیر ایسے شہنشاہ کے سامنے صحیح اسلامی عقائد کا پیغام پیش کرتا ہے اور بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو راہ راست پر لانے کی جد وجہد شروع کرتا ہے جبین سلطانی پر شکنیں پڑجاتی ہیں اور طوق و سلاسل استقبال کے لئے آگے بڑھتی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن آواز حق زنجیروں اور بیڑیوں کی آواز سے نہیں دبا کرتی۔

بارھویں صدی ہجری کے آخر سے مسلمانوں کی مذہبی حالت روز بروز ابتر ہوتی چلی جا رہی تھی، مغل سلطنت نااہلوں اور آپس کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ تباہی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عام مسلمان اسلام کی صحیح تعلیمات سے بے خبر رسم و رواج اور بدعتوں میں گرفتار تھے، قرآن و کتب احادیث

اگر آپ پر حج فرض ہے تو جلد ہی کیجیے۔

صرف احترام سے نام لینے اور قسمیں کھانے کے لئے باقی رہ گئی تھیں۔ اسی دور ابتلاء میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے مسلمانوں کو ان کی بے راہ روی اور اسلام سے بے نیازی پر توجہ دلائی۔ قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا، اور غضب یہ کہ علماء سوء کی مخالفت اور ہنگاموں کی وجہ سے حضرت شاہ صاحب کچھ دنوں کے لئے دہلی چھوڑنے پر مجبور رہوئے۔ لیکن جو چراغ ہدایت شاہ صاحبؒ نے روشن کیا تھا اسے خاندان ولی اللہی نے سو سال تک روشن رکھا، اور اس چراغ کی روشنی دہلی اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں تک پھیلتی رہی، علم کے پیاسے ملک کے مختلف حصوں سے آتے اور فیض یاب ہو کر اپنے اپنے وطن واپس جاتے اور دوسروں کو فیض پہنچاتے۔

آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں جون پور مرکزی حکومت سے الگ ہو کر ایک نئی سلطنت کا مرکز بنا، اور سکندر لودھی کے دور تک جس نے جون پور کو دوبارہ دہلی حکومت کے رشتہ میں جوڑا یہ شہر اپنے سلاطین علم پرور کے دور میں علماء اور بزرگان دین کا زبردست مرکز تھا اسی شہر کے ایک معزز خاندان فاروقی میں ۱۲۲۶ھ میں مولانا سخاوت علی جونپوری پیدا ہوئے آپ کے والد مولانا رعایت علی ابن مولوی درویش علی فاروقی حضرت شیخ محمد کوفی فاروقی کی اولاد میں ہیں۔ حضرت شیخ محمد کوفی کا مزار ظفرآباد جونپور سے ۳ میل مخدوم چراغ ہند کے مزار کے متصل ہے۔

مولانا سخاوت علیؒ نے ابتدائی کتابیں مولوی قدرت علی ردولوی سے پڑھیں، اور اس کے بعد مولوی احمد اللہ انامی تلمیذ حضرت شاہ اسحاق دہلوی سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی۔ مولانا عبدالحئی دہلوی اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے آگے بھی زانوے تلمذ تہ کیا، سند حدیث اور اجازت حاصل کی۔

اس دور میں عام طور سے مسلمان اسلام کی صحیح تعلیم اور اسلامی روح سے نا آشنا ہو چکے تھے، دہلی جو علماء اسلام کا زبردست مرکز تھا وہاں بھی اسلام کا مضحکہ اڑایا جاتا تھا، سورۂ یٰسین نعوذ باللہ ایک منحوس سورہ رہ گیا تھا جو صرف مُردوں کیلئے مخصوص تھا۔ جونپور جو کبھی علماء اولیا کی کثرت و شہرت کی وجہ سے بلاد شرقیہ کیا بلکہ ہندوستان کیلئے باعث صد فخر و شرف تھا اور جسے جہانگیر کہا کرتا کہ "جونپور شیراز ما ست" وہ بھی اس دور آخر میں علماء و صلحاء سے قریب قریب خالی ہو چکا تھا، ہر طرف بدعت گمراہی کا زور تھا، شاہان جونپور کی تعمیر کردہ عظیم الشان مسجدیں ویران اور ابتر حالت میں تھیں "روح بلالی" تو خیر بڑی چیز ہے "رسم اذاں" کے بھی لالے پڑے تھے۔

دہلی سے کسب علم و فیض کے بعد مولانا کی دوربین نظروں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی گمراہی اور مذہب سے دوری کا علاج قرآن و حدیث کی تعلیم ہی ہے اور آپ نے اپنے مکان ہی پر درس و تدریس اور اشاعت علم دین کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چند ہی دنوں بعد اطراف و اکناف جونپور سے جویاے علم آنے لگے پڑھنے والوں

سے نہ کوئی فیس لی جاتی اور نہ کوئی معاوضہ تھا، بلکہ اکثر طلباء کی مولانا خود ہی کفالت فرماتے تذکرۂ علماء ہند مرتبہ مولانا رحمان علی ممبر کونسل سے ایک اقتباس مولانا کے بارے میں ملاحظہ ہو۔

"...... از مولوی قدرت علی ردولوی و مولوی عبد الحیٔ دہلوی و مولوی اسمٰعیل دہلوی و مولوی احمد اللہ انامی اکتساب علوم عقلیہ و نقلیہ فرمودہ بدرس و افادہ طلبہ ہمہ تن متوجہ بود" [۵۱]

مولانا ابو الحسن علی صاحب سیرت سید احمد شہید میں لکھتے ہیں۔

"مولانا سخاوت علی تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے محض حسبتہً للہ طلباء کو درس دیتے رہے اور ان کی کفالت بھی کرتے رہے۔ مولانا کا دولت کدہ ایک مستقل مدرسہ بنارہا بہار غازی پور، بنارس، اعظم گڈھ، جونپور کے بکثرت طلباء مولانا کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے" [۵۲]

کچھ ہی دنوں بعد طلباء کی کثرت و زیادتی کی وجہ سے آپنے جامع مسجد جون پور میں جو مولانا کے مکان سے دس منٹ کے فاصلہ پر واقع ہے اس میں درس دینے کا ارادہ کیا، لیکن اس وقت یہ عظیم الشان جامع مسجد شیعہ حضرات کے قبضہ و تصرف میں تھی سب سے پہلے اسے ان سے واپس لیا اور یہ مولانا کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ یہ مسجد آج بھی مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہے۔

مولانا کے حالات لکھتے ہوئے تذکرۂ علماء ہند کے مصنّف فرماتے ہیں۔

"و مسجد جامع جونپور کہ از تعمیرات سلاطین شرقیہ است در انجا مدرسہ ربانیہ قرآنیہ قائم کرد و تا حال جارسیت و نماز پنجگانہ و جمع می شود۔ صدہا کسان حافظ قرآن از وے بر آیند" [۵۳]

تلامذہ | یوں تو آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے، آپ کے چند خاص تلامذہ کی فہرست درج ذیل ہے۔ ان حضرات نے اپنے اپنے مقام پر خدمت خلق کی اور اپنے فیض سے دوسروں کو بہرہ ور کیا۔

(۱) مولانا خواجہ نصیر احمد نصیر آبادی (۲) مولانا رجب علی جونپوری (۳) مولانا محمد شریف جونپوری (۴) ملا غلام محمد جگدیش پوری (۵) مولانا قاضی شیخ محمد مچھلی شہری (جونپوری) [۵۴] (۶) مولانا سید محمد یعقوب دسنوی بہاری (۷) مولانا سید مصطفیٰ [۵۵] شیر دسنوی بہاری (مدرس مدرسۂ خانقاہ سہسرام) (۸) مولانا شجاعت حسین بہاری۔

---

۵۱ تذکرۂ علماء ہند ص ۶۹، ۵۲ سیرت سید احمد شہید طبع اول ص ۴۳۵، ۵۳ تذکرۂ علماء ہند ص ۷۔

۵۴ آپ مدتوں بھوپال کے قاضی رہے، آپ نے بڑی نادر قلمی کتابیں جمع کی ہیں آپ کا کتب خانہ مچھلی شہر میں آپ کے ورثاء کے پاس بہت اچھی حالت میں ہے۔

۵۵ آپ سید سلیمان ندوی کے قریبی عزیزوں میں تھے۔

میں لی۔ مولانا کے چھوٹے صاحبزادے مولانا ابوالخیر محمد مکیؒ نے جب تعلیم سے فارغ ہوکر وطن میں اقامت اختیار کی تو مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری مستقل طور سے آپ کے سپرد ہوئی، اور آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دئے مدرسہ کی طرف سے نہ کوئی فیس ہے اور نہ قیام و طعام کی ذمہ داری طلباء پر نہ جب تھی نہ اب ہے مدرسہ ہی کی طرف سے طلباء کے رہنے کے لئے جامع مسجد کی قطار در قطار کوٹھریاں ہیں۔ مولانا مکیؒ کے زمانہ میں طلباء کی تعداد کافی بڑھ گئی اور ۵۰ طلباء کو روزانہ دونوں وقت مدرسہ کی طرف سے کھانا ملتا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں آپ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند اکبر الحاج مولانا ابوبکر محمد شیث فاروقی نے اس اہم ذمہ داری کو اپنے کاندھوں پر لیا۔ اور پورے جوش و ولولہ سے مدرسہ کے انتظام میں لگ گئے مدرسہ کی ترقی اور ساتھ ہی ساتھ اشاعت دین کے لئے قریبی اضلاع اعظم گڈھ۔ پرتاب گڈھ فیض آباد وغیرہ کے علاوہ بمبئی، رنگون، مانڈلے تک آپنے سفر کیا، اور مدرسہ کی ترقی کے لئے کوشاں رہے آپکے دورِ اہتمام میں مدرسہ ترقی کے بام عروج تک پہنچ گیا تھا، ۱۹۲۵ء میں آپ کو مسلم یونی ورسٹی کی نظامت دینیات کا عہدہ تفویض ہوا۔ ۱۵ سال آپنے اپنے عہدے کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ۱۹۴۰ء میں آپ ڈیڑھ سال کینسر میں مبتلا رہ کر عالم بقا کو سدھارے۔

مدرسہ سے انتظامی تعلق ختم ہوتے ہی آپ کے چھوٹے بھائی مولوی علی اعلیٰ فاروقی صاحب نے مدرسہ کا انتظام سنبھالا اور اُن کے بعد مولانا ابوبکر محمد شیثؒ کے منجھلے بھائی مولانا محمد فاروقیؒ مدرسہ کے مہتمم ہوئے ۱۹۵۰ء میں آپ کے انتقال کے بعد آپ کے منجھلے بیٹے مولوی محمد ثناء اللہ ندوی کے دوش ناتواں پر یہ عظیم بار پڑا۔ انھوں نے بزرگوں کی جلائی ہوئی شمع کو اپنے پاکستان جانے تک نہایت جانفشانی اور تندہی سے روشن رکھنے کی کوشش کی مدرسہ کا موجودہ انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہے جو شہر کے مختلف طبقہ کے ۱۴ ارکان پر مشتمل ہے۔ اب مدرسہ کے مہتمم جناب قاضی علم الہدیٰ صاحب فاروقی ایم اے ایل ٹی۔ ریٹائرڈ اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ اسکول ہیں۔

مدرسہ میں مدرسین کی تعداد پانچ ہے۔ مدرس اعلیٰ مولوی محمد ایوب صاحب صدیقی ہیں۔

تعداد طلباء جن کا مدرسہ کفیل ہے ۷۱ ہے۔ اور ۸۰ طلباء ان کے علاوہ مختلف کلاسوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ طلباء سے کسی قسم کی فیس نہیں لی جاتی۔

مدرسہ کی آمدنی کا ذریعہ جون پور، اعظم گڈھ، پرتاب گڈھ، کلکتہ بمبئی اور اطراف بمبئی کے وہ مخیر حضرات ہیں جو اب تک مدرسہ کی اہمیت کو سمجھتے اور جانتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

(۴) عقائد نامۂ اردو (۵) رسالہ کلمات کفر (۶) رسالہ وصول (اسوار در فقر) (۷) وصیت نامہ (۸) رسالۂ عرفان الاوقات۔ نماز پنجگانہ کے اوقات کی تحقیق میں (۹) جوابات سوالات تسعہ، مولوی شیخ محمد مچھلی شہری قاضی بھوپال کے سوالات کے جوابات اس رسالہ میں تقلید صحیح، حدیث قلتین اور ماء کثیر وقلیل کی بہت لطیف بحثیں ہیں (۱۰) رسالہ ناسخ ومنسوخ۔

نمونۂ تحریر | آپ کے رسائل اور کتابیں کمیاب بلکہ نایاب ہیں ممکن ہے کہیں کہیں کی لائبریری میں کوئی رسالہ موجود ہو۔ لیکن شائقین کی وہاں تک رسائی مشکل ہی معلوم ہوتی ہے۔ بعض رسالوں سے تھوڑے تھوڑے اقتباسات ہدیۂ ناظرین ہیں، تاکہ آپ کے انداز تحریر اور خیالات کا اندازہ ہوسکے۔ رسالۂ وصول کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"حمد خدا کو جو ہر چیز کا نور ہے درود مصطفیٰ کو جو پہلا ظہور ہے سلام آل واصحاب پر جن کا زمرہ اتباع نفس سے دور ہے اس سے پیچھے عرض کرتا ہے فقیر سراپا تقصیر سخاوت علی محمدی کہ پہنچے سے ملانا مخلوق کا ہے خالق سے اور یہ وصلی نسبت حاصل کرنے سے ہوتا ہے اور نسبت کی تحصیل زبان برکت توامان جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک کبراء دین میں چلی آتی ہے فقر و درویشی اسی کے نسبت حاصل کرنے کا نام ہے۔۔۔۔۔۔ پس اے یارو ایسی مقصود چیز متروک ہوگئی ہر شخص کو پیران طریقت کی خدمت میں حاضر رہنا اور گھر بار چھوڑ کر لینا دشوار ہے اور پیران طریقت کا کامل میسر آنا بھی سہل کار نہیں[۵۱]۔"

آگے چل کر اسی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جو مقاوصل وجہ جدا جدا ہونے میں سلسلہ پیران طریقت کے اور آداب فقراء میں اور اہل اللہ اور اولیاء اللہ میں اور بعض امور متفرقہ میں۔ بگوش دل سنو کہ پیران طریقت بطور مجتہدان شریعت کے نکالنا مسائل کا ہے قرآن وحدیث سے۔۔۔۔۔۔ ایسے پیران طریقت کا مقصود اصلی تحصیل نسبت اور وصول الی اللہ اور طریقہ اس کا مرض اللہ جل شانہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کرنا۔۔۔۔۔۔ اسی جہت سے طریقہ پیران طریقت کے مختلف ہوئے اور جو اس طریقہ میں کامل بنا کرنے والا اشغال واذکار کا ہوا اس کی طرف نسبت ہوئی، جیسا چشتیہ کی نسبت حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی طرف اور قادریہ حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کی طرف اور

---

[۵۱] رسالۂ وصول صفحات مسلسل ۲۸۔

سلام کی اشاعت کیجئے کہ اس میں برکت ہے۔

نقشبندیہ حضرت خواجہ خواجگان بہاء الدین نقشبند قدس سرہ سے متعلق اور نقشبندیہ میں مجددیہ الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ سے علاقہ رکھتی ہے اور ان سب میں محمدیہ جناب امیر المومنین امام المسلمین امام اوحد سید احمد برکاتہ الی یوم القیامہ سے ظاہر ہوا کہ جامع ہے سب طریقوں[۵۱] ۔

رسالہ در بیان کلمات کفر میں فرماتے ہیں:۔

"....... بعد اس کے عرض کرتا ہے فقیر..... سخاوت علی محمدی کہ اس زمانہ میں راہ راست کمیاب ہے اور زیادتی کمی دین میں پھیل پڑی کوئی اس قدر دلیر ہے کہ گناہ سے نہیں ڈرتا بلکہ کلمات کفر بلا تکلف اپنی زبان پر جاری کرتا ہے اور کسی کو یہاں تک شدت آئی کہ بمجرد سننے ایک کلمۂ کفر کے کہنے والے کو کافر لقب قرار دیا اور بلا تکلف حکم کفر اس پر جاری کیا اور حالانکہ خدا و رسول دونوں کو ناپسند ہیں ہر چیز اپنے موقع پر رہے اور حد سے تجاوز نہ ہو نہ افراط کی جانب اور نہ تفریط کی طرف پس بنظر اس افراط و تفریط کے اس فقیر کو مناسب معلوم ہوا کہ دو چار ورق کلمات کفر اور گناہوں کے بیان میں لکھے جاویں تاکہ لوگ راہ راست پر آویں[۵۲]"

ہجرت و وفات | ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے شروع ہونے سے چند ماہ قبل آپ نے ہمیشہ کے لئے ہندوستان کو چھوڑ دیا اور مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور بقیہ عمر وہیں اپنے اوقات عزیز یاد الٰہی میں صرف کیا ۱۲۷۴ھ میں جان جان آفریں کے سپرد کی اور جنت المعلیٰ میں نہ معلوم کیسے کیسے مقدسین و اکابرین اسلام کے پہلو میں محو خواب ہیں۔

مدرسۂ قرآنیہ جونپور اور اس کی مختصر تاریخ | جیسا کہ مولانا سخاوت علیؒ کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے کہ آپ کے حلقۂ درس کی روز افزوں وسعت کی وجہ سے اور جامع مسجد جون پور کو پھر سے آباد کرنے کے خیال سے مولانا نے درس و تدریس کا سلسلہ جامع مسجد جون پور میں شروع کیا اور اس طرح مدرسۂ قرآنیہ جونپور کی بنیاد ڈالی۔

سوا سو برس سے اوپر ہونے کو آیا کہ یہ مدرسہ عروج و زوال کی منزلوں سے گزرتا ہوا ابھی تک خدمت دین کر رہا ہے۔ بانی مدرسہ کا خلوص نیت اور جذبہ ایمانی ہی کہا جا سکتا ہے کہ اب تک یہ فقط قرآن اور دینی تعلیم کی شمع کو جلائے ہوئے ہے۔

مدرسہ کا انتظام و ذریعہ آمدنی | مولانا سخاوت علیؒ نے اپنے ہی زمانہ میں مدرسہ کی بقاء کے لئے چرم قربانی آمدنی کا ذریعہ قرار دیا۔ ہجرت کے بعد شہر کے مختلف عمائدین اور خاندان کے بزرگوں نے مدرسہ کی زمام انتظام اپنے ہاتھوں

---

[۵۱] سید احمد شہید بریلوی [۵۲] رسالہ وصول صفحات مسلسل ۴۳، [۵۳] رسالہ در بیان کلمات کفر صفحات مسلسل ۳۹۔

(۹) مولانا محمد عمر غازی پوری (۱۰) مولانا غلام جیلانی بازید پوری (۱۱) مولانا فیض اللہ مئوی (اعظم گڑھ) (۱۲) مولانا محمد رحیم اللہ۔

بیعت و خلافت آپ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی، مولانا کو سید صاحب سے بڑی عقیدت اور محبت تھی، سید شہیدؒ بھی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، مولانا کی دعوت پر سید احمد شہیدؒ مولانا کے وطن منڈیاہو ضلع جونپور بھی تشریف لائے تھے۔ آپ نے مولانا اور مولانا کرامت علی جونپوری کو پورب کے شہروں کے لئے اپنا خلیفہ بھی مقرر کیا۔ مولانا کرامت علیؒ کے ہاتھوں پر بنگال کے ہزاروں افراد مشرف باسلام ہوئے۔ اور مسلمانوں میں اصلاح و تبلیغ فرمائی، مولانا سخاوت علیؒ نے جونپور کو مرکز تعلیم بنایا تعلیم دین کا سلسلہ شروع کیا، اور اپنے مرکز سے سیکڑوں افراد کو علم دین سے آراستہ کرکے خدمت اسلام کے لئے تیار کیا سیرت سید احمد شہید میں مولانا ابوالحسن علی میاں لکھتے ہیں:-

پورب میں آپ کے خلفاء مولانا کرامت علی صاحب اور مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری نے تبلیغ و ہدایت کے فرائض انجام دیئے اور بڑی کامیابی حاصل کی، ہزاروں جانوروں کو انسان بنایا آج بھی آپ کے اثرات ان اطراف میں موجود ہیں؟

عقائد و اخلاق آپ بڑے عالم باعمل تھے اور اتباع سنت پر سختی سے عامل رہتے، آپنے بہت سی پرانی جاہلانہ رسموں کو مٹایا، اور خالص مذہبی شعائر جاری کئے۔ وعظ و تلقین سے ہمیشہ بدعتوں کا رد اور اتباع سنت کی، اشاعت و تبلیغ میں جد وجہد کرتے رہے، فقہا کے اقوال سے ہمیشہ اس قول پر فتوی دیتے جس کی تائید قرآن و احادیث صحیح سے ہوتی، یہ انھیں کا فیض ہے کہ جونپور میں کوئی سنی تعزیہ داری نہیں کرتا۔

حسن باطنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن ظاہری سے بھی نوازا تھا۔ آپ نہایت خوش رو اور کشیدہ قامت تھے، لباس کی صفائی کا بھی بہت خیال رہتا تھا، صاف اور سادہ لباس پسند تھا۔ آپ کا دسترخوان بھی بہت وسیع تھا، اکثر مہمان اور مجلس میں حاضر رہنے والوں کی شرکت لازمی تھی۔

تصانیف استعداد علمی ذہانت و قابلیت اور آپ کے صحیح خیالات کا آئینہ تو آپ کی وہ چند کتابیں اور رسائل ہیں جو آپ کی یادگار معنوی میں باقی رہ گئی ہیں بعض تصانیف اب ناپید ہو چکی ہیں۔ اور جو باقی ہیں وہ بھی کمیاب ہیں۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) القویم فی احادیث النبی الکریم (مطبوعہ صدیقی پریس بنارس)، رسالۂ تقوی در رد بدعات۔
(۲) رسالۂ اسلم (منطق)، یہ رسالۂ اسلم کے مقابلہ میں بہت مختصر اور جامع ہے۔ اس رسالہ کی ایک شرح مولانا نعمت علی پھلواروی اور دوسری شرح مولوی عبدالوہاب بہاری نے اسی جز میں لکھی ہے۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

شمالی ہند کا ایک عظیم الشان دینی تعلیمی ادارہ

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی مہتمم جامعہ قاسمیہ

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے فیل ہونے کے بعد جبکہ انگریزی حکومت نے مسلمانوں پر خصوصاً جماعت علماء پر بے پناہ مظالم توڑے اور منتقمانہ جذبات میں ان بیچاروں کو بالکل مردہ کر دیا تو اس وقت، وقت کے سب سے بڑے نباض نے پوری ژرف نگاہی کے بعد حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ ہوا کا رُخ پلٹ چکا ہے۔ اس وقت آزادی کی سابق تدبیریں نہ بروئے کار آسکتی ہیں اور نہ ہی مفید ہوسکتی ہیں اس وقت وقت کا سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے زندہ رہنے اور ان کے دلوں سے خوف و ہراس اور احساس کمتری دور کرنے کی صورتیں اختیار کی جائیں اور ان کے دلوں کو از سر نو اسلامی روایات کا حامل اور شیدائی بنایا جائے اور اس کے لئے جگہ جگہ مراکز اسلامی قائم کئے جائیں اور اس راستہ سے ان کو اصل مقصد کی رہنمائی کی جائے چنانچہ بتائید غیبی حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نور اللہ مرقدہ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی اور سہارنپور میں مولانا محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر مظاہر العلوم کی بنیاد پڑی اس کے کچھ عرصہ بعد مرادآباد کا مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم جو آج کل جامعہ قاسمیہ کے نام سے ملک میں روشناس ہے معرض وجود میں آیا۔ اس کی بنیاد بھی انھیں سراپا اخلاص برگزیدۂ حق حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں رکھی گئی ہے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد پہلی مرتبہ غیبی اشارات پر مراکز اسلامی کا نقش اولیں دیوبند میں قائم فرمایا لہٰذا ظاہر ہے کہ اس کے اغراض و مقاصد وہی ہو سکتے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے ہیں ۱۲۹۶ھ میں حضرت مولانا عالم علی محدث مرادآبادی کے انتقال کے بعد مرادآباد کے باخبر حساس قلوب میں اس ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔ حضرت نانوتوی قدس سرہ مرادآباد تشریف لائے ہوئے تھے سب نے مل کر حضرت مولانا کی خدمت میں عرضداشت پیش کی کہ مرادآباد کی سرزمین دولت علمی سے خالی ہو چکی

ہے اگر چندے یہی حالت رہی تو دینی جذبات ختم ہو جائیں گے حضرت دُعا فرما دیں کہ خداوند کریم اہل مراد آباد کو دوبارہ علمی فیوض و برکات سے متمتع فرمائے حضرت نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دئے ہاتھ اٹھانے کی دیر تھی کہ اجابت درحق کے سامنے آئی اور کام بن گیا۔ حضرت نے حاضرین سے فرمایا کہ بطرز دیوبند غریبوں سے تھوڑا تھوڑا چندہ مقرر کرالیا جائے اور اصحاب ثروت بھی اس کار خیر میں حصہ لینا چاہیں تو ان کو بھی شامل رکھا جائے چنانچہ چندے کی اپیل کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے چندہ پیش کیا وہ ایک بہشتی تھا جس نے ایک پیسہ دیا جو نہایت خوشی کے ساتھ قبول کیا گیا۔ چند ہی روز میں تیس پینتیس روپئے ماہوار کا انتظام ہوگیا اور حسب ہدایت حضرت اقدس کہ فوراً کسی جامع منقول معقول مدرس کا تقرر کر لیا جائے۔

حضرت کے تلمیذ رشید جامع محاسن صوری و معنوی حضرت مولانا سید احمد حسن قدس سرہ امروہوی کا بمشاہرہ پینتیس ۳۵ روپئے تقرر عمل میں آیا یہ اس جامعہ کی ابتدائی روئیداد ہے۔

آج ۱۳۷۵ھ ہے یعنی اس جامعہ کو قائم ہوئے ۷۸ سال ہو گئے اس کے تعلیمی نظام کی خوبی تو اسی سے ظاہر ہے کہ اس پر بہت سے تاریخی انقلابی دور آئے مگر اس کی شان کو گھٹا نہ سکے ہر زمانہ میں ہند اور بیرون ہند کے کثیر التعداد طلبہ جو مختلف علوم اور فنون کے خواہش مند ہوتے ہیں یہاں آکر اپنی مراد کو حاصل کرتے رہے۔ جن کی تفصیل کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ مدرسہ کی روئیدادیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ ہم آخر میں چند مقتدر اور مشاہیر اصحاب کے نام پیش کریں گے جن سے جامعہ کی خدمات کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا اس جامعہ کی خصوصیات میں یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اس کا اہتمام اہل علم اور مخلصین کے ہاتھوں میں رہا ہے جنھوں نے بلامعاوضہ حسبۃ للہ اس خدمت کو انجام دیا ہے البتہ درمیانی دور میں تین مہتمم تنخواہ دار بھی رہے ہیں اس کی صدارت ہمیشہ سے ملک کے ممتاز اور مسلم علماء کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ چند نام ذکر کئے جاتے ہیں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مدرسہ عبد الرب دہلی۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مراد آبادی قاضی بھوپال۔ حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ امروہوی صدر مدرس امروہہ۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہسوانی۔ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مدظلہ جو طویل عرصہ سے اس کی صدارت تدریس پر فائز ہیں۔ اسی جامعہ کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ مذہبی تحفظات کے ساتھ وقت کے اہم ملی اور وطنی تقاضوں کے پورا کرنے میں کبھی بھی اس کے

وابستگان کا قدم پیچھے نہیں رہا بلکہ یہ دعویٰ بیجا نہ ہوگا کہ اس کے مدرسین اور طلباء نے جس بے جگری کے ساتھ دورِ خلافت سے لے کر تا حصولِ آزادی جس قسم کی مالی اور جانی قربانیاں دی ہیں اس کی نظیر کسی دوسری درسگاہ میں نہیں مل سکتی۔ مدرسین میں بعض دو دو مرتبہ اور بعض تین اور چار اور اس سے زائد مرتبہ حکومت کے مہمان رہے ہیں حضرت شیخ الحدیث صاحب و مولانا محمد میاں صاحب و مولانا محمد اسمٰعیل صاحب۔ قاری محمد عبد اللہ صاحب مرحوم مولانا اختر اسلام صاحب۔ حافظ حکمت اللہ خاں صاحب۔ قاری محمد کامل صاحب طلبہ میں ولایتی بنگالی ہندوستانی غرض ہر مقام کے طلبہ نے پوری مستعدی اور گرمجوشی کے ساتھ خود کو قید و بند کیلئے پیش کیا ۱۵ھ میں احقر کو اہتمام کی خدمت سپرد کی گئی ہے اس دور کی ترقیات کا ذکر خود ستائی کے مرادف سمجھا جائے گا لہٰذا اس کو چھوڑ کر صرف اتنی گذارش ہے کہ جامعہ کا اصل سرمایہ تو توکل علی اللہ ہے۔ عالمِ اسباب میں اس کا انحصار غرباء کے چندوں اور اصحاب کی خیر وقف کی امداد پر ہے۔

اس کے پاس نہ کوئی محفوظ فنڈ ہے اور نہ کوئی ایسی جائداد جس کی آمدنی قابلِ اعتماد ہو۔ اخراجات ماہانہ تقریباً دو ہزار ہوتے ہیں اور مقررہ آمدنی بمشکل سوڈیڑھ سو روپئے ماہانہ ہو گی۔ اسی بناء پر نہ اس کا کوئی دار الاقامہ بن سکا اور نہ مستقل مطبخ ہی قائم ہو سکا۔ اب میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ایک مختصر سی فہرست بطور مشتے نمونہ از خروارے۔ ان حضرات کی پیش کر دوں جو اس جامعہ سے منتسب ہیں اور اس کو تین ادوار پر تقسیم کر رہا ہوں۔

دورِ اول میں۔ ۹۶ھ لغایتہ ۲۹ھ تک کے بعض مشاہیر فضلا کا تذکرہ ہوگا اور دورِ ثانی ۲۹ھ لغایتہ ۵۱ھ اور دورِ ثالث ۵۱ھ سے شروع ہو کر ۸۷ھ تک۔

دَورِ اوّل

حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب امروہوی۔ حضرت مولانا خادم حسین صاحب مراد آبادی۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب سہسوانی۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی۔ حضرت مولانا بشیر احمد شاہ صاحب رکن مجلس علماء بھوپال۔ حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب سیوہاروی۔ حضرت مولانا عبد الخالق صاحب شاہجہانپوری۔ حضرت مولانا عبد المجید صاحب شاہجہانپوری حضرت مولانا حافظ احمد حسن صاحب مہتمم مدرسہ فیض عام سیوہارہ۔ حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب کلکتہ۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھلاودی میرٹھی۔ حضرت مولانا یوسف علی صاحب میرٹھی۔ حضرت مولانا علی احمد صاحب عمروی۔

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قدرت اللہ صاحب بریلوی۔ حضرت مولانا منصور علی صاحب مرادآبادی ثم حیدرآبادی۔ حضرت مولانا مرزا فرخ بیگ صاحب مرادآبادی۔ حضرت مولانا مرزا حمید اللہ بیگ صاحب مرادآبادی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب پنجابی مرادآبادی حضرت مولانا احمد علی صاحب مرادآبادی۔ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب عمروی۔ حضرت مولانا انظار احمد صاحب مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سنبھلی۔
حضرت مولانا محمد ریاض الدین صاحب افضل گڈھی مفتی و مدرس دارالعلوم دیوبند۔
حضرت مولانا عبداللطیف صاحب افضل گڈھی سابق مفتی ریاست حیدرآباد دکن۔ حضرت مولانا عبدالباری صاحب گڈھ مکتیشری۔ حضرت مولانا قاضی فصیح الدین صاحب مرادآبادی۔ حضرت مولانا اللہ رکھا صاحب انبیٹھوی۔ حضرت مولانا حافظ محمد یحییٰ صاحب شاہجہاں پوری حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رئیس بچھرایونی۔ حضرت مولانا شاہ حسن صاحب رئیس بچھرایون۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سنبھلی۔

دَورِ متوسط

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ناظم جمعیۃ علماء ہند۔ حضرت مولانا فیض الحق صاحب ولایتی۔ حضرت مولانا سید عبدالرشید صاحب مرادآبادی۔ حضرت مولانا حکیم انظار احمد صاحب نینڈروی۔ حضرت مولانا حکیم محمد آفاق صاحب مرادآبادی۔ حضرت مولانا بشیر الدین صاحب باگوی ۔لہٹی خلیفہ خاص حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی۔ حضرت مولانا سعید الدین صاحب سہسپوری رنگونی مرحوم۔ حضرت مولانا شمس الدین صاحب ہاپوڑی۔ حضرت مولانا امام الدین صاحب اشہائیں۔ حضرت مولانا محمود احمد صاحب عمروی۔
حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب خلیفہ خاص حضرت مولانا حسین صاحب دامت برکاتہم حضرت مولانا حکیم عبدالحمید صاحب سہسپوری۔ حضرت مولانا محمد شعیب صاحب پشاوری مدرس مدرسہ اسلامیہ سہسپور۔ حضرت مولانا شمس الدین صاحب پشاوری۔ حضرت مولانا حکیم باقر علی صاحب مرادآبادی۔ حضرت مولانا حافظ نعیم الدین صاحب مونگیری۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب قندھاری۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب سنبھلی۔ حضرت مولانا امجد علی صاحب مدرس مدرسہ امدادیہ مرادآباد۔ حضرت مولانا غلام یحییٰ خاں صاحب پشاوری

حضرت مولانا حافظ سعید احمد صاحب مرحوم سلیم پوری۔ حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب افضل گڑھی ناظم جمعیۃ علماء صوبہ مدراس۔ حضرت مولانا محمد حلیم صاحب بنوی مدرس معراج العلوم بنوں۔ حضرت مولانا محمد طاہر صاحب ٹکلی۔ حضرت مولانا منظور علی صاحب ملیٹی حضرت مولانا عبدالحق صاحب امروری۔

دَورِ ثالث

حضرت مولانا سید واحد رضا صاحب مراد آبادی مدرس جامع قاسمیہ مراد آباد۔ حضرت مولانا سید اختر اسلام صاحب مدرس جامعہ قاسمیہ مراد آباد

" " نذیر احمد صاحب " " " " " " خلیل الرحمن صاحب " " "

" " عبدالحکیم صاحب افضل گڑھی " " " " " قاری محمد کامل صاحب " " "

" " محمد شاہد صاحب رامپوری " " " " " مستحسن الدین صاحب بجنوری " " "

" " محمد اکبر صاحب ہزاروی۔ حضرت مولانا قاری مولوی غلام حسین صاحب کامٹی پوری

" مولوی مرغوب احمد صاحب مونڈھوی۔ حضرت مولانا گل فراز صاحب ولائتی

" مولانا عبدالحکیم صاحب کوہاٹی۔ حضرت مولانا حافظ انوارالحق صاحب سہسپوری خطیب نینی تال

" مولانا نذیر احمد صاحب سہسپوری مدرس مدراس۔ حضرت مولانا قاری امیر علی صاحب مدرس مدرسہ امدادیہ مراد آباد۔ مولانا اشفاق حسین صاحب مراد آبادی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سڈھروی۔ حضرت مولانا صدیق حسن صاحب سہسپوری

" " حکیم اللہ صاحب ہلدوانی ناظم جمعیۃ ضلع نینی تال۔ حضرت مولانا رحمٰن صاحب بنہی

" " جمال الدین صاحب غازیپوری۔ حضرت مولانا قاری عبدالرحیم صاحب بجنوری مدرس مدرسہ دھامپور۔

ٍ٭

ہزاروں فارغین میں ہر دور کے چند چند اسماء جو اس وقت مستحضر ہوئے پیش کر دیے ہیں جن میں دور اول کے اکثر حضرات علمی خدمات انجام دیتے ہوئے خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔ دور ثانی و ثالث کے اکثر حضرات بقید حیات ہیں اور بفضل خدا مختلف مدارس میں دینی علمی خدمات انجام دے رہے ہیں طبقہ ثانیہ و ثالثہ کے سیکڑوں حضرات ایسے ہیں جو مختلف طریقوں سے دین متین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ جن کی خدمات کا احقر کو علم ہے مگر تنگیٔ وقت کی بناء پر ان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے جو نام بے تکلف سامنے آگئے وہ لکھ دیئے گئے۔ خداوند کریم اس باغ قاسمی کو اپنی فیض رسانی ہمیشہ قائم و سرسبز رکھے۔ والسلام۔

ایک اسّی سالہ تاریخی درسگاہ

جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ یوپی

(از حضرت مولانا سید اعجاز حسین صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ یوپی)

ہندوستان کے اندر صلحائے اُمت اور علمائے ربانیین نے ترویج واشاعت دین اور اجرائے تعلیم حق کے سلسلہ میں جو کوششیں کی ہیں۔ وہ تاریخ کے صفحات پر روز روشن کی طرح نمایاں ہیں ۔۔۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے مسلمانان ہند پر جو اثرات ڈالے تھے ان کا گہری نظر سے پتہ چلا کر ان کے ازالہ کی تدابیر حقانی علماء نے کیں۔ جس کے نتیجہ میں دارالعلوم دیوبند اور کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کی تشکیل وجود میں آئی ۔۔۔ یوم تاسیس سے اس وقت تک اس مدرسہ کی فیض رانی اور افادیت نے ہند اور بیرونِ ہند کو علم اور عمل کی دولت سے نوازا ہے ۔۔۔ قاسم العلوم والمعارف حضرت علامہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمات عالیہ اور برکات علمیہ سے کون ہے جو واقف نہیں انھوں نے اپنے تصنیفی و تدریسی مشاغل کے ساتھ ایک طرف شمالی ہند میں دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھا دوسری طرف مختلف مقامات پر دیگر مدارس اسلامیہ کو قائم و جاری کرتے ہوئے امروہہ کے اس مدرسہ کے قیام کی صورتیں بھی مہیا فرمائیں ۔۔۔ امروہہ قدیم سے ایک تاریخی و علمی بستی رہی ہے۔ یہاں پر بڑے بڑے مشائخ کرام، علمائے عظام، اعلیٰ درجہ کے باکمال اطباء و شعراء، رہنما اور رہبر ہر علم و فن کے ماہر پیدا ہوئے۔ جن کی تفصیل کے لئے یہ سطور ناکافی ہیں۔ مختصراً یہ کہ معز الدین کیقباد کے عہد میں یہاں پر مدرسہ معزیہ قائم ہوا جو مدتوں رہا۔ اس کے بعد سید محمد "میر عدل" نے۔ بعہد اکبر بادشاہ ۔۔ اور دیگر علماء نے مختلف اوقات میں اس کی علمی ساکھ کو قائم رکھا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں امروہہ میں اپنی تعلیم پانے کا ذکر کیا ہے۔ پھر صوفیاء و مشائخ نے جو علم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ اور اسرار و رموز طریقت و شریعت

کے آشنا تھے۔ اس سرزمین پر حقائق و معارف کے دریا بہائے ۔یہاں کی خانقاہوں میں تصوف و معرفت کے سبق پڑھائے جاتے تھے۔ اور ملک کے گوشہ گوشہ سے مریدین و زائرین کھنچ کھنچ کر یہاں آتے تھے ۔۔۔ لیکن ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے اور ۱۸۵۷ء کے بعد یہاں پر تعلیمی حلقوں میں قدرے خاموشی و جمود طاری ہو گیا تھا اور وہ پچھلی رونقیں باقی نہیں رہی تھیں ۔۔۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روحانی رشتہ کی بناء پر کہ ان کے سلسلہ سلوک کے چند بزرگ یہاں محو استراحت ہیں ۔علاوہ ازیں اُن کے عزیز ترین شاگرد رشید جو کہ آسمان علم کے درخشندہ ستارے اور اُن کے علوم و کمالات کے آئینہ تھے اسی مردم خیز سرزمین کے باشندے تھے ۔۔۔ امروہہ تشریف لاتے رہتے تھے ۔ اس روحانی رشتہ کی وجہ سے حضرت مولانا نانوتویؒ نے یہاں کے بعض ارباب علم کو مشورہ دیا کہ اس سرزمین میں جہاں حضرت شاہ عضد الدین صاحبؒ حضرت شاہ عبد الہادی صاحبؒ اور حضرت شاہ عبد الباری صاحبؒ نے اپنے فیوض کو تمام دُنیا میں پھیلایا ہے کیوں نہیں ایک دینی عربی مدرسہ قائم کیا جائے ۔چنانچہ حضرت والا کے ایماء پر یہاں کے حساس مسلمانوں نے اس مدرسہ کی داغ بیل ڈالی ۔ اور بالآخر ۱۳۰۳ھ میں ان کے شاگرد رشید راس الاذکیاء حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرادآباد کے مدرسہ شاہی سے تشریف لا کر اس مدرسہ کو چار چاند لگائے ۔ اور اس کے نظام کو باقاعدہ اور باضابطہ بنایا۔ علم حدیث و تفسیر، علم فقہ و تصوف ، غرضیکہ معقولات و منقولات میں سے ہر فن کی تعلیم دی جانے لگی ۔ اور وہ تمنا جو مولانا نانوتویؒ نے قیام مدرسہ کے سلسلہ میں امروہہ تشریف لا کر ظاہر فرمائی تھی اس رنگ میں جلوہ گر اور بار آور ہوئی ۔

حضرت مولانا سید احمد حسن صاحبؒ محدث امروہوی نے تقریباً ۲۷ سال بعہدہ صدر المدرسین و شیخ الحدیث اس درس گاہ میں درس دیا ۔ ہزاروں تشنگان علوم اور رہبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امروہہ آئے اور اس چشمۂ فیض سے فیض یاب ہوئے ۔حضرت مولانا امروہیؒ ۱۳۳۰ھ میں عازم جنت ہوئے ۔ "اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور آگیں و عنبریں کرے ۔ انھوں نے اپنی یہ زبردست علمی و روحانی یادگار صدقۂ جاریہ کے طور پر چھوڑ دی ہے ۔ انھوں نے اپنی حیات میں اپنے استاد محترم حضرت مولانا نانوتوی کے اصول پر اس کا عملی نظام مرتب کر کے مجلس شوریٰ کی نگرانی میں اسلامی تعلیمات کے اس مرکز کو سپرد کیا ۔ اور یہ ان کی کرامت اور حسن زینت کا کھلا ہوا ثبوت تھا کہ اُن کے بعد ان کے صحیح جانشین ہندوستان کے ایک

زبردست عالم مفسر و محدث عارف باللہ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی سہروردی ہوئے۔ جو حضرت قاسم العلوم کے فیض یافتہ قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے شاگرد رشید اور خود حضرت محدث امروہوی کے مایۂ ناز نمونۂ علمی تھے۔ انھوں نے اس درسگاہ کی مرکزی حیثیت کو بلند و بالا رکھا۔ اور اس کی شہرت و عظمت کے جھنڈے کو اونچا رکھنے میں اپنے اخلاق و روحانیت کو بھی شامل رکھا۔ اُن کو اگرچہ تصنیفی شعبہ میں زیادہ کام کرنے کا موقع درس کے مشاغل نے نہیں دیا پھر بھی بیضاوی شریف کامل، مطول، اور مختصر معانی کے حواشی لکھ کر جو مطبع مجتبائی دہلی نے شائع کئے ہیں" معلمین اور منتہی طلباء کے لئے آسانیاں بہم پہنچائیں۔ انھوں نے مختلف مقامات پر ساٹھ سال درس دیا۔ اور اس طویل مدت میں عمر کا بہترین حصہ اس مدرسہ کی ترقی کے لئے صرف کیا ــــ آپ ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۶۰ھ تک باستثنائے چند سال اسی مدرسہ میں شیخ الحدیث رہے۔ بلا شک اس جامع صفات شخصیت نے بھی ہزاروں کو کامیاب و فائز المرام کیا۔ علوم و معارف کے سبق پڑھائے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولانا نانوتوی، و مولانا گنگوہی کی تصنیفات و خدمات عالیہ سے واقف بنایا۔ اور اخلاق و للّٰہیت کی عملی تعلیم دی ــــ امروہہ کی ان دونوں برگزیدہ شخصیتوں اور ان کے معاونین کی سعیٔ مشکور اور جدوجہد سے اس مدرسہ کے کارناموں اور علمی خدمات میں امتیازی شان پیدا ہوئی۔ مدرسہ بجا طور پر اپنی تاریخ پر ناز کرسکتا ہے کہ اس نے ہزارہا علماء، صلحاء مبلغ، مفتی، مدرس، اور طبیب تیار کئے، جنھوں نے ہندو بیرونِ ہند کے گوشہ گوشہ میں اپنے علم و عمل سے مخلوقِ خدا کو فائدہ پہونچایا۔ اور پہونچا رہے ہیں۔

مدرسہ کی تاریخ میں یہ چیز بھی خاص طور پر ذکر کئے جانے کے قابل ہے کہ کچھ عرصہ ۱۳۴۹ھ میں جبکہ "حضرت علّامہ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب ریاست بینڈھو تشریف لے گئے تھے" حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے بایماء حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ بعہدۂ صدر مدرسی اس مدرسہ میں درسِ حدیث شریف دیا ہے نیز مجاہد ملّت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی نے مدرسہ و بانیانِ مدرسہ سے اپنے تعلقِ خاطر کی بناء پر ۱۳۵۷ھ میں اہتمام مدرسہ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی اعلیٰ درجہ کی تبحّر علمی سے طلباء کو و نیز اہل شہر کو ترجمۂ قرآن عظیم کے ذریعہ زبردست دینی فائدہ پہنچایا۔ اور تقریباً ڈیڑھ سال انھوں نے بہترین نظم و نسق کے ساتھ مدرسہ کو ترقی

دینے کی جدّ و جہد فرمائی ۔ مجاہد ملت مدظلہ کے زمانہ کی چہل پہل، اجتماعی رونقیں، علمی مذاکرے، دینی چرچے، ترجمۂ قرآن پاک کا فصاحت و بلاغت کے ساتھ جامع مسجد میں ایک کثیر مجمع کے سامنے ہونا ۔ ان باتوں کی یاد اہل امروہہ کے دلوں سے محو نہیں ہوئی ہے ۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب صدیقی آج کل اس مدرسہ کے صدر مدرس ہیں، ان کی علمی استعداد، ان کا تبحر، اور خداداد ذہانت و ذکاوت ہر ایک اہل علم کے نزدیک مسلّم ہے بناءً بریں اکابر ملّت اور مجلسِ شوریٰ نے حضرت حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی جانشینی کے لئے انھیں منتخب فرمایا ۔

جامعہ کا نظام ترکیبی

بورڈ مجلس عالیہ ——— مجلس شوریٰ ——— مجلس عاملہ

مجلس عالیہ:۔ مدرسہ اپنے انتظامی معاملات کے لحاظ سے مضبوط بنیادوں پر قائم ہے ۔ نظام مدرسہ کو باقاعدہ رکھنے اور باقاعدہ چلانے کیلئے ۵ ممبران مجلس عالیہ کا ایک بورڈ ہے جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی مدظلہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب مدظلہ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب مدظلہ فخرالاماثل حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند پر مشتمل ہے ۔ اس بورڈ کو مدرسہ کے ہر معاملہ میں آخری اور قطعی رائے کا حق حاصل ہے ۔

مجلس شوریٰ:۔ اکتالیس (۴۱) ارکان پر مشتمل ایک شوریٰ ہے ۔ جس میں امروہہ ۔ مضافات امروہہ کے علم دوست ارباب حل وعقد شامل ہیں جس کے اجلاس وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں ۔

مجلس عاملہ:۔ مجلس شوریٰ نے اپنے ارکان میں سے ۹ حضرات کی ایک مجلس عاملہ منتخب کردی ہے جس کے اجلاس جلد جلد ہوتے رہتے ہیں ۔

دارالاہتمام و دفتر

مجلس شوریٰ کی طرف سے ہر وقت کی نگرانی و محاسبہ اور دفتری امور کی انجام دہی کیلئے ایک مہتمم، نائب مہتمم اور ایک خازن مقرر ہیں ۔ دفتر میں حسابات آمد و خرچ کو درج کرنے کے لئے ایک محرر اور دیگر دفتری امور کی انجام دہی کے لئے دو چپراسی مقرر ہیں ۔

اساتذہ (شعبہ درس وتدریس)

زیر سرکردگی حضرت مولانا محمد عبدالقدوس صاحب صدیقی سہروردی صدر المدرسین و ناظم تعلیمات بارہ مدرسین عربی، فارسی، اُردو، ریاضی، کلام ربانی کی تعلیم میں منہمک ہیں۔ جو اپنے اپنے مقام پر اپنی علمی قابلیت کے اعتبار سے مدرسہ کے لئے باعث فخر ہیں۔ یہاں یہ چیز قابل ذکر ہے کہ اس وقت اکثر اساتذہ عربی اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل فضلاء میں سے ہیں۔

درجہ تجوید اور قرأت قرآن میں مدرسہ کے ۳۵ سالہ استاذ اور استاذ القراء قاری ضیاء الدین صاحب رح کے ممتاز شاگرد قاری حافظ عزیز الحق صاحب ہیں۔

شعبۂ تبلیغ

اس شعبہ میں مستقل مبلغین کے علاوہ، طلبہ و مدرسین تبلیغ کے لئے باہر جاتے ہیں۔ حتّٰی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دینی مرکز بستی نظام الدین اولیاء نئی دہلی سے جو تبلیغی جماعتیں آتی رہتی ہیں اُس میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے ایک فائدہ تو خود ادارہ کو یہ ہے کہ طلباء کو تبلیغ و طرز تبلیغ کی مشق ہوتی ہے۔ دوسرے ان سرگرمیوں سے دیہات میں عقاید و اعمال کی اصلاح ہوتی رہتی ہے جس کی فی زمانا اشد ضرورت ہے۔ اس شعبے میں مدرسہ کے مدرس عربی مولانا عزت اللہ صاحب صدیقی اور دیگر مدرسین اپنی خدمات پیش کرتے رہتے ہیں۔

شعبہ افتاء

یہ شعبہ زیر نگرانی حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدالفاروقی استاذ ادب عربی و فقہ جامعہ کی بہت ہی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض مفوضہ کو انجام دے رہا ہے۔

کتب خانہ

مدرسہ کا سب سے قیمتی سرمایہ وہ کتب خانہ ہے جو مدرسہ کے مشرقی جانب صدر دروازہ کے متصل ہے، یہ کتب خانہ تقریباً ۵۰۰۰ ہزار کتابوں پر مشتمل ہے۔ جس میں علاوہ ہر علم و فن کی درسی کتابوں کے حدیث۔ تفسیر، فقہ، تاریخ، سیر، تصوف، سلوک، ادب، لغت طب و معالجہ، مناظرہ، وعلم کلام کی بہترین کتب موجود ہیں۔ متعدد کتب نادر اور قلمی بھی ہیں اس زمانہ میں جبکہ عربی، اردو، فارسی کو فنا کے گھاٹ اُتارنے کے منصوبے ہیں، دینی مدارس کے یہ قیمتی کتب خانے ہی وہ بیش قیمت سرمایہ ہیں کہ جن پر اہل اسلام جتنا بھی فخر کریں کم ہے

قلم خواز علم کی کہنہ ہے

کتب خانہ اور اس کے جملہ انتظامات ایک ناظم کتب خانہ کی زیر نگرانی ہیں۔

دار الاقامہ

جامعہ کی پُر فضا عمارت میں طلبہ علوم عربیہ کے قیام کے لئے ایک دار الاقامہ بھی ہے جو ایک ناظم دار الاقامہ اور باورچی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ جس میں تقریباً ۸۰ طلباء علوم عربیہ مقیم ہیں۔ حضرت مولانا منظور احمد صاحب جو ادارہ کے لائق استاذ درسیات عربی ہیں اور ادارہ کے قابل قدر فضلاء میں سے ہیں دار الاقامہ کے ناظم ہیں۔ جن کا مستقل قیام بھی یہیں ہے۔

تعداد طلبہ

امسال عربی، فارسی، حفظ و ناظرہ قرآن شریف۔ و پرائمری سیکشن کی تعداد ۳۰۰ سے متجاوز ہے جس میں امروہہ و بیرون امروہہ سب جگہ کے طلباء شامل ہیں۔

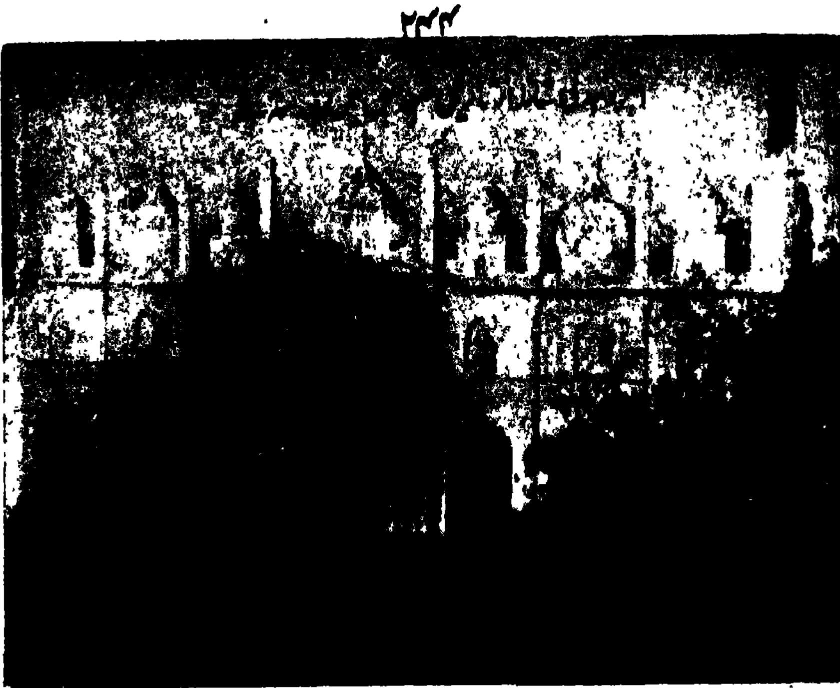
وظائف طلبہ

تقریباً ۵۰ طلباء کو ماہوار وظیفہ دیا جاتا ہے وظیفے میں طلباء کی عدم استطاعت اور درجات کو مدنظر رکھتے ہوئے کمی و زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ وظیفوں کا فی الوقت ماہوار خرچ ما ۱۵۰ روپیہ ہے ہم چاہتے ہیں کہ قابل امداد اور شوقین طلباء کو زیادہ سے زیادہ وظائف دے کر ان کی ہمت افزائی کریں مگر سرمایہ کی کمی مجبور رکھتی ہے۔

مجلس مذاکرہ علمیہ

طلباء کی ایک جماعت مجلس مذاکرہ علمیہ رحمانیہ ہے جس کا صدر عربی کا ایک استاذ ہوتا ہے اور بقیہ عہدے دار طلباء ہی میں سے منتخب ہوتے ہیں۔ اس مجلس کا کام طلباء میں تقریر و تحریر کی مشق بہم پہنچانا اور عام معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔ طلباء نے اس ادارہ کے کام کو چلانے کے لئے ایک ورکنگ کمیٹی بھی بنائی ہے جو دیگر امور کے علاوہ سال تمام کا بجٹ (میزانیہ) بھی بناتی ہے۔ ایک عظیم الشان اسلامی کانفرنس بھی انجام دینا مجلس کے فرائض میں ہے۔ جس میں مشاہیر اسلامی ہند کو مدعو کیا جاتا ہے جس کے تمام تر انتظامات کا ذمہ دار بہ نگرانی اساتذہ طلباء کو ہی بنایا جاتا ہے جس کے دیگر فوائد کے علاوہ ایک زبردست فائدہ یہ ہے کہ مستقبل میں وہ بڑے سے بڑے کام کو انجام دینے کے لئے ٹرینڈ ہوجاتے ہیں۔

(بقیہ ص ۲۴۶ پر)





عمارات جامعہ

عمارت مدرسہ طلبۂ [illegible] کے لئے کافی ہے۔ بجانب مغرب دو بڑی کشادہ اور بہت پرفضا درسگاہیں ہیں جن کے درمیان بہت عظیم الشان عمارت جامع مسجد کی ہے جس کی پشت پر یعنی بجانب غرب ایک طویل وعریض تالاب ہے جس کے بعد حد نظر تک باغات کی سرسبزی و شادابی نظر آتی ہے۔ حقیقتاً جامعہ و جامع مسجد کا محل وقوع بہت جاذب نظر ہے۔ جامع مسجد کا سارا انتظام مدرسہ کے ہی ماتحت ہے۔ جامع مسجد میں ایک مستقل امام ایک موذن، اور حار وب کش و چوکیدار مقرر ہیں۔ جمعہ وعیدین کے خطیب اعزازی طور پر مدرسہ کے عربی کے استاذ حضرت مولانا سراج احمد خاں صاحب ہیں جو حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں اور سلف صالحین کا نمونہ ہیں۔

حیدر آباد دکن میں مسلمانوں کی ملی درسگاہیں

جامعہ عثمانیہ۔ مدرسہ نظامیہ۔ دار الفرقان

(مولانا غلام دستگیر صاحب ایم اے عثمانیہ پروفیسر نظام کالج حیدر آباد دکن)

(۱) شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کے دینی تعلیمی نظام میں سب سے زیادہ قابل ذکر تعلیم دینیات کا وہ نظام تھا جو جامعہ عثمانیہ اور اس کے ملحقہ کالجوں اور عام سرکاری مدرسوں میں تھا۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں دو شعبے مذہبی تعلیم کے تھے۔

الف۔ دینیات لازم۔ بی اے تک ہر مسلمان طالب علم کے لئے اسلامی تعلیمات کے بنیادی اصول اور سیرۃ النبی کی تعلیم لازمی تھی۔ یہ انتظام سیکولر اسٹیٹ کے موجودہ تصور کے تحت ختم کر دیا گیا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی عام علوم کی اعلیٰ درسگاہ ہے۔ اس کا امتیاز یہ تھا کہ یہاں ایک ہندوستانی زبان یعنی اردو کو ذریعہ تعلیم یونیورسٹی اسٹیج میں بنا دیا گیا تھا۔ اونچی نصابی کتابوں کی فراہمی کیلئے ایک دار الترجمہ قائم کیا گیا تھا جہاں کئی علوم و فنون کی کتابیں اردو میں ترجمہ کی گئیں تھیں۔

ب۔ شعبہ دینیات۔ یونیورسٹی میں دو لازمی مضامین ہوتے ہیں ایک انگریزی دوسرا علاقہ واری زبان یا کوئی اور مضمون۔ تیسرا گروپ مضامین اختیاری کا ہوتا ہے۔ اس میں سائنس اور فنون (ARTS) کے مضامین ہوتے ہیں۔ مذہبی تعلیم میں خصوصیت حاصل کرنے والے طلباء اختیاری گروپ کے مضامین میں سائنس اور آرٹس کے مضامین کے بجائے عربی تفسیر۔ حدیث۔ فقہ اور کلام میں سے مضامین کا انتخاب کر لیتے۔ بی اے تک یہ سلسلہ رہتا ہے۔ ایم اے میں کسی ایک مضمون کا انتخاب کر کے جس کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ ہوتا۔ یہ نظام مزید ترقی کر کے یہ صورت اختیار کر گیا تھا کہ طالب علم دینیات اسلامیات کے مضامین کے ساتھ کسی عام علم کو اپنے گروپ کے لئے منتخب کر لیتے مثلاً تفسیر و فقہ کے ساتھ کسی نے معاشیات لے لی۔ کسی نے

سیاسیات یا عمرانیات۔

بعض خاص طالب علم اس طرز پر تعلیم پانے کے بعد اسلامی علوم کے غیر معمولی ماہر نکلے اور ان علوم کی نئے انداز اور شکل میں تدوین کی۔ مثلاً

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب فقہ کے ایم اے ہوئے۔ قانون کا مطالعہ کرکے ال ال بی ہوگئے۔ قانون بین الممالک ان کا خاص مضمون تھا۔

"ڈاکٹر یوسف الدین صاحب نے اسلامی علوم کے ساتھ اصول معاشیات میں مہارت پیدا کی۔ اسلامی معاشیات کی بلند پایہ تحقیق فرمائی اور بلند پایہ تحقیق کرکے (اسلام کے معاشی نظریے) تصنیف فرمائی اس کتاب پر آپ کو پی، ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی۔ آپ عثمانیہ یونی ورسٹی کے شعبہ مذہب اور کلچر کے ریڈر ہیں۔ اب اس شعبہ میں پہلے کی طرح اسلامیات کا یہ خاص نصاب نہیں رہا۔ بلکہ اسے عام مذہب و کلچر کا شعبہ بنادیا گیا ہے۔

بعض ماہرین تعلیم اور اہل انصاف کی کوشش یہ تھی کہ اسلامیات کا شعبہ دنیا کے دیگر کئی سیکولر ممالک کی یونیورسٹیوں اور خود ہندوستان کی بعض یونیورسٹیوں کے اسلامک اسٹڈیز کے شعبوں کی طرح قائم رکھا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اسی فیکلٹی (FACULTY) میں دوسرے اہم مذاہب کے علوم کے شعبے بھی قائم کردئے جائیں۔ لیکن اس کے بجائے ایک عام اور ملا جلا مذہبی نصاب جاری کیا گیا ہے۔ اور اس شعبہ کا نام "ریلیجن اینڈ کلچر" ہے (RELIGION & CULTURE) اس کی تفصیلات جدید نصاب نامے سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

(۳) **جامعہ نظامیہ** | اسلامی علوم کے قدیم طرز تعلیم کا مشہور مرکز ہے۔ کچھ سرکاری امداد ملتی ہے فارغ التحصیل کے درجے تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اونچے درجوں یعنی مولوی فاضل اور کامل میں طلباء کی تعداد نہایت قلیل ہوتی ہے حال میں نصاب کے اندر کچھ ضروری تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں۔ انگریزی۔ ہندی۔ سائنس وغیرہ کی تعلیم کو بھی جزو نصاب بنادیا گیا ہے جس کی بڑی اہمیت ہے۔

دار العلوم کاورم پیٹھ:۔ اس کے ابتدائی امتحان "مولوی نظامیہ" کی جماعت کے لئے کمسن بچوں کو تیار کرنے کی غرض سے کاورم پیٹھ جڑچرلہ اسٹیشن میں (ضلع محبوب نگر) ایک اسلامی مدرسہ

ع۱۵ اسی طرح مولوی غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے عثمانیہ پروفیسر نظام کالج جامعہ کے بہترین سپوت ہیں۔ ("ساغ")

نہایت خوبی اور کامیابی سے چل رہا ہے۔ مولوی قاری عبد الکریم صاحب اس کے کار آمد اور مستعد معتمد ہیں۔ حفظ و قرأت کی تعلیم کا بھی نہایت اچھا انتظام ہے۔ حال ہی میں یہاں تلنگی اور انگریزی کی ابتدائی تعلیم کا بھی انتظام ہو گیا ہے۔

(۳) نظام الدین میڈیکل کالج ڈاکٹر سید نظام الدین صاحب ٹی بی اسپشلیسٹ نے بڑی کوشش اور ایثار سے ایک خانگی میڈیکل کالج قائم کیا ہے پہلے سال کا نصاب جاری ہو گیا ہے یونیورسٹی سے الحاق (AFFILIATION) کی کارروائی جاری ہے اس کی تکمیل ہو جانے تو یہ ہند کے مسلمانوں کا واحد میڈیکل کالج ہو گا۔ یہ کالج (سنی نوریم) ذوالقدر جنگ کے بنگلے میں آصف نگر روڈ پر واقع ہے۔

(۴) انوار العلوم کالج آرٹس اور کامرس کے لئے ایک انٹر کالج امدادی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے ملحق ہے۔ آرٹس اور کامرس کی تعلیم گاہ ہے اس کے پرنسپل نامور ماہر تعلیم اسٹیٹ کے وظیفہ یاب ڈائرکٹر آف ایجوکیشن جناب علی اکبر صاحب ہیں۔ اس کے ساتھ ایک کمرشیل انسٹی ٹیوٹ ہے جہاں دفتری ضروریات کی تعلیم بھی ہوتی ہے۔

(۵) آصفیہ ہائی اسکول ملک پیٹھ بلدہ حیدر آباد کے نہایت بلند اور پرفضا مقام پر اقامتی درسگاہ ہے جس کے بانی نواب ممتاز یار الدولہ مرحوم تھے۔

(۶) اسلامیہ ہائی اسکول سکندر آباد میں مسلمانوں کا ایک ہائی اسکول ہے یہاں سرکاری نصاب کے مطابق تعلیم ہوتی ہے اور سرکار سے امداد ملتی ہے۔

(۷) اسلامیہ ہائی اسکول ورنگل مسلمانوں کا ایک مفید اور کامیاب ہائی اسکول ہے اس کے صدر مدرس منظور صاحب بی۔ اے ڈپ ایڈ نے دینی تعلیم کے لئے اپنے کو وقف کر دیا ہے۔

(۸) اشرف المدارس مڈل اسکول ہندوستانی گلی ترپ بازار بلدہ حیدر آباد میں ہے ایک امدادی مدرسہ ہے۔

(۹) مدرسہ شیخ القرا مولانا قاری میر روشن علی صاحب کی تعلیم گاہ ہے جہاں عشرہ تک کی ماہرانہ تعلیم ہوتی ہے ان کے شاگردوں میں قاری تاج الدین صاحب قاری بسم اللہ بیگ صاحب اور قاری خواجہ محمد احمد صاحب تعلیم قرآن و قرأت میں بڑی محنت اور ایثار دکھاتے ہیں۔

(۱۰) دارالقرات کلیمیہ قرات قرآن محمد اور بنیادی مذہبی تعلیم کا ایک ممتاز مدرسہ ہے جو جو ڈاکٹر قاری کلیم اللہ حسینی صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ کی سرپرستی سے جاری ہے۔

(۱۱) امتحانات دارالعرفان اسلامی دنیا کی عام تعلیم کا ایک نظام حیدرآباد کے اسلامی تعلیم کے نظام اور کامیاب تجربہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض مخلصین اور ماہر تعلیم نے قرآن و سیرت کی عام اسلامی تعلیم کا ایک نظام اور نصاب تجویز کیا۔ اس کے مطابق امتحانات کا ایک سسٹم جاری کیا گیا ہے جو کامیابی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کی مدد سے مساجد اور مکتبوں کی تعلیم میں دھیرے دھیرے تعلیم کا تصور اور معیار ترقی کے راستہ پر لگ رہے ہیں۔ اس کے نظام و نصاب میں ہر سال اصلاح و ترمیم پیش نظر رہتی ہے ان لوگوں کے مشورے درکار ہیں جو عملی طور پر تعلیمی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

حیدرآباد میں حاجیوں کا تعلیمی مرکز

(جناب مولوی فضل اللہ خاں صاحب صدر معین الحجاج حیدرآباد)

حیدرآباد دکن میں تقریباً ایک صدی سے حکومت حیدرآباد کا شعبۂ امور مذہبی عازمین حج کا ایک قافلہ تشکیل دے کر روانہ کرتا رہا۔ اس میں مزید سہولت پیدا کرنے کی غرض سے ایک ادارہ مجلس معین الحجاج ۱۹۴۵ء میں قائم ہوا۔ سیکولر گورنمنٹ کے قیام کے بعد سررشتہ امور مذہبی برخاست ہوگیا اس لئے مجلس مذکور نے اس خدمت کو مستقلاً اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جس کی وجہ سے حیدرآبادی قافلہ ہر سال مثل سابق منظم ہو کر حج و زیارت کی سعادت حاصل کرتا ہے، حیدرآباد میں مجلس معین الحجاج ہی ایک ایسا رجسٹرڈ ادارہ ہے جو عازمین حج کو متعلقہ حکومتوں اور جہاز کمپنی کے وقتاً فوقتاً ہدایات سے ذریعہ اخبارات و پمفلٹ معلومات بہم پہونچاتا ہے۔ اور بے لوث مخلصانہ خدمات انجام دیتا ہے۔ مثال کے طور پر عازمین حج کے لئے ریلوے بوگی حیدرآباد سے بمبئی تک محفوظ کرانا، جہازوں میں ان کی نشستیں محفوظ کرانا۔ ٹیکوں کی تنقیح کرانا۔ اور بمبئی کے مسافرخانہ میں بہ تعاون انجمن خدام النبی ٹھہرانا۔ جہاز کے ٹکٹ بنوانا۔ پلگرم پاس حاصل کرنا، پارچہ احرام و راشن غلہ دلانا۔ اور ریلوے اسٹیشن بمبئی سے مسافرخانہ و جہاز تک حمل و نقل کا

انتظام کرنا۔ اور مملکت حجاز میں ان کے مذاق کے مطابق خورد و نوش کیلئے طعام کمیٹی کا انتظام کرنا۔ طبی امداد کیلئے ادویات فراہم کرنا اور اس کے لئے کسی ماہر طبیب یا ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرنا۔ اور قافلہ کو مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ میں حیدرآبادی موقوفہ رباطوں میں ٹھہرانا، اور اس کا معقول انتظام رکھنا۔ اسی طرح واپسی قافلہ کے موقعہ پر انتظام کرنا۔ ایسے سارے امور عازمین حج کی سہولت کے لئے پیدا کرنا جن سے ناواقف عازمین حج مستفید ہوں اور وہ پریشان یا سراسیمہ نہ ہوسکیں۔ نیز عازمین حج کو ان کے فرائض کی کارروائی کے لئے تقاریر کا انتظام کرنا، چنانچہ سال گذشتہ حرمین شریفین کے ماڈلس کے ذریعہ تربیت کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔

مملکت حجاز میں ایسے امور کے انصرام کیلئے قافلہ سالار کا انتخاب ادارہ کی جانب سے کیا جاتا ہے جن کی قیادت میں قافلہ جاتا اور واپس ہوتا ہے۔ اس تنظیم کو دیکھ کر دیگر صوبجات کے عازمین حج بھی شریک قافلہ ہوکر اس کی سہولتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ اگر ہر صوبے میں ایسے ادارہ جات قائم ہوں تو نہایت مستحسن ہوگا۔

مدرسہ اسلامیہ اور انجمن اسلامیہ کرنول

نشو و ارتقاء کی مختصر تاریخ (سنہ ۱۸۹۶ء تا سنہ ۱۹۵۲ء)

اسلام کے سچے بہی خواہوں میں مولینا مولوی سلطان احمد صاحب مرحوم و مغفور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ کا مولد و منشا راولپنڈی تھا، مگر سچے مسلمان کی طرح وہ خدا کی راہ میں سیاح تھے۔ جس جگہ خدمت خلق کے موقع ملتے تھے اسی کو اپنا وطن بنا لیتے تھے۔ دور افتادہ علاقوں میں پہنچ کر مسلمانوں کو ان کی ضروریات سے آگاہ کرتے اور تحصیل کمال علمی اور تہذیب اخلاق کا شوق دلاتے تھے۔ دوران سیاحت میں کرنول پہنچے تو اپنے اخلاص اور سحر بیانی سے باشندگان کرنول کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ایک مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم کریں۔ جناب حاجی احمد صاحب نے پانچ سو روپیہ کا گرانقدر عطیہ دے کر دوسروں کے لئے ایک عمدہ مثال قائم کی اور تھوڑی ہی مدت میں تقریباً ڈھائی ہزار روپیے جمع ہوگئے۔ مولینا مرحوم و مغفور نے اس رقم سے جائداد خریدی تاکہ اس کی آمدنی سے مدرسہ کا خرچ نکلے۔ پھر مولانا مرحوم خود بہاری گئے اور وہاں سے مولینا مولوی محمد عمر صاحب مرحوم و مغفور کو جو مولینا احمد حسن کانپوری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اپنے ساتھ لائے تاکہ اس مدرسہ میں تعلیم و تدریس کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جائے۔ خود صدر و مہتمم تھے۔ اپنی نگرانی میں آئین و ضوابط تیار کئے اور دستور العمل مرتب کیا اور ۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۳ھ (جون سنہ ۱۸۹۶ء) کے دن مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا افتتاح ہوا۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ

مغلیہ سلطنت کے دور آخر کی تعیش پسندیوں اور امراء اور رہنماؤں کی ناعاقبت اندیشیوں نے مسلمانوں کی سماجی زندگی کو نہ نقصان عظیم پہنچایا کہ آج تک اس کی مناسب تلافی نہ ہوسکی کمال علمی اور کمال عملی اور محاسن و مکارم اخلاق کی تحصیل و طلب کا اگلا شوق باقی نہ رہا ضعف و بے چارگی نے راہ پائی۔ کثرت وسائل کے باوجود انگریزوں کے تسلط سے اپنے تئیں بچا نہ سکے اور جب انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی اور مسلمانوں کے اقتدار کے آثار مٹائے جانے لگے تو ان کی ہمتوں میں بے پناہ ضعف و کمزوری پیدا ہوگئی۔ نہ صرف یہ کہ انگریزوں کے سیاسی اقتدار کے سامنے سر تسلیم خم کیا، انگریزوں کی تہذیب و تمدن کے مظاہر سے بھی مرعوب ہوگئے۔ خود اپنے قومی روایات سے بے پروائی اور بعض صورتوں میں ان کی تحقیر و انکار سے بھی دریغ نہ رہا۔ انگریزی اور مغربی علوم جدیدہ کی دنیوی برکتوں کے مشاہدہ نے اگر اسلامی و دینی علوم کے حاصل کرنے سے باز رکھا تو تن آسانی، فقدان ہمت و عزم، گمراہی خیال اور ضعیف الاعتقادی نے اکتساب علوم جدیدہ کی راہ میں سخت رکاوٹیں پیدا کیں، نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ دینی علم کا شوق رہا نہ دنیوی علم کی ہمت رہی۔ بے علمی

خدا کی کتاب فطرت کا قانون ہے۔

اور جہل کا مہلک مرض وبا کی طرح پھیلنے لگا۔

ایسے میں قوم کے چند بہی خواہ تھے انہوں نے محسوس کیا کہ اگر اس وبا جہل کو پھیلنے سے روکا نہ گیا تو مسلمانوں کی رنگی زمین کا بوجھ بن جائے گی اور وہ وقت آجائے گا جبکہ بطن الارض خیر لکم من ظھرھا ان پر صادق آنے لگا۔ اس لئے ان بہی خواہوں نے مسلمانوں کو مدّ و جزر اسلام کا ترانہ سنا کر ان کی موجودہ پستی کا احساس دلایا اور اسلاف کے علمی و عملی کمالات کی داستانیں یاد دلا کر حصول علم و حکمت کی رغبت دلانی شروع کی۔ چاہے وہ علم، علم قدیم ہو یا علم جدید، مشرقی ہو یا مغربی، دینی ہو یا دنیوی۔ ان بہی خواہوں نے صرف تنبیہ و تذکیر، ترغیب و تحریص پر اکتفا نہیں کیا۔ علیگڈھ میں انگریزی کا مدرسہ مدرسۃ العلوم قائم کیا تو دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔

مخیر حضرات نے مالی امداد بہم پہنچائی اور مدرس اعلیٰ جناب مولوی محمد عمر صاحب نے عرق ریزی اور تندہی اور جانفشانی سے کام کیا۔ تائید ایزدی شامل حال رہی اور مدرسہ ترقی کرتا گیا۔ قیام مدرسہ کے سات سال بعد نومبر ۱۹۰۳ء میں پہلا جلسۂ تقسیم اسناد، دستار فضیلت منعقد کیا گیا اور سات طلباء کو سند تحصیل عطا کی گئی۔

موجودہ کرایہ کی عمارت ضروریات مدرسہ کے لئے ناکافی ثابت ہونے لگی تو جناب محمد اکبر صاحب مہتمم مدرسہ نے سب نہر ہندری ایک نئی عمارت تیار کروائی جس میں مدرسہ منتقل کیا گیا۔ پرانی عمارت کو بطور دارالاقامہ استعمال کیا جانے لگا مدرسہ روز افزوں ترقی کرتا گیا۔ مگر سنہ ۱۹۰۹ء میں آفت ناگہانی آئی۔ ہندری ندی میں سیلاب آیا اور مدرسہ کی عمارت بہہ گئی ناچار مدرسہ کو پرانی عمارت میں منتقل کرنا پڑا۔ چونکہ مدرسہ اور دارالاقامہ دونوں کے لئے اس عمارت میں گنجائش نہ تھی لازمی طور پر مدرسہ کی کارروائیوں پر اثر خلل واقع ہوا۔ اور یہ حالت سنہ ۱۹۱۲ء تک باقی رہی۔ جبکہ سیلاب زدہ عمارت کو از سر نو تعمیر کیا گیا۔ اس وقت دارالاقامہ کے ساتھ مطبخ بھی ملحق کیا گیا، جس کے نہ ہونے سے طلبہ کو بہت سی دقتیں پیش آتی تھیں۔

منتظمین مدرسہ نے اسی زمانہ میں یہ بھی محسوس کیا کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ابتدائی مدرسوں کا قائم کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ایک لڑکوں کا تحتانیہ مدرسہ جس میں پانچ جماعتیں تھیں اور ایک لڑکیوں کا مدرسہ قائم کیا۔ لڑکیوں کو مدرسہ تک لانے اور لے جانے کے لئے پردہ دار گاڑیوں کا بھی انتظام کیا۔

جب سنہ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی تو اس سے مدرسہ کی مالی حالت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ عطیوں اور چندوں سے آمد میں کمی ہوگئی، مگر منتظمین مدرسہ نے ہمت شکن احوال کے باوجود مدرسہ اور اس سے متعلق اداروں کی کارروائیوں میں کوتاہی آنے نہ دی۔ مصیبت تنہا نہیں آتی۔ جنگ عظیم سے پیدا شدہ احوال کے خوگر نہ ہونے پائے تھے کہ سنہ ۱۹۱۷ء میں ہندری میں پھر سیلاب آیا اور مدرسہ کی عمارت بہہ گئی۔ مدرسہ کو اس قدر زیادہ مالی نقصان ہوا کہ لڑکیوں کا مدرسہ بند کرنا پڑا۔ خود مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے چلانے میں سخت دشواریاں نمودار ہونے لگیں اور ہر گھڑی یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں مدرسہ چلانا ہی ناممکن نہ ہو جائے۔ ایسے وقت میں بھی منتظمین نے بمصداق لاتھنوا ولاتحزنوا ضعف و حزن کو

غالب نہ آنے دیا خدا کی رحمت پر یقین راسخ تھا کہ ناامیدی کفر ہے۔ جذبۂ خدمت علوم اسلامیہ اتنا کمزور نہ تھا کہ آمدنی کے چند دروازوں کے بند ہو جانے سے ہمت ہار بیٹھے۔ ۱۹۱۸ء میں جناب مولانا مولوی محمد عمر صاحب مدراس آئے تو تائید غیبی شامل حال رہی۔ انہوں نے جناب نواب سی عبدالحکیم صاحب اور بڑی میٹ کے مسلم تاجروں سے مدرسہ کی اعانت کی درخواست کی تو نواب صاحب موصوف اور تاجران بڑی میٹ نے بڑی ہمت افزائی کی۔ خود بھی چندہ دیا اور دوسروں سے بھی دلوایا۔ ان حضرات کی بروقت تائید سے ایک نہایت کٹھن اور نازک وقت پر منتظمین مدرسہ کو سہارا مل گیا۔ اس طرح جب مدرسہ کی مالی حالت کی طرف سے ایک گونہ اطمینان ہو گیا تو ۱۹۱۹ء میں تعلیم کی اصلاح کے مدنظر نصاب تعلیم میں ترمیم و تجدید اور اس کو ضروریات زمانہ کے مطابق کرنے کی پہلی کوشش کی گئی۔ نصاب میں علوم جدیدہ کے ضروری مبادی و اصول کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ دارالاقامہ اور دارالمطالعہ کو زیادہ مفید بنانے کے مناسب انتظامات اور نظم و آئین مدرسہ میں بھی اصلاح کی خاطر چند تغیرات کئے گئے۔ سیلاب زدہ عمارت کی دوبارہ از سر نو تعمیر شروع کی گئی اور مدرسۂ نسواں کو دوبارہ جاری کیا گیا۔

اپریل ۱۹۲۱ء میں یہ محسوس کیا گیا کہ مدارس ابتدائیہ کے انتظامات مدرسۂ اسلامیہ عربیہ کی کمیٹی کے تحت ہی رکھے جائیں تو انتظامی پیچیدگیوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ ایک نئی انجمن، انجمن اسلامیہ کے نام سے قائم کی جائے جو تمام مدارس ابتدائیہ (مردانہ و زنانہ) اور مدرسۂ عربیہ اسلامیہ کا بھی انتظام کرے۔ اب تک مدرسہ عربیہ اسلامیہ کمیٹی کے جو ارکین تھے وہ انجمن اسلامیہ کے ارکین قرار دئے گئے اور جب انجمن کی تاسیس کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو جنوری ۱۹۲۳ء میں زیر دفعہ نمبر ۲۱ بابت ۱۸۶۰ء انجمن اسلامیہ کرنول کی باقاعدہ رجسٹری کرائی گئی۔

۱۹۲۱ء سے ہی اس بات کی کوششیں شروع کر دی گئی تھیں کہ مدرسۂ عربیہ اسلامیہ کا مدراس یونیورسٹی سے امتحانات السنۂ مشرقیہ کے لئے الحاق ہو جائے۔ انجمن اسلامیہ کی باقاعدہ رجسٹری کے بعد ماہ جولائی ۱۹۲۳ء میں مدراس یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ نے مدرسۂ عربیہ اسلامیہ کا الحاق منظور کر لیا۔ چنانچہ الحاق کی اطلاع ملنے کے بعد فوراً مدرسہ میں منشی فاضل کی جماعت کا افتتاح کیا گیا۔ عربی کے طلبا کو افضل العلماء کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جانے لگی۔ طلبہ کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا اور بہت سے طلبہ نے بعد میں مدراس یونیورسٹی سے سندیں حاصل کیں، اور آج وہ علاقہ مدراس کے بہت سے مقامات پر عربی، فارسی اور اردو کی تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ہندری ندی کے سیلاب کی وجہ سے مدرسہ کی عمارت کو دو مرتبہ شدید نقصان پہنچا تھا۔ اس لئے یہ تجویز کی گئی کہ سطح کو دو گز بلند کیا جائے، اور مدرسہ اور دارالاقامہ کے لئے ایک جدید عمارت بنائی جائے۔ اس سلسلہ میں جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو جون ۱۹۲۸ء میں خان بہادر سر محمد عثمان صاحب بہادر کے ہاتھوں اس جدید عمارت کا سنگ بنیاد رکھوایا گیا۔

۱۹۳۰ء میں کرنول میں ایک سرکاری زنانہ مدرسہ قائم ہوا تو انجمن نے اپنے مدرسۂ نسواں کو بند کر دیا۔

۱۹۳۵ء میں جدید عمارت مدرسہ و دارالاقامہ مکمل ہو گئی، تو جناب نواب سی عبدالحکیم صاحب بہادر نے اس عمارت

بھوک سے پہلے مت کھاؤ۔

کی رسم افتتاح ادا کی۔ اس جلسہ میں بہت سے اکابر قوم اور عمائدین کا اجتماع تھا۔ نواب صاحب موصوف نے پچاس ہزار روپیوں کے گراں قدر عطیہ کا وعدہ کیا اور ۱۹۳۶ء میں موعودہ رقم میں سے بیس ہزار لاگت کے املاک انجمن کو عطا کئے بقیہ رقم موعودہ عطا کرنے نہ پائے تھے کہ ۱۹۳۶ء میں ان کی وفات پر ملال واقع ہوئی۔ نواب صاحب مرحوم کی فیاضی اور مدرسہ اسلامیہ اور علوم اسلامیہ سے ان کی دلچسپی اراکین انجمن کی ہمت افزائی کا باعث تھی۔ ان کی ذات سے انجمن کی بہت سی توقعات وابستہ تھیں، مگر کیا کیا جائے اللہ کی قضا کو کون رد کرے۔

۱۹۴۰ء میں لڑکوں کے فوقانیہ مدرسہ کو ترقی دے کر مدرسہ وسطانیہ بنا دیا گیا۔

چونکہ ہماری قوم میں مدرسۂ معلمین کے سند یافتہ معلمین اور اساتذہ کی کمی تھی ۱۹۴۲ء میں ایک سکنڈری گریڈ ٹریننگ اسکول قائم کیا گیا جس کے صدر مدرس جناب جعفر حسین صاحب بی۔ اے مقرر ہوئے۔ جس میں طالب علم داخل کئے گئے۔ دو سال بعد ۱۹۴۴ء میں اس مدرسہ کو ہائر ایلیمنٹری گریڈ ٹریننگ اسکول بنا دیا گیا جو دو سال تک کے لئے کامیابی کے ساتھ چلایا گیا جب منظور طالب علموں نے سندیں حاصل کرلیں اور اس مدرسۂ معلمین کی مزید ضرورت باقی نہ رہی تو ۱۹۴۶ء میں بند کر دیا گیا۔

جولائی ۱۹۴۶ء میں مولانا مولوی الحاج محمد عمر صاحب قبلہ کے انتقال سے انجمن کو ایک ایسا نقصان عظیم پہنچا جس کی تلافی ممکنات سے نہیں۔ قیام مدرسۂ عربیہ کے روز اول سے مرحوم نے اپنی زندگی مدرسہ اور مدرسہ کی ترقی کے لئے وقف کر دی تھی۔ مرحوم کے شغف علمی اور خدمت علم کے جذبہ کو دیکھ کر سلف کا دور یاد آ جاتا تھا۔ مدرسۂ عربیۂ اسلامیہ کی پچاس سال کی زندگی میں بہت سے کٹھن وقت آئے، مگر کبھی آپ کے استقلال میں کوئی فرق اور آپ کی استقامت میں کوئی تزلزل نہ ہوا۔ انجمن اسلامیہ قائم ہوئی اور مدرسۂ عربیہ اسلامیہ کا انتظام اس کے سپرد ہوا، اراکین کو بھروسہ تھا تو آپ کی جواں ہمتی کا، اعتماد تھا تو آپ کی صائب رائے پر اور وثوق کامل تھا تو آپ کی مخلصانہ راہنمائی کا۔ حقیقی معنوں آپ ہی مدرسہ اور مدرسہ کی روح رواں تھے۔ قوم پر ان کے بے حد احسانات ہیں، ہم ان کی جزا نہیں دے سکتے۔ اے اللہ تو انھیں جزا دے اور ہمیں توفیق دے کہ ان کی اس یادگار کو اس طرح باقی رکھیں اور ترقی دیں کہ ان کی روح کو شادمانی حاصل ہو۔

مولوی صاحب مرحوم کی وفات پر جناب مولوی سید ظہور اللہ صاحب حسینی کو صدر مدرس مقرر کیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۴۶ء میں انجمن نے فیصلہ کیا کہ انگریزی اور علوم جدیدہ کی تعلیم کے لئے بھی ایک فرسٹ گریڈ کالج قائم کیا جائے جو امتحانات انٹرمیڈیٹ اور بی۔ اے کے لئے مدراس یونیورسٹی سے ملحق ہو، فوراً انتظامات شروع کر دیے گئے۔ نومبر ۱۹۴۶ء میں مدراس یونیورسٹی سے الحاق کی درخواست بھی دے دی گئی۔ جناب مولوی حاجی نذیر حسین صاحب نے پانچ ہزار روپے کا عطیہ دے کر مالی امداد میں پہل کی اور ۴ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ (۲۶ جنوری ۱۹۴۷ء) کو کالج کے لئے عمارت کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں نظام گورنمنٹ نے اس کالج کے قیام کے لئے دو لاکھ روپیہ کا عطیہ دیا۔ اس کے علاوہ سیلون، صوبہ مدراس کے مختلف اضلاع ریاست ٹراونکور، حیدرآباد، میسور، بمبئی سے بھی معتد بہ مالی امداد حاصل ہوئی۔ اس اثنا میں

پرہیز تمام دواؤں کی جڑ ہے

عمارت کی تعمیر اور دیگر انتظامی امور کی تکمیل کا کام جاری رہا۔

اپریل سنہ ۱۹۴۷ء میں مدراس یونیورسٹی کا ایک کمیشن بقیادت وائس چانسلر مسٹر لکشمن سوامی مدلیار برائے معائنہ و تحقیق آیا اس کمیشن کے دیگر ارکین لا کالج مدراس کے پرنسپل پچیپا اس کالج مدراس کے پرنسپل اور ہندو کالج ترنا ویلی کے پرنسپل تھے۔ کمیشن نے انتظامات کے تشفی بخش ہونے کی رپورٹ پیش کی تو مدراس یونیورسٹی نے مجوزہ کالج کا الحاق جون سنہ ۱۹۴۷ء میں منظور کر لیا۔

چنانچہ یکم جولائی سنہ ۱۹۴۷ء کو عثمانیہ کالج کا افتتاحی جلسہ منعقد ہوا جلسہ کی صدارت جناب خان بہادر میر محمد عثمان صاحب نے کی اور حکومت مدراس کے وزیر تعلیم آنریبل مسٹر اویناشیلنگم چیٹیار نے کالج کا رسمی طور پر افتتاح کیا۔ کالج کے طلباء کے لئے "حیدرآباد ہوز" کے نام سے ایک دارالاقامہ بھی قائم کیا گیا۔
خان بہادر مولوی محمد صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سابق ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیمات مدراس پرنسپل مقرر ہوئے انٹرمیڈیٹ جونیر اور بی۔ اے جونیر کی جماعتوں میں مختلف مذاہب و ملل کے ۲۵۰ طالب علم داخل کئے گئے۔

اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء میں امتحان بی کام اور امتحان بی۔ اے کے لئے ریاضی اور علم الحیوانات کے مضامین میں مدراس یونیورسٹی سے کالج کے الحاق کی درخواست پیش کی گئی۔ چنانچہ فروری سنہ ۱۹۴۸ء میں ایک دوسرا یونیورسٹی کمیشن برائے معائنہ و تحقیق آیا، جس کی سرکردگی پریسیڈنسی کالج مدراس کے پرنسپل مسٹر من والا رامانوجم نے کی اور یونیورسٹی نے ان مزید امتحانات کے لئے تعلیمی انتظامات کے اطمینان بخش ہونے پر الحاق کی درخواست منظور کر لی۔

جنوری سنہ ۱۹۴۹ء میں کالج کا سالانہ جلسہ حضرت مولینا مولوی ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، اور جناب مولوی حاجی نذیر حسین صاحب نے اس جلسہ میں انعامات تقسیم کئے۔

جنوری سنہ ۱۹۵۰ء کا سالانہ جلسہ حکومت مدراس کے وزیر اعظم آنریبل شری کمار سوامی راجہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اور آنریبل شری گوپال ریڈی وزیر مال حکومت مدراس نے انعامات تقسیم کئے۔ جلسہ میں دیگر اعیان و اکابر قوم کے علاوہ جناب جسٹس بشیر احمد سعید صاحب بھی شریک تھے، جن کے اعزاز میں کالج نے ایک عصرانہ دیا۔ فروری سنہ ۱۹۵۱ء کے سالانہ جلسہ کی صدارت حکومت مدراس کے وزیر تعلیم شری مادھوامینن نے فرمائی۔

مدرسۂ عربیۂ اسلامیہ میں علوم عربیہ کی ابتدائی تعلیم کی چار جماعتیں ہیں۔ چوتھی جماعت کے طلبہ افضل العلماء کے امتحان داخلہ میں شریک کرائے جاتے ہیں۔ اس امتحان میں کامیابی کے بعد افضل العلماء کے چار سالہ نصاب کے مطابق تعلیم دیجاتی ہے منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات کے لئے بھی ایسے ہی انتظامات ہیں۔ مزید براں انٹرمیڈیٹ گروپ ڈی کے امتحان داخلہ کے لئے انگریزی کے دو مدرس مقرر ہیں جو طلبہ کو مدراس یونیورسٹی کے میٹرکیولیشن امتحان کے نصاب کی انگریزی کتابیں پڑھاتے ہیں۔ علاوہ ان جماعتوں کے حفظ قرآن اور علم تجوید کی تعلیم کے لئے ایک اور جماعت ہے۔

انجمن اسلامیہ کے تحت مذکورۂ ذیل ادارے قائم ہیں اور کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں:-

(۱) ہائی پریلیمینٹری اردو اسکول (مدرسۂ وسطانیہ) اس میں تین سو طلبہ ہیں۔

(۲) اسلامیہ عربک کالج (مدرسۂ عربیۂ اسلامیہ) اس میں ۷۷ طالب علم ہیں۔

(۳) عثمانیہ کالج۔ اس میں طلبہ کی تعداد ۵۹۱ ہے۔ اور ۱۹۵۴ء ۱۹۵۵ء میں ایک ہزار ساٹھ ہے۔

(۴) دارالاقامہ:- (۱) حیدرآباد ہوز جس میں ۴۸ طلبہ کے قیام کا انتظام ہے۔

(۲) عثمانیہ کالج کے دو ہاسٹل جو کرائے کے مکانوں میں ہیں۔ ان دونوں مکانوں میں ۸۰ طلبہ ہیں۔

(۳) مدرسۂ عربیۂ اسلامیہ کا دارالاقامہ جس میں ۸۰ طلبہ کے قیام کا انتظام ہے۔ اس دارالاقامہ میں مدرسہ کے عربی طلبہ سے قیام و طعام کی کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ عثمانیہ کالج کے غریب مسلم طلبہ بھی داخل کئے جاتے ہیں، اور ان سے ان کے خوراکی خرچ کا ایک حصہ وصول کیا جاتا ہے۔ ادیب فاضل کے طلبہ سے بھی یہی رعایت کی جاتی ہے۔

مدرسۂ عربیۂ اسلامیہ جب ۱۸۹۶ء میں پہلے پہل قائم ہوا تو سال بھر میں ۷۷۵ روپیہ کی آمد اور ۴۷۵ روپیوں کا خرچ ہوا تھا، اور ۱۹۵۰ء ۱۹۵۱ء میں مختلف اداروں پر دو لاکھ چوالیس ہزار تین سو ۶۱ روپیہ خرچ ہوئے جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے:-

(۱) مدرسۂ وسطانیہ ۸۶۴۵ - ۱۵ - ۰

(۲) مدرسۂ عربیۂ اسلامیہ و دفتر انجمن ۲۱۱۴۸ - ۴ - ۷

(۳) عثمانیہ کالج و کالج کمیٹی ۲۱۴۵۶۷ - ۲ - ۶

ذیل میں تقریباً ہر دس سال کے فصل پر ایک سال کی جملہ آمد و خرچ کا ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ یہ اندازہ ہو کہ مدرسۂ عربیۂ اسلامیہ اور انجمن اسلامیہ کے مختلف اداروں میں کیسے تدریجی طور پر ترقی ہوئی۔

سال	آمد	خرچ
۱۸۹۶ء تا ۱۸۹۷ء	۷۷۵ روپیہ آمد	۴۷۵ روپیہ خرچ
۱۹۰۴ء تا ۱۹۰۵ء	۱۵۰۰ " "	۸۰۰ " "
۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۶ء	۱۷۴۳ " "	۱۵۵۰ " "
۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۵ء	۵۵۹۰ " "	۵۰۴۳ " "
۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۳ء	۱۰۴۹۴ " "	۱۲۱۹۷ " "
۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۳ء	۱۱۱۹۸ " "	۱۸۸۴۲ " "
۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۱ء	۲۴۴۳۶۱ " "	۲۴۴۳۶۱ " "

گر آمد و خرچ کے اندازے ہی سے کسی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ انجمن کے اداروں نے پچپن سال کی مدت میں تین سو گنا ترقی کی ہے۔

ابھی چند دن ہوئے کہ حکومت مدراس نے کرنول میں جولائی ۱۹۵۲ء سے ایک ٹیچرس ٹریننگ کالج کھولنے کا اس شرط کے ساتھ فیصلہ کیا کہ عثمانیہ کالج کمیٹی مجوزہ ٹریننگ کالج اور اس سے متعلق ماڈل ہائی اسکول کے لئے مناسب عمارتیں فراہم کرے۔ اس لئے کہ کرنول میں کالج کے لئے موزوں عمارت موجود نہیں ہے۔ مجوزہ ٹریننگ کالج جنوبی ہند کا سب سے پہلا کالج ہوگا جہاں نصاب میں "زبان اردو کا طریق تعلیم" بھی شامل کیا جائے گا۔ عثمانیہ کالج کمیٹی نے یہ ذمہ لیا تاکہ ان عمارتوں کے کرائے کی رقم سے مدرسۂ عربیہ اسلامیہ کا مالی موقف زیادہ مضبوط ہو اور اس میں خاطر خواہ ترقی کی جائے۔ عثمانیہ کالج کمیٹی کی درخواست پر انجمن نوجوانان اسلام کرنول نے ایک قطعۂ زمین جو پونے دو ایکڑ پر مشتمل ہے، ان عمارتوں کی تعمیر کے لئے بطور عطیہ دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں نیک اجر دے، لیکن ظاہر ہے کہ مجوزہ کالج کی ضرورتوں کے مطابق عمارت کی تعمیر کے لئے رقم کثیر کی ضرورت ہے۔ جس طرح ہر ضرورت کے وقت قوم نے ہماری مدد کی ہے۔ اب بھی امید ہے کہ وہ پھر اس ضرورت کے موقع پر اپنی مدد سے دریغ نہیں کرے گی۔

مذکورہ بالا اداروں کے حسن انتظام اور ترقی کے علاوہ انجمن چاہتی ہے کہ طب یونانی کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے جس سے علوم دینیہ کے طلبہ کو آئندہ اپنی معاش حاصل کرنے میں سہولت ہو۔ مجوزہ طبی درسگاہ کا مدراس یونیورسٹی سے ملحق ہو، تاکہ طالب علم یونیورسٹی سے سند طب حاصل کرسکیں۔ چونکہ یونیورسٹی اس وقت تک طبی درسگاہ کا الحاق منظور نہیں کرتی جب تک کہ درسگاہ کے ساتھ ایک ہسپتال بھی وابستہ نہ ہو۔ اس لئے طبی درسگاہ کے علاوہ ایک دار الشفا بھی قائم کرنا ضروری ہوگا۔

ملک میں ان دنوں ٹیکنیکل اور صنعتی قابلیت رکھنے والے افراد کی روز افزوں ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اور سرکاری ٹیکنیکل اسکولوں اور کالجوں میں ہماری قوم کے نوجوان کافی تعداد میں داخلہ نہیں حاصل کرسکتے۔ اس لئے انجمن ایک ٹیکنیکل اور صنعتی ادارہ بھی قائم کرنا چاہتی ہے۔

مدرسۂ عربیہ اسلامیہ میں علوم اسلامیہ متداولہ اور عربی، فارسی اور اردو زبان کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اگرچہ جولائی ۱۹۴۸ء میں حفظ قرآن و تجوید کی جماعت کا بھی افتتاح کیا گیا، جس میں قلت وسائل کی بنا پر صرف دس طالب علم داخل کئے گئے مگر اب ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ درس قرآن کی ایک ایسی جماعت بھی شروع کی جائے، جہاں نہ صرف مدرسۂ اسلامیہ عربیہ کے طلبا حقائق و معارف قرآن کا سبق حاصل کریں بلکہ عثمانیہ کالج کے مسلم طلبہ اور دوسرے شہری بھی مستفید ہوں جو قرآن سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ گزشتہ چند صدیوں میں مسلمانوں نے قرآن کے متعلق کچھ ایسی روش اختیار کرلی کہ وہ اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل نہ بنا سکے۔ قرآن سے عقیدت اور اس کے تقدس کی کچھ ایسی شکل ہوگئی کہ وہ اب زینت طاق و زینت محراب ہو کر رہ گیا۔ شاید وہ یہی ہیں جن کی بابت خود قرآن میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ کی پُرحسرت شکایت کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے: وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ اور فرمایا رسول نے اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا یا منسوب بہ ہذیان کیا۔ اگر ہم

اپنی موجودہ کوتاہیوں اور خرابیوں کو دور کرنا اور فلاح و کامیابی کی راہ پر گامزن ہونا چاہتے ہیں، تو ہمیں پھر اسی قرآن کی طرف رجوع کرنا ہے، جو شفاء للناس ہے، اور جس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا کر دور اول کے مسلمانوں نے دین و دنیا کی برکتوں کو حاصل کیا۔

پس انجمن اب طب یونانی کی درسگاہ، اس کے ساتھ وابستہ دارالشفاء، ایک ٹکنیکل اسکول اور درسگاہ قرآن قائم کرنے کا ارادہ کر چکی ہے، اور اس سلسلہ میں ضروری انتظامات کی طرف اقدام بھی کیا جا چکا ہے، مگر ظاہر ہے کہ ذی استطاعت مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ مالی اعانت کے بغیر ان اداروں کا قیام اور کامیابی کے ساتھ ان کا انتظام ممکن نہیں اب تک جو کچھ ہوا یا ہو سکا، وہ انھیں کی مدد سے ہوا اور آئندہ جو بھی ترقیاں ہوں گی یا جو بھی اصلاحی کام انجام پائیں گے یا ضروری اداروں کا قیام اور ان کا حسن انتظام ہوگا یہ سب کچھ ان کی اعانت اور تائید سے ہوگا۔

انجمن کے منصوبے اب قوم کے سامنے ہیں۔ ان منصوبوں کی اہمیت واضح ہے۔ قوم کے ذی استطاعت اصحاب کو ملت کی ضرورتوں کا شدید احساس ہے، اور ان سے یہ درخواست ہے کہ وہ ان منصوبوں کو پورا کرنے میں، ان اداروں کے قیام اور حسن انتظام میں انجمن کی امداد فرمائیں۔ ان اداروں کے متعلق مالی پریشانیوں سے رہائی ملے تو ان کو قوم کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے میں انجمن مصروف سعی و عمل ہو سکے گی۔

غازی پور کی ایک دینی درس گاہ

مدرسۂ دینیہ اسلامیہ

از جناب محمد عزیز الحسن صدیقی غازی پوری

غازی پور کسی زمانہ میں علمی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ مسٹر ایچ، آر، نول کی تحقیق کے مطابق انگریزوں کی آمد سے قبل یہاں ۲۳ درس گاہیں عربی اور فارسی کی موجود تھیں، اور ۵۳ مکاتب میں قرآن پاک کی تعلیم ہوتی تھی، ۱۲۷۹ھ میں جامع مسجد میں مدرسۂ محمدیہ کا قیام عمل میں آیا، اس کے دو سال بعد سرسید احمد خاں بانیٔ علی گڑھ یونیورسٹی کے مشورے سے ستر ہزار کے سرمایہ سے عربی، فارسی، اور انگریزی کی ایک باقاعدہ درسگاہ قائم کرنا طے پایا (مدیر)

غازی پور صوبۂ یوپی کے مشرقی اضلاع میں ایک ممتاز ضلع ہے۔ قدامت اور تاریخی عظمت کے اعتبار سے بھی اس ضلع کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ دنیاوی اعتبار سے اسکی شہرت کے لئے کافی ذرائع اور وسائل موجود تھے۔ اور ہیں۔ لیکن اگر کسی چیز کی کمی محسوس کی جا رہی تھی تو وہ تھی دینی تعلیم اور خالص دینی درس گاہ۔ روپے بھی جمع کئے گئے مگر کام ناتمام رہا۔ اس درس گاہ کی مسخ شدہ صورت وکٹوریہ گورنمنٹ ہائی اسکول تھا۔ اور اب تو وہ بھی سٹی ہائر سکنڈری اسکول میں ضم ہو کر اپنی تاریخی حیثیت کھو چکا ہے۔ اور اسکی عمارت میں گرلز کالج قائم کر دیا گیا۔ ۱۸۴۴ء اور ۱۸۴۹ء کے درمیان ایک ایسی درس گاہ کا پتہ چلتا ہے جس میں دو سو طلبا تعلیم پاتے تھے۔

مختلف اوقات میں تعلیمی اداروں کا قیام یہ ثابت کرتا ہے کہ وقتاً فوقتاً تعلیمی مشکلات کے حل کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ ایک ایسا شہر جہاں ۲۳ درسگاہیں عربی اور فارسی کی موجود رہی ہوں اور ۵۳ مکاتب میں قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی رہی ہو اُسے تعلیمی مرکز کہنا مبالغہ آرائی نہیں۔

لیکن دوسری طرف اُسی سرزمین پر ایک ایسا دور بھی آیا جبکہ دینی تعلیم کی طرف سے عام طور پر لاپروائی برتی جانے لگی۔ اور دینی ماحول کے تار و پود بکھر گئے۔ درحقیقت ماضی میں یہ ضلع علم و ادب کا مخزن تھا۔ اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا

کہ اس سرزمین پر سیکڑوں علماء صوفیاء اور اطبا پیدا ہوئے ۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری غازی پوری کی یاد ابھی ہندوستانیوں کے دلوں سے محو نہیں ہوئی ہوگی ۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب اسی ضلع کے مشہور تاریخی قصبہ بھتری کے رہنے والے ہیں ۔ اسی طرح بہت کم بزرگ اپنے اپنے دور میں اپنے علم و فضل سے دوسروں کو مستفید فرماتے رہے ہیں

بہر حال غازی پور میں عرصہ دراز سے ایک خالص دینی درس گاہ کی کمی محسوس کی جا رہی تھی، جن بزرگوں نے وہ زمانہ دیکھا تھا جب یہاں علم کا دریا بہتا تھا اور تشنگان علوم عربیہ دور دراز مقامات سے آکر سیراب ہو کر لوٹتے، اور پھر انھوں نے دینی تعلیم کے سرچشموں کو یک بیک خشک ہوتے دیکھا تو ان کی آنکھوں کے سامنے مستقبل کی تاریکی کا بھیانک نقشہ گھوم گیا وہ اس مہیب تاریکی کے تصور سے کانپ اٹھے ۔ وہ قلوب جو دین کا کچھ بھی درد رکھتے تھے مذہبی تعلیم کی تباہی و بربادی اور علمی اداروں کی زبوں حالی دیکھ کر تڑپ رہے تھے، ظاہر ہے کہ بہتر سے بہتر پروگرام بھی کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتا تھا تاوقتیکہ عملی قدم نہ اٹھایا جائے ۔

مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اپنی زندگی کے بہترین لمحات دین کی ترقی و اشاعت کے لئے صرف کرتی ہیں ۔ آج سے چوبیس سال پیشتر غازی پور کی سرزمین پر ایک دیندار اور خدا ترس بزرگ حضرت مولانا محمد عمر فاروقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مذہبی تعلیم عام کرنے کے لئے اور مذہبی ماحول پیدا کرنے کی غرض سے ایک دینی ادارہ کے قیام کی سعی کی ۔ نیت میں خلوص، دماغ میں صلاحیت اور دل میں خدمت کا صحیح جذبہ ہو تو پھر کامیابی یقینی ہے ۔ جذبۂ خدمت سے سرشار ہو کر مولانا مرحوم نے عمل کی پُرخار وادیوں میں قدم رکھا ۔ اور کامیابی حاصل کی ۔ انھوں نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں رجب ۱۳۵۶ھ میں مدرسہ دینیہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد رکھ کر وقت کے شدید تقاضوں کو پورا کر دیا ۔

مولانا عمر فاروقی صاحبؒ کے مشن کو پورا کرنے والے چند مخلصین کی ایک جماعت تھی جس نے مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مشکلات و مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ حالات کی نزاکت پر آنسو بہانے کی بجائے عملی قدم اٹھا کر یہ ثابت کر دیا کہ انسان کے عزم و ارادہ کے آگے مشکلات و مصائب کی کچھ حقیقت نہیں ہے ۔ ان کے پاس دولت کا انبار تھا نہ کارکنوں کا جمِ غفیر اگر کچھ تھا تو خلوص اور خدمت دین کا صحیح جذبہ اور اسی احساس نے انھیں سیماب کی طرح بے قرار کر رکھا تھا ۔ وہ شاندار ماضی پر فخر تو کرتے تھے مگر پدرم سلطان بود کے افسانے زبان پر نہ لاتے ۔ وہ مستقبل کو سنوارنے کے لئے حال پر بھی نگاہ رکھتے مسلسل سعی و عمل کے نتیجہ میں ایک دن وہ آیا کہ گوشہ نشینوں اور عمل کے نام سے کوسوں دور بھاگنے والوں نے بھی اقرار کیا کہ حالات تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں ۔ غفلت کی نیند سویا ہوا مسلمان بیدار ہوا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا کہ آخر ماجرا کیا ہے ؟ جمود و تعطل کی جگہ علم و عمل نے لے لی ۔

بانی مدرسہ مولانا عمر فاروقی رح کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں ۔ آپ تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی کافی تجربہ رکھتے تھے ۔ دور دراز جگہوں سے طلباء آتے اور آپ سے مستفید ہوتے ۔ یو، پی کے علاوہ بہار اور بنگال کے طلباء

کی کثیر تعداد نے آپ سے استفادہ کیا۔ خلوص اور للہیت کا یہ حال تھا کہ بلا تنخواہ جملہ امور مدرسہ نہایت ہمدردی اور دلسوزی سے انجام دیتے رہے۔ قیام مدرسہ سے قبل لگاتار بیس سال تک اپنے مکان پر لوجہ اللہ دینیات کی تعلیم دیتے رہے اس عرصہ میں متعدد طلباء نے علوم اسلامی کی تکمیل کرکے بعد اصلاح و تبلیغ کا کام شروع کردیا۔ مدرسہ دینیہ کی جدوجہد کے نتیجہ میں ضلع کے مختلف گوشوں میں ایسے مکاتب قائم ہوتے چلے گئے جہاں دینیات کی تعلیم جاری ہے۔

شروع شروع میں درس وتدریس کا کام نواب شیخ فرزند علی مرحوم کی مسجد واقع محلہ قاضی ٹولہ میں ہوتا رہا۔ اس کے بعد حکیم سجاد علی کے مکان میں مدرسہ منتقل ہوگیا۔ اور اب محلہ زیر قلعہ میں مختلف عمارتوں میں درسگاہیں ہیں۔ مدرسہ کی ایک مسجد بھی ہے۔ جب مولانا عمر فاروق صاحبؒ نے مسجد کی تعمیر کا خیال ظاہر کیا تو مولانا حکیم جمیل الدین صاحب دہلویؒ نے خصوصی توجہ فرمائی اور انھیں کی سعی کے نتیجہ میں ایک اہل خیر بزرگ نے مسجد اور اس سے متصل کمرہ تعمیر کرایا۔ اس کمرہ میں ناظرہ اور حفظ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس مدرسہ کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔ اور ان کے اندر اتحاد واتفاق کی روح پھونکی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مدرسہ کا نصاب تعلیم اس قسم کا مرتب کیا گیا ہے کہ جسے پڑھ کر طلباء درس وتدریس، تبلیغ اور تصنیف وتالیف کے تمام شعبوں میں کامیابی حاصل کرسکیں۔

قیام مدرسہ کے وقت بانی مدرسہ مولانا عمر فاروق رح نے مدرسہ کے نصب العین اور مقاصد کا اعلان مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ فرمایا تھا۔

"یہ مدرسہ کسی ہنگامی جذبات کا نتیجہ نہیں ہے۔ اور نہ اس کا مطمح نظر اپنے ذاتی وقار میں اضافہ یا کسی کی عظمت کو نقصان پہونچانا ہے۔ اس مدرسہ کے افتتاح کی واحد غرض یہ ہے کہ غازی پور میں خالص علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت کی جائے اور جہالت کے بدنما دھبہ کو جلد مٹا ڈالا جائے۔ اس درسگاہ کا اہم ترین نصب العین یہ ہے کہ مسلمان بچوں کو قرآن پاک اور دینیات کی معقول تعلیم بلا کسی معاوضہ کے دی جائے۔ اور ان کی دینی زندگی کو مستحکم بنایا جائے۔ قرآن وحدیث کی صحیح تعلیمات کی طرف عام مسلمانوں کی رہنمائی کی جائے۔"

———— ماخوذ از روداد مدرسہ دینیہ بابتہ ۵۲-۵۳ء

ذمہ داران مدرسہ نے کسی قیمت پر بھی سرکاری امداد لینا پسند نہیں کیا۔ وہ اپنے اصولوں پر سختی کے ساتھ کاربند ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خالص دینی ادارہ جو آزادہ کر دین کی اشاعت اور تبلیغ کے فرائض انجام دے رہا ہو۔ اس کے لئے سرکاری گرانٹ مضرت رساں ہے۔ کارکنان مدرسہ نے دارالعلوم دیوبند کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اہم فیصلہ کیا۔ برطانوی حکومت کے زمانہ میں بہت زور لگایا گیا کہ مدرسہ گرانٹ قبول کرلے، اور سرکاری نصاب داخل ہوجائے۔ اور بالفاظ دیگر اس "آزاد دینی ادارہ" کی تمام تر آزادی سلب کرلی جائے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مدرسہ کے اصول اور مقاصد اٹل رہے البتہ اس کے

روزانہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرو۔ کہ اس سے گناہوں سے بچنے کی فکر ہوگی

سامنے برطانوی حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے۔"

مفت تعلیم مدرسہ دینیہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء سے کسی قسم کی فیس نہیں لی جاتی۔ بلکہ حاجت مند طلباء کو مدرسہ کی جانب سے وظائف دیے جاتے ہیں۔ اور کتابیں تو اکثر و بیشتر طلباء کو مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

شعبۂ تبلیغ مدرسہ میں تبلیغ کا الگ شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ جس کا کام یہ ہے کہ ضلع کے ہر ہر گوشہ میں تبلیغ اسلام کے لئے مبلغین کو بھیجا کرے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں شعبۂ تبلیغ نے وہ زبردست خدمات انجام دی ہیں جنھیں ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس شعبہ کے ریکارڈ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے ضلع کے مسلمانوں کی مذہبی حالت سدھارنے کے سلسلہ میں اہم پارٹ ادا کیا ہے۔ افسوس ہے کہ سرمایہ کی قلت کی بناء پر شعبۂ ہذا کے بہت سے پروگرام جامۂ عمل نہیں پہن سکتے۔ یہ فخر مدرسۂ دینیہ ہی کو حاصل ہے کہ اس نے شعبۂ تبلیغ قائم کرکے ضلع کے مسلمانوں میں دینی تعلیم کا احساس پیدا کرنے انھیں رسم و رواج کے بندھنوں سے نجات دلانے اور تبلیغ و اشاعت دین کی کامیاب سعی کی۔

شعبۂ نشر و اشاعت ابتداء میں یہ شعبہ قائم کیا گیا اور مختلف مواقع پر اس شعبہ کی جانب سے کتابچے اور اشتہارات طبع کراکر تقسیم کرائے گئے۔ ہر سال عید و بقرعید کے موقعہ پر "ضروری مسائل اور احکام" مسلمانوں میں عام طور پر تقسیم کرائے جاتے ہیں۔ سرمایہ کی کمی کے سبب ان دنوں اس شعبہ پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جارہی ہے ضرورت ہے کہ مسلمان اس طرف توجہ دیں تاکہ اس شعبہ کو ترقی دی جا سکے۔

مکتبۂ دینیہ مکتبہ دینیہ کے نام سے مدرسہ نے ایک تجارتی کتب خانہ بھی قائم کر رکھا ہے۔ جس میں ہر وقت مذہبی کتابوں کا اسٹاک موجود رہتا ہے۔ "رسول خدا" اسی مکتبہ کی شائع کردہ ہے اور مدرسہ میں داخل نصاب ہے۔

مدرسۂ دینیہ کے متعلق اکابر ملت کی رائے گرامی

اکابر ملت نے اس مدرسہ کی تعلیمی خدمات اور نظم و نسق کے متعلق اطمینان کا اظہار فرمایا ہے۔ اور مسلمانوں کو اسکی امداد کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے رائے گرامی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں نے مدرسہ دینیہ اسلامیہ کو کئی بار معائنہ کیا۔ بحمداللہ مدرسہ مذکورہ اچھے پیمانہ پر پوری جدو جہد کے ساتھ وہ کام کر رہا ہے جو کہ حقیقت میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔"

رئیس الاحناف حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب مدظلہٗ اپنے معائنہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔۔۔۔

---

۵ دنیا کے دنی کو نقش فانی سمجھو ہر چیز یہاں کی آنی جانی سمجھو

"میں نے مدرسہ دینیہ کا معائنہ کیا۔ میں نے اس مدرسہ کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور پایا۔ ضروریات دین، فارسی و عربی کی تعلیم میں کارکنان مدرسہ کی ساعی جمیلہ باعث تشکر و امتنان ہیں۔"

———— مولانا حکیم محمد ابوبکر صاحب برادر اکبر مولانا عمر فاروق صاحبؒ مدرسہ کے صدر مہتمم ہیں۔ آپ مستقل طور پر دیوریا میں قیام پذیر ہیں۔ اور مدرسہ کی ترقی و استحکام کے لئے برابر سعی فرماتے رہتے ہیں۔

———— مولانا ابوالحسن صاحب صدیقی مدرسہ کے مہتمم ہیں موصوف نے قیام مدرسہ کے بعد اسکی بقا و ترقی کو مدرسہ عالیہ رامپور پر ترجیح دی۔ اس کی ... زحمتوں پر ترجیح دیا۔ اور ابتک اسی طرح مدرسہ کے لئے جد و جہد کرتے ہیں۔ آپ بھی بانی مدرسہ کے نقش قدم پر چل کر حسبۃً للّٰہ ادارہ اہتمام میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

———— مولانا مشتاق احمد صاحب فاضل دیوبند مدرسہ کے صدر مدرس ہیں۔ آپ نے اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔

———— مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل دیوبندؒ نے بھی ایک عرصہ تک مدرسہ میں درس و تدریس کی خدمات انجام دی ہیں۔ چند برسوں تک دہلی میں قیام رہا۔ جہاں حضرت مولانا احمد سعید صاحب مدظلہ کے ادارۂ تصنیف و تالیف میں ... تالیف کے اہم کاموں میں مشغول رہے۔ کچھ دنوں کے لئے وطن تشریف لائے اور پھر دیوریا چلے گئے اور ... عا عود ... کر انتقال فرمایا۔

مدرسہ دینیہ کی بعض اہم خصوصیات

۱۔ مدرسہ دینیہ ایک خود مختار دینی ادارہ ہے، جو حکومت اور شخصی اثر و امداد سے بے نیاز رہ کر ... ذریعہ تعلیمی اور تبلیغی خدمات انجام دے رہا ہے۔

۲۔ اس مدرسہ کا خود اپنا مقرر کردہ نصاب تعلیم ہے۔ جو مسلسل تعلیمی تجربات کی روشنی میں خالص اسلامی ... کیا گیا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ مدرسہ نے جمعیتہ کی تعلیمی کمیٹی کا منظور کردہ نصاب داخل کرلیا ہے، اور ابتدائی تعلیم ... دی جا رہی ہے۔ ... کی ابتدائی جماعت سے لے کر آخر تک دیگر ضروری مضامین کے ساتھ ہر درجہ کے معیار کے مطابق عقائد، ضروری مسائل اور سیرت نبویہ کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔

۳۔ طلباء کو درس کے علاوہ معلومات عامہ کے تحت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ... عملی و اخلاقی زندگی سے روشناس کرایا جاتا ہے۔

۴۔ چھوٹے بچوں کو طہارت، وضو اور نماز کی زبانی و عملی تعلیم دی جاتی ہے۔

۵۔ تعلیمی نگرانی کے ساتھ ساتھ طلباء کی اخلاقی حالت کی بھی اصلاح کی جاتی ہے۔

۶۔ غازی پور میں عرصۂ دراز سے تعلیم قرآن کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ رمضان المبارک میں بیرونی حفاظ سے اجرت پر سنت تراویح ادا کی جاتی تھی۔ مدرسہ نے اس افسوسناک صورت حال پر نظر کرتے ہوئے سب سے پہلے حفظ قرآن کی طرف پوری توجہ کی۔ چنانچہ تھوڑی سی مدت میں کثیر تعداد میں حفاظ فارغ ہوئے۔ اس قلیل مدت میں تقریباً نشر حفاظ فارغ ہو کر دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ فارغ شدہ طلباء کو مدرسہ کی جانب سے ہدایت ہے کہ وہ علاوہ بعض قرآن پاک سنایا کریں۔ مدرسہ دینیہ کی یہ عظیم الشان خدمت اسکی تعلیمی تبلیغی خدمات میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔

۷۔ مدرسہ نے اپنی مختصر سی زندگی میں متعدد ایسے طلباء تیار کئے جو علوم اسلامیہ کی تکمیل کرکے بحمد اللہ آج اپنی اپنی جگہ تبلیغ و اشاعت علم میں مشغول ہیں۔

۸۔ نادار اور غیر مستطیع طلبہ کی مستقل نقد وظائف یا دیگر ذرائع سے وقتاً فوقتاً امداد کی جاتی ہے۔

۹۔ تبلیغ دین کے پیش نظر خدام مدرسہ دینیہ تحفیہ دورہ کرکے عامۃ المسلمین میں مذہبی باتیں پھیلاتے اور سال میں ایک بار شاندار جلسہ کے بعد مقام میں ایک عظیم الشان جلسہ کرکے بیرونی حضرات کے چیدہ علماء کرام کے پند و نصائح سے استفادہ کا موقعہ دیا جاتا ہے۔

عربی زبان کو فروغ دیجئے۔

پچاسی سالہ قدیم درسگاہ

چشمۂ رحمت اورنٹیل کالج، غازی پور

مدرسہ کی مختصر تاریخ

از جناب علی احمد حکیم صاحب

بانی مدرسہ اور اُن کا خاندان سخت ناشکر گذاری ہوگی اگر اس مدرسہ کے سلسلہ میں بانیٔ مدرسہ کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ ہندوستان کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جو فرنگی محل کے مشہور خاندان کے علماء سے ناآشنا ہو۔ یہ خاندان بہت قدیم علمی عزت رکھتا ہے۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت ابو ایوب انصاریؓ علمائے صحابہ میں سے تھے۔ اور ان کی اولاد میں شیخ الاسلام عبداللہ انصاری مشاہیر روزگار میں سے تھے۔ اس خاندان کے اسلاف میں ملّا جلال الدین نے سب سے پہلے ہندوستان میں قیام فرمایا۔ اور دہلی میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ ملّا نظام الدین بن ملّا علاء الدین نے قصبہ سہالی (ضلع بارہ بنکی) میں توطن اختیار فرمایا۔ اور وہاں ایک مدرسہ قائم کیا جسے ملا محمد حافظ بن شیخ الاسلام فضل اللہ نے بہت ترقی دی۔ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کو ملا صاحب موصوف کے ساتھ عقیدت تھی۔ ان کے بعد ملا قطب الدین شہید سہالوی نے اس مدرسہ کو انتہائے ترقی پر پہونچا دیا۔ علامہ



چشمۂ رحمت اورنٹیل کالج غازی پور

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا (سورۂ لقمان) زمین پر اترا کر مت چل

غلام علی آزاد "مآثر الکرام" میں تحریر فرماتے ہیں: "ملا قطب الدین عمدہ انجمن درس آراست دجہاں جہاں طالبان دارباب تحصیل بپایۂ تکمیل رساند امروز سلسلۂ استفادۂ اکثر علمائے کشور ہندوستان باو منتہی شود"۔ ملا صاحب کے چار صاحبزادے تھے، جن میں سے چھوٹے ملا محمد رضا قدس سرہٗ کے سوا (کر ان کی اولاد میں کوئی صاحب علم وفضل نہ گذرا) باقی تین صاحبزادوں کے خاندان میں برابر علماء گذرتے رہے۔ ملا محمد اسعد قدس سرہٗ کی اولاد میں ملا محمد حسن، ملا محمد ولی، ملا نور اللہ، مفتی محمد ظہور اللہ۔ مولانا محمد نعمت اللہ۔ مولانا محمد رحمت اللہ اور مولانا محمد فضل اللہ رحمہم اللہ۔ ملا محمد سعید قدس سرہٗ کی اولاد میں ملا احمد عبدالحق، ملا محمد مبین۔ ملا ولی اللہ۔ مفتی محمد یوسف، مولانا عبدالحلیم، خاتم الفقہاء والمحدثین، فخر المتاخرین۔ مولانا محمد عبدالحیٔ، مولانا افہام اللہ اور مولانا محمد عبدالباری رحمہم اللہ اور ملا نظام الدین قدس سرہٗ کی اولاد میں بحر العلوم علامہ عبدالعلی اور مولانا محمد نعیم رحمہما اللہ جیسے مشاہیر روزگار گذرے ہیں۔

ابتدائی دور میں شاہان اسلام خدمت علماء کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ چنانچہ یہ خاندان بھی عہد اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ تک اطمینان و فراغت کے ساتھ خدمات علمی انجام دیتا رہا۔ اس کے بعد نظام سلطنت میں ابتری پیدا ہوئی، کوئی کسی کا پرسان حال نہ رہا۔ جب صوبہ داران اودھ نے خود مختاری اختیار کی، اُن سے اس خاندان سے موافقت نہ ہوئی۔ بہتوں نے پریشانی میں زندگی گذاری۔ بہت سے جلاوطن ہوگئے اور بہتوں نے ملازمت کا سلسلہ اختیار کیا۔ غدر کے بعد اور بھی ابتری پھیلی۔ اس سلسلہ میں اس خاندان کے بہت سے حضرات کو تلاش معاش میں نقل وطن کرنا پڑا۔ چنانچہ غدر سے پہلے مفتی محمد یوسف اور مولانا محمد عبدالحلیم رحمہما اللہ مدرسہ حنفیہ جونپور۔ مولانا نعمت اللہ بتیا اور بانی مدرسہ مولانا محمد رحمت اللہ گورکھپور تشریف لے گئے۔ اور غدر کے بعد مولانا محمد رحمت اللہ بقصد کلکتہ روانہ ہوئے۔ رہ میں غازی پور میں چند روز قیام فرمایا اور جناب مولوی حبیب اللہ صاحب صدر الصدور کے اصرار سے سلسلہ درس شروع فرمایا۔ اس دوران میں مہاراجہ بتیا کے یہاں سے بے درخواست پروانۂ طلبی آیا مگر تشریف نہ لے گئے۔ یکم شوال ۱۲۷۹ھ کو جامع مسجد غازی پور میں مدرسۂ محمدیہ قائم فرمایا اور تقریباً دو سال تک اس کا انتظام فرماتے رہے۔ اس کے بعد جناب سر سید احمد خاں صاحب صدر الصدور کے مشورہ سے یہ رائے قرار پائی کہ ستر ہزار روپے کے سرمایہ سے عربی، فارسی اور انگریزی کا ایک باقاعدہ مدرسہ قائم کیا جائے۔ سترہ ہزار روپیہ جمع ہوا۔ عمارت کا کام شروع ہوگیا تھا کہ سید صاحب موصوف کا تبادلہ علی گڈھ ہوگیا۔ اور کام ناتمام رہا۔ بدنظمی کی وجہ سے معقول صورت نہ پیدا ہوسکی۔ بہرحال جناب راجہ دیونرائن سنگھ صاحب رئیس بنارس کی سعی سے جناب کمشنر متوجہ ہوئے اور ۳ رمضان ۱۲۸۲ھ کو وکٹوریہ اینگلو اورینٹل اسکول کے نام سے اس مدرسہ کا افتتاح ہوگیا۔ اور حضرت موصوف اورینٹل ڈپارٹمنٹ کے منتظم اعلیٰ مقرر ہوئے لیکن امور تعلیم میں منتظمین مدرسہ کی بے جا مداخلت پسند نہ آئی۔ استعفاء داخل کرکے بقصد وطن بنارس روانہ ہوئے۔ وہاں نواب سید عطرت حسین خاں صاحب نواب ناظر مرشد آباد سے ملاقات ہوئی۔ اور ان کی وساطت سے نواب صاحب

مرشد آباد نے طلب فرمایا لیکن وہاں کی آب و ہوا موافق نہ ہوئی اس لئے کچھ عرصہ کے بعد لبقصد خانہ نشینی عازم وطن ہوئے بنارس پہونچکر نواب بلدیو بخش صاحب نائب مہاراجہ بنارس کے اصرار سے ریاست بنارس میں ملازمت قبول فرمائی اور مناسب اسباب لینے کی غرض سے غازی پور تشریف لائے۔ اور چند دن قیام فرمایا۔ وکٹوریہ اسکول میں عربی و فارسی کی تعلیم ابتر ہو رہی تھی۔ منتظمین نے عہدۂ سابق قبول کرنے کی استدعا کی مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ لیکن حکام و احباب کے اصرار سے ۱۰ر جولائی ۱۸۶۹ء کو وسط شہر میں عربی و فارسی کا ایک مدرسہ چشمۂ رحمت قائم فرمایا۔ اور ریاضی و ہیئت کی تعلیم اپنے ذمہ رکھی۔ ان فنون سے خاندانی مناسبت تھی۔ فرنگی محل میں ریاضی، ہیئت اور فرائض کی ابتدا آپ کے والد ملا نور اللہ قدس سرہٗ سے ہوئی۔ اور آپ کے بڑے بھائی ملا نعمت اللہ قدس سرہٗ نے ان فنون میں خاص کمال حاصل کیا اور شہرۂ آفاق ہوئے۔ اور آج بھی علمائے فرنگی محل میں صرف اسی خاندان کے افراد علم ہیئت سے تعلق رکھتے ہیں۔ چشمۂ رحمت قائم کرنے کے بعد مالی دشواریوں اور اکثر عمائد وارباب شہر کی مخالفت کے باوجود اپنی زندگی اس مدرسہ کی خدمت کیلئے وقف کردی اور یکم جنوری ۱۸۵۸ء کو بمقام غازی پور انتقال فرمایا۔

مدرسۂ چشمۂ رحمت ۱۸۶۰ء میں فرنگی محل کے مشہور عالم حضرت مولانا مفتی محمد رحمت اللہ قدس سرہٗ العزیز غازی پور تشریف لائے۔ موصوف نے یہاں کی تعلیمی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:-

"طلاب بروز جمعہ فراہم آمدند، مباحثہ علمی شروع می گردید۔ معلوم شد کہ اطفال حکام ماتحت اضلاع دیگر تا صرف ونحو می خوانند۔ و اطفال رؤساء این شہر دو کس یکی مولوی برکت اللہ خلف مولانا محمد فصیح صاحب زبدہ و بابو میاں خلف شیخ حمید بخش صاحب وکیل و رئیس، شرح وقایہ و قطبی می خواند، دیگر ہیچ نہ۔ کمال تاسف بر اہل شہر کردہ ترغیب دادہ خود درس و تدریس جاری کردہ متوجہ گردانیدم۔ بفضلہ مردمان این جا و اضلاع دیگر قریب و بعید پنجاہ شخص جمع شدند و نیز صاحبزادگان صدر اعلیٰ صاحب کہ تا میبذی و اقلیدس رسیدہ بودند، اینجا سبق شروع نمودند و بندہ ہم در اجرائے درس و نفع رسانی خلق حسبۃً للہ مستغرق شدہ برائے کار دیگر آمدہ محو کرد۔" (سوانح سفر غازی پور)

کامل نو سال اصلاح حال کی کوشش کے بعد ۱۸۶۹ء میں موصوف نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ ابتداً عربی و فارسی اور آخر میں انگریزی و ناگری کے درجات قائم کئے۔ ۱۸۷۱ء میں عربی کے مشہور فاضل نواب معلی القاب سر ولیم میور صاحب لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی نے معائنہ فرماکر تعلیمی حالت پر پسندیدگی ظاہر کی۔ ۱۹۱۴ء میں ہز آنر سر جیمس لارڈ مسٹن نے جو صوبۂ متحدہ کے لفٹننٹ گورنر تھے معائنہ فرماکر ایک طالب علم کے لئے وظیفہ مقرر کیا۔ اور کتب خانہ کے لئے جیب خاص سے ایک رقم عطا کی۔ ۱۹۱۵ء میں سر کلاوڈ ڈی لا فورس ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم نے معائنہ فرماکر "اورنٹیل کالج" کا درجہ عطا کیا۔ اس مدرسہ میں عربی و فارسی درسیات اور ابتدائی تعلیم کے علاوہ سرکاری امتحانات کا بھی انتظام ہے اور نتائج ہمیشہ شاندار اور عموماً ہمعصر مدارس سے بہتر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء میں جبکہ دیگر مدارس کے تمام طلبہ عربی کے اعلیٰ

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (سورہ لقمان) کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

سرکاری امتحانات فاضل میں ناکام رہے۔ اس مدرسہ کے ۷۵ بڑ طلباء کامیاب ہوئے۔ قیام مدرسہ سے اسوقت تک درس نظامی کی تکمیل کرکے ہزاروں اشخاص نے سند حاصل کی۔

ہمارا یہ فخر بے جا نہ ہوگا کہ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی۔ شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مولانا شاہ سلیمان پھلواروی جیسے نامور علماء اس مدرسہ کے قابل قدر فرزند ہیں۔ علاوہ بریں ہزاروں کی تعداد میں بیرونی طلباء و پنجاب و بہار۔ اور بنگال سے کشاں کشاں آتے اور اس "چشمہ رحمت" سے سیراب ہوتے رہے ہیں۔ اور اب بھی بیرونی طلباء فیض یاب ہو رہے ہیں۔

اس مدرسہ کے پرنسپل صاحبان میں مشہور روزگار اور صاحب دیوان شاعر مولانا شمشاد لکھنوی، بے بدل عالم مولانا عزت اللہ صاحب لکھنوی۔ اور مفتی وقت مولانا عبدالعلیم صاحب مبارکپوری کی نامور شخصیتیں گذر چکی ہیں۔

مدرسہ کا جملہ انتظام ایک رجسٹرڈ باڈی یعنی ایک مجلس انتظامیہ کے ہاتھ ہے۔ اس میں ہر شعبۂ زندگی کے معزز اشخاص ممبر ہیں جن کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

فہرست ممبران و عہدہ داران موجودہ مجلس انتظامیہ

۱۔ جناب احمد حسن خاں صاحب وارثی رئیس اعظم صدر ۲۔ جناب مولانا ابوالمسعود صاحب نضیحی نائب صدر ۳۔ جناب شبیر عالم صاحب وکیل سکریٹری۔ ۴۔ جناب ڈاکٹر طفیل احمد خاں صاحب جوائنٹ سکریٹری۔ ۵۔ جناب حکیم حافظ حسین احمد صاحب ممبر۔ ۶۔ جناب شیخ رفیع احمد صاحب تاجر ممبر۔ ۷۔ جناب قاضی امیر الحق صاحب وکیل ممبر۔ ۸۔ جناب مولانا ابوالوفا صاحب نضیحی ممبر۔ ۹۔ جناب سید حسن صاحب ممبر۔ ۱۰۔ جناب مولانا ابوالغوث صاحب نضیحی۔ ممبر۔

مدرسہ میں اسوقت ۱۲ اساتذہ مختلف شعبوں میں تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جن کی فہرست ذیل میں درج ہے:۔

۱۔ مولانا محمد شعیب صاحب رسول پوری مبارکپوری خلف مولانا عبدالعلیم صاحب مرحوم (مفتی شہر) صدر مدرس
۲۔ مولانا محمد احمد صاحب شاہدی مدرس۔ ۳۔ مولوی محمد حنیف صاحب مدرس۔ ۴۔ (مولوی) علی احمد کلیم۔ مدرس ۵۔ مولوی فیاض احمد صاحب صدیقی مدرس۔ ۶۔ مولوی سعید احمد صاحب مدرس۔ ۷۔ ماسٹر نیاز احمد صاحب مدرس۔ ۸۔ ماسٹر ضیاء الدین صاحب مدرس۔ ۹۔ قاضی احمد رضا صاحب مدرس۔ ۱۰۔ مولوی ہارون رشید صاحب مدرس۔ ۱۱۔ ماسٹر اشرف مسعود صاحب مدرس۔ ۱۲۔ حافظ غلام رسول صاحب مدرس۔

اس وقت مدرسہ میں دوسو چالیس طلباء مقامی و بیرونی زیر تعلیم ہیں۔ ان میں سے تقریباً ۵۱ فیصدی سے زیادہ غریب اور مفلوک الحال مسلمانوں کے بچے ہیں۔ چنانچہ مدرسہ تمامی طلبہ کو نہ صرف مفت تعلیم دیتا ہے بلکہ اکثر طلباء کے لئے وظائف اور کتابوں کا بھی انتظام کرتا ہے۔ مدرسہ کا ایک ذاتی کتب خانہ بھی ہے جس میں ۳ ہزار سے زائد کتابیں ہیں۔

مدرسہ قاسمیہ عربیہ نگینہ

۱۲۹۲ھ میں شیخ داد بخش مرحوم نے جامع مسجد نگینہ میں ایک مختصر مکتب کے طور پر اسکی بنیاد رکھی۔ جب اسکو ایک انتظامیہ کمیٹی کے تحت باقاعدہ شکل دی جانے لگی تو داد بخش صاحب نے مدرسہ کا نام "مدرسہ قادریہ" رکھنے پر زور دیا مگر اراکین نے اسے مناسب نہیں سمجھا۔ اسی دوران میں مولانا حکیم عبدالعلی صاحب رئیس محلہ قاضی سرائے کے بڑے صاحبزادے مولوی شوکت علی صاحب کو شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف نیاز حاصل ہوا تو شیخ نے انھیں ایک عربی درسگاہ قائم کرنے کی ہدایت فرمائی۔ جس کے بعد مدرسۂ مذکور کی زمام اہتمام مولوی شوکت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں آگئی۔ موصوف نے شیخ الاسلام کی ہدایت کے فائدے میں مدرسہ کا نام "مدرسۂ قاسمیہ عربیہ نگینہ" رکھا اور اسکی ترقی کے لئے سعی شروع کی تو مدرسہ میں عربی، فارسی اور قرآن عزیز کے درسیات اسقدر مکمل اور وسیع دائرہ میں ہوگئے کہ ضلع بجنور میں یہی مدرسہ علوم مذہبی کے لئے واحد درسگاہ کی حیثیت سے شہرت پا گیا یہانتک کہ اس میں اطراف ہند کے علاوہ بلخ و بخارا وغیرہ ولایات بیرون ہند کے طلباء بھی جوق جوق آتے رہے۔ اس مدرسہ نے اپنا مرکز دارالعلوم دیوبند ہی کو قرار دیا۔ پھر بھی یہاں سے براہ راست طور پر تقریباً ۱۲ افراد عربی دینی علوم کی سند فراغ حاصل کرکے رخصت ہوئے۔ فقہ و حدیث کی ابتدائی و ثانوی کتب پڑھ کر دیوبند جانے والے طلباء کے علاوہ فارسی کی تکمیل جس میں کمل نقہ بھی شامل تھا صدہا طلباء نے کی اور حفظ و ناظرہ قرآن عزیز پڑھنے والے طلبا کا شمار بہت زیادہ ہے۔ الحمد للہ آج بھی مولانا الحاج محمد سعید صاحب کے زیر اہتمام مدرسے کے تمام مذکورہ فیوض برقرار ہیں۔ اور حالات کی ناسا عدت کا مقابلہ کرتے ہوئے ضلع بجنور کے جدید العہد مدارس سے زیادہ مفید اور نیک شہرت کے مالک ہیں۔ مدرسہ کی اپنی عمارات ہیں اور ایک کتبخانہ بھی ہے جس میں مختلف علوم و فنون پر ۳ ہزار کتب محفوظ موجود ہیں۔

سعید احمد

محرر مدرسۂ قاسمیہ عربیہ نگینہ

اپنے بچوں کو تعلیم دے کر ملک سے جہالت دور کیجئے

دربھنگہ میں ایک دینی مرکز

دار العلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے

از جناب آزاد رحمانی صاحب

دار العلوم احمدیہ سلفیہ مشرقی ہندوستان کی وہ عظیم الشان مرکزی درسگاہ ہے جس کا سنگ بنیاد سنہ ۱۳۳ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا عبد العزیز صاحب محدث رحیم آبادی نے اپنے دست مبارک سے رکھا تھا۔ ابتداءً درجہ حفظ سے تعلیم کی بنیاد پڑی۔ لیکن آپ کی رحلت کے بعد فخر ملت عالی جناب ڈاکٹر سید محمد فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی انتہائی جد وجہد اور خداداد قابلیت سے اسے جس عروج تک پہنچایا اس پر بجا طور سے آج قوم کو فخر ہے، اور یہ ہندوستان کی مشہور مرکزی درسگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔

اس وقت اس درسگاہ میں مختلف علوم وفنون کی تعلیم وتربیت کے لئے ۱۴ اساتذہ کام کر رہے ہیں۔ عربی کی تعلیم اعلیٰ پیمانے پر دی جاتی ہے۔ اور ہر سال ملک کے طول وعرض کے متعدد طالبان علم یہاں سے فراغت حاصل کر کے نکلتے اور ملک کے مختلف حصوں میں تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ انگریزی کی تعلیم بھی میٹرک تک دی جاتی ہے اس کے علاوہ چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت کا بھی عمدہ انتظام کیا گیا ہے۔ اور ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کے لئے بھی ایک اسٹاف متعین ہے جو اسلامی اصولوں کے ماتحت انھیں زندگی گذارنے کی تربیت دیتا ہے۔

اس درسگاہ کے نظم واہتمام کی ذمہ داریاں جناب ڈاکٹر سید عبد الحفیظ صاحب سلفی ایم، بی بی، ایس کے سر ہیں۔ جو جناب ڈاکٹر سید محمد فرید صاحب مرحوم کے صاحبزادے اور ان کے سچے جانشین ہیں۔ اس سال طلبہ کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہے۔ جن میں ۷۵ لڑکے غیر مستطیع ہیں اور ان کی کفالت مدرسہ کی جانب سے کی جاتی ہے۔

دار العلوم کی اپنی ذاتی عالیشان بلڈنگیں ہیں جو پانچ بیگھہ کے وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ دار العلوم کے احاطہ ہی میں مسجد بھی ہے۔ لڑکوں کے کھانے کا نظم ایک مطبخ کے ماتحت ہے۔ جس کی تعمیر ۱۴ ہزار کی لاگت سے حال ہی میں شروع کی گئی ہے۔

دار العلوم کا اپنا ذاتی کتب خانہ ہے جس میں مختلف علوم وفنون کی تقریباً ۴ ہزار کتابیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ طلبا کی انجمن نادی الاصلاح کا ایک اور بھی کتب خانہ ہے جس میں بہت بڑا علمی ذخیرہ ہے اور اس کی کتابوں کی تعداد بھی

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (سورہ کہف) اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کر۔

ہزارہا ہزار تک پہونچتی ہے۔

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کی جانب سے ایک ہفت روزہ اخبار الھدیٰ بھی شائع ہو رہا ہے۔ جو مسلسل چھ سال سے دین وملت کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس میں بیش بہا علمی اور دینی مضامین کے علاوہ موجودہ دور کی ملکی اور غیر ملکی سیاست پر بھی معرکتہ الآرا مضامین کا اہتمام رہتا ہے۔

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کا اپنا ایک برقی پریس بھی ہے۔ جس میں دینی کتابوں کی اشاعت کا خاص انتظام ہے، دارالعلوم کی جانب سے شائع ہونے والی کتابیں اور اخبار یہیں چھپتے ہیں۔ اس کے علاوہ پورے شمالی بہار کے دیگر مصنفین بھی اس پریس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کا اپنا ایک مکتبہ بھی ہے جس نے بانی مدرسہ جناب مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم کی کتاب سواء الطریق کے دو ضخیم حصوں کو شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً بیش قیمت ٹریکٹ اور مفید رسائل بھی شائع کرتا رہتا ہے۔ اور اب کو بڑے اعلیٰ پیمانے پر قرآن مجید اور دین کی مفید اور اہم کتابوں کی اشاعت کا انتظام کیا جارہا ہے۔ جو انشاء اللہ پورے بہار میں اپنی نظیر آپ ہوگا۔ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کی شروع سے یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس میں ہندوستان کے مشاہیر اساتذہ فن تعلیم وتعلم کے لئے موجود رہے ہیں۔ اسی لئے یہاں کے فارغ التحصیل طلباء استعداد ولیاقت کے اعتبار سے اور جگہ کے طلبہ سے بدرجہا بہتر اور قابل ولائق ہوتے ہیں۔

وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۔ اور اس اللہ سے توبہ کیا کرو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

کھانے کے مزے کو

دوبالا کرنے کے لیئے۔ جہاں یہ ضروری ہے کہ

سلیقہ سے پکایا جائے اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو روغن اس میں استعمال

کیا جائے وہ عمدہ قسم کا ہو۔

وناسپتی

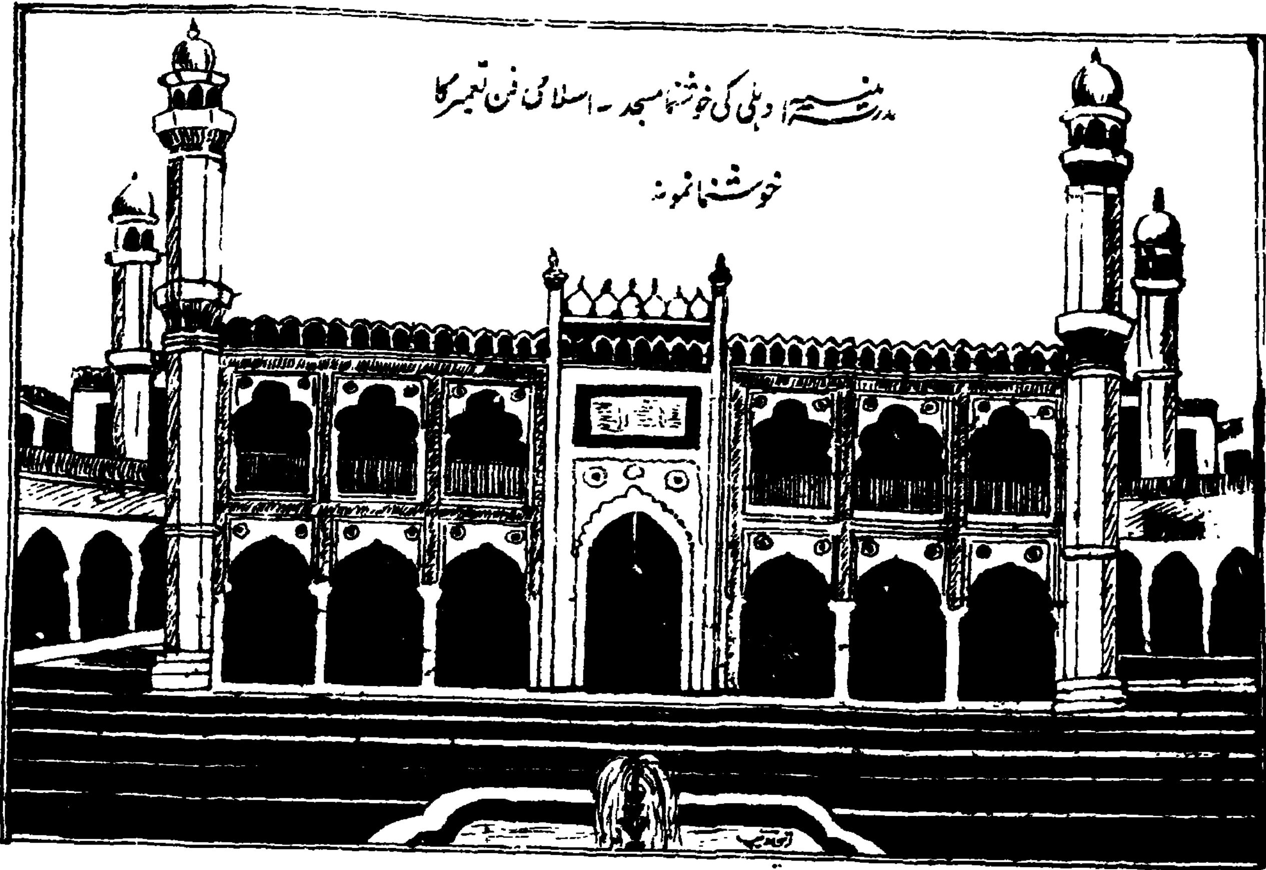
"پوسٹ مین برانڈ" اس ضرورت کو پورا کرتا ہے



پوسٹ مین برانڈ وناسپتی
کے استعمال سے
ہر کھانا ایک شاندار
ضیافت ہو جاتا ہے
یہ وناسپتی
ہر جگہ
ملتا
ہے



BEST PERFUMES (ATTARS)


دہلی کی خوشنما مسجد ۔ اسلامی فن تعمیر کا
خوشنما نمونہ

شاہ ولی اللہ کی علمی اچھائی میں

مدارس امینیہ دہلی کے اکابر اور علمائے کرام

از مولانا حفیظ الرحمٰن واصف صاحب نائب مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی

آپ تقریباً ۱۲۸۵ھ میں اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے پھر اپنے والد کے ساتھ... سکونت اختیار کی، اور ۱۳۰۴ھ میں بغرض تحصیل علم دار العلوم دیوبند میں آئے، ۱۳۰۹ھ میں مدرسہ اعزازیہ شاہجہانپور میں جاکر داخل ہوئے، وہاں مولوی نادر الدین سے معقولات کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ مولانا نادر الدین فلسفہ و منطق میں مولانا عبد الحق خیر آبادی بن مولانا فضل حق کے شاگرد تھے، اس عرصے میں مولانا موصوف شاہجہانپور میں محلہ حسن زئی کی مسجد میں مقیم رہے۔ پھر دیوبند میں واپس آکر درس نظامیہ کی تکمیل کی۔ ۱۳۱۴ھ کے آخیر میں فارغ التحصیل ہوکر دہلی آگئے، اور مدرسہ امینیہ جاری فرمایا۔

آپ کی شادی سید عابد علی دہلوی کی تیسری صاحبزادی محمودی بیگم کے ساتھ ۱۳۱۸ھ میں ہوئی، اور آپ اپنی سسرال حویلی اعظم خان گلی احمد شاہ میں مقیم ہوئے پھر ۱۳۲۴ھ ۲۷ جنوری ۱۹۰۷ء میں آپ نے گلی احمد شاہ کے قریب ایک مکان خرید کر از سر نو بنوایا، اور اس میں منتقل ہو گئے

آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے نکاح میں تقریباً ۲۱ سال زندہ رہیں، اور مورخہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ ۱۹ فروری ۱۹۱۵ء کو انتقال ہوگیا، مرحومہ نہایت نیک عابدہ زاہدہ، شب زندہ دار، خدمت گذار، سلیقہ شعار بیوی تھیں، ان کی وفات کا صدمہ اہل خاندان کے علاوہ اہل محلہ تک کو ہوا، اور خاص کر مولانا موصوف کو شدید صدمہ ہوا۔ ... رہا، ان کے انتقال کے ۱۲ ماہ بعد ہو۔نہ ۹ رمضان ۱۳۳۳ھ ۲۰ جون ۱۹۲۰ء کو مولانا کی بھی وفات ہوگئی، اس کے بعد مدرسہ کا انتظام و اہتمام حضرت مفتی اعظم کے سپرد کر دیا گیا۔ مولانا مرحوم اور ان کی اہلیہ کے مزار مہندیان میں حضرت شاہ ولی اللہ کے احاطے کے باہر واقع ہیں۔

آپ شہر دہلی میں ہی نہیں بلکہ دور دور تک زہد و تقویٰ میں مشہور تھے، عملیات میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے، اور اس وجہ سے آپ کے عقیدتمندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ دل میں فیض رسانی کا جذبہ رکھتے تھے، نرم خو، ملنسار، با خلاق تھے، مگر دین کے معاملات اور مدرسے کے انتظامات کے سلسلے میں کسی کی رورعایت نہیں کرتے تھے، اپنے اقارب کی امداد و اعانت فرماتے تھے جب کبھی سفر سے واپس آتے تھے تو تمام قرابت داروں کے لئے تحفے ضرور لاتے تھے، سیاسی ہنگاموں اور دنیاوی مشغلوں سے دامن کش رہتے تھے، اپنے مکان میں ایک علیحدہ کوٹھری میں ذکر و عبادت میں مشغول رہتے تھے، طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے، اور بڑی شفقت و محبت فرماتے تھے۔ آپ پرانی وضع کے بالکل سیدھے سادے مولوی تھے،

دفتری امور کی مہارت نہیں رکھتے تھے، مولوی عبد الغفور صاحب دہلوی، مدرس فارسی بطور نائب مہتمم تمام دفتری امور کو انجام دیا کرتے تھے، حضرت مفتی اعظم کی تشریف آوری کے بعد مدرسہ کا پورا انتظام حضرت مفتی اعظم کے ہاتھوں میں منتقل ہوگیا، روداددوں کی ترتیب و تالیف، مضامین کی تصنیف و تسوید، معاہدے، معاملات غرضیکہ تمام امور جو مہتمم صاحب کے نام سے ہوتے ان میں حضرت مفتی اعظم کا فہم و تدبر اور ہاتھ کارفرما تھا۔

آپ کے انتقال کے بعد مکان میں آپ کے صاحبزادے مولوی سعید الدین رہے، سنہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں کراچی منتقل ہو گئے، اب مولانا مرحوم کی صاحبزادی میمونہ بیگم (جو راقم الحروف کی خوشدامن ہیں) اس مکان میں رہتی ہیں، مولوی سعید الدین کے وہ شدت حصے نکاسی ہونے کی وجہ سے مکان نیلام ہو چکا ہے،

مولانا موصوف کی چھ اولادوں میں سے اب یہی ایک صاحبزادی میمونہ بیگم ہی حیات ہیں، بڑے صاحبزادے مولوی سعید الدین، کراچی میں جاکر وفات پا گئے۔ ان کی کئی اولادیں پاکستان میں موجود ہیں، اور ایک صاحبزادے مولوی فرید الدین ماشاءاللہ فارغ التحصیل عالم ہیں، جوان صالح اور عابد و زاہد ہیں، سندھ پاکستان میں ایک عربی مدرسے میں مدرس ہیں۔ مولوی سعید الدین کی تبلیغی خدمات بہت زیادہ ہیں، آخر دم تک آپ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ (بستی نظام الدین دہلی) سے اور ان کی جماعت سے وابستہ رہے۔

رأس المحدثین حضرت مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۲۷ر شوال سنہ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء کو موضع وودھوان (علاقہ لولاب کشمیر) میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا محمد معظم شاہ ہے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل فرمائی، سنہ ۱۳۰۵ھ میں ضلع ہزارہ پہنچکر متعدد علماء سے تعلیم حاصل کرتے رہے، سنہ ۱۳۰۷ھ میں بعمر ۱۶ سال دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے سنہ ۱۳۱۴ھ میں حضرت شیخ الہند سے حدیث کی تکمیل کے بعد گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی سے سند حدیث کے علاوہ فیوض باطنی حاصل کئے، پھر بجنور میں مولوی مشیت اللہ بجنوری نے آپ کو بلا لیا، سنہ ۱۳۱۵ھ میں مولوی امین الدین صاحب بانی مدرسہ امینیہ آپ کو دہلی لے آئے۔ اور مدرسہ کا صدر مدرس بنایا۔ آپ یہاں تقریباً ساڑھے چار سال رہے اس دوران میں آپ کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے والد کو بے حد صدمہ ہوا۔ اور انہوں نے خانقاہ کی جانشینی اور خاندانی امور میں معاونت کے لیے آپ کو مستقل طور پر وطن میں واپس آجانے کا حکم دیا۔ والد کے حکم سے مجبور ہو کر آپ ۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۰ھ کو تشریف لے گئے، (آپ کے ایک بھائی کا نام عبد اللہ شاہ اور ایک کا نام سلیمان شاہ تھا۔ بڑے بھائی کا نام اس وقت راقم الحروف کو یاد نہیں ہے،

علمی ذوق اور دینی شغف کی وجہ سے آپ کو وطن کی سکونت سے روحانی اذیت محسوس ہوتی تھی، پھر آپ بارہ مولہ

ین آکر کسی مدرسہ میں درس وتدریس میں مشغول ہوئے، مگر وہاں بھی روح کو تسکین نہ تھی، چنانچہ اپنے ایک مکتوب مورخہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (۱۰ جون ۱۹۰۹ء) میں تحریر فرماتے ہیں:-

میں کوئی ایک مہینہ گذرا جب سے کہ مکان سے بعزم ہندوستان رخصت لے کر آگیا ہوں، ہر چند کہ والدین تو راضی نہ تھے مگر میرے الحاح پر اجازت دیدی، یہاں با وجود سمجھ کر کچھ توقف سا ہوگیا، حقیر کو یہاں سے دل برداشتگی کا سبب یہ ہے کہ یہاں آکر مخلوق کی بدمعاملگی کا زیادہ احساس ہوتا رہا، اتنا احساس مجھے ہندوستان میں نہیں ہوا، پھر اگر مجھے مخلوق کی طرح احتیاج مخالطت کی ہوتی، تو لامحالہ یہ احساس کم ہوتا، مگر تجرد کے باعث یہ احساس کم نہیں۔ (ملتقطاً و مختصراً)

۱۳۲۸ھ میں آپ نے حج کیا، واپس آکر بارہ مولہ میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی، پھر دارالعلوم دیوبند کے جلسہ دستار بندی منعقدہ ۱۸،۱۹،۲۰ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۸،۱۹،۲۰ اپریل ۱۹۱۰ء میں مدعو کئے گئے، اور دیوبند ہی میں اقامت اختیار فرمالی، حضرت شیخ الہند نے اپنی وفات سے ۳ سال قبل ۱۳۳۶ھ میں آپ کو جانشین بنادیا تھا۔ اسی سال حضرت شیخ الہند کے ایماء سے گنگوہ کے ایک معزز خاندان میں آپ کی شادی ہوئی،

۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم کے ارباب حل وعقد سے کچھ اختلاف رونما ہونے کی بنا پر آپ اور آپ کے ساتھ بہت سے علماء وطلباء دارالعلوم دیوبند سے قطع تعلق کرکے جامع اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے، ۲ صفر ۱۳۵۲ھ کو دیوبند میں آپ کی وفات ہوئی، اور وہیں آپ کا مزار ہے۔

علمائے عصر میں آپ کے تبحر علمی اور علم وفضل کا جو درجہ تھا اس کو ضبط تحریر میں لانا ناممکن ہے، آپ کی سوانح عمری، **نفحۃ العنبر** کے نام سے شائع ہوچکی ہے، اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت مولانا ضیاء الحق دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مولانا سراج الحق کے فرزند تھے، محلہ ابوالمعالی دیوبند کے باشندے اور ایک معزز خاندان کے فرد تھے، ۱۳۱۴ھ میں حضرت مفتی اعظم کے ساتھ ہی دارالعلوم سے فارغ ہوچکے تھے، مگر آپ نے مزید ایک سال دارالعلوم رہ کر کچھ کتابیں پڑھیں، مولانا امین الدین نے جب مدرسہ امینیہ جاری کیا، تو آپ کو بھی دیوبند سے بلالیا، اور مدرس دوم مقرر کیا، اپنی فراغت تعلیم اور بنائے مدرسہ کے بعد سے وفات تک مسلسل ۵۰ سال آپ نے مدرسہ کی خدمت کی،

ابتداء میں تنخواہ مقرر کی نہیں تھی، صرف خوراک کے لئے چار پانچ آنے روز لے لیا کرتے تھے، ۱۳۱۵ھ میں یعنی تقریباً چار سال کے بعد آپ کی تنخواہ بارہ روپیہ ماہوار مقرر ہوئی، آپ ہمیشہ مولانا امین الدین اور حضرت مفتی اعظم کے شریک کار اور ہمنوا رہے، حضرت مفتی اعظم کو بھی آپ کی دیانت وخلوص پر اعتماد تھا، ۱۳۴۴ھ میں جب کہ حضرت مفتی اعظم

حج و زیارت اور شرکت مؤتمر کے لئے حجاز تشریف لے گئے تھے، مولانا نے ہی مدرسے کے انتظامات کو عمدگی سے انجام دیا، اور حدیث کا درس دیا، اسی طرح ۱۳۴۳ھ اور ۱۳۵۰ھ کی دو مرتبہ کی اسیری کے موقع پر اور ۱۳۵۰ھ میں سفر مصر بغرض شرکت مؤتمر فلسطین کے موقع پر مولانا کو ہی اپنا قائم مقام بنایا تھا۔

۱۳۵۰ھ میں جب کہ حضرت مفتی اعظم نیو سنٹرل جیل ملتان میں اسیر فرنگ تھے، مولانا مدرسے میں اہتمام اور صدر مدرسین کے فرائض انجام دے رہے تھے، اس نیابت کی وجہ سے آپ کی تنخواہ ۵۵ ماہوار سے ۷۵ روپیہ ماہوار کر دی گئی تھی، کچھ دنوں کے بعد حضرت مفتی اعظم نے جیل سے آپ کو تحریر فرمایا کہ جمادی الثانی سے آپ ۱۰۰ روپیہ ماہوار لیا کریں۔
اس کے جواب میں مولانا نے لکھا،

"آپ نے جو مجھ کو ۱۰۰ روپیہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے، میں مشکور ہوں، مگر عرض یہ ہے کہ واقعی بلا انکسار میں اب ۷۵ روپیہ کے قابل بھی نہیں ہوں، میرا دل یہی چاہتا تھا کہ اپنی سابقہ تنخواہ ۵۵ روپیہ پر ہی کام کرتا رہوں، مگر آپ کے امر سے مجبور ہو کر ۷۵ روپے قبول کر لئے تھے، اور میں اپنے قویٰ میں ضعف کا احساس کرتے ہوئے خیال کرتا ہوں کہ اب میں ۷۵ روپیہ کے لائق کام نہیں کر سکتا"

اس کے جواب میں حضرت مفتی اعظم تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ ضرور ۱۰۰ روپیہ ماہوار کے حساب سے تنخواہ لیں اور اس میں زیادہ عذر نہ فرمائیں، میں اگرچہ جیل میں بیٹھا ہوں لیکن دہلی بلکہ مدرسے کی موجودگی کی ہی طرح مجھ کو خیال ہے۔ اور سوائے اس کے کہ جسمانی بعد ہے، اور تعلیم کی خدمت سے محروم ہوں اور کوئی خاص تفاوت نہیں ہوا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ کون شخص اس وقت کس سلوک کا مستحق ہے، اگر میں اس میں کوتاہی کروں تو یہ میری تقصیر ہوگی، آپ کے ایثار کا شکریہ لیکن جو بات میں نے بہتر سمجھی ہے، اسے آپ بھی قبول کیجئے"

ان حضرات نے جس طرح پیٹ پر پتھر باندھ کر دین کی خدمت کی ہے، ہم ان قربانیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے، ان کو کام کرنے کی دھن اور ایک مقصدِ عظیم کی لگن تھی، معاوضہ یا تنخواہ کی پرواہ اور صلہ کی تمنا نہ تھی، ہر حال میں خوش رہتے تھے، تنگدستی اور فقر کی حالت میں بھی دامنِ مقصود کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، اور بڑی سے بڑی نوکری کو ٹھکرا دیتے تھے۔

ایک دولت مند نے اپنے فرزند کو پڑھانے کے لئے آپ سے درخواست کی، اور بیس روپے ماہوار دینے کا وعدہ کیا۔ آپ نے فرمایا گھر پر پڑھانے کے لئے نہیں آؤں گا، میرے پاس مدرسے میں بھیج دیا کرو، بغیر کسی معاوضے کے پڑھاؤں گا۔ اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہمارے اسلاف کی زندگی میں ملتے ہیں، ان کے استغنا اور خلوص و ایثار کے مقابلے میں ہماری اغراض پرستی پر نظر کرو تو عبرت ہوتی ہے۔

آپ ابتدا سے ہی مدرسہ کے دار الاقامہ میں قیام پذیر رہے، اور وفات بھی یہیں ہوئی، بہت خوش اخلاق،

ملنسار، فیاض اور خوش پوش تھے، کپڑے ہمیشہ صاف ستھرے زیب تن فرماتے تھے، جس سے ملتے خلوص اور بے تکلفی کے ساتھ ملتے تھے، روزانہ کا معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد مسجد کے حوض پر بیٹھ جاتے تھے، اور اذانِ مغرب تک حفظ تلاوت فرماتے تھے۔ تہجد گذار اور ذاکر و شاغل تھے۔ آپ کے والد مولانا سراج الحق امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے، اور آپ خود اپنے والد سے مجاز تھے، مگر کبھی آپ نے کسی کو بیعت نہیں کیا، اور ہمیشہ اس اجازت کو بھی پوشیدہ رکھا، زندگی کا جو معیار شروع میں قائم کیا تھا آخر تک اسی پر قائم رہے، معمولی سادہ طرز زندگی کے مصارف سے جو کچھ بچتا تھا وہ ان امدادوں میں خرچ ہوتا تھا، جو ضرورت مندوں کی مقرر کر رکھی تھیں، اور اس راز کا انکشاف آپ کی وفات کے بعد ہوا۔

انقلاب ۱۹۴۷ء میں آپ چند طلبہ کے ساتھ مدرسے میں محصور تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دہلی کے کوچہ و بازار میں قتل و غارت کا بازار گرم تھا، اور کسی جگہ مسلمانوں کی جان محفوظ نہ تھی، واضح ہو کہ مدرسہ غیر مسلم آبادی میں واقع ہے، مگر اللہ سے ڈرنے والے پھر کسی سے نہیں ڈرتے۔

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مرض وفات کے دوران میں آپ بہت متفکر رہتے تھے، فرماتے تھے کہ میں بھی اب چلنے والا ہوں، اللہ اللہ رفاقت کا نباہ اس کو کہتے ہیں پچاس برس دونوں حضرات ایک جگہ شریک کار رہے، حضرت مفتی اعظم کی وفات کے بعد مدرسہ کی مجلس منتظمہ نے آپ کو صدر مدرس کے عہدے پر مقرر کیا تھا۔

اپنی وفات سے چند روز قبل راقم الحروف سے فرمایا کہ اب میں کمزور ہو گیا ہوں، جہاں تک ہو سکے جلد صدر مدرسی کے لئے کسی قابل آدمی کو تلاش کر کے میرا کام ہلکا کرو، میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ ایسی باتیں کر کے ہمارا دل نہ توڑیئے آپ کی موجودگی میں کسی صدر مدرس کی ضرورت نہیں، البتہ ایک مدرس کا اضافہ آپ کے مشورہ و ہدایت کے مطابق کیا جائے گا، آپ کو ہم نہیں چھوڑیں گے، فرمایا کہ میری بھی یہی آرزو تھی کہ مدرسہ ہی کی خدمت کرتے کرتے پیام اجل آجائے لیکن ضعف کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہیں ہوں۔

مورخہ ۲۸ رجب ۱۳۷۳ھ کو صبح دس بجے آپ حدیث شریف کا درس دے رہے تھے، یکایک طبیعت میں کچھ اختلالی کیفیت پیدا ہوئی مگر آپ برداشت کرتے رہے، سبق ختم کر کے ساڑھے دس بجے کے قریب آپ اپنے کمرے میں تشریف لے گئے، استفراغ ہوا، اور پہلے اختلاج قلب ہو گیا، تین دن یہ کیفیت رہی، یکم شعبان ۱۳۷۳ھ کو وقت ۹ بجے شب نماز عشاء سے فارغ ہو کر داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ سال تھی، یعنی آپ حضرت مفتی اعظمؒ سے دو سال بڑے تھے، آپ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مزار مبارک کے قریب مدفون ہیں۔

———

تاج الفقہاء و المحدثین حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا وطن مالوف شاہجہان پور (محلہ سن زئی) ہے، اس شہر کو عمدۃ الملک نواب بہادر خان نے سنہ ۱۰۴۷ھ میں صاحبقران ثانی شاہجہان بادشاہ کے عہد میں آباد کیا تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ عنایت اللہ بن فیض اللہ بن خیر اللہ ابن عباد اللہ ہے۔ سن پیدائش سنہ ۱۲۹۲ھ ہے مکتبی تعلیم سے فارغ ہو کر عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اعزازیہ شاہجہانپور میں داخل ہو کر مولوی حافظ بدھن خان اور مولوی عبید الحق خان سے حاصل کی، پھر مولوی عبید الحق خان کے اصرار اور کوشش سے مراد آباد کے مدرسہ شاہی میں تشریف لے گئے، اور اس کے بعد دار العلوم میں جا کر سنہ ۱۳۱۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ نے دورۂ حدیث مولانا عبد العلی میرٹھیؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے اور بقیہ کتابیں مندرجۂ ذیل :
اساتذہ سے پڑھیں، مولانا منفعت علی صاحب، مولانا حکیم محمد حسن صاحب (برادر خورد شیخ الہند) مولانا غلام رسول صاحب، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی۔

مولانا عبید الحق خان جو مدرسۂ اعزازیہ سے اختلافِ عقائد کی بنا پر یکسوئی اختیار کر چکے تھے، اور سنہ ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ عین العلم کی بنیاد رکھ چکے تھے انھوں نے آپ کو بلا لیا، آپ تقریباً پانچ سال وہاں مدرس رہے اور افتاء کا کام بھی کرتے رہے، ایک دینی رسالہ البرہان کے نام سے جاری کیا۔

جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے، تیرھویں صدی ہجری کے وسط میں دہلی کے مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت گر رہی تھی، اور سیاسی مرکزیت کے ساتھ دینی مرکزیت بھی زوال پذیر تھی، بدعات کی گرم بازاری تھی عیش و عشرت ترقی پذیر تھا، خالص دین مٹتا جا رہا تھا، پھر ۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے تو اسلامی شعائر کو تباہی کر دیا حقیقت نگر نگاہیں، خاندان ولی اللٰہی کے ختم ہونے کے بعد دہلی کے مطلع پر کسی بدر کامل کی منتظر تھیں، بارگاہ صمدیت اپنے پوشیدہ انتظام میں مصروف تھی، آخر اسی خاندان کے خوشہ چینوں میں سے ایک ہستی کو قدرت نے دہلی کے لیے چن لیا، اور وہ اپنی پیشانی میں ولی اللٰہی انوار لے کر آسمان دہلی کے افق پر نمودار ہوا، اس بدر کامل سے ہماری مراد حضرت مفتی اعظم کی ذات اقدس ہے،

مولانا امین الدین شروع سے ہی آپ کو دہلی بلانا چاہتے تھے، ایک مرتبہ آپنے مولانا عبید الحق خان سے دہلی جانے کی اجازت چاہی، مشفق اور دوربین استاد نے کہا کہ آپ ترقی پر دہلی جا رہے ہیں، اللہ مبارک کرے! جایئے لیکن اگر میدانِ حشر میں مجھ سے سوال ہوا کہ تم نے کیوں مولوی کفایت اللہ کو چھوڑ دیا؟ تو کیا جواب دوں گا؟
آپنے فوراً دہلی جانے کا خیال ترک کر دیا۔

۱۳۲۱ھ میں مولانا عبید الحق خان کی وفات ہوگئی۔ مولوی امین الدین شاہجہان پور تشریف لے گئے۔ اور آپ ہی کے مکان پر قیام فرمایا۔ اور آپ کو دہلی آنے پر آمادہ کرلیا۔ آپ شوال ۱۳۲۱ھ میں دہلی تشریف لائے۔ اور صدر مدرس و مفتی کے عہدے پر مامور ہوئے۔

آپ کے بارے میں آپ کے اولین استاذ مولانا عبید الحق کے تاثرات کا اندازہ سطور بالا سے ہوگیا ہوگا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اپنے ہونہار اور قابل شاگرد کی جو قدر و منزلت تھی، وہ مولانا قاری محمد طیب دام مجدہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے الفاظ میں سنیئے الجمعیۃ کے مفتی اعظم نمبر میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب انگریزوں سے ترک موالات کرنے کا استفتا پیش کیا گیا تو غایت انکسار نفس اور حدود شناسی کے ساتھ فرمایا کہ مجھے انگریزوں سے غیر معمولی بغض و نفرت ہے، ان کے بارے میں فتویٰ دینے میں مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں ہے کہ وہ حدود کی رعایت رکھ سکے حالانکہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔ اور یہ فرماکر اپنے مخصوص تلامذہ سے فتویٰ لکھنے کے لئے جن تین حضرات کا نام لیا، ان میں اولین نام حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، گویا حضرت کو اپنے نفس پر اس بارے میں اتنا اعتماد نہ تھا جتنا ان پر تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اپنے نفس پر بے اعتمادی میں کمال بلکہ منتہائے کمال اور احتیاط و تقویٰ کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ اور اس لئے فتویٰ صادر فرمانا۔ دراصل ایسے ہی اہل اللہ کا حق تھا، مگر اسی سے ظاہر ہے کہ ایسے اکابر جن پر خود اعتماد فرمائیں، اور اپنے مقابلے میں اعتماد کا اظہار فرمائیں، وہ کتنے محتاط اور متدین ہونگے۔

مولانا سید محمد میاں صاحب دام مجدہٗ اپنی کتاب علمائے حق حصہ اول میں تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب نے جمعیۃ علمائے ہند کے گیارہویں اجلاس منعقدہ دہلی میں ایک تقریر کے ضمن میں فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ ارکانِ جمعیۃ علمائے ہند کو دو آدمیوں کو کبھی نہ چھوڑنا چاہیئے ایک مولانا حبیب الرحمٰن دوسرے مولانا کفایت اللہ۔

یہ دینی درسگاہ (مدرسہ امینیہ) جس کی بنیاد ہی اخلاص و توکل پر استوار کی گئی تھی اس میں بیٹھ کر حضرت مفتی اعظم نے پچاس برس حدیث کا درس دیا اور احکام شریعت کی اشاعت فرمائی، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے شریعت کو از سر نو مرتب و مدون کیا تو بیجا نہ ہوگا۔ آپکے فتاویٰ کا عظیم الشان ذخیرہ جزئیات فقہ کا خزانہ اور ملت بیضا کی لازوال دولت ہے۔ درس حدیث میں آپ کا انداز بیان اپنے شیخ کے مشابہ تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا حضرت شیخ الہند تقریر فرما رہے ہیں۔

بیس روپئے ماہوار کی تنخواہ پر دہلی تشریف لائے تھے۔ جمادی الاوّل [illegible] میں آپ کی تنخواہ دو سو پچاس روپئے ماہوار تھی، یکم جمادی الثانی [illegible] سے [illegible] کا اضافہ کرکے [illegible] کردی، آپ نے فرمایا کہ مدرسے کی آمدنی کم ہو رہی ہے اس لیے میں اضافہ نہیں لونگا اور اپنی وفات تک [illegible] ماہوار مدرسے کو واپس دیتے رہے۔ مدرسے کے لیے آپ نے اپنی زندگی

وقف کر دی تھی، بڑی سے بڑی ملازمت کو کبھی قبول نہیں فرمایا۔ جس وقت آپ کی تنخواہ چالیس پچاس روپے سے زیادہ نہ تھی مدرسہ عالیہ کلکتہ میں آپ کو مبلغ پانسو روپے ماہوار پر بلایا گیا، آپ نے انکار فرمایا، اور فرمایا کہ وہاں ضمیر کی آزادی میسر نہ ہوگی اور یہ بات دین کی خدمت میں رکاوٹ بنے گی۔

مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب مرحوم کی تحریک سے نظام دکن نے آپ کا کچھ منصب بھی مقرر کیا تھا۔ مگر آپ نے اس کا اجرا نہیں کرایا۔ ذاتی مصارف میں آپ بہت کفایت شعاری سے خرچ کرتے تھے، لیکن دوستوں پر اور قومی و دینی کاموں میں فراخدلی سے خرچ کرتے تھے، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ، جو مؤتمر حجاز منعقدہ ۱۳۴۴ھ میں آپ کے رفیق سفر تھے، فرمایا کرتے تھے کہ مفتی صاحب کے فضائل سے صحیح طور پر ہم اسی سفر میں واقف ہوئے، ان کی فیاضی، سیر چشمی اور عالی ظرفی کے جو مناظر بچشم خود دیکھے وہ حیرت انگیز ہیں۔

غرضکہ علم و فضل، زہد و تقویٰ، فہم و تدبر، صبر و رضا، تفقہ فی الدین وغیرہ اوصاف حمیدہ اور مکارم اخلاق میں آپ کا درجہ و مقام اتنا بلند ہے کہ مجھ جیسا ہیچمدان قلم اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لہذا کچھ تھوڑا سا آپ کی سیاسی زندگی کے بارے میں عرض کرتا ہوں

قومی ہمدردی اور ملی خدمات

علمائے امت نے جہاں اپنی محنت و جانفشانی سے روایت صحیحہ کی حفاظت فرمائی، کیونکہ اسی پر دین خالص کا مدار ہے وہاں قوم و ملت کی سیاسی رہنمائی سے بھی غافل نہیں رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو ہندوستان میں سند روایت کے مورث اعلیٰ ہیں تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ان کے دل میں قومی و ملی احساس کس قدر شدید تھا، ان کے جانشین سلسلہ وار اس فرض کو انجام دیتے رہے۔ اس سلسلے کے نمایاں ہیرو مولانا اسماعیل شہید اور مولانا سید احمد بریلوی ہیں، ان کی ناکامی کے بعد ۱۸۵۷ء میں ایک زبردست جنگ آزادی لڑی گئی۔ جس کا ہیرو آخر مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر (خلد آشیان) کو بنایا گیا تھا، اور علمائے امت نے اس میں شرکت اور تعاون کیا تھا، مگر افسوس کہ اس جنگ میں بھی ناکامی ہوئی، اور نتیجے کے طور پر جن علماء نے جہاد کے لئے فتوے دیئے تھے وہ قید کئے گئے، جلا وطن کئے گئے یا پھانسی پر چڑھائے گئے، مثلاً مولانا فضل حق خیر آبادی، وغیرہ کو قید کر کے جزائر انڈمان بھیجا گیا، اور وہیں ان کی وفات ہوئی، حضرت مفتی صدر الدین آزردہ ایک نکتہ کی وجہ سے سزائے موت سے تو بچ گئے مگر جائداد ساری ضبط ہو گئی تھی، نکتہ یہ تھا کہ آپ نے اپنے دستخط کے ساتھ لفظ بالجبر بے نقطہ لکھ دیا تھا، فوجی عدالت میں جب آپ کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے عدالت کے سوال کرنے پر فرمایا کہ مجھ سے جبراً دستخط لئے گئے۔ دیکھئے میں نے اپنے دستخط کے ساتھ لفظ بالجبر لکھا ہے۔ عدالت نے لاجواب ہو کر آپ کو سزائے موت سے بری کر دیا۔

مرزا غالب کے لطائف میں ایک لطیفہ مذکور ہے، کہ ایک مرتبہ مرزا غالب کے قدیم احباب سے ایک معزز اور

صاحب وجاہت دوست مرزا سے ملنے آئے، جو کسی زمانے میں بڑے دولت مند اور ذی وجاہت تھے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ حویلی اور دیوان خانے میں اندر سے باہر تک ایرانی قالین بچھے رہتے تھے، اور ڈیوڑھی پر ہاتھی جھومتے تھے، ایک زمانہ یہ آیا کہ مرزا سے ملنے آئے تو فرغل پہنے ہوئے تھے، یہ منظر دیکھ کر مرزا کے دل پر چوٹ لگی۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ جانے لگے تو مرزا نے ان کے فرغل کی تعریف کرنی شروع کی، اور اس کی تعریف و تحسین میں بے حد مبالغہ کیا اور دریافت کیا کہ آپ نے اس کی چھینٹ کہاں سے خریدی، میں بھی بنواؤں گا۔ انھوں نے کہا کہ اگر آپ کو پسند ہے تو نذر کرتا ہوں، اور اتار کر فرغل مرزا غالب کو دیدیا، مرزا نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ سردی کا وقت ہے دولت خانے تک تشریف لیجانے میں تکلیف ہوگی آپ یہ چوغہ پہنکر جایئے اور اپنا بیش قیمت اونی چوغہ ان کو دیدیا۔ مرزا نے اس خوبصورتی سے فرغل کا تبادلہ کرکے ان کے دل میں احساس کمتری پیدا نہیں ہونے دیا، وہ کون ذی وجاہت دوست تھے؟ لطیفہ نگار نے ان کی عظمت کے لحاظ سے اُس وقت ان کا نام ظاہر نہیں کیا تھا، واقفکار حضرات کو معلوم ہے کہ وہ حضرت مفتی صدرالدین خاں آزردہ تھے۔

بہرحال دارو گیر سے بچنے والے علما، یا تو گوشہ نشین ہو کر زندگی کے دن پورے کرنے پر مجبور ہو گئے یا انگریزوں کی مدح سرائی و قصیدہ خوانی میں مشغول ہو گئے، اور حکومت کے پروپیگنڈے میں اپنی تمام قابلیت صرف کرنے لگے (اور ہر نئی طاقت کے غلبہ کے وقت ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے) باقی علماء کو انگریز کی خاموش پالیسی نے شطرنج بازی میں الجھا دیا۔ اور اس طوفانی زمانے میں پادریوں کی یورش کی مدافعت بھی ضروری تھی) غرضکہ کسی قسم کی بغاوت تو کیا حقوق طلبی کا خیال کرنا بھی سانپ سے کھیلنا تھا۔

مگر دردمند اور بیدار مغز علماء کا دل اس درد سے خالی نہ تھا حضرت شیخ الہندؒ اور آپکے تلامذہ ملک کو آزاد کرانے کی فکر میں لگے رہتے تھے، آپکے شریک کار دیوبند میں مولانا عبیداللہ سندھی وغیرہ اور دہلی میں مفتی اعظم تھے۔

اتحاد مدارس کی تحریک

مدرسہ امینیہ کے سالانہ جلسے منعقدہ ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۲۰ء میں حضرت مفتی اعظم نے مندرجۂ ذیل خیالات کا اظہار فرمایا۔

> اس وقت بالخصوص چند امور خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان پر غور فرمانے اور ان کے بارے میں مناسب مشورہ دینے کی اہل رائے سے درخواست کرتا ہوں، وہ ایسے امور ہیں جن کے لیے مجموعی طاقت کی ضرورت ہے، کسی ایک شخص کے کرنے کے نہیں ہیں اور وہ باتیں معمولی باتیں نہیں ہیں۔ اول یہ کہ یہ بات ظاہر ہے کہ مدارس اسلامیہ جسقدر ہیں سب کا مقصود ایک ہے، یعنی علم دین کے باغ کی آبیاری، یہ مختلف مدارس اس باغ کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں ہیں اور ان کے کارکن ان کے باغبان ہیں۔ تو جیسا کہ سب کا مقصود ایک ہے اسی طرح ان سب کی کوشش اور سعی بھی ایک طرز پر ہونی چاہیے۔" (ملخصاً)

یہ ایک ابتدائی تخیل تھا کہ تمام مدارس اسلامیہ کو ایک لڑی میں منسلک کر دیا جائے، مختلف الخیال علماء کا ایک مرکز پر متفق ہو جانا کتنا دشوار امر تھا۔ اس سلسلے میں مدرسہ امینیہ نے سب سے پہلی اور سب سے بڑی قربانی پیش کی۔ دارالعلوم دیوبند کا جلسہ دستار بندی جو ۱۳۲۸ھ میں منعقد ہوا، اس کے پوسٹر کی عبارت مندرجہ ذیل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتحاد مدارس کی تحریک مدرسہ امینیہ کی طرف سے اٹھائی گئی تھی۔

مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ التحصیل طلبہ کی مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے جلسہ میں دستار بندی

مدارس اسلامیہ کے اتحاد کا پہلا عملی نمونہ

مذکورہ بالا عنوان دونوں مدرسوں کے اتفاق کا دلکش نقشہ عنقریب ہمارے ان قوم و مذہب کے پیش نظر ہونے والا ہے، جن لوگوں کے پاک دل عرصے سے اتحاد و اتفاق کے مشتاق اور آنکھیں منظر اتحاد کی منتظر تھیں، انھیں ارکین مدرسہ دیوبند و مدرسہ امینیہ نہایت مسرت سے یہ مژدہ سناتے ہیں کہ مدرسہ دیوبند کے اس عظیم الشان جلسے میں جو ۶، ۷، ۸ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۷، ۱۸، ۱۹ اپریل ۱۹۱۰ء کو ہونے والا ہے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرور ہو جائیں گے۔ یہ جلسہ جس طرح اور خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہوگا اسی طرح اتحاد و اتفاق کے مبارک سلسلے کی ابتدا کرنے کے لحاظ سے بھی بے مثل و بے نظیر ہوگا۔ مدرسہ امینیہ دہلی جو خوبی تعلیم حسن انتظام کی جہت سے مدارس دہلی میں ایک ممتاز مدرسہ ہے، اس کے فارغ التحصیل طلبہ میں سے منتخب علماء کی دستار بندی اسی جلسے میں ہوگی۔ ارکین مدرسہ دیوبند تمام اہل اسلام اور بالخصوص ان حضرات کو جو خاص مدرسہ امینیہ سے دلچسپی رکھتے ہیں، مبارک باد دیتے ہوئے اس مسرت بخش جلسے میں شرکت ہونے کی دعوت دیتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ وہ قدوم میمنت لزوم سے جلسے کو عزت بخشیں گے۔

المکلف: - محمد احمد غفرلہٗ مہتمم مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہارنپور

(ابن حضرت مولانا محمد قاسم نور اللہ مرقدہٗ) ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ

مدرسہ اسلامیہ دیوبندی عربی ۱۲۹۶ مہر

مدرسہ امینیہ کے جن دس عدد فارغ التحصیل علماء کو دعوت دیکر اس جلسے میں بلایا گیا اور دستار بندی کی گئی، ان میں حافظ سید محمد حسین (ابن پیر جماعت علی شاہ) اور حضرت مولانا حافظ سید مہدی حسن صاحب (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) کا نام بھی ہے، یہ وہی جلسہ ہے جس کے بارے میں سید محمد میاں نے علمائے حق کے حصہ اول کے ص۱۳۰ پر صرف اتنا ریمارک کیا ہے کہ جمعیۃ الانصار کے نظام کو عام ذہنوں تک پہنچانے کے لیے مناسب سمجھا گیا کہ سب سے پہلے فارغ التحصیل ہی

پیرایہ مین اس کا ظہور ہوجو اس وقت کی سیاست کے لحاظ سے نہایت ہی مبصرانہ اقدام تھا۔

۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء مین جنگ بلقان کے مجروحین کے لیئے حضرت مفتی اعظم نے اور آپکے ساتھ طلبائے مدرسہ امینیہ نے چندہ جمع کیا طلبا نے چندہ مین کتابین کپڑے برتن وغیرہ بھی دے ڈالے، سامان جو چندہ مین جمع ہوا، اس کو حضرت نے خود بنفس نفیس جامع مسجد پر نیلام کیا، آپ کی کوشش سے جو چندہ جمع ہوا تھا، اس کی میزان تین ہزار آٹھ سو روپئے روپے آٹھ آنے نو پائی تھی۔

مسلمانون کی لیڈر شپ

حضرت شیخ الہند کی تحریک کا بنیادی مقصد ملک کو غیر ملکی حکومت سے آزاد کرانا تھا۔ طریقۂ کار اور اسکیم یہ تھی کہ پڑوسی حکومتون کو متحد کرکے ہندوستان پر حملہ کے ذریعہ انقلاب پیدا کیا جائے، مگر فضا اس کے لیئے مناسب نہ تھی، اس وجہ سے تمام کارروائی کو نہایت رازداری کے ساتھ انجام دیا کرتے تھے کام نہایت خطرناک اور خالص باغیانہ تھا، حکومت کی نظرین جانب دے رہی تھین۔ حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام نے سفر حجاز کا ارادہ فرمایا اور شوال ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء مین دیوبند سے روانہ ہوگئے . . . . شریف حسین حاکم حجاز انگریزون سے سازباز رکھتا تھا۔ اس نے آپ کو اور آپکے رفقاء کو گرفتار کرکے انگریزون کے حوالے کردیا۔ انگریزون نے آپ کو جزیرہ مالٹا مین لیجا کر قید کردیا۔

ادھر ہندوستان مین سیاست کا رخ بدل رہا تھا، ہندوون کے اندر سیاسی بیداری پیدا ہوچکی تھی، چونکہ قانون تحفظ ہند کے ذریعہ انگریزون نے مسلمانون کی قوت اور لیڈرشپ کو پاش پاش کردیا تھا، اس لیئے ملکی سیاست کی باگ ڈور کانگریس کے ہاتھ مین منتقل ہورہی تھی، ہندوستان کے مسلمانون کی سب سے بڑی سیاسی جماعت "مسلم لیگ" جو ۱۹۰۶ء / ۱۳۲۴ھ مین قائم ہوئی، اس کے مقاصد مین سے اولین مقصد پر غور فرمایئے۔

(۱) مسلمانان ہند کے دل مین برٹش گورنمنٹ کی نسبت وفادارانہ خیالات کو ترقی دینا اور گورنمنٹ کی کسی کارروائی کے متعلق ان مین جو غلط فہمی پیدا ہو اسے دور کرنا۔

(۲) مسلمانان ہند کے پولیٹکل حقوق و فوائد کی نگہداشت کرنا اور ان کی ضروریات و خواہشات کو مؤدبانہ طریقے سے گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنا۔

(۳) لیگ کے مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر مسلمانان ہند مین ایسے خیالات پیدا نہ ہونے دینا جو دوسرے فرقون کی نسبت معاندانہ ہون۔

۱۹۰۶ء / ۱۳۲۴ھ کے بعد سے اسی طرح اظہار وفاداری کرتے ہوئے، مسلمانون پر تقریباً ۱۰ برس کا زمانہ گذر گیا تھا، آخر ایک نئی صورت حال پیدا ہوئی، جنگ عظیم کے ختم ہونے کے بعد ۱۹۱۹ء مین انگریزی حکومت کے جبر و تشدد اور مقامات مقدسہ کی بیحرمتی اور ترکون کے ساتھ بدعہدی کی وجہ سے مسلمانان ہند مین سخت برہمی پیدا ہوئی، یہ بڑا نازک اور سیاسی تدبر کی آزمائش

وقت تھا۔ مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی صرف آئینی جدوجہد تک منحصر تھی، کسی قسم کا انقلابی قدم اٹھانے کے لئے نہایت احتیاط کی ضرورت تھی۔

جمعیۃ علماء ہند کا قیام و تاسیس

۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی، اور اس میں ہندوستان کے بہت سے علماء شریک ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم نے عملی طور پر نمایاں حصہ لیا۔ اس موقع پر آپ نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ اگر کسی سیاسی جماعت میں علماء انفرادی طور پر شریک ہوئے اور خدانخواستہ کوئی غیر محتاط قدم اٹھایا، تو سب سے زیادہ آفت علماء پر آئے گی، اس لئے پہلے علماء کو ایک مرکز پر جمع کرنا ضروری ہے، چنانچہ آپ نے خلافت کانفرنس کے دوران میں علماء کے ساتھ اس قسم کے مذاکرات شروع کر دیئے۔

آپ کے دل میں یہ خیال اس وقت سے موجزن تھا جب کہ مسلم لیگ کے گیارہویں اجلاس دسمبر ۱۹۱۸ء میں جو کرسنٹ تھیٹر مقام پچھر والا کنواں دہلی میں بصدارت اے کے فضل الحق منعقد ہوا تھا، علماء بہت بڑی تعداد میں شریک ہوئے تھے۔ اس جلسہ کے صدر استقبالیہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے خطبۂ استقبالیہ کا ملی حصہ حضرت مفتی اعظم نے تحریر فرمایا تھا۔ یہ خطبہ گورنمنٹ صوبہ متحدہ نے ضبط کر لیا تھا) آپ جب رسالہ شیخ الہند کی تالیف فرما رہے تھے اس وقت بھی آپ کی یہ خواہش تھی کہ شیخ الہند کی رہائی کیلئے جو کوشش کی جائے وہ ایسے پلیٹ فارم سے کی جائے، جو تمام علمائے ہندوستان کا مشترکہ پلیٹ فارم ہو۔

خوشکہ ان مذاکرات میں آپ کی رائے سے اتفاق کرنے والوں اور آپ کی پکار پر لبیک کہنے والوں میں اولین نام مولانا ابوالحسنات عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ اور مولانا آزاد سبحانی کے ہیں، خوشکہ اس معاملہ میں بہت جوش کے ساتھ تگ و دو کر رہے تھے۔

مختلف الخیال، مختلف المسالک اور مختلف العقائد علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا جس قدر ضروری تھا اس سے زیادہ دشوار تھا، نیز حالات کی نزاکت اور حکومت کی کڑی نگرانی انتہائی رازداری پر مجبور کر رہی تھی، اسکیم یہ تھی کہ اس مقصد کے لئے علماء کی ایک میٹنگ منعقد کی جائے۔ خلافت کمیٹی کا اجلاس سنگم تھیٹر متصل ایڈورڈ پارک دہلی (حال نیتا جی سبھاش پارک) میں ہو رہا تھا طے پایا کہ اجلاس ختم ہونے کے بعد صرف علماء کو اسی جگہ بلایا جائے چنانچہ حضرت مفتی اعظم کی ہدایت کے مطابق مولانا احمد سعید اور مولانا آزاد سبحانی نے تمام علماء کی قیام گاہوں پر جا کر چپکے چپکے سب کو بلا وا دیدیا، خطرہ یہ تھا کہ حکومت برطانیہ علماء کو کبھی ایک مرکز پر جمع نہ ہونے دے گی۔ اس سلسلے میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے اور ہر مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو۔ ۔۔۔ ملی رہنمائی کے لئے اختلاف عقائد کو نظرانداز کر کے ایک مرکز پر جمع ہو جانا بڑی مشکل بات تھی۔

یقینے جس روز ہونے والی تھی، اس روز صبح کو بعد نماز فجر بہت سے علماء درگاہ سید حسین رسول نما رحمۃ اللہ علیہ میں حاضر ہوئے اور دہلی کے اس مقدس بزرگ کے مزار کے قریب حاضر ہو کر یہ قول و قرار کیا کہ

"ہم جو واگو رنمنٹ کے خلاف ہماری کارروائیاں صیغۂ راز میں رہیں گی اور حکومت کی جانب سے جو سختیاں ہم پر کی جائیں گی، ان پر ہم ثابت قدم رہیں گے، نیز آپس میں عقائد کے اختلاف کو نہیں آنے دیں گے۔"

حضرت مولانا احمد سعید صاحب دام مجدہ جو اس معاہدے میں شریک تھے فرماتے ہیں :۔

یاد نہیں کہ اس عہد و پیمان میں کون کون حضرات شریک تھے، حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، مولانا آزاد سبحانی، مولانا منیرالزمان کی موجودگی تو یاد ہے، مگر ان کے علاوہ اور بھی حضرات تھے، مطبوعہ رپورٹ میں یہ سرگذشت نہیں لکھی گئی، کیونکہ اس وقت کے حالات کے پیش نظر ان باتوں کا شائع کرنا مناسب نہ تھا۔ میں نے درگاہ سید حسن رسول نما میں واپس آکر حضرت مفتی اعظم کو تمام کیفیت سنادی تھی۔"

اسی روز بعد نماز عشا میٹنگ ہوئی، اور جمعیۃ علماء ہند کا انعقاد عمل میں آیا، احتیاط اس قدر مدنظر تھی کہ کسی صاحب نے اثنائے گفتگو میں انگریزوں کے خلاف کوئی بات کہی تو مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بھی ذرا آہستہ کہئے، دیوار ہم گوش دارد۔ حضرت مفتی اعظم جمعیۃ کے صدر، اور مولانا احمد سعید صاحب ناظم بنائے گئے۔ اور اس کا سب سے پہلا دفتر مدرسہ امینیہ کے ایک کمرے میں قائم ہوا، اس طرح خاندان ولی اللّٰہی کی سیاسی تحریک از سرنو زندہ ہوئی، اور اس کا مرکز دہلی قرار پایا (مزید کیفیت رسالہ حالات انعقاد جمعیۃ علمائے ہند میں ملاحظہ فرمائیے)

صدارت کے لیے ہندوستان کے تمام علماء کا حضرت مفتی اعظم کی ذات والاصفات پر متفق ہو جانا اور مسلسل بیس برس تک متفق رہنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ ہی کا کردار اپنے تمام معاصرین (بلکہ اکابرین میں بھی) اعتدال اور مقبولیت کا درجہ رکھتا تھا۔ اور یہ خصوصیت و جامعیت عظمت و کرامت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد آپ ہی کو حاصل ہوئی تھی۔ آپ کی رہنمائی میں جمعیۃ علمائے ہند نے ملکی سیاست میں جو اہم کردار پیش کیا، یہاں اس کی تفصیلات کی گنجائش نہیں۔

نجی زندگی و خانہ داری

آپ کی پہلی شادی اس وقت ہوئی تھی، جب کہ آپ مدرسہ عین العلم میں مدرس تھے، زوجۂ اوّل سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، اگرچہ یہ دونوں بچے خوردسالی فوت ہو گئے، اور کچھ دنوں کے بعد زوجۂ محترمہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد دوسری شادی ہوئی، اور ان سے سات اولادیں ہوئیں، جن میں سے ہم دو بھائی اور دو بہنیں بقید حیات

ہیں۔ دہلی میں جب آپ نے اپنی زوجۂ محترمہ کو لانے کا ارادہ کیا تو بارہ دری شیر افگن خان میں کرایہ پر مکان لیا۔ اس کے بعد حویلی اعظم خان میں متعدد مکان تبدیل کئے۔ کرایہ کے مکانوں میں سب سے آخری مکان کوچہ فولاد خان گلی مدرسہ شاہ عبدالعزیزؒ میں لیا تھا۔ اس میں آپ ۱۳۳۱ھ سے ۱۳۴۲ھ تک رہے، اسی دوران میں کوچۂ چیلان میں ایک مکان خرید لیا تھا۔ ۱۳۴۳ء میں کچھ ذاتی مکان کچھ تعمیری تغیر و تبدل کر کے منتقل ہو گئے۔ ۱۳۴۴ھ میں آپ نے ایک تجارتی کتب خانہ اپنے ایک مخلص شاگرد مولوی حافظ عبدالغنی کی شرکت میں قائم کیا تھا۔ یہ کتب خانہ جس کا نام **کتب خانہ رحیمیہ** ہے اب بھی اردو بازار دہلی میں موجود ہے۔ اور اس میں آپ کے اور مولوی عبدالغنی مرحوم کے ورثا اپنے اپنے حصوں کے مطابق شریک ہیں۔

متفرق حالات و خدمات

مؤتمر حجاز

جب حجاز سے شریف حسین کی عملداری کو سلطان ابن سعود نے ختم کر دیا تو دنیائے اسلام کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد کرنے کی تجویز ہوئی۔ یہ مؤتمر عالم اسلامی مورخہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ کو مکہ معظمہ میں شریف شرف عدنان کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اور اس میں تمام ممالک اسلامیہ کے منتخب وفود شریک ہوئے تھے، جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے بھی آپ کی صدارت میں وفد بھیجا گیا۔ آپ نے سلطان ابن سعود سے مطالبہ کیا کہ مؤتمر میں حجاز کے لئے حکومت کی تشکیل کا مسئلہ بھی زیر بحث آنا چاہئے، چنانچہ یہ مسئلہ ایجنڈے میں شامل کر لیا گیا۔ سبجکٹ کمیٹی کے لئے جو ارکان منتخب کئے گئے۔ ان میں مفتی اعظم فلسطین کے بعد آپ ہی کا نام تھا۔ مؤتمر میں آپ نے بہت سی تجاویز پیش کیں اور کارروائی میں بہت زیادہ حصہ لیا۔

ایک ملاقات میں سلطان ابن سعود سے آپ نے کہا کہ اگر آپ کو مدینہ منورہ میں بھی وہی کرنا تھا، جو مکہ معظمہ میں ہوا تو دنیائے اسلام سے وعدہ کیوں کیا تھا کہ ہم مؤتمر اسلامی کے فیصلے تک مدینہ منورہ میں کوئی قابل شکایت کام نہیں کریں گے۔ سلطان نے کچھ تامل کے بعد جواب دیا کہ میری قوم کے پانچ ہزار آدمیوں نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں مقابر و مآثر کو منہدم نہ کروں گا تو وہ خود چڑھائی کر کے یہ کام کریں گے۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا وہ مجھ سے بھی زیادہ تخریب کریں، اس لئے میں نے ان کا مطالبہ پورا کیا۔ آپ نے جواب میں کہا کہ کیا آپ کو اپنی قوم کا حال معلوم نہ تھا؟ جب آپ ان کی وحشت و بربریت کو جانتے تھے اور اعلان ملوکیت کے وقت تجربہ بھی کر لیا تھا تو آپ نے اس قسم کا وعدہ کیوں فرمایا؟ سلطان تو سٹپٹا کر لاجواب ہو گئے ایک مصاحب نے کہا جلالۃ الملک نے یہ سوچا تھا کہ میں اپنی قوم کو سمجھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کس طریقہ پر سمجھا لینے کی امید تھی؟ دلیل و حجت سے؟ یا قوت سے؟ اس پر تمام حاضرین لاجواب ہو گئے۔

مؤتمر فلسطین

جب برطانیہ نے فلسطین کو تقسیم کیا اور ایک حصے میں یہودیوں کی حکومت قائم کردی تو فلسطین کے عربوں میں سخت ہیجان واضطراب برپا ہوا۔ اس سلسلے میں جمعیۃ علمائے ہند نے بھی مجلس تحفظ فلسطین قائم کی تھی، شہد نے فلسطین کے لیے چندہ جمع کیا۔ اور ۲۶ اگست ۱۹۳۸ء کو تمام ہندوستان میں تقسیم فلسطین کے خلاف مظاہرہ کیا گیا، اس کے بعد برطانیہ نے قاہرہ میں عالم اسلامی کے نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز کی، یہ کانفرنس "مؤتمر البرلمانیۃ المصریہ للدفاع فلسطین" کے نام سے مشہور ہے، مورخہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کو یہ مؤتمر قاہرہ میں علی علوبہ پاشا کی صدارت میں منعقد ہوئی، جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے اس کی شرکت کے لیے حضرت مفتی اعظم کی صدارت میں وفد بھیجا گیا تھا۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ اس میں تمام عالم اسلامی کے تقریباً ساڑھے تین ہزار منتخب نمائندے شریک تھے۔ اور صدر کے دائیں جانب مفتی اعظم ہند کی کرسی رکھی گئی تھی، اور اس کی سبجکٹ کمیٹی میں بھی آپ کا نام رکھا گیا تھا۔ آپ نے اپنے بیان میں فرمایا تھا کہ اگر خدانخواستہ فلسطین کے عرب تقسیم فلسطین پر راضی ہو بھی جائیں، تب بھی ہم ہندوستانی کبھی اس پر راضی نہ ہوں گے۔ اور اپنی جدوجہد برابر جاری رکھیں گے۔ آپ کی علالت کی وجہ سے آپ کا تحریری بیان مولانا عبدالحق صاحب مدنی نے پڑھا تھا۔

آزادیٔ ہند کی تحریک

ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں آپ دو مرتبہ گرفتار ہوئے پہلی مرتبہ ۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں قانون تحفظ امن عامہ اور بغاوت کے جرم میں ۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۰ء مطابق ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ کو اپنے دولت خانے واقع کوچہ چیلاں صبح کے چار بجے گرفتار کیے گئے، اور ڈسٹرکٹ جیل گجرات میں بھیج دیئے گیے۔ ۶ ماہ قید بامشقت اور اے کلاس دی گئی۔

دوسری گول میز کانفرنس دسمبر ۱۹۳۱ء کی ناکامی کے بعد دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک جاری ہوئی، اس موقع پر آپ کو جمعیۃ علمائے ہند کا پہلا ڈکٹیٹر بنایا گیا تھا۔ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں آپ کو آزاد پارک (عقب ٹاؤن ہال) کے جلسے میں گرفتار کیا گیا۔ ۱۸ ماہ قید بامشقت اے کلاس کا حکم سنا کر نیو سنٹرل جیل ملتان بھیج دیا گیا۔

دم واپسین

۲۶ر شوال ۱۳۵۰ھ کو آپ نے مدرسہ امینیہ کے انتظام کے بارے میں جو ہدایات جاری کی تھیں اس کی تمہید مندرجہ ذیل ہے:۔

چونکہ مذہب کی آزادی وطن کی آزادی کے ساتھ وابستہ ہے، اور اس کے لیئے جد وجہد کرنا میں اپنا مذہبی فرض سمجھتا ہوں اور اس فریضے کی ادائیگی کے جرم میں مجھے توقع ہے کہ گرفتار کر لیا جائے گا، اس لیئے مدرسہ امینیہ کی ان ذمہ داریوں کو جو میرے اوپر میں پیش نظر رکھ کر میں نے حسب ذیل انتظام کر دیا ہے تاکہ میری اسیری کے زمانے میں مدرسے کے کام میں کوئی خلل نہ آئے اور حقیقی محافظ ان دمہ داریوں کا تو رب العزت ہے"

یہ مجاہدین ملت اور شہیدان وطن کا خواب تھا۔ افسوس کہ آزادی وطن کے بعد بھی اس کی تعبیر پوری نہ ہوئی۔ اپنی زندگی میں انھوں نے حصول مقصد کے لیئے کیا کیا آفتیں جھیلیں۔ لیکن دنیا سے کوچ کرنے سے پہلے خون کی ندیاں گلی کوچوں میں بہتی ہوئی دیکھ گئے۔

آپ تقریباً دس برس سے گوشہ نشین تھے، جلسوں اور پبلک اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے تھے، آزاد آباد کے ہندی اخبار "امرت بازار پتریکا" نے حب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی اور اس کے خلاف احتجاج کے طور پر ۱۳ اگست ۱۹۵۲ء کو جامع مسجد دہلی کے سامنے جمیعۃ العلما کے اہتمام سے جلسہ ہوا۔ اس کی صدارت آپ ہی نے فرمائی تھی یہ دس برس کی گوشہ نشینی کے بعد پہلی اور آخری صدارت تھی۔

اس کے بعد ہی سے آپ کو بخار اور ورم جگر کی شکایت شروع ہوئی۔ ساڑھے چار ماہ کی علالت کے بعد ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء مطابق ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ کو بوقت شب اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور مہرولی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے احاطے کے قریب دفن کیئے گئے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا آپ کی عظیم الشان زندگی کے چند پہلوؤں پر ہلکی سی روشنی ڈالنے کے لیئے مختصر کوشش تھی۔ پھر بھی افسوس ہے کہ مضمون کافی طویل ہو گیا ہے۔ اس لیئے اب آپکے چند ممتاز شاگردوں کا مختصر تذکرہ (اپنے وعدے کے مطابق) عرض کرتا ہوں۔

آپکے چند تلامذہ

مولوی محمد حسین صاحب راندیری:۔ راندیر میں جامعہ حسینیہ آپ کا ہی قائم کیا ہوا ہے۔ یہ مدرسہ صوبہ بمبئی کا مشہور اور نیک نام دینی مدرسہ ہے۔ آپ کے انتقال کے بعد مدرسے کا انتظام آپ کے بڑے بھائی مولوی حکیم محمد ابراہیم نے سنبھالا۔ آپ بڑے جید عالم اور متقی و پاکباز بزرگ تھے۔

مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیری:۔ آپ مولوی محمد حسین بانی مدرسہ حسینیہ کے بڑے بھائی تھے ان دونوں بھائیوں کی وجہ سے گجرات میں علاقہ میں علوم اسلامیہ کو بہت فروغ ہوا۔ عمر بھر دین کی اور حدیث کی خدمت میں مشغول رہے ۱۳۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اب آپ کے فرزند مولوی محمد سعید صاحب مدرسہ حسینیہ کے مہتمم ہیں۔

مولوی حافظ محمد یٰسین صاحب سکندر آبادی رامپوری۔ آپ اصل میں سکندر آباد ضلع بلند شہر کے باشندے تھے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ دنوں مدرسے ہی میں پڑھاتے رہے۔ پھر آپ کو حضرت مفتی اعظم نے رامپور بھیج دیا۔ وہاں آپ نے مدرسہ اسلامیہ قائم کیا جو صوبہ متوسط کا بیاب دینی مدرسہ ہے۔ آپ نہایت جید عالم اور خوش الحان قاری تھے۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب کے ولیں استاذ وں میں سے تھے، عادات و خصائل اور اخلاق میں اپنے شیخ حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ سے بہت مشابہ تھے، جمعیۃ علما نے صوبہ متوسط کے صدر بھی تھے ۱۳۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ مدرسے کا انتظام آپ کے شاگردوں کے ہاتھ میں ہے۔

مولوی عبدالعزیز صاحب جنیدوی۔ ریاست جنید (مشرقی پنجاب) میں آپ نے درسگاہ عزیزیہ کے نام سے دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔ جس کے سرپرست مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند تھے۔ مشرقی پنجاب میں آپ کی وجہ سے اور آپ کی برکت کی بدولت ہزار ہا مسلمانوں کو فیض پہنچا۔ اور جو لوگ صرف نام کے مسلمان تھے آپ کے فیض و توجہ سے پکے باعمل مسلمان بن گئے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے مولوی عبدالحلیم تمرنے (جو مدرسہ امینیہ کے تعلیم یافتہ تھے) درسگاہ عزیزیہ کا انتظام سنبھالا تھا۔ افسوس کہ ۱۹۴۷ء کے خونیں انقلاب میں آپ کا سارا خاندان شہید ہو گیا۔

مولوی سید داؤد علی نصیر آبادی۔ اجمیر کے علاقہ میں آپ کے وعظ و نصائح سے بہت فیض پہنچ رہا ہے۔ آپ اس علاقہ کی جمعیۃ علماء کے صدر بھی ہیں۔

مولوی محمد شفیع صاحب ملتانی۔ ملتان میں علوم نبویہ کی تعلیم و اشاعت میں مشغول ہیں۔ آپ نے ایک مدرسہ قاسم العلوم کے نام سے قائم کیا ہے جس کے مہتمم بھی آپ خود ہی ہیں۔ بے انتہا شریف الطبع اور اسلامی تہذیب و اخلاق کا نمونہ ہیں۔ اپنے استاد حضرت مفتی اعظم کے مخلص خادم اور سچے عاشق ہیں۔ آپ کا مدرسہ ملتان میں سب سے عمدہ معیار کا مدرسہ ہے جب حضرت مفتی اعظم ملتان کے نیوسنٹرل جیل میں اسیر فرنگ تھے اور حضرت کے احباب و عقیدتمند جو ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر مولانا موصوف کے ہی مکان پر قیام کرتے تھے۔ اور آپ فراخدلی کے ساتھ مہمان نوازی کرتے تھے۔

مولوی حافظ خدا بخش صاحب مظفر گڈھی دہلوی:۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد طویل مدت تک مدرسہ امینیہ میں ہی مدرس رہے اور حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم کا درس دیتے رہے۔ اب پاکستان میں ایک مدرسے میں شیخ الحدیث و مہتمم ہیں، بڑی ٹھوس قابلیت کے مالک ہیں۔ اور تمام علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے مقرر اور مشہور مناظر ہیں۔ دلی میں آپ انجمن سیف الاسلام کے اور مدرسہ امینیہ کے انجمن اصلاح الکلام کے صدر تھے۔ (انجمن اصلاح الکلام ۱۳۲۸ھ میں حضرت مفتی اعظم نے قائم کی تھی)

مولوی مفتی محمد صالح رنگونی:۔ آپ نے رنگون میں دار التبلیغ کے نام سے ایک اسلامی ادارہ قائم کیا ہے۔

برمی زبان مین اسلامی لٹریچر کے ترجمے شائع کر رہے ہین۔ آپ خطیب اور مفتی بھی ہین۔ برما مین آپ کی وجہ سے علوم اسلامیہ و احکام شرعیہ کی کافی نشر و اشاعت ہو رہی ہے۔

مولوی مفتی محمد بن صالح رانديری: - آپ جامع مسجد رنگون کے خطیب اور مفتی ہین۔ علم افتا مین خاص طور پر حضرت مفتی اعظم سے فیض حاصل کیا ہے۔ آپ کی علمی قابلیت برما مین ممتاز درجہ رکھتی ہے۔

مولوی مفتی اسمٰعیل محمد بسم اللہ ڈابھیلی۔ آپ علاقہ گجرات کے مشہور مفتی اور مرجع خلائق عالم ہین اہل علم اور علم دوست ہین۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل۔ جو مولانا محمد انور شاہ اور آپ کے رفقاء نے قائم کیا تھا، آپ اس کے کافی عرصہ تک مہتمم تھے، اب جامعہ کے خاص مفتی ہین

مولوی علیم محمد قاسم سورتی۔ آپ ہندوستان کے چند حاذق طبیبون مین سے ہین۔ آپ کی حذاقت اور مہارت فن پورے صوبۂ بمبئی مین شہرۂ آفاق و مسلم ہے، آپ کا مطب کامیاب مطب ہے۔ جس مین روزانہ ڈیڑھ سو مریض دور دور سے سفر کر کے حاضر ہوتے ہین اور شفایاب ہوتے ہین۔ جید عالم، علم پرور منکسر المزاج با اخلاق انسان ہین۔ خاص طور پر اپنے اساتذہ کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت کا جذبہ رکھتے ہین۔

مولوی حافظ عبدالرحیم صاحب صادق رانديری: - علاقہ گجرات مین آپ کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کو بہت ترقی اور فروغ حاصل ہوا ہے۔ آپ بہت عرصے سے اسلامی لٹریچر کو گجراتی زبان مین منتقل کر رہے ہین۔ اور شائع کر رہے ہین۔ آپنے گجراتی زبان مین قرآن شریف کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ جو شائع ہو چکا ہے۔

مولوی مفتی ضیاء الحق دہلوی: - آپ دہلی کے نوجوان علماء مین سے ہین، خوش بیان مقرر، درد مند ہین، حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کے آخری دور کے خاص عزیز خدام مین سے ہین، مدرسہ امینیہ مین درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہین۔ حضرت مفتی اعظم کی وفات کے بعد کچھ عرصے تک آپ حضرت کی جگہ پر افتاء کی خدمت بھی انجام دیتے رہے ہین۔ اب دار الافتائے جمعیۃ علماء کے صدر مفتی ہین۔

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا حافظ محمد اعزاز علی صاحب۔ آپ نے حضرت مفتی اعظم سے مدرسہ عین العلم شاہجہانپور مین ابتدائی کتابین پڑھی ہین۔ پھر ان حضرت نے آپ کو تحصیل علم کے لئے دار العلوم دیوبند بھیجا تھا۔ حضرت شیخ الہند سے آپ نے حدیث پڑھی۔ آپ کافی عرصہ تک دار الافتاء دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی بھی رہے ہین۔ اور آج کل ناظم تعلیمات اور حدیث و فقہ کے استاذ ہین۔ آپ کے تبحر علمی اور فضل و کمال کے بارے مین کچھ لکھنے کی جرأت کرتا ہون۔ مگر سوچتا ہون تو آپ کی شان کے لائق الفاظ نہین ملتے۔ دار العلوم دیوبند کے اساتذہ مین حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے بعد آپ کا درجہ مسلم ہے۔ آپ کی سوانح عمری تذکرۃ الاعزاز کے نام سے شائع ہو چکی ہے، حضرت مفتی اعظم کی وفات

پر آپ کو بہت صدمہ ہوا تھا۔ آپ کے تاثرات اس مقالہ سے ظاہر ہوتے ہیں جو الجمعیۃ اخبار کے مفتیٔ اعظم نمبر میں شائع ہوا تھا، اس میں ایک مقام پر آپ تحریر فرماتے ہیں۔

مجمع میں تو بے شک مولانا اعزاز علی یا مولانا کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ مگر تنہائی میں اعزاز علی یا زیادہ سے زیادہ مولوی اعزاز علی فرمایا کرتے تھے، میرے لئے اب کوئی ایسا نہ رہا کہ شفقت آمیز لہجہ میں اعزاز علی یا مولوی اعزاز علی کہے۔ ہائے اچھا سا سہارا نہ رہا۔ ہم غریبوں کا سہارا نہ رہا"

مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب، شاہجہان پوری: مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت مفتیٔ اعظم نے آپ کو سورت میں بھیجدیا تھا۔ آپ طویل عرصے تک وہاں احکام الٰہی کی ترویج و اشاعت فرماتے اور افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے۔ تفقہ فی الدین میں حضرت مفتیٔ اعظمؒ کے بعد آپ کا درجہ مسلّم ہے۔ آجکل دار الافتاء دیو بند کے صدر مفتی ہیں۔ آپ کا دستر خوان بھی حضرت شیخ الاسلام کے دستر خوان کی طرح وسیع ہے۔ زاہد و متقی اور صاف گو اور اظہار حق میں بیباک ہیں۔

مولانا سحبان الہند حافظ احمد سعید صاحب دہلوی۔ آپ غیر منقسم ہندوستان کے مشاہیر علماء اور صف اوّل کے رہنماؤں میں سے ہیں۔ حضرت مفتیٔ اعظم کے بڑے عزیز شاگرد اور ابتدائی رفیقوں میں سے ہیں۔ مطالب قرآن پر آپ کو بڑا زبردست عبور حاصل ہے۔ فارغ التحصیل ہونے سے پہلے بھی آپ خوش بیان واعظ اور مقرر تھے اور آج تک وعظ و تقریر و ترجمہ کا شغل جاری ہے۔

آپ کا وطن دہلی (کوچہ ناہرخان) ہے۔ تاریخ پیدائش ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ والد کا نام حافظ نواب مرزا ہے، آپکے والد زینت المساجد میں امام اور مدرس قرآن تھے، آپنے ابتدائی تعلیم مولوی عبد المجید مصطفےٰ آبادی سے اور عربی کی ابتدائی تعلیم مولوی قاری محمد یٰسین سکندر آبادی رامپوری سے حاصل کی۔ پھر ۱۳۲۵ھ میں مدرسہ امینیہ میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔

سیاسی تحریکات میں آپ کو آٹھ مرتبہ قید و بند کی تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ گجرات جیل اور ملتان جیل میں حضرت مفتیٔ اعظم کے ساتھ رہے ہیں، جمعیۃ علمائے ہند کے قیام کے وقت سے لیکر بیس برس تک اس کے ناظم اعلیٰ رہے اور اب اس کے نائب صدر ہیں۔ قومی خدمات میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ اور ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد سے تو زیادہ وقت انہیں مشاغل میں گذرتا ہے۔ قرآن حکیم کا ترجمہ بھی لکھ رہے ہیں۔ جس کے کچھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔ آج کل آپ مدرسہ امینیہ کے مہتمم ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبد الغنی پٹیالوی شاہجہان پوری۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ وطن اصلی ڈسکہ (پٹیالہ) والد کا نام مولوی جلال الدین بن مولوی فتح محمد خان۔ آپ کے

دادا مولوی فتح محمد خان عربی میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اور فارسی میں مولانا امام بخش صہبائی کے شاگرد تھے۔ تقریباً ایک سو پندرہ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

آپ نے ابتدائی کتابیں اپنے دادا سے پڑھیں۔ پھر تقریباً پندرہ برس کی عمر میں دہلی آئے مولوی جمال الدین جو مدرسہ امینیہ میں حدیث پڑھتے تھے ان سے صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ پھر ۱۳۲۵ھ میں مدرسہ امینیہ میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کی اور ۱۳۳۲ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ اپنے ہم جماعتوں میں ممتاز ترین ذکی و فہیم طالب علم تھے۔ دوران تعلیم میں ہی معقولات کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک سال تک مدرسے میں پڑھایا، پھر حضرت مفتی اعظم نے آپ کو مدرسہ عین العلم شاہجہان پور کا صدر مدرس بنا کر بھیج دیا۔

شاہجہانپور کو آپ نے اپنا وطن بنا لیا۔ اور وہیں آپ کی شادی ہوئی، آپ کے اہل و عیال بھی وہیں رہتے ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادے مولوی عبد الحئی اسلامیہ کالج شاہجہانپور میں پرشین ٹیچر ہیں۔ حضرت مفتی اعظم نے اپنے مرض وفات میں (جب کہ مدرسہ کے لئے ایک مدرس کی ضرورت تھی) آپ کو بلا لینے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ مدرسہ عین العلم میں ۴۴ برس حضرت مفتی اعظم کے حکم کے مطابق درس دینے کے بعد آپ یکم ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ کو مدرسہ امینیہ دہلی میں تشریف لے آئے۔ اب آپ ہی شیخ الحدیث و صدر مفتی ہیں۔

آپ نہایت خاموش طبیعت، تنہائی پسند، گوشہ نشین متبع سنت ہیں، اور بہت ہی سیدھی سادی طبیعت رکھتے ہیں، بہت کم بولتے ہیں لیکن درس میں بڑی مبسوط اور عالمانہ تقریر ہوتی ہے۔ تمام علوم و فنون پر حاوی اور ٹھوس قابلیت کے مالک ہیں۔ جس علم میں گفتگو فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاص اسی علم کے امام ہیں۔ تبحر علمی اور جامعیت کمالات میں حضرت مفتی اعظم کے پرتو اور نمونہ ہیں۔

خاتمۂ کلام:

الحمد للہ کہ اللہ کا دین خالص محفوظ ہے۔ اور ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ قال اللہ عز و جل۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ اے شاہ عبد العزیز کی دلی کے رہنے والو! تمہاری غفلت اور قدر ناشناسی کے باوجود نہ معلوم اللہ کو تمہاری کون سی ادا پسند ہے۔ کہ یہ دولت تم سے سلب نہیں کی گئی۔!

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

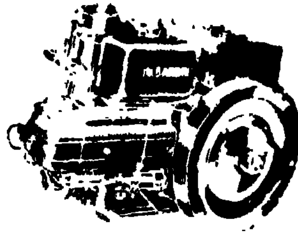
اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
(اقبالؒ)
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے، اسے دین کا علم عطا فرماتا ہے۔

لومباردی کے

ہوریزنٹل ڈیزل انجن

TYPE LD 90HP



TYPE 120B

ایچ ایم جی جرمن ڈیزل انجن کے الیکٹرک موٹر، پمپ

الٹرنیٹرس، ریفریجیٹر وغیرہ کی ایجنسی کے لئے

مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت

کیجئے :-

دی انٹرسینز ٹریڈنگ اینڈ انجینیرنگ کمپنی لمیٹڈ

نمبر ۵ محمد علی روڈ۔ بمبئی نمبر ۳

تار کا پتہ :- Enginemen   فون 70532

ڈاکٹر عبدالحق

جنوبی ہند میں اسلامی تعلیم اور مسلمانوں کی علمی ترقی کا ہیرو

تاریخ ہند

کے

تین عبدالحق

ایک عبدالحق محدث دہلوی

دوسرے عبدالحق بابائے اردو

تیسرے عبدالحق مدراسی

اسلامی مفکر اور ماہر تعلیم

از جناب سید فقیر پاشا صاحب قادری ایم اے، اردو لیکچرر عثمانیہ کالج کرنول

افضل العلماء خان بہادر الحاج ڈاکٹر عبدالحق صاحب قبلہ ہندوستان کی ان چند مایۂ ناز ہستیوں میں سے ہیں جن کا علم و ادب، ذہانت و راست بازی، حق گوئی اور اخلاقی جرأت آنے والی نسلوں کے لئے ایک گراں قدر عطیہ ثابت ہوگی۔ آپ کے ہمعصر آپ کی اعلیٰ قابلیت کا لوہا مانتے ہیں اور سارے ابنائے وطن بلالحاظ مذہب و ملت آپ کی پرخلوص خدمات کا دل سے احترام کرتے ہیں۔ بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ آپ ہندوستان کے ان مشاہیر سے ہیں جن کے نام اور کام دونوں اس ملک کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

آپ شمس العلماء الحاج مولانا محمد عمر صاحب مرحوم بانی اسلامیہ عربیہ کالج کرنول کے فرزند رشید ہیں۔

آپ بچپن ہی سے بڑے ذکی اور ذہین تھے لڑکپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار سے عربی فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔ نوتھ فارم ہی سے عمدہ اور اہم مضامین لکھنے کے عادی ہو چکے تھے آپ نے صرف مذہبی تعلیم کی طرف توجہ فرمائی بلکہ انگریزی تعلیم بھی کافی شوق اور دلچسپی سے حاصل کی چنانچہ آپ نے میٹرک کا امتحان میونسپل ہائی اسکول کرنول سے امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا اعلیٰ تعلیم کے لئے مدراس تشریف لے گئے۔ کالج میں سیٹ حاصل کرنے کے لئے آپ کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔ کہیں اور کالج میں آپ کو جگہ نہیں دی گئی۔ خوش قسمتی سے اسی سال گورنمنٹ کی جانب سے محمڈن کالج کھولا گیا۔ اسی کالج میں آپ کو جگہ مل گئی۔ آپ نے ۱۹۲۲ء میں اسی کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں افضل العلماء اور ۱۹۲۴ء میں ایم اے کی ڈگریاں مدراس یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ یونیورسٹی امتحانات سے فارغ ہو کر آپ اپنے قدیم گورنمنٹ محمڈن کالج ہی میں عربی فارسی اور اردو کے پروفیسر بن گئے۔

۱۹۲۸ء میں آپ ہی کی سرپرستی میں کالج کی اردو سوسائٹی کا سہ ماہی رسالہ "سفینہ" جاری ہوا جس میں سات سال تک طلبا اور اہل علم کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

۱۹۲۶ء میں لندن کے اور ۱۹۳۰ء میں آکسفورڈ سے ڈی فل کی ڈگری حاصل کر کے مراجعت فرمائے ہند ہوئے اس سلسلہ میں یہ بتانا ضروری ہے کہ آپ کی ریسرچ مقید کے ایک قدیم شاعر سے متعلق تھی جس کا نام ابن سناء الملک ہے ڈاکٹر صاحب کو سیر و سیاحت کا بہت شوق ہے چنانچہ آپ نے انگلستان، اسپین، جرمنی، اطالیہ، ترکی اور مصر کی سیاحت کی۔

۱۹۳۹ء میں آپ اپنی مادر علمی گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس کے پرنسپل بنائے گئے۔ آپ کے سات سالہ دور میں کالج کو کافی ترقی نصیب ہوئی۔ آپ نے جب اس کالج کی پرنسپلی کا چارج لیا تو طلبا کی تعداد دو سو سے بڑھ کر آٹھ سو ہو گئی۔ آپ کے اخلاق نے کالج کے اساتذہ، طلباء اور کارکنوں کے تعلقات پر بہت ہی خوشگوار اثر ڈالا جس کی وجہ سے شاندار اور کامیاب تقریبات کالج میں ہوتی رہیں۔ آپ کے دور میں کالج کی عمارتوں کی توسیع ہوئی سائنس کے سب اسباق میں بی۔ ایس سی کی جماعتیں کھولی گئیں۔ انٹرمیڈیٹ۔ بی اے اور بی اے آنرز میں تاریخ اسلام کا مضمون ایجاد کیا گیا عربی کی پروفیسری تو پہلے ہی سے تھی لیکن بعد کو آپ نے اردو کی پروفیسری کی بھی منظوری حکومت سے لے لی۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے حکومت کو اس بات پر راضی بھی کر لیا کہ کالج میں ایم۔ ای ایس کے جتنے بھی پوسٹ ہوں گے ان پوسٹوں پر مسلمان ہی مقرر کئے جائیں۔ یہ اس لئے کہ یہ کالج محض مسلمانوں کے لئے ہے اور اس میں مسلمان ہی پروفیسر بنے رہیں۔

آپ کے زمانہ میں کالج کی سوشیل زندگی بڑی پر لطف رہی آپ کے برتاؤ اور سلوک سے پروفیسر صاحبان بھی خوش

اور طلبا بھی ہشاش بشاش تھے۔ ہر جلسہ میں اساتذہ اور طلبا کا باہمی اتفاق رہتا تھا جلسے عام طور پر بہت ہی شاندار اور کامیاب ہوتے تھے۔

۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر صاحب قبلہ کی پرنسپلی ہی کے دور میں محمڈن کالج کی سلور جوبلی کا موقعہ آیا ڈاکٹر صاحب کو خیال ہوا کہ کالج کی سلور جوبلی شاندار پیمانے پر منائی جائے اور اسی کے ساتھ اسلامی تمدن و تہذیب کی ایک عمدہ نمائش بھی منعقد کی جائے چنانچہ آپ نے ایک سال قبل ہی سے ان چیزوں کی تیاری شروع کر دی، نمائش کے لئے آپ نے بڑی جدوجہد کی۔ اسلامی تمدن و تہذیب کی عمدہ اور بہترین چیزیں پرنس آف آرکاٹ، نواب آف بھوپال۔ نواب آف رام پور، دلی، لکھنو اور مدراس کے قدیم گھرانوں، حیدرآباد کے جاگیرداروں سے جمع کیں۔ اس نمائش میں مسلمانوں کے تمدن و تہذیب کی ہر چھوٹی بڑی چیز موجود تھی۔

کالج کی پوری عمارت نمائش کی چیزوں سے آراستہ و پیراستہ کی گئی تھی ایک ایک کمرہ میں ایک ہی قسم کی چیزیں تاریخی لحاظ سے ترتیب دیگئی تھیں اور ان اشیاء کے نقشہ جات بھی تیار کرا کے کمروں میں آویزاں کئے گئے تھے اس شاندار اور بے نظیر نمائش میں بیسیوں ہزار کا مال موجود تھا۔

مدراس کے گورنر سر آرتھر ہوپ دو مرتبہ اس نمائش میں تشریف فرما ہوئے اور اس کی ہر چیز کو بڑی حیرت سے معائنہ فرمائی اور بڑی تعریف و توصیف فرمائی۔ بہتوں کا یہ کہنا ہے کہ ایسی اسلامی تمدن و تہذیب کی بہترین نمائش ہندوستان بھر میں کبھی اور کہیں نہ ہوئی ہوگی اور یہ نمائش اپنی آپ نظیر بن کے رہ گئی۔ نمائش کی شاندار کامیابی کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کو پبلک کی جانب سے سپاسنامے پیش کئے گئے اور گورنمنٹ سے خطاب ملا۔

۱۹۴۶ء میں مدراس یونیورسٹی کے کیریکولم میں ڈاکٹر صاحب نے ایک نئے امتحان کی بھرتی کرائی جس کا نام انٹرنس ٹیسٹ ٹو انٹرمیڈیٹ گروپ ڈی ہے۔ جو افضل العلماء، یا منشی فاضل یا ادیب فاضل کے امتحان داخلہ میں چالیس فی صدی اور میٹرک کے انگریزی پرچوں میں پینتیس فیصدی نمبر حاصل کریں گے وہ مدراس یونیورسٹی کی انٹرمیڈیٹ جماعت میں داخل ہوسکیں گے لیکن وہ اپنے اختیاری مضامین کے تحت صرف افضل العلماء یا منشی فاضل یا ادیب فاضل کے ابتدائی نصاب پڑھ سکیں گے اس قانون کی منظوری سے وہ طلبا جو صرف انگریزی عربی یا فارسی یا اردو میں کامیاب ہیں کالج میں بآسانی داخل ہوسکتے ہیں۔ انٹرمیڈیٹ میں انگریزی کے صرف تین پرچے عربی یا فارسی یا اردو کے چھ پرچے ہوں گے۔ انٹرمیڈیٹ کی کامیابی کے بعد طلبا مضمون کے چناؤ کے بارے میں آزاد ہیں سوائے سائنس کے مضامین کے کوئی مضمون ہی کیوں نہ ہو وہ اس کو اپنا اختیاری مضمون بنا سکتے ہیں۔ اس نئے انٹرنس ٹیسٹ سے بہت سے مسلمان طلبا مستفید ہو رہے ہیں۔

تاریخ اسلام کی تعلیم:۔ اسی سال مدراس یونیورسٹی کیریکولم میں صاحب موصوف نے "تاریخ اسلام"

کسی کی پیشانی پر اچھائی یا برائی تحریر نہیں ہوتی

کا مضمون بھی شامل کروادیا۔ آپ کو ایک مدت سے اس کا خیال تھا کہ جب انڈین ہسٹری، گریک ہسٹری، رومن ہسٹری، ماڈرن ہسٹری، برٹش ہسٹری وغیرہ بحیثیت اختیاری مضامین یونیورسٹی کیرکولم میں شامل ہیں تو کیوں نہ تاریخ اسلام بھی ایک اختیاری مضمون بن جائے۔ وقت کا انتظار تھا۔ آپ جب یونیورسٹی کے سینٹ اور سنڈیکیٹ میں داخل ہوئے تو اس کے بارے میں کوششیں شروع کیں۔ آپکے اس معاملہ میں بہت سے ساتھی مخالف تھے لیکن آپ انکی مطلق پرواہ نہ کی بڑی کدوکاوش کے بعد اپنے مخالفین کو موافقین بنالیا اور اس تاریخ اسلام کے مضمون کو بحیثیت اختیاری مضمون انٹرمیڈیٹ بی۔ اے، بی اے آنرز اور ایم اے کے امتحانوں میں شامل کروادیا۔ محمڈن کالج کے سب جماعتوں میں پہلے پہل یہ مضمون شروع کیا گیا حتیٰ کہ اس مضمون کے لئے آپنے جان توڑ کوشش فرماکر محمڈن کالج میں آنرس کی جماعت بھی کھولی۔ پہلے پہل اس کورس میں لڑکوں کی تعداد کم رہتی تھی لیکن چلتے چلتے اس کورس کی اہمیت بڑھی اور یہ کورس بہت مقبول ہوا مسلمان تو کجا ہندو لڑکے اور لڑکیاں بھی اس کورس میں شریک ہونے لگیں۔ آجکل محمڈن کالج سے تاریخ اسلام کے آنرس کے کلاسس پریسیڈنسی کالج مدراس کو تبدیل کردیے گئے ہیں۔ الحاج پروفیسر سید عبدالوہاب بخاری صاحب اس مضمون کے پروفیسر ہیں۔ آپ کی شاگردی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے لڑکے شوق سے اس کورس میں شریک ہوتے ہیں اس مضمون کی مقبولیت کا یہ نتیجہ ہے کہ آج مدراس اور آندھرا علاقہ کے سات کالجوں میں تاریخ اسلام کا مضمون پڑھایا جاتا ہے اور ہر جماعت میں ہندو اور مسلمان لڑکوں کی کافی تعداد تعلیم حاصل کررہی ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب قبلہ کی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

علوم و فنون پر ڈاکٹر صاحب کے بڑے بڑے احسانات ہیں وہ مغربی و مشرقی علوم میں یکساں مہارت تامہ رکھتے ہیں اور سارا ہندوستان ان کی عظمت کا معترف ہے۔ ڈاکٹر صاحب صرف کالج کے پرنسپل ہی نہیں بلکہ ایک مفکر بھی ہیں جن کا دور رس دماغ ہمیشہ ایسی صورتوں اور طریقوں کی تلاش میں مصروف رہتا ہے کہ ملک و ملت کو زیادہ سے زیادہ علمی فوائد کسی طرح پہنچائے جائیں۔ آپ بڑے مدبر اور قیافہ شناس بھی ہیں زمانہ کی ہوا اور لوگوں کے رجحانات کو فوراً بھانپ جاتے ہیں۔ مذکورہ کارناموں کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا ایک بہت ہی شاندار کارنامہ یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے ریاست مدراس میں چار مسلم کالج وجود میں آئے

جمہوریت میں فرقہ واریت، خیالات میں افراط و تفریط، زمانہ کی بدلتی ہوئی روش ان سب چیزوں کا ڈاکٹر صاحب کو اندازہ ہے۔ موجودہ زمانہ کی فضا میں ایک گروہ دوسرے گروہ کو اور ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو زیر کرنا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم چیز جو ہے وہ "علم" ہے تعلیمی معاملات میں حکمران قوم دوسری قوموں کو اپنے پیچھے رکھنا چاہتی ہے یورپ کے ممالک کی سیر و سیاحت کے بعد آپ کو ان چیزوں کا خوب اندازہ ہوچکا تھا ہندستان اور خصوصیت سے ریاست مدراس میں ہر ذات اور قوم کے علحدہ علحدہ کالج شروع ہی سے موجود تھے لیکن مسلمان ابھی اپنے لاپرواہی کے خواب سے بیدار نہیں ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسلمان لڑکوں کی آنے والی تعلیمی تکلیفوں اور مصیبتوں کا جائزہ لیا اور مسلم کالج کھولنے کی تحریک کی۔ سبق آپ کو اپنے والد سے ملا جنھوں نے اسلامیہ عربیہ کالج کرنول کا انتظام اس شان سے کیا تھا کہ اس

درس گاہ کے فارغ طلبہ ۔۔۔ عربی فارسی اور اردو کی تعلیم کے لئے پورے جنوبی ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔
کالجوں کے انتظامات کے معاملہ میں آپ ماہر بن چکے تھے اگر حقیقتاً دیکھا جائے تو کالج کھولنے کا خیال آپ کو اسی وقت سے تھا جس وقت کہ آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے مدراس تشریف لائے تھے اور کالج میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے آپ ٹھوکریں کھاتے پھرے تھے۔

آپ فرصت کے وقت لڑکوں کو پڑھاتے اور اس سے جو رقم ملتی اس سے کتابیں خرید لیتے اور جب آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے تو ہر سٹری کے لئے کتابیں خرید لیتے تھے چنانچہ جب کالج کھولنے کا خواب پورا ہوا تو اس زمانہ کی خریدی ہوئی کتابیں کالج لائبریری کے لئے دیدیں جو آج بھی جمالیہ کالج لائبریری میں موجود ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ والد کے انتقال کا ڈاکٹر صاحب پر بڑا صدمہ ہوا اور انہیں کی یادگار میں انھوں نے انگریزی کالج کھولنے کی ٹھانی۔ اس زمانہ میں یعنی ۱۹۴۰ء میں ہندوستان میں جمہوریت کا بول بالا بھی شروع ہوگیا۔ فرقہ داریت بڑھنے لگی۔ اور کالجوں میں سیٹوں کی بھی دھڑا دھڑی شروع ہوگئی۔ ان حالات کے مدنظر ڈاکٹر صاحب کا دیرینہ خیال اور بھی پختہ ہوگیا اور کرنول میں ایک کالج کھولنے کی جد و جہد شروع ہوگئی۔ خیال تو پکا ہوا کہ کالج کھولیں لیکن مالی حالت اجازت نہ دیتی تھی اور نہ ہی انجمن اسلامیہ (جو اسلامیہ عربیہ کالج کرنول کی انتظامی کمیٹی ہے) اتنی مالدار تھی کہ وہ آپ کے نیک خیال کو عملی جامہ پہنا سکے، تو ڈاکٹر صاحب سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا ہو چنانچہ آپ نے پہلی مرتبہ اس نیک اور سعید خیال کو حاجی نذیر حسین صاحب شریف آف مدراس کے سامنے پیش کیا۔ آپ بڑے مالدار آدمی ہیں اور ساتھ ساتھ اس کے بڑے نیک اور فیض رساں بھی ہیں ڈاکٹر صاحب کے نیک ارادہ کا انھوں نے بہت احترام کیا اور پانچ ہزار روپیہ بطور چندہ اور پانچ ہزار بطور قرض حسنہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اس موقعہ پر ڈاکٹر صاحب کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ دوڑے دوڑے گھر آئے گھر والوں کے سامنے اپنا خیال ظاہر کیا دوستوں سے ملے اور ان سے بھی راز فاش کیا۔ گھر والے اور دوست احباب آپ کے خیال کا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے کہ " ڈاکٹر صاحب ابھی تو آپ کو گھوڑے کی ایک نعل ملی ہے اور تین نعل اور گھوڑا خریدنا باقی ہے"

ڈاکٹر صاحب پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا ہمت کا شہسوار کام کرنے پر آمادہ ہوگیا آپ کی ہمت اور نیک ارادہ کی قدر و منزلت کرتے ہوئے الحاج مولانا پروفیسر سید عبدالوہاب بخاری صاحب آپ کی ہر حیثیت سے تائید کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ دھیرے دھیرے دوسرے دوست احباب بھی آپ کے ہم خیال ہوئے جن میں خصوصیت کے ساتھ جسٹس بشیر احمد سعید صاحب اور جناب عبدالحمید خاں صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔ بہرحال کالج کے سلسلہ میں کام شروع ہوا اور ایک انتظامی کمیٹی ترتیب دی گئی جس کے صدر جناب عبدالحمید خاں صاحب اور سکریٹری جناب ایم۔ جے محمد سعید صاحب نے جو بعد میں کر کالج کے وائس پرنسپل بھی ہوئے۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب

آزمائش کے وقت آدمی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے

مولانا پروفیسر سید عبدالوہاب بخاری صاحب جسٹس بشیر احمد سعید صاحب۔ حاجی نذیر حسین صاحب اور جناب عبدالسلام خاں صاحب اس کمیٹی کے ممبر ہوئے۔

کمیٹی ترتیب پانے کے فوراً ہی بعد مدراس یونیورسٹی سے کالج کے الحاق کے لئے درخواست دیگئی۔ چندہ بڑی گرم جوشی سے وصول کیا جانے لگا۔ اس زمانہ میں سر مرزا اسمٰعیل صاحب کی سعی سے دو لاکھ روپیہ کا چندہ حضور نظام سے اس شرط پر ملا کہ کالج کا نام عثمانیہ کالج رکھا جائے اور ہوسٹل حیدرآباد ہاؤس کہلائے۔ علاوہ اس کے ڈاکٹر صاحب اور مولانا بخاری صاحب اپنے خاص اثرات سے بیلور، صوبہ مدراس کے مختلف اضلاع، ریاست بنگلور، حیدرآباد، میسور اور بمبئی سے بھی معتدبہ چندہ وصول کیا چنانچہ ۲ رجولائی ۱۹۵۰ء میں مدراس یونیورسٹی سے ملحق کر دیا گیا۔ میں ایک فرسٹ گریڈ عثمانیہ کالج جس میں سائنس کے پورے گروپ موجود ہیں وجود میں آیا ہر مذہب و ملت کے لئے اس کالج کے دروازے کھلے ہیں لیکن ترجیح عام طور سے مسلمان لڑکوں کو دی جاتی ہے ۱۹۵۲ء میں بی کام اور ۱۹۵۳ء میں بی اے میں حساب اور حیالوجی کے کورس بھی کھول دیئے گئے ہیں ۱۹۵۵ء سے کالج میں مخلوط تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ کالج کے طلبا کے لیے ایک دارالاقامہ بھی تیار کیا گیا ہے جس میں ۸۵ لڑکے بیک وقت رہ سکتے ہیں اور اس کا نام حیدرآباد ہاؤس ہے یہ کالج شہر کے جنوب مغرب میں مندری ندی کے کنارے اور عبدالوہاب خان بہادر کے شاندار گنبد سے متصل ہے ہوسٹل کالج کے احاطہ میں مندری ندی کے بالکل کنارے پر واقع ہے اور اس کا نظارہ بہت ہی پرلطف ہے چنانچہ کرنول کڈپہ۔ بلہاری اور دیگر دور دور مقامات کے لڑکے ہندو۔ مسلمان۔ ہریجن اور عیسائی طلبا اس کالج سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ حیدرآباد علاقہ کے لڑکے بھی اس کالج سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ جب ۱۹۴۷ء میں کالج شروع ہوا تو اس وقت صرف ۲۵ لڑکے شریک ہوئے لیکن سات سال کے بعد لڑکوں کی تعداد ۱۰۶۰ ہو گئی ہے

اب تو کرنول ریاست آندھرا کی راجدھانی بن گیا ہے اس لیے عثمانیہ کالج کا مستقبل اور بھی درخشاں اور شاندار نظر آ رہا ہے۔ اس کالج میں بعض ایسی خوبیاں ہیں جو دوسرے کالجوں میں بڑی مشکل سے دکھائی دیتی ہیں کچھ خصوصیات یہ ہیں:-

(۱) اس کالج میں ایک بہت شاندار ۳۰×۸۰ ناپ کا لائبریری ہال ہے جس میں دار المطالعہ قائم ہے۔

(۲) دوسرا اسی ناپ کا اسمبلی ہال ہے جس میں ساڑھے سات سو طلبا جمع ہو سکتے ہیں یہ دونوں ہال بے مثال ہیں

(۳) کالج میں ایک ڈسپنسری کی نئی عمارت بنائی گئی ہے جس میں ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر مقرر ہیں۔

(۴) ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی تجویز کہ اسی ڈسپنسری کی جانب سے ایک متحرک موبائل (MOBILE) ڈسپنسری بھی شروع کریں۔ انشاءاللہ آپکا یہ خواب بھی بہت جلد پورا ہو جائے گا۔

(۵) یہاں ایک فن کار آرٹسٹ کو رکھا گیا ہے جو تاریخ اسلام کے اہم نقشہ جات، ارباب ادب عربی، فارسی

سفر سے پہلے ساتھی اور گھر سے پہلے پڑوسی تلاش کرو

اور اردو کی قلمی تصاویر اور دوسرے سائنس سے متعلق نقشہ جات کی کارروائی بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیتے ہیں لائبریری ہال میں ان صاحب کی تیار شدہ بہت سی تصویریں آویزاں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ قریب میں ایک میوزیم اس کالج کے احاطہ ہی میں کھولیں۔ اس وقت اس قسم کی بہت سی نایاب چیزیں میوزیم کے لئے باعث زیب ہوں گی۔

۱۹۴۶ء میں جب مسلمان لڑکوں کو جگہ حاصل کرنے میں بڑی دقتیں ہونے لگیں، ڈاکٹر صاحب کی دور اندیشی اور پیش بین گوئی کام آئی، ڈاکٹر صاحب کی رہنمائی کے زیر اثر لوگ آپ کے مطیع ہو گئے اور بعض نیک نیت احباب کا خیال ہوا کہ اپنے اپنے علاقہ میں مسلم کالج کھول لئے جائیں۔

چنانچہ ۱۹۴۶ء میں ملبار کے لوگ جناب محمد اسمٰعیل صاحب، صدر آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت میں ڈاکٹر صاحب کے پاس آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۴۸ء میں ایک فرسٹ گریڈ کالج فاروق کالج کے نام سے ملبار میں وجود پایا جہاں آج اچھی تعداد میں مسلمان اور دیگر اقوام کے طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

اسی طرح ۱۹۵۰ء میں مدراس کے ملک التجار جناب جمال محمد صاحب مرحوم کے صاحبزادے جناب محمد عطاؤ صاحب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ اپنے حضرت نانا صاحب کے جو ترچناپلی علاقہ کے ایک بہت بڑے رئیس تھیں۔ امداد کی درخواست کی انھوں نے اکسیو ایکڑ زمین کالج کے لئے وقف کردی آخر کار ۱۹۵۱ء میں ترچناپلی میں بھی ایک فرسٹ گریڈ کالج جمال محمد کالج کے نام سے کھولا گیا جس میں آج تقریباً ایک ہزار مختلف مذاہب کے طلباء تعلیم پا رہے ہیں۔

جب دیکھا گیا کہ اضلاع میں تو مسلم کالج کھولے جا رہے ہیں اور خود صدر مقام مدراس میں کوئی مسلم کالج نہیں تو ڈاکٹر صاحب کے رفقار کار کو خیال ہوا کہ مدراس میں بھی ایک مسلم کالج کھولا جائے چنانچہ حاجی نذیر حسین صاحب اور جسٹس بشیر احمد سعید صاحب اور مولانا بخاری صاحب ڈاکٹر صاحب کی رہنمائی میں ساؤتھ انڈین مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کے فنڈ سے ایک کالج وائے پیٹھ مدراس میں "نیو کالج" کے نام سے ۱۹۵۱ء میں کھولا۔

چنانچہ اس وقت صوبۂ مدراس اور آندھرا میں مسلمانوں کے جملہ پانچ کالج موجود ہیں (۱۔ انفنٹا کالج وانمباڑی۔ ۲۔ عثمانیہ کالج کرنول۔ ۳۔ فاروق کالج ملبار ۴۔ جمال محمد کالج ترچناپلی ۵۔ نیو کالج مدراس) جو خاص مسلمانوں کے چندوں اور گورنمنٹ گرانٹ سے چل رہے ہیں۔ ان کالجوں کا وجود میں آنا اور ان کا نظم و نسق حسن و خوبی کے ساتھ برقرار رہنا اس کا سہرا ڈاکٹر عبدالحق صاحب کے سر ہے۔

اسلامی علوم کی خدمات

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب نہ صرف مغربی علوم ہی کی ترقی میں سرگرم رہے بلکہ علوم مشرقی کی بھی خدمات آپ نے انجام دیں۔ اسلامیہ عربیہ کالج کرنول جو آپ کے والد بزرگوار کی بنائی ہے اس میں بڑی ترقیاں کیں۔

حیلہ بازی شیطان کا کام ہے

یہاں صرف افضل العلماء منشی فاضل اور ادیب فاضل کی تعلیم ہوتی تھی لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس کالج میں علم طب کا ایک شعبہ کھولا جو اپنی نوعیت کا مدراس یونیورسٹی میں پہلا شعبہ ہے یہ چار سال کا نصاب ہے نصاب کی کامیابی کے بعد یونیورسٹی جانب سے علم طب میں سند دی جاتی ہے جو ملک بھر میں مستند سمجھی جاتی ہے اس کورس میں وہی لڑکے شریک ہو سکتے ہیں جو افضل العلماء منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات کامیاب کرتے ہیں یہ کورس مقبول ہو رہا ہے۔ اچھی تعداد میں ان جماعتوں میں شریک ہو کر تعلیم حاصل کر رہے ہیں ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ قریب میں اس طبیہ شعبہ سے متعلق ایک [illegible] خانہ بھی کھولا جائے۔ [illegible] یہ کام بھی بہت جلد ہو جائے گا۔ علاوہ اس کے کالج میں ایک اور سکنڈری گریڈ ٹیچرس کا دو سالہ کورس رکھا گیا ہے لڑکے اس کے امتحان کی کامیابی کے بعد مدرسوں میں سکنڈری گریڈ استاد کی حیثیت سے ملازم ہو سکتے ہیں فی الحال ان جماعتوں میں تقریباً ۸۰ طلبا پڑھ رہے ہیں۔

ان گرانقدر خدمات کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے ادب اور قوم کی ایک اور بڑی خدمت کی ہے کہ اسلامیہ عربیہ کالج کے احاطہ میں ایک علاوہ مشرقیہ کا ہائی اسکول کھول دیا اور اس کا نام عمر ہائی اسکول رکھا گیا ہے اس میں عربی زبان پہلا درجہ رکھتی ہے اور دوسرے اسباق وہی ہیں جو دوسرے ہائی اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ طلبا اس مدرسہ کا فائنل پبلک امتحان پاس کرنے کے بعد مغربی علوم کے آرٹس کالجوں میں داخل ہو سکتے ہیں یہ بھی اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے انشاء اللہ دو سال بعد اس اسکول کے لڑکے بھی کالجوں میں داخل ہونے لگیں گے۔

اپریل ۱۹۴۷ء میں آپ ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیمات بنائے گئے اور اس عہدہ پر آپ ۱۹۴۸ء جولائی تک برقرار رہے پھر پریسیڈنسی کالج کے پرنسپل بنائے گئے یہ ریاست کا سب سے بڑا کالج ہے یہاں کا پرنسپل کوئی مذاق نہیں ہے یہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے بڑی خوبی کے ساتھ فرائض انجام دیئے اسی زمانہ میں آپ کو حج بیت اللہ ادا کرنے کا شوق ہوا ماہ اگست ۱۹۵۱ء میں آپ اپنی زوجہ محترمہ ہمشیرگان، صاحبزادی، خسر صاحب اور دیگر خاندان کے ۱۹ افراد کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ طرفہ یہ کہ آپ ہی امیر الحج بنا دیئے گئے تھے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ڈاکٹر صاحب معہ اپنے قبیلہ کے حج بیت اللہ کے بعد بخیر و خوبی وطن واپس ہوئے۔

۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر صاحب پریسیڈنسی کالج کے پرنسپل تھے تو اس زمانہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب وائس چانسلر علی گڈھ یونیورسٹی کو حکومت ہند نے غیر ممالک کے سفر پر روانہ فرمایا۔ یوں تو ڈاکٹر عبدالحق صاحب بحیثیت نمائندہ مدراس ۱۹۵۱ء میں علیگڈھ یونیورسٹی کی اگزیکٹیو کمیٹی میں نامزد کئے گئے تھے لیکن جب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب قبلہ غیر ممالک کے سفر کے لئے جا رہے تھے تو علی گڈھ میں ایک قابل آدمی کی ضرورت محسوس ہوئی اور وہاں کی پرو وائس چانسلری کے عہدہ پر ڈاکٹر عبدالحق صاحب کا تقرر ہوا چھ ماہ کے لئے یعنی اپریل ۱۹۵۲ء سے ستمبر ۱۹۵۲ء تک آپ علی گڈھ میں رہے۔

اور محسن کاکوروی کا کلام بہت پسند ہے۔ فارسی میں سعدی اور حافظ کے کلام کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ مذکورہ شعراء کے بیسیوں شعر ڈاکٹر صاحب قبلہ کو ازبر ہیں۔ آپ کو مشاعروں کا بے حد شوق ہے جب آپ محمڈن کالج کے پرنسپل تھے اسوقت بہت ہی شاندار مشاعرے کیا کرتے تھے اور آج بھی ہے۔ جے سیمنار مدراس کے تحت آپ بہت ہی شاندار مشاعرے کراتے تھے۔ آپ اس سیمنار کے سرپرست ہیں۔ مدراس میں ڈاکٹر صاحب کی وجہ سے مشاعرے زندہ ہیں۔

حافظہ: ڈاکٹر صاحب کا حافظہ بہت زبردست ہے آپ کو اپنے حافظہ پر خوب بھروسہ ہے بچپن کی باتیں اور ابتدائی زندگی کے حالات جب بیان فرماتے ہیں تو تاریخوں اور موقعوں کے ساتھ بیان فرماتے ہیں سننے والوں کو بڑی حیرت ہوتی ہے جب کبھی علمی بحث ہوتی ہے تو کتابوں کے حوالات ایسی خوبی سے دیتے ہیں کہ اگر کتاب کھول کر دیکھیں تو بتائے ہوئے ٹھیک صفحہ پر وہ حوالے آپ کو مل جائیں گے۔

قومی معمار: ڈاکٹر صاحب صرف ایک علمی آدمی ہیں بلکہ آپ میں ایک عمدہ انجینئر کی خوبیاں بھی موجود ہیں جس نے آپ کو قومی معمار بنا دیا ہے آپ زبردست مدبر منتظم اور کارفرما شخصیت ہیں۔ آپ کو سیر و سیاحت کا بے حد شوق ہے بچپن سے یہ عادت آپکی فطرت میں سرایت کر گئی ہے۔ آپ عام طور سے چھٹیوں کے زمانہ میں سیاحت کے لئے نکلتے ہیں آپ "سفر وسیلۂ ظفر" والے مقولہ کے زبردست حامی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب بڑے قوی ہیکل اور وجیہ آدمی ہیں آپ کا رنگ گندمی ہے چہرے پر چھوٹی سفید داڑھی ہے سر بڑا عینک بھی لگاتے ہیں۔ آپ ہمیشہ ترکی ٹوپی، شلوار، قمیص اور شیروانی پہنتے ہیں ابتدائی زمانہ میں سر پر پگڑی باندھتے تھے۔ آپ بڑے مہمان نواز، وضع دار اور سادہ ہیں دوست احباب کی بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ اکثر ملک کے بڑے بڑے ادیب، شاعر اور فلسفی جب کبھی مدراس آتے ہیں تو آپ سے ملاقات کئے بغیر نہیں جاتے۔

ڈاکٹر صاحب کا پورا قبیلہ تعلیم یافتہ ہے آپکی ایک لڑکی اور چار لڑکے ہیں آپ کے بڑے لڑکے ایم اے ایم لٹ کرنے کے بعد پریسیڈنسی کالج مدراس میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے ہیں صاحبزادی صاحبہ بھی اقتصادیات کی ایم اے ہیں۔ انکی شادی جناب عبدالحق صاحب ایم اے بہاری سے ہوئی ہے ڈاکٹر صاحب کی دو بہنیں ہیں ان کے بچے بھی خوب پڑھے لکھے ہیں۔

ہندوستان کے تین عبدالحق مشہور ہیں ایک محدث کے نام سے، دوسرے محقق اور تیسرے موجد کی حیثیت سے تیسرے عبدالحق ہیں وہ زمانہ حال کے ایک زبردست مفکر و مدبر بھی ہیں انکی علمی اور قومی خدمات کی وجہ سے مسلمان آپ کو جنوبی ہند کے سرسید کے نام سے یاد فرماتے ہیں اور آپ حقیقتاً زمانۂ حال کے سرسید ہیں آپ ایک بڑے ایجوکیشنسٹ ہیں اور علامہ خیر بھور دی کے الفاظ میں آپ ایک زندہ انسائیکلوپیڈیا ہیں۔

علیگڈھ کے دوران قیام میں ڈاکٹر صاحب طلباء اور پروفیسروں میں بہت مقبول رہے آپ جس زمانہ میں وہاں تشریف لے گئے اسی زمانہ میں یونیورسٹی میں لڑکوں کی فیس زیادہ کردی گئی تھی لڑکوں نے مخالفت کی لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس زمانہ میں ایسی حکمت عملی سے کام لیا کہ لڑکے بغیر کسی چون وچرا کے فیس ادا کرنے لگے علی گڈھ کے طلبا کو سمجھانا کوئی آسان بات نہیں چنانچہ چند ہی دنوں میں ڈاکٹر صاحب اپنی علمی قابلیت اور حسن سلوک سے وہاں کے طلباء اور اساتذہ کے دلوں میں خاصی جگہ پیدا کرلی۔ وہاں کے دوران قیام میں آپ کی دو مشہور تقریریں ہوئیں ایک آفتاب منزل میں اور دوسری وقار الملک ہال میں، آپ کی تقریروں کا وہاں بڑا گہرا اثر ہوا حضرت خیر بھوری کو میں نے کہتے سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی "الحاد اور اسلام" والی تقریر کے بعد لوگوں کے دلوں سے الحاد کوسوں دور بھاگ گیا اور طلبا نے احکام شریعت کی پابندی کی طرف رخ کیا۔ مدت کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب پھر پریسیڈنسی کالج کے پرنسپل ہوگئے۔ دو ہی تین ماہ میں وہاں سے آپ کا تبادلہ ہوا اور آپ مدراس پبلک سروس کمیشن کے ممبر مقرر ہوئے آج بھی آپ اس عہدہ پر فائز ہیں۔

ڈاکٹر صاحب ہندوستان کے ان چوٹی کے مقررین میں سے ہیں جنھوں نے صف اوّل میں جگہ پائی ہے آپ اردو انگریزی اور عربی زبان میں تقریریں کرنے کے عادی ہیں آپ اردو زبان کے زبردست خطیب ہیں، زبان و بیان سبحان اللہ آپ خطیب بھی ہیں اور بلند پایہ ادیب بھی! مطالعہ بے پناہ ہے اس لئے ہر بات دلچسپ اور سبق آموز ہوتی ہے۔ چنانچہ اس گہرے مطالعہ ہی کا طفیل ہے کہ جب آپ فورتھ فارم میں تھے اسی وقت سے اچھے اور برجستہ مضامین اردو زبان میں لکھنے کے عادی ہو چلے تھے۔ میں نے خود ڈاکٹر صاحب سے سنا ہے کہ وہ مضامین جو مدرسہ کے زمانہ میں لکھے گئے تھے ایک نظر ثانی کے بعد شائع کئے جاسکتے ہیں۔ آپ انگریزی، فارسی، عربی اور خصوصاً اردو میں بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ معیار کے مضامین لکھتے ہیں آپ کا اسلوب بیان سادگی، لطافت اور جامعیت اپنی آپ نظیر ہے۔

آپ بہت ہی عدیم الفرصت انسان ہیں ہمیشہ مسلم کالجوں اور خود اپنی ڈیوٹی کے فرائض انجام دینے میں لگے رہتے ہیں چنانچہ تصنیف وتالیف کا کام فی الحال آپ سے زیادہ نہیں ہوسکا ہے تاہم اردو میں ڈاکٹر صاحب کے چند عمدہ مضامین ہیں جو مختلف رسالوں اور خصوصیت کے ساتھ "سفینہ" میں شائع ہو چکے ہیں۔ آج مدراس یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے نصاب میں آپ کے بعض مضامین داخل ہیں مثلاً پاری آئی، مدراس میں اردو صحافت کا زوال، ہمارے مسلمان، سیر جنت یا پاگل خانہ کی سیر وغیرہ ان مضامین کے پڑھنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کی ادبیت کا خاص اندازہ ہوسکتا ہے مضامین معلومات سے پر، اسلوب بیان انوکھا لطافت اور سادگی حد درجہ بھری ہوئی ہے۔ عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال بہت کم کیا گیا ہے۔ ہندی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں لیکن بالکل ہی ایسے جیسے کھانے میں نمک مختصر یہ کہ آپ جنوبی ہند میں اردو ادیبوں کے امام ہیں۔

ڈاکٹر صاحب شاعر نہیں ہیں لیکن بڑے پایہ کے سخن سنج ہیں آپ کو میرؔ۔ غالبؔ۔ مومنؔ۔ اقبالؔ۔ حالیؔ۔

دارالعلوم بھوپال

دینی تعلیم گاہ بھی ہے اور دینی تربیت گاہ بھی

مولانا محمد عمران خان صاحب ندوی

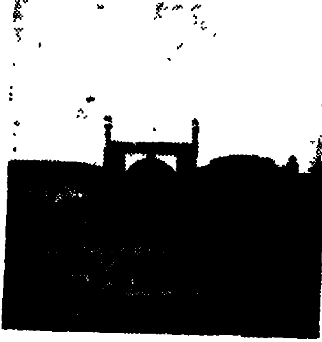
بھوپال کا دینی مقام

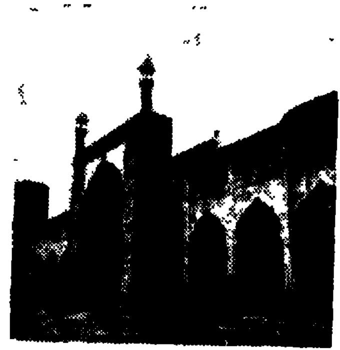
وسط ہند کے اس پورے علاقہ میں جس کے حدود دہلی سے بمبئی اور حیدرآباد کے درمیان میں ہیں، جسے دوسرے لفظوں میں سنٹرل انڈیا سی، پی، برار اور مالوہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تقریباً دو صدی سے تنہا بھوپال ایک ایسا مقام تھا جہاں دینی ضرورتوں کی تکمیل کا بہتر انتظام تھا اور اس کے لئے ہر دینی ضرورت کے لئے مناسب اشخاص یہاں دستیاب ہو سکتے تھے، دینی تعلیم کا معقول انتظام تھا۔ جہاں ہندوستان کے گوشے گوشے سے طالبان علم دین کھنچ کھنچ کر آتے تھے اور اسلامی علوم و اخلاق سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔ حالات کی تبدیلی سے جہاں سارا ہندوستان متاثر ہوا وہاں بھوپال کے نظم و نسق میں بھی حکومت ہند نے تبدیلی کی، اور چونکہ حکومت ہند نے اپنی پالیسی یہ طے کی ہے کہ وہ ایک سیکولر (غیر مذہبی) حکومت ہے، اس لئے اس تبدیلی کا طبعی نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان بھر میں مذہبی تعلیم کے سارے سلسلہ کو حکومت نے اپنے دائرۂ عمل سے خارج کر دیا اور طے کر دیا کہ کسی مذہب کی تعلیم پر حکومت روپیہ خرچ نہ کرے گی، خود ہر مذہب والے اپنی مذہبی ضروریات تعلیم کے لئے انتظامات کریں۔ ہندوستان کا یہ وسطی علاقہ اس فیصلے سے سب سے زیادہ متاثر ہوا کیونکہ حکومت بھوپال کی زیر سرپرستی یہاں کا سارا دینی نظم حکومت کے ہاتھوں انجام پاتا تھا اور حکومت ہی کے خزانے سے اس کے سارے مصارف ہوتے تھے۔

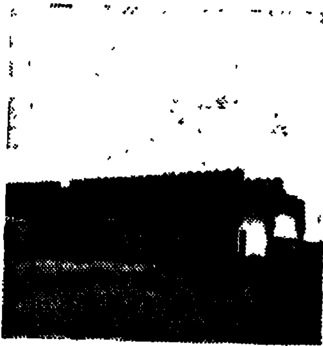
ہمارے ذمہ جس طرح بحیثیت انسان معاش کا علم حاصل کرنا ضروریات زندگی کا فراہم کرنا، صحت کی حفاظت کی فکر کرنا ضروری ہے۔ اور جب یہ ضروری ہے تو اس کے لئے مناسب مرکزوں کا قیام اور مناسب اشخاص کی خدمات ضروری ہیں، بالکل اسی طرح اور حقیقتاً اس سے زائد بحیثیت مسلمان معاد کا علم حاصل کرنا، دینی ضروریات کا فراہم کرنا، روحانی صحت کی حفاظت کی فکر کرنا حفظ و بقاء ملت کے لئے جد و جہد کرنا اور لازماً اس کے لئے مناسب مرکزوں کا قیام اور ضروری ساز و سامان ضروری ہے۔ اور جس طرح پہلے فریضہ میں کوتاہی و غفلت کا نتیجہ دنیاوی پریشانیاں اور تکالیف اور صحت کی خرابی اور اس کا انجام زیادہ سے زیادہ موت ہے۔ اسی طرح دوسرے فریضہ میں کوتاہی و غفلت کا نتیجہ دینی و اخلاقی خرابیاں، خود

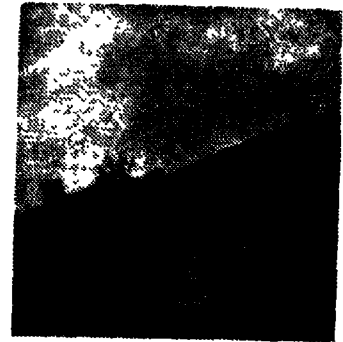
تاج المساجد اور دارالعلوم بھوپال کے مختلف مناظر













فراموشی، صحت روحانی کا بگاڑ، دل کی موت اور اس کا نتیجہ آخرت کی حسرت و ندامت اور بعض حالات میں عذاب ہے۔ پہلی چیز کی ذمہ داری عام انسانوں اور ان کے نمائندہ حکومتوں پر ہے اور اس کے لئے دنیاوی مدرسے اور اسپتال قائم کئے جاتے ہیں۔ لیکن دوسری چیز کی ذمہ داری تنہا مسلمانوں کے سر ہے ان کا تعلق صرف ان کے مذہبی احساس، فکر آخرت اور ایمان سے ہے۔ ان کو دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے معاد کے ضروری علم حاصل کرنے کے لئے اور روحانی صحت کی حفاظت کے لئے کیا کیا انتظامات کئے ہیں۔ اگر انہوں نے اس کے لئے ضروری انتظامات نہیں کئے ہیں، ان کے شہر میں اس کا کوئی مرکز اور کوئی ادارہ اور کوئی جماعت نہیں ہے تو ان کی دینی زندگی اور ان کی آئندہ نسلوں کا دینی مستقبل خطرہ میں ہے۔ اس بارے میں براہ راست ان سے سوال ہوگا اور اس سلسلہ میں ان کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ اس ذمہ داری اور خطرہ کا احساس کرتے ہوئے اس علاقہ کے دردمند مسلمانوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے اس شہر میں جو اپنی دینی اور علمی شہرت میں نہ صرف ہندستان بلکہ مصر و حجاز تک ممتاز رہا ہے، ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جہاں ہماری نسل کو دینی تعلیم و تربیت دی جائے اور اسلام کے احکام و تعلیمات کا علم جس کے بغیر مسلمان کی زندگی درست نہیں ہو سکتی، قائم و باقی رکھا جائے یہ ایک ایسی ضرورت ہے جو ہماری زندگی کی ساری ضرورتوں پر مقدم ہے۔

دار العلوم بھوپال :- دار العلوم بھوپال کا سنگ بنیاد آج سے پانچ سال پہلے جامع مسجد بھوپال کے ایک مسلم اجتماع میں، حساس اور ہوشمند مسلمانوں کے مشورہ پر علامہ سید سلیمان ندویؒ سابق قاضی بھوپال کی اپیل اور احقر کی[1] دعوت پر اخلاص و احتساب کی ایمان افروز فضا میں رکھا گیا۔ جو پانچ سال سے خدمتِ دین میں مصروف ہے۔

اخلاص و احتساب جس کام کی بنیاد ہو وہ کام ایک بار آور درخت کی طرح نشو و نما کی منزلیں طے کر لیتا ہے پھر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اس کے سایہ سے آرام اس کے پھولوں کی مہک سے دماغی فرحت اور اس کے تازہ و شیریں پھلوں سے لوگ صحت و توانائی حاصل کرتے ہیں۔ دار العلوم بھوپال بھی ایک شجر سایہ دار ہے۔ جس کے سایہ میں دلِ مومن کے لئے سکون ہے جس کے پھولوں کی مہک میں زندہ و بیدار احساس کے لئے پیغام محمدی ہے۔ جس کے تازہ و شیریں پھلوں میں ایمان کے لئے صحت اور یقین کے لئے توانائی کے سروسامان ہیں۔

تعلیم مذہبی :- دار العلوم بھوپال ایک دینی تعلیم گاہ بھی ہے اور دینی تربیت گاہ بھی۔ یعنی اس درسگاہ کا مقصود جس طرح علوم نبوت کا حلقہ بگوشانِ محمدی کے فرزندوں کو وارث بنانا ہے اسی طرح مسلم نسل کے نونہالوں کے لئے وہ سامان تربیت بھی فراہم کر دینا ہے جس کی فیض تاثیر سے ان میں ایمان و یقین کی روح بیدار ہو جائے۔ ان میں اسلامی اخلاق جلوہ گر ہو جائیں، ان کی زندگی اپنی بستی کے لئے، اپنے اہل ملک کے لئے اور اپنے ابنائے جنس کے لئے ایک شمع راہ بن جائے۔ ان کی زندگی داعیانہ ہو، باعلم و عمل زندگی فرماں برداریوں میں ڈوبی ہوئی اور رسول اللہ کی محبت و عقیدت میں رنگی ہوئی زندگی۔ دار العلوم کا مقصد یہی ہے اور بزبان حال نذر ذو الجلال سے اس کی عرض و التجا یہ ہے کہ سے

---

[1] حضرت مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی متخصص جامعہ ازہر مصر و مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (البلاغ)

سے میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو ⁂ میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہر شاہوار کر

دارالعلوم بھوپال میں فی الحال تین شعبہ تعلیم ہیں:

(۱) شعبۂ ابتدائی :- جس میں ابتدائی تعلیم اردو، حساب، قرآن کریم ناظرہ اور دینی بنیادی تعلیم ہے۔

(۲) شعبۂ حفظ :- جس میں اردو، حساب دینی بنیادی تعلیم اور حفظ قرآن کریم اور تجوید ہے۔

(۳) شعبۂ عربی :- جس میں ادب عربی کی وہ کتابیں ہیں جو لسانی و ادبی ذوق وعلمی لحاظ سے طلبہ از جلد طالب علم کو قرآن و حدیث سے قریب تر بنا دیں جو اپنی ترتیب مضامین کے لحاظ سے طالب علم کے ذہن کے تئے صحت مند شوونما کا باعث ہوں۔ اور اس علمی ذوق کے پیدا ہوتے ہی قرآن کریم کی تفسیر اور احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحصیل ان کے لئے زائد سے زائد سہل بن جائے۔ تفسیر و حدیث کے علاوہ فقہ اور دوسرے ضروری علم دین نصاب تعلیم کا جزو ہیں۔

(۴) اس نصاب تعلیم میں علوم دین کے علاوہ اردو، ہندی، حساب، تاریخ اور جغرافیہ بھی وہ ضروری عناصر تعلیم ہیں جن کا حاصل کرنا ہر طالب علم پر لازمی رکھا گیا ہے۔

الحمد للہ کہ اس کے سالانہ امتحانات بہت زیادہ امید افزا ہیں۔ معلمین دارالعلوم کے علاوہ علمائے شہر اور مخلص علم دوست اصحاب نے بخوشی دلی تکلیف گوارا فرمائی اور مختلف درجات کے مختلف مضامین کا امتحان لے کر بیحد مسرور ومطمئن ہوئے۔ اس سلسلہ میں ہم مندرجۂ ذیل اسمائے گرامی پیش کرتے ہیں جو سالانہ امتحان کے موقع پر دارالعلوم میں ممتحن تھے:-

حضرت مولانا الحاج مفتی عبدالہادی خان صاحب قاضی شہر بھوپال سابق مہتمم جامعہ احمدیہ بھوپال۔ حضرت مولانا مولوی عبدالرشید صاحب کمتی سابق صدر جمعیۃ العلماء بھوپال۔ جناب محترم قاری محمود بیگ صاحب مکی سابق مدرسہ علیہ بھوپال جناب محترم حبیب بن محمد عرب صاحب عربک لکچرار حمیدیہ کالج بھوپال۔ پہلے سال کل تعداد طلبہ شریک امتحان ۱۲۸ تھی جس میں ۱۰۴ کامیاب ہوئے۔ ان کامیاب طلبہ میں اور خصوصاً شعبۂ عربی میں ایسے طلبہ کی اکثریت ہے جو ڈویژن کے لحاظ سے اول و دوم پاس ہوئے اور ایسے طلبہ کی اقلیت ہے جو سوم درجہ میں کامیاب ہوئے۔

تربیت مذہبی :- تجربہ شاہد ہے کہ تنہا تعلیم مفید نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ تربیت بھی لازمی چیز ہے اسی بنا پر دارالعلوم کے ساتھ ہی ساتھ دارالاقامہ کا افتتاح بھی ہوا اور اس کے باوجود کہ دارالاقامہ میں طلبہ کا قیام ماہانہ فیس کی ادائیگی پر موقوف ہے، مسلمانوں نے کافی توجہ فرمائی اور اپنے بچوں کو دارالاقامہ میں داخل کیا۔

دارالاقامہ میں داخل ہونے والے طلبہ کو عـــ۵ــہ ماہوار فیس ادا کرنا لازم ہے۔ نادار طلبہ کو اگر وہ شعبۂ عربی میں تعلیم پانے والے ہوں بعد منظوری امیر دارالعلوم فیس کا کوئی جزو منجانب دارالعلوم بطور وظیفہ تعلیم بغرض تکمیل فیس ادا کر دیا جاتا ہے۔ ختم سال پر امتحان کے سالانہ موقع پر منجانب دارالعلوم و دارالاقامہ کے بچوں کے سرپرستوں سے

استفادہ کیا گیا۔ ان کے جوابات سے ظاہر ہے کہ وہ بے حد خوش اور مطمئن ہیں اور اپنے بچوں کے اخلاق و عادات میں مفید تبدیلی نیز ان میں دینی اطوار کردار دیکھ کر بہت مداح ہیں۔ متعدد اصحاب ایسے ہیں کہ تعطیل کے باوجود ان کے اصرار و ابا پر دارالاقامہ بند نہ کیا جا سکا اور ان کے بچے ان دنوں تعطیل میں بھی دارالاقامہ میں مقیم رہے۔

تاج المساجد :- دارالعلوم اور اس کا دارالاقامہ تاج المساجد بھوپال میں ہے۔ اس مسجد کی شان یہ ہے کہ یہ باہم بھی ہے اور سب سے بہتر بھی۔ یعنی آبادی سے قریب بھی ہے اور آبادی سے علٰحدہ بھی ایک پہاڑ پر واقع ہے جہاں تالاب کی لہر کر باہر سے میٹھے میٹھے کوسوں کا منظر آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے صحن مسجد ۲۵۰ فٹ مربع عمارت ہے جو تین طرف دالانوں سے دور دور سے مسافر اس کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں مسجد کے چاروں طرف صاف ستھرے میدان و ملان ہیں اس لئے یہ مقام جس قدر خوبصورت ہے اسی قدر آب و ہوا کے لحاظ سے بھی صحت بخش ہے ان تمام خوبیوں کے ساتھ سب سے اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ یہ مسجد تقریباً پچاس سال سے بے محلہ مسجد تھی اس لئے غیر آباد تھی اور اس کی تعمیر و تکمیلی ضروریات کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔

اب بحمد اللہ یہ مسجد آباد ہے دارالعلوم سے آباد ہے۔ دارالاقامہ سے آباد ہے۔ اب اس کا محلہ خود اس کی آغوش میں آباد ہے۔ اب یہاں کی اذان ویرانے کی اذان نہیں، اب یہاں کی نماز جماعت کی منتظر نہیں۔ اب اس مسجد کی تعمیری و تکمیلی ضروریات بھی دارالعلوم کے سامنے ہیں اور اللہ عزوجل سے امید واثق ہے کہ یہ سارے کام انجام پائیں گے۔

یہی وہ مسجد ہے جہاں بھوپال کی تبلیغی جماعت کا سالانہ اجتماع ہوتا ہے اور جہاں عمائد و صلحا کے علاوہ ہزارہا بندگان خدا ہر سال تین شبانہ روز کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں سے بمبئی، دہلی، مدراس اور کلکتہ کے علاوہ دور و نزدیک کیلئے بڑی بڑی جماعتیں پیدل و سواری سے روانہ ہو جاتی ہیں۔

دل کہتا ہے کہ آواز دینے والا آپ کو آواز دے رہا ہے کہ اے مسلمانو! آؤ اس عظیم الشان مسجد کو آباد کریں۔ اس کی تکمیل مسجد کی تعمیر کو اپنا فرض بنالیں آؤ! اس دارالعلوم کو قائم و دائم بنالیں اور اس طرح دین و ایمان کے مصطفوی چراغ کو گل ہو جانے سے بچا کر خود بھی اکتساب نور کریں اور عالم کو بھی جگمگادیں۔ آؤ! اس دارالاقامہ کی سرپرستی و شادابی کا ذریعہ بنالیں کہ یہاں ہمارے نونہال دینی تعلیم کے ساتھ دینی تربیت بھی حاصل کرسکیں۔ مسجد نبوی کی تعلیم اور اصحاب صفہ کی زمینت اب بھی رہ سکے۔ ضرورت ہے سچے طالب علموں کی ضرورت ہے اخلاص و احتساب کے ساتھ اللہ کے لئے قدم اٹھا دینے والوں کی۔

بھوپال کے گذشتہ دوروں میں تمام دینی مدرسے، دینی محکمے، اور دینی ادارے خزانہ سرکاری پر قائم تھے۔ برسہا برس اس فرض کو حکومت انجام دیتی رہی۔ اب یہ فرض اہل فرض کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ اب یہ بار خود مسلمانوں کے کاندھوں پر آچکا ہے۔ پہلے ضابطوں قاعدوں اور دفتری نظاموں سے یہ گاڑی چل رہی تھی اب دیندارانہ احساس، مسلمانہ فرض شناسی اور درد مندان ملت کی محنتوں اور دولتوں سے اس گلشن دین و ایمان کی آبیاری کرنا ہے پہلے عالم سکون تھا۔ اب

پر آشوب طوفان ہیں۔ پہلے جمود و غفلت طاری تھی اب عزم و حرکت کی ضرورت ہے۔ اب سے پہلے ہم پر موت کا سکر طاری تھا اب سرتاسر ہوش ہے، زندگی کی فولادی قوتیں اور صلاحیتیں ہم کو درکار ہیں اب ہم اسی طرح زندہ رہ سکتے ہیں اور اسی طرح اپنی دنیا و عقبیٰ بنا سکتے ہیں۔

یہ تمام تعمیری کام اور دارالعلوم بھوپال

یہ دارالعلوم، یہ دارالاقامۃ، یہ تعمیر مسجد ایسے کام ہیں کہ ان میں سے ہر کام کو دور و نزدیک کے تمام مسلمانوں کے لئے ایک مستقل فکر بن جانا چاہئے۔ نہ علم نبوت مقامی ہے نہ تربیت نبوی مقامی اور نہ مسجد جیسی عبادت گاہ مختص المقام مسلمانوں کی ملک، جاگیر اس لئے قرب و بعد کا کوئی سوال نہیں۔ دور و نزدیک کی کوئی بحث نہیں۔ جہاں جہاں تک اللہ کی بندگی کا تعلق عام ہے جہاں جہاں تک نسبت محمدی کا چراغ روشن ہے وہیں تک اس علم نبوت کو قائم و دائم رکھنے کی، اس تربیت دینی کو باقی رکھنے کی اس مسجد کو برقرار و آباد رکھنے کے ساتھ اس کی تعمیر و تکمیل کی ذمہ داری بھی عام ہے۔

ادارۂ دارالعلوم کے نام سے چند اللہ کے حقیر بندوں نے اپنی زندگی ان مقدس و پاکیزہ مقصدوں کے لئے وقف کر دی ہے۔ یہ ادارہ یوں سمجھئے کہ فرزندان ملت کی طرف سے ایک نمائندہ دینی علمی جماعت ہے اس کے دست و بازو کو طاقتور بنانا اس کے لئے راہ کی مشکلات کو دور کرنا ہر فرد ملت کو اپنا فرض سمجھنا چاہئے اور پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کی مرضی کے کاموں میں اعانت اللہ کے بندوں کا فرض ہے کہ تمام دینی کاموں کے لئے نیت کا اخلاص اور اللہ سے امیدواری کے ساتھ دستگیری کی طلب کامیابی و کامرانی کی بنیاد ہے



مدرسۂ محمدی مدراس

از جناب سید شاہ محمد صاحب (نائب قاضی مدراس)

مدرسہ محمدی مدراس کا قیام ۱۳۰۹ھ کے مبارک ماہ ربیع الاول میں عمل میں آیا۔ اس کا مقصد علوم اسلامیہ کی تعلیم اسلامی تہذیب، اخلاق اور ثقافت کی حفاظت تھی۔ مدرسہ اپنے مقاصد میں کسقدر کامیاب رہا۔ اس سے قطع نظر یہ حقیقت مسلّم ہے کہ اپنے ابتدائی دور میں علماء و فضلا کا علمی مرکز اور جنوبی ہند کا اعلیٰ مذہبی ادارہ تسلیم ہوتا رہا ہے یہاں کے فتاوے عالم اسلامی کے لئے نظیر ہوتے تھے، اور نہایت وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مدرسہ کے تذکرے استنبول۔ مصر اور ممالک عرب کے علمی رسائل میں ہوا کرتے تھے۔

مدرسہ ہذا میں یوں تو اب تک ہزاروں مسلم بچوں نے قرآن پڑھا۔ اور نماز سیکھی، اور سیکڑوں طلبہ نے مذہبی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ کئی طلبہ نے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی اور "دستار فضیلت" یعنی فراغ تحصیل علوم دینیہ حاصل کیں اور بہت سے طلباء نے قرآن مجید کو حفظ کیا۔ مدرسہ ہذا کے فارغ التحصیل علماء اور حفاظ نے بحمد اللہ جنوبی ہند میں اچھی شہرت حاصل کی۔

خدا کا شکر ہے کہ چھوٹی حیثیت ہی سہی بہرحال اس مدرسہ میں علوم دینی کی خدمت تاحال انجام ہوتی رہی ہے، درس نظامیہ چند تبدیلیوں کے ساتھ مروّج ہے۔ مدرسہ ہذا کے کتب خانہ میں بفضل خدا تقریباً پانچ ہزار قلمی اور مطبوعہ کتابیں مختلف فنون کی جیسے تفسیر، حدیث۔ فقہ ادب دینیو عربی، فارسی اور اردو میں موجود ہیں۔

اعلیحضرت ہزہائنس عظیم جاہ نواب غلام محی الدین خان بہادر پرنس آف آرکاٹ مدظلہ اس مدرسہ کے سرپرست اعلیٰ اور مفتی اعظم مولانا مولوی الحاج محمد حبیب اللہ صاحب گورنمنٹ سرقاضی مدراس پرنسپل ہیں۔ آپ کے علاوہ اور پانچ اساتذہ اس مدرسہ میں درس دیتے ہیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ مولوی حاجی قادر علی صاحب۔ ۲۔ مولوی محمد ابوبکر صاحب نظمیؔ ۳۔ مولوی شاہ ابوعزیز محمد رضا حسین صاحب قادری۔ ۴۔ مولوی محمد صادق صاحب۔ ۵۔ حافظ حاجی نظام الدین صاحب۔

فی الوقت ۷۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ جن میں سے پانچ طلبہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ اس ۶۵ سالہ چراغ کو جو ہمارے اسلاف نے اپنے پرخلوص ہاتھوں سے روشن کیا تھا۔ بجھنے نہ دے۔

كفىٰ بالله وليا وكفىٰ بالله نصيرا ۔

شہروں سے دور ایک تعلیمی مہم!

مدرسہ فاروقیہ قصبہ صبرحد (جونپور)

از جناب ریاض احمد خان صاحب فاروقی

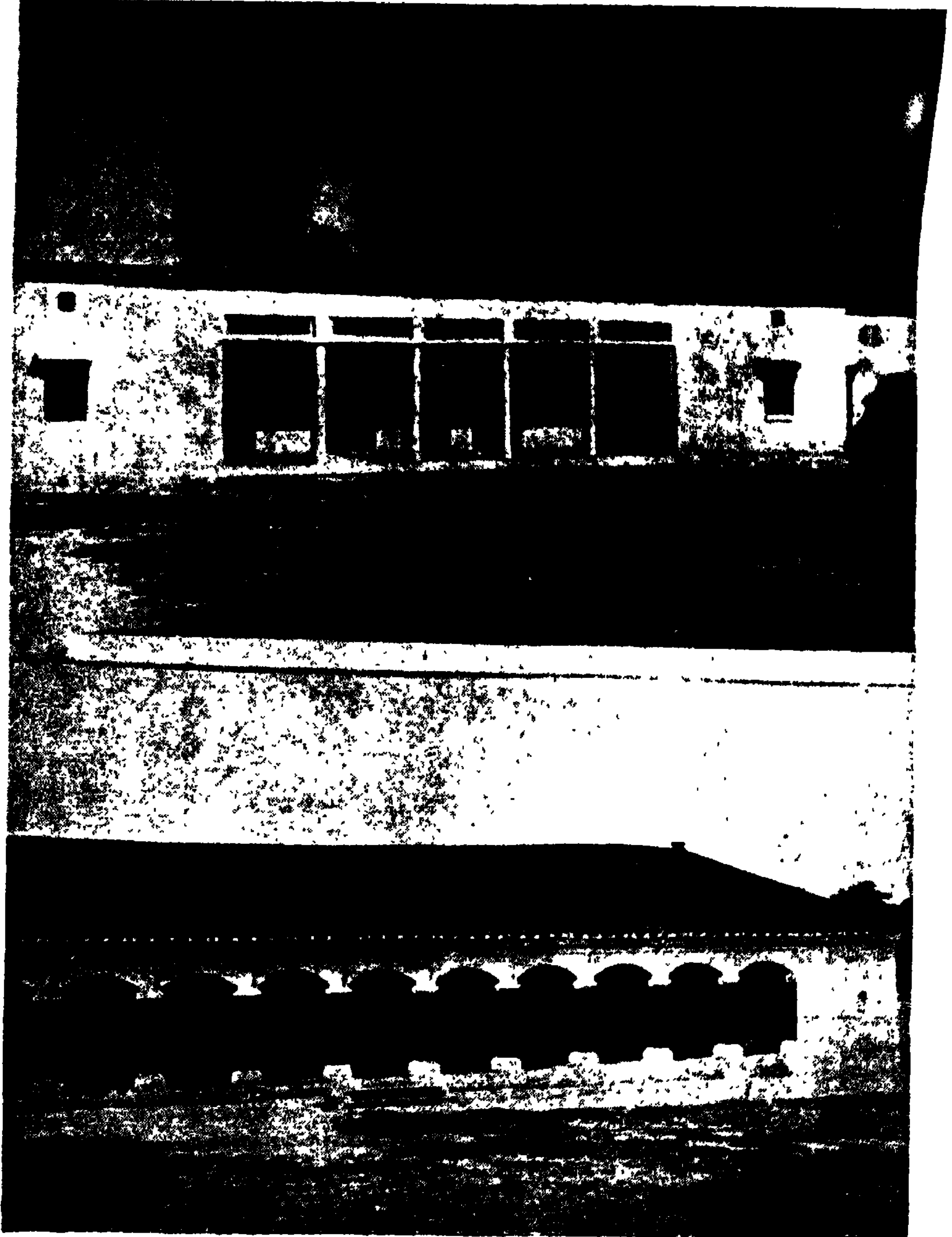
صبرحد شاہ گنج سے ملا ہوا جونپور کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے لیکن تاریخی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے یہ عام سطح سے ۱۵۔۲۰ فیٹ کی بلندی پر آباد ہے اکثریت مسلمانوں کی ہے یہاں کسی زمانہ میں بعض تاریخی لڑائیاں بھی لڑی گئیں، شیخ نصیرالدین شہید، شیخ ابراہیم شہید، شیخ مبارک شہید اور بڑے میاں کے اونچے مقبروں سے اور بزرگوں کی زبانی اس بات کا پورا ثبوت ملتا ہے۔

مولانا فضل کریم مرحوم، مولانا حسین علی مرحوم، مولانا عبدالعلی مرحوم اور مولانا عبدالصمد مرحوم جیسے عالم باعمل شاہ الہی اور شاہ عبداللہ مرحوم جیسے صوفی باصفا اسی سرزمین کی پیداوار ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ خطہ راج بھڑوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس کو شیخ عبداللہ نے جو شاہ وقت کے سپہ سالار تھے فتح کیا تھا بادشاہ نے خوش ہو کر بطور انعام انہیں بخش دیا اور یہیں وہ آباد ہو گئے۔

آج سے دس سال پہلے اس بستی میں منافرت اور مخاصمت کا بڑا زور تھا اور یہ مخاصمت بڑھتے بڑھتے جنگ و جدال اور کشت و خون میں تبدیل ہو گئی۔ قصبہ کے چند دردمند نوجوانوں کو اس حالت سے بڑی تشویش پیدا ہوئی جون ۱۹۴۲ء میں انھوں نے انجمن شبان المسلمین کے نام سے ایک جماعت بنائی۔ اس جماعت نے پہلا کام جو اپنے ذمہ لیا وہ جہالت کو دور کرنا اور دینی تعلیم کی اشاعت تھی اس طرح ایک رکن کے دروازہ پر ایک مدرس اور چند بچوں پر مدرسہ فاروقیہ کی بنیاد پڑی۔ ابتدا میں سارا قصبہ مخالف تھا کہ یہ چند دیوانے نجانے کیا فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں؟ پر یہ دیوانے بڑی ہوشیاری سے اپنا کام کرتے رہے انھوں نے اب اپنی مستقل زمین بھی خرید لی اور ایک چھپر ڈال کر اس کے نیچے طلبا کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے رہے۔ طلبا کی تعداد دن بدن بڑھتی رہی جو لوگ گھر میں بیٹھ کر انجمن کو برا کہتے تھے تعلیم و تربیت سے متاثر ہو کر وہ بھی اپنے بچوں کو مدرسہ میں بھیجتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد چھپر کی جگہ ارکین اور ہمدردوں کی توجہ سے ایک اچھی خاصی عمارت تیار ہو گئی۔ طلبا کی تعداد کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی تعداد بھی بڑھتی رہی۔ آج بحمداللہ آٹھ اساتذہ (جن میں چار

مدرسہ فاروقیہ مسجد جونپور



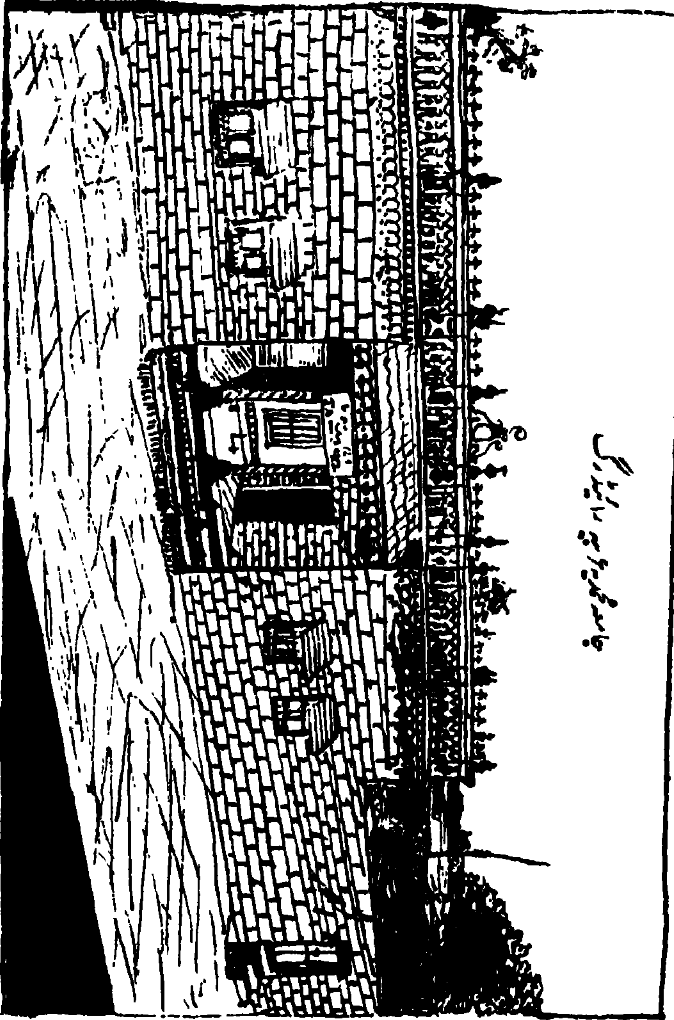
دیوبند کے فاضل ہیں) ڈھائی سو سے زیادہ طلبا کو لے کر تعلیم و تدریس میں مشغول ہیں۔

مدرسہ سے بچوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی بچیوں کی تعلیم کا بھی انتظام کر رکھا ہے تاکہ آج کی یہ ننھی اور بھولی بھالی بچیاں کل جب تعلیم و تربیت کا گہوارہ بنیں تو قوم کے نونہالوں کی صحیح پرورش و تربیت کر سکیں۔ دو سال سے مدرسہ میں باہر کے طلبا کے قیام و طعام کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے۔ بچوں کی استعداد اور صلاحیت کو آگے بڑھانے کے لئے ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ کتب خانہ بھی موجود ہے۔ نصابِ تعلیم کم و بیش وہی ہے جو جمعیۃ نے پیش کیا ہے۔ اساتذہ کی نگرانی میں بچے ہر ہفتے تقریر کی مشق کرتے ہیں اور تحریر کو دلاویز و پختہ بنانے کے لئے قلمی رسالے نکالتے ہیں۔ ابتک مدرسہ سے تقریباً ڈیڑھ سو طلبا باقاعدہ فارغ ہو کر تعلیم و تربیت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

تعلیم و تربیت کے ساتھ قوم کی معاشی حالت کو درست رکھنے کے لئے انجمن نے دارالصنائع کی تجویز اپنے سامنے رکھی ہے۔ اس کے لئے ایک نئے طرز کی عمارت تیار ہو گئی ہے۔ صنعتی ادارہ کی مشینوں کو چلانے کے لئے ہزاروں روپے کی مالیت کا ایک بہت بڑا انجن خرید لیا گیا ہے جو آٹا پیسنے، چاول کوٹنے اور تیل نکالنے کے علاوہ دارالصنائع کی مشینوں کو بھی چلاتا رہے گا۔

اس طرح آہستہ آہستہ مدرسہ کو خود کفیل بنانے کے لئے اراکین کی دیرینہ خواہش پوری ہوتی جا رہی ہے۔ خدا وہ دن جلد لائے جب یہ ادارہ اپنے بوجھ کو خود اٹھا لے۔

قرب جوار کے لوگوں کو اپنے کاموں سے باخبر رکھنے اور باقاعدہ حساب کتاب پیش کرنے کے لئے انجمن ہر سال اپنا ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کرتی ہے جس میں ملک کی قابل ترین ہستیوں اور رہنماؤں کو مدعو کیا کرتی ہے۔ مدرسہ کا یہ سالانہ اجتماع اس درجہ مقبول ہے کہ دور دراز سے لوگ جوق در جوق اتنی کثیر تعداد میں تشریف فرماتے ہیں کہ مدرسہ کا طویل و عریض صحن بھی ناکافی ہوتا ہے۔ اس وقت جبکہ یوپی میں اردو اور دینی مدارس عام طور سے کس مپرسی کے عالم میں پڑے ہوئے ہیں بقول مولانا محفوظ الرحمن صاحب "امی" یہ ایک پہلی مثالی درسگاہ ہے جو صرف نام و نمود میں نہیں مبتلا ہے بلکہ اسے فکر فردا ہے۔ "۲۲ فروری ۱۹۵۵ء" حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مدرسہ کی دعوت پر تشریف لائے تھے معائنہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ "کام بہت ہی موزونیت اور سلیقہ سے ہو رہا ہے اور کارکنان مدرسہ نے بنیادی مقصد ہاتھ میں لے لیا ہے" اسی طرح وقتاً فوقتاً دیگر اکابرین قوم نے بھی مدرسہ کا معائنہ کر کے اطمینان کا اظہار فرمایا ہے۔ ابھی حال میں ہی اترپردیش کے پارلیمنٹری سکریٹری جناب عبدالمنان صاحب جعفری اور قومی آواز کے ایڈیٹر جناب حیات اللہ انصاری صاحب مدرسہ میں تشریف لائے تھے۔ ان دونوں معزز مہمانوں نے مدرسہ کو دیکھ کر فرمایا کہ ہمیں حیرت ہے کہ ایک چھوٹے سے قصبہ میں اتنا ٹھوس اور تعمیری کام حکومت کی امداد کے بغیر کس طرح انجام پا رہا ہے۔ مدرسہ کے موجودہ ناظم جناب حکیم قمرالدین صاحب اصلاحی نے اپنے سالانہ اجتماع میں قوم کے سامنے اپنے آئندہ ارادوں کا جو خاکہ پیش کیا ہے امید کے مطابق اگر وہ جلد بروئے کار آ گیا تو یقیناً اس سے قوم و ملت کو توانائی و زندگی ملے گی۔ خدا اس ملی ادارہ کو تا دیر قائم رکھے۔



جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ

جامعہ محمدیہ عربیہ رائیڈرگ اور جنوبی ہند کی دوسری درسگاہیں

مولوی ظہیر الدین صاحب مبارکپوری صدر مدرس

آج سے انتیس سال قبل جامعہ محمدیہ کی بنیاد "انجمن محمدیہ" کی صورت میں مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید اسمٰعیل صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ ولازوال شموس علمہ بازغۃ" کے مبارک ہاتھوں پڑی۔ جس بے سروسامانی کے عالم میں جامعہ کی ابتدا ہوئی تھی اسے دیکھ کر یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کبھی اس پر انتیس سال بھی گذریں گے۔ لیکن جب کام نیک ہو اور دل میں خلوص ہو اور حوصلے بلند ہوں اور ارادے مضبوط ہوں تو قدرت ساتھ دیتی ہے۔ غیب سے سامان مہیا ہوتے ہیں۔ متنزلزل قدموں کو ثبات عطا ہوتا ہے۔ اور خار راہ پھول بن کر "آگے بڑھو" کی دعوت دیتے ہیں۔ بشرطیکہ توکل صرف اللہ کی ذات پر ہو۔ عسر بھی اسی کی طرف سے سمجھا جائے اور یسر بھی۔ عسر کو اس کی رضا جوئی میں جھیلا جائے اور یسر کو اس کی راہ میں پیش قدمی کے لئے رحمت سمجھا جائے۔

رائیڈرگ جب کوئی شخص پہلی مرتبہ رائیڈرگ آتا ہے تو اس کو جو چیز سب سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ چاروں طرف پھیلے ہوئے اونچے اونچے پہاڑوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ ان پہاڑوں پر پتھر کے بڑے بڑے ڈھیموں کو ایک کے اوپر ایک بے ترتیبی کے ساتھ پڑے ہوئے دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی ہے۔ انھیں پہاڑی سلسلوں کے اندر ایک سب سے اونچے پہاڑ کے عین دامن میں ایک پُر فضا مقام پر رائیڈرگ کی آبادی پھیلی ہوئی ہے۔ رائیڈرگ سطح سمندر سے اٹھارہ سو پچاس فٹ اونچا اور جنوبی ہندوستان کے سرد ترین مقام نیلگری سے قریب ہے۔ اس لئے یہاں کی آب و ہوا خوش گوار اور معتدل ہے سال کے بارہ مہینے موسم بہار کا لطف رہتا ہے۔ یہ ایک تاریخی مقام ہے اور یہاں حیرت انگیز قدیم تاریخی آثار کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ کتب تواریخ میں سب سے پہلے بیجاپور کی عادل شاہی حکومت کے زمانہ میں رائیڈرگ کا نام اسی نام کی ایک تحصیل کا صدر مقام ہونے کی حیثیت سے ملتا ہے۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں مسلمان کب آئے۔ لیکن قیاس یہ ہے کہ سلطنت وجیانگر کی تباہی کے بعد جب یہ تمام علاقے عادل شاہی حکومت کے ماتحت آئے تو رائیڈرگ بھی اسی حکومت کے ماتحت آگیا

اور اسی وقت سے ان اطراف و علاقہ جات میں مسلمانوں کی باقاعدہ آمد شروع ہوئی۔

جب زمین خشک ہو جاتی ہے اور دور دور تک کہیں ہریالی کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا اس وقت قدرت " اپنی چھاتی سے پانی کا دودھ دھرتی کے منہ میں ٹپکاتی ہے " اور پھر زمین زندگی کی روح سے بھر جاتی ہے اور ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب دلوں کی کھیتی خشک ہو جاتی ہے اور لوگوں کے دل ایمان کی روشنی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بجائے عقائد باطلہ اور اولیاء شیطان کے مسکن بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کا انتخاب کرتا ہے۔ ان اللہ یبعث علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (ابو داؤد) تاکہ وہ دلوں کی خشک کھیتی اسلام و ایمان کی روشنی سے منور کر دے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ ہدایت دکھاوے۔ قدرت نے جنوبی ہندوستان میں اس کام کیلئے حضرت مولانا سید اسمٰعیل صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ ولازال شموس علمہ بازغۃ "، کو منتخب کیا تذکرہ آگیا ہے تو آپ کا مختصر تعارف بھی ہو جائے تو اچھا ہے۔

مختصر تعارف | آپ جامعہ محمدیہ عربیہ کے بانی اور مہتمم ہیں۔ اس لئے آئندہ میں آپ کو مہتمم جامعہ ہی لکھوں گا کیونکہ آپ اسی نام کے ساتھ زیادہ تر مشہور ہیں۔ مہتمم جامعہ پیدائش اور سکونت کے اعتبار سے تو رائیڈرگی ہیں لیکن آپ کی ظاہری شکل " لمبا بھاری بھر کم جسم۔ بھرے ہوئے کلے کی گنجان اور لمبی داڑھی۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ کمان کے جیسے ابرو، ہونٹ ذرا دبیز۔ محراب دار اونچی پیشانی سر مدراسیوں کی نسبت بڑا اس پر دراز زلفیں جو کبھی منت پذیر شانہ نہ ہوئی ہوں " (منتی بال) یہ بتاتی ہے کہ آپ اس سرزمین (رائیڈرگ بلکہ جنوبی ہندوستان) کی پیداوار نہیں ہیں۔ مزید سیسے میں ڈھلا ہوا گلا۔ آواز جیسے آل انڈیا ریڈیو۔ زبان جو تھکنے کا نام نہ لے۔ اس ہئیت کذائی کے ساتھ جب آپ اپنی گرجدار اور سو فیصدی مردانہ آواز میں کسی مجمع کو مخاطب فرماتے ہیں ایک سماں باندھ دیتے ہیں۔ آسمان و زمین کی کل کائنات گوش برآواز ہو کر نقش دیوار بن جاتی ہے۔ جب قرآن شریف کی تلاوت فرماتے ہیں تو آسمان سے حور و ملک رحمت اور مرحبا کے پھول برساتے ہیں۔ تیس پینتیس برس کے عرصہ میں ہندوستان نے تین مقرر دیکھے۔ ایک مولانا ابوالکلام آزاد۔ دوسرے نواب بہادر یار جنگ مرحوم۔ تیسرے عطاء اللہ شاہ بخاری چوتھے کا اضافہ میں اپنی طرف سے کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید اسمٰعیل صاحب کا۔ آپ کا انداز خطابت بالکل مختلف بالکل انوکھا۔ بالکل نیا ہے۔ آپ اپنے اس نئے فن خطابت کے موجد بھی ہیں اور مقلد بھی۔ دوسرے جس مفہوم کو دس منٹ میں ادا کریں گے اسی کو

حضرت مہتمم پوری رات پھیلا دیں گے اور اس انداز سے کہ آپ سمجھیں گے ایک ہی موضوع پر تقریر ہو رہی ہے جب آپ سن رشد کو پہنچے تو آپ کی اسکولی زندگی شروع ہوئی اور دستور کے مطابق مقامی اسکول میں داخل کئے گئے مگر آپ کی طبیعت نہیں لگی۔ قسمت نے یاوری کی اور آپ امرتسر پہنچ گئے۔ اس وقت خاندان غزنویہ کے آفتاب عارف باللہ مولانا سید عبدالغفور صاحب قدس سرہ کا فیض "مدرسہ سلفیہ غزنویہ کے نام سے جاری تھا۔ آپ بھی حلقۂ بگوشان عقیدت میں داخل ہو گئے اور علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل کے بعد جب آپ واپس وطن ہوئے تو آپ کی شان ہی نرالی تھی اپنے استاذ کے "ظل" وہی "غزنویت" اور وہی "سلفیت" کچھ دنوں ضلع نار تھ کرنا کے مشہور مقام سرسی میں آپ نے سلسلۂ درس و تدریس قیام فرمایا مگر آپ کی سیمابی طبیعت (غزنویت اور سلفیت جو آپ کی طبیعت بن چکی تھی) نے وہاں چین لینے نہیں دیا اور آپ نے بہت جلد سرسی کو خیرباد کہا اور واپس رائیڈرگ آگئے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے تبلیغ و اشاعت اسلام اور اعلائے امت کا ایک خاکہ مرتب کیا اور اس کے مطابق کام کا آغاز فرمایا۔ آپ کے سامنے چار صورتیں تھیں (۱) تقریر (۲) کتب مذہبی کی اشاعت اور مفت تقسیم (۳) آل انڈیا تبلیغی کانفرنسوں کا انعقاد (۴) ایک عربی درسگاہ کا قیام۔ آپ نے بیک وقت ان چاروں صورتوں کو عملی جامہ پہنایا اور خدا کا شکر ہے کہ آج تک یہ چاروں سلسلے قائم ہیں۔

جامعہ کا قیام مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید اسمٰعیل صاحب مدظلہ العالی کی زندگی کا سب سے بڑا اور دور رس اور دیرپا نتائج کے اعتبار سے سب سے اہم کارنامہ جامعہ کا قیام ہے۔ آپ نے قیام جامعہ کے سلسلہ میں قدرت کے مقرر کئے ہوئے تدریجی ارتقاء کو سامنے رکھا۔ سب سے پہلے آپ نے انجمن محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ جب اس میں کچھ کامیابی ہوئی اور کام آگے بڑھا تو انجمن کے ماتحت ایک اردو اسکول قائم فرمایا جو بعد میں گورنمنٹ مدراس سے منظور ہو کر ایلیمنٹری اسکول کے نام سے آج تک قائم ہے۔ چونکہ یہ کام حسبتہً للہ اور خلوص کے ساتھ شروع کیا گیا تھا اس لئے تائید ایزدی نے بھی پورا پورا ساتھ دیا اور مدرسہ ترقی کرتا گیا یہاں تک کہ باہر سے طلبہ کی آمد شروع ہوگئی۔ جب عربی خواں طلباء کی ایک اچھی خاصی تعداد جمع ہو گئی تو شمالی ہندوستان سے قابل اور مستند علماء کو بلا کر باقاعدہ عربی تعلیم کا افتتاح کیا گیا۔ اور مدرسہ کا نام جامعہ محمدیہ عربیہ رکھا گیا اور بیرونی طلبہ کی کثرت ہوئی تو جامعہ میں مطبخ قائم کیا گیا اور طلبہ کے قیام و طعام کا بہتر سے بہتر انتظام کیا گیا اور ساتھ ہی مسلمانوں کی غربت اور یتیموں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھتے ہوئے "یتیم خانہ محمدیہ کھولا گیا تاکہ قوم کے وہ

نونہال جن کا بظاہر کوئی سہارا اور جو ماں باپ کی شفقت بھری گود سے محروم ہونے کے بعد دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد یا تو عیسائی مشنریوں کا شکار ہو جاتے ہیں یا پھر آوارہ گردی میں مبتلا ہو کر قوم کی رسوائی کا سبب بنتے ہیں" وہ یتیم خانہ محمدیہ کی زیر پرورش رہ کر آسانی کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکیں اور پھر بہترین انسان بن کر باعزت زندگی بسر کر سکیں۔ اس کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہاں مدراس یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات منشی فاضل، ادیب فاضل، افضل العلماء" کی بھی تعلیم کا انتظام کیا جائے تاکہ جامعہ کے طلباء مذکورہ امتحانات میں سے کوئی ایک امتحان پاس کر کے سرکاری اسکولوں، کالجوں یونیورسٹیوں میں بھی ملازمت کر سکیں اور تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ان کا معاشی مسئلہ کسی حد تک حل ہو سکے اسی خیال کے پیش نظر مدراس یونیورسٹی کو الحاق کی درخواست دی گئی یونیورسٹی کا ایک کمیشن محترم المقام کرمفرمائے جامعہ افضل العلماء عالی جناب مولانا الحاج خان بہادر ڈاکٹر عبدالحق صاحب ایم، اے ڈی فل ممبر آف سروس کمیشن متعنا اللہ لطول بقائہ کی قیادت میں رائیڈرگ آیا اور اسی کمیشن کی رپورٹ پر الحاق منظور ہو گیا۔ اس وقت سے ہر سال جامعہ کے متعدد لڑکے ان امتحانات میں شریک ہوئے اور امتیازی نمبروں کے ساتھ کامیاب ہوتے آرہے ہیں اور یہاں سے جا کر مختلف ہائی اسکولوں اور کالجوں میں ملازم ہو کر باعزت زندگی گذار رہے ہیں۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے والے تمام طلبہ کو کتابیں مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ عربی خواں طلبہ کو حسب مراتب ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ مشرقی امتحان میں شرکت کرنے والے بچوں کی فیس اور امتحان میں شرکت کے لئے سنٹر تک آمد و رفت کا خرچ بھی جامعہ ہی برداشت کرتا ہے۔

نصاب تعلیم عربی تعلیم کے افتتاح کے آٹھویں سال جبکہ جامعہ میں پہلی مرتبہ نصاب درس کی تکمیل ہوئی جلسۂ تقسیم اسناد منعقد کیا گیا جس میں ہندوستان بھر کے مشہور علماء کرام اور ماہرین تعلیم نے شرکت کی اور جامعہ میں پہلی مرتبہ فارغ ہونے والے طلباء کو سند فراغ "شہادت علمیہ" دی گئی اس کے بعد ابتک یہ سلسلہ جاری ہے اور ہر سال متعدد فارغ التحصیل طلباء کو سند دی جارہی ہے۔ اسی جلسہ میں نہایت غور و فکر کے بعد جامعہ کا ہشت سالہ نصاب درس مرتب کیا گیا اور آج تک اسی نصاب کے مطابق یہاں تعلیم دی جارہی ہے ورنہ اس سے پہلے اسی نصاب قدیم کے مطابق جو عموماً دوسرے عربی مدارس میں رائج ہے یہاں بھی تعلیم دی جاتی تھی یہ جامعہ کی تدریجی ارتقاء اور نشو ونما کا مختصر خاکہ ہے۔ وہ جامعہ جس کی آج سے انتیس سال قبل ایک معمولی کرایہ کے مکان میں ابتدا ہوئی جس کی اپنی کوئی ملکیت نہیں تھی وہی آج جامعہ محمدیہ عربی کالج کی صورت میں آپ کے سامنے

ہے جس کی اپنی شاندار بلڈنگ ہے اور جس کا سالانہ خرچ سیکڑوں سے گذر کر پچاسوں ہزار تک پہنچ چکا ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کے خلوص اور مسلسل قربانیوں اور جامعہ کے بے شمار ہمدردوں کی نیک دعاؤں اور اس کے مخلص کرمفرماؤں کی خسروانہ مرحمتوں کا نتیجہ ہے کہ جامعہ انتیس سال سے مسلمانوں کی بہترین خدمت انجام دے رہا ہے اور اس کی شہرت ہندوستان اور ہندوستان کے علاوہ ممالک غیر میں بھی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور یہاں ہندوستان کے تمام گوشے مدراس۔ بمبئی۔ سی پی۔ حیدرآباد۔ میسور۔ نیز ہندوستان باہر جزائر مالدیپ۔ گوا وغیرہ کے لڑکے تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ اور یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر اطراف ملک میں مختلف سرکاری اور غیر سرکاری تعلیم گاہوں میں درس وتدریس کی خدمت اور بہت سے مساجد میں امامت وخطابت کی خدمت انجام دیتے ہوئے باعزت اور ممتاز زندگی گذار رہے ہیں۔ آج بھی جامعہ میں تین سو سے زائد طلبا مصروف تعلیم ہیں علاوہ ازیں راتوں میں بھی پڑھائی کے واسطے جامعہ کے اندر شبینہ مدرسہ کا انتظام کیا گیا ہے اگر راتوں میں پڑھنے والوں کی تعداد شامل کرلی جائے تو طلبہ کی مجموعی تعداد اور بڑھ جاتی ہے۔ جامعہ کی خدمات کے انتیس سال کی کی مدت بظاہر بہت طویل معلوم ہوتی ہے لیکن ایک بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح اور قوم میں ذہنی انقلاب پیدا کرنے اور پوری قوم کو راہ راست پر لانے کیلئے یہ مدت بہت ناکافی ہے۔ اس ناکافی مدت میں بھی جامعہ نے جو کچھ کیا وہ ہمارے وہم وگمان سے زیادہ ہے۔ اور اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں۔

جامعہ کے مختلف شعبے جامعہ محمدیہ عربی کالج۔ ایک وسیع ادارہ ہے جو انجمن محمدیہ کے ماتحت چل رہا ہے فی الحال جامعہ میں حسب ذیل شعبے قائم ہیں۔

(۱) عربی کالج اس شعبے میں طلبہ کو کتب عربی کے ذریعہ مذہبی تعلیم دی جاتی ہے۔ قرآن مجید اور صحاح ستہ کے علاوہ دوسرے علوم آلیہ مروجہ ادب۔ منطق۔ فلسفہ فقہ اصول فقہ۔ نحو۔ صرف۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ معانی بیان۔ عقائد۔ وغیرہ وغیرہ کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہے شمالی ہندوستان کے قابل اور مستند اور مشہور درسگاہوں کے فارغ التحصیل علماء اس خدمت پر مامور ہیں۔ نصاب تعلیم آٹھ سال کا ہے۔ نصاب کی تکمیل کے بعد طلبہ کا امتحان لیا جاتا ہے اور پاس والے طلبا کو سند فراغ اور دستار فضیلت دی جاتی ہے۔

(۲) اورنٹیل کالج اس شعبے میں طلبہ کو مشرقی امتحانات منشی فاضل۔ ادیب فاضل اور افضل العلماء کی تعلیم دی جاتی ہے مدت تعلیم چھ سال ہے۔

امتحانات تین ہیں۔ انٹرنس۔ پریلیمنٹری۔ فائنل۔ ان تین امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد مدراس یونیورسٹی کی ڈگری دی جاتی ہے۔

(۳) ایلیمنٹری اسکول اس شعبے میں گورنمنٹ کے منظور شدہ نصاب کے مطابق بچوں کو سات کلاس تک اردو کی تعلیم دی جاتی ہے اس کے بعد بچوں کو عربی کالج میں یا ان بچوں کی خواہش کے مطابق اورینٹل کالج میں داخل کر لیا جاتا ہے۔

(۴) یتیم خانہ محمدیہ اس میں قوم کے وہ نونہال داخل کئے جاتے ہیں جن کا نہ کوئی وارث ہوتا ہے اور نہ سہارا اور جو ماں باپ کی شفقت بھری گود سے محروم ہونے کے بعد یتیم کے نام سے پکارے جاتے ہیں یا وہ غریب بچے داخل کئے جاتے ہیں جن کے ماں باپ غریب ہیں اور اپنی غربت کے باعث بچوں کو تعلیم دلانے سے مجبور ہیں۔ اس شعبے میں فی الحال کم سو پچاس لڑکے داخل کئے جاتے ہیں۔ جن کی تعلیم کے ساتھ سہ وقتہ بہترین کھانے اور دوسری ضروریات زندگی کا کفیل جامعہ ہوتا ہے۔ آئندہ اس شعبہ کو اور زیادہ وسعت دینے کا خیال ہے۔ اس وقت بھی ایک سو پچاس بچے موجود ہیں۔

(۵) دار التبلیغ محمدیہ تبلیغ کی اہمیت اور ضرورت ہر زمانہ میں مسلم رہی ہے یہ شعبہ اسی اہمیت کے پیش نظر قائم کیا گیا ہے۔ خاص کر ان مسلمانوں کے لئے جو جامعہ سے دور ہونے کی وجہ سے جامعہ کی مقدمات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس شعبہ کی طرف سے علماء کرام دور دراز قریوں، قصبوں اور شہروں میں گھوم کر تبلیغ کرتے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب کا زیادہ وقت سفر ہی میں گذرتا ہے اور آپ کے اسفار خاص کر اسی غرض کے لئے ہوتے ہیں۔

(۶) دار الاشاعت محمدیہ اس شعبہ کی طرف سے مختلف قسم کی مذہبی و اصلاحی چھوٹی چھوٹی کتابیں مفید عام اشتہارات چھپوائے اور مفت تقسیم کئے جاتے ہیں اور بوقت ضرورت مفید اور اصلاحی کتب دوسرے کتب خانوں سے منگوا کر بھی اپنے خرچ سے مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ آئندہ اس شعبہ کو بہت زیادہ وسیع اور مفید عام بنانے کا خیال ہے۔

(۷) دار الافتاء محمدیہ اس شعبہ کی طرف سے باہر سے آنے والے بے شمار فتووں کا جواب نہایت تحقیق کے ساتھ مدلل و محقق دیا جاتا ہے۔

(۸) دار الصنائع محمدیہ ہمارے اسلاف نے علم کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا وہ اپنی معاشی ضرورت کے لئے مختلف قسم کی صنعت اور حرفت کو بطور پیشہ اختیار کرتے تھے وہ کسی کا دست نگر اور محتاج ہونا ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ خودداری ان کا شعار تھا اسی لئے ظالم بادشاہوں کے سامنے بھی وہ کلمۂ حق کہنے سے نہیں جھجکتے تھے آج علم کی عزت نہیں۔ علماء کرام

ذلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت و حرفت کے ذریعہ رزق حاصل کرنے کے بجائے دوسروں کے دست نگر ہیں۔ اس کی تمام تر ذمہ داری عربی مدارس پر ہے آج عربی مدارس میں یہ زبردست خامی ہے کہ ان میں صنعت و حرفت کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ جامعہ نے اس خامی کو دور کرنا چاہا اور اس شعبہ کے ذریعہ خیاطی پارچہ بافی۔ نجاری۔ جلدسازی وغیرہ جیسی مفید صنعتوں کو ان کے ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری کیا تاکہ یہاں سے جو طلباء فارغ التحصیل ہوکر نکلیں وہ علم کو ذریعہ معاش بنانے کے بجائے اسلاف کے طریقہ پرچل کر صنعت دستکاری کو ذریعہ معاش بنائیں اور تعلیمی اور مذہبی خدمات کو بلامعاوضہ حسبۃً للہ انجام دے سکیں۔ مگر گزشتہ دو سال سے سرمایہ کی کمی اور ضروری سامان کے نہ ہونے اور بعض دوسری مجبوریوں کے باعث اس شعبہ کو بند کر دیا گیا ہے مگر یہ ارادہ قطعی ہے کہ حالات کے سازگار ہوتے ہی فوراً اس شعبہ کو دوبارہ جاری کر دیا جائے گا۔

(۹) کتب خانہ محمدیہ دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کے نزدیک ان کا سب سے بڑا سرمایہ حیات ان کا علمی کتب خانہ ہوتا ہے۔ قوم کی علمی ترقی کے لئے جتنی ضرورت تعلیمی اداروں اور مدرسوں کی ہوتی ہے اس سے زیادہ علمی کتب خانوں اور لائبریوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کو شروع سے ہی اس ضرورت کا احساس تھا اور آپ نے جامعہ کے ساتھ کتب خانہ محمدیہ کو بھی قائم فرمایا اور اس کی ترقی اور وسعت کی طرف اپنی خاص توجہ مبذول فرمائی۔ سب سے پہلے اپنا ذاتی کتب خانہ جو بہترین اور نادر کتابوں پر مشتمل تھا اور جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے کتب خانہ کو وقف فرمایا۔ اور زرکثیر صرف کرکے ہندوستان اور بیرون ہند کے مختلف کتب خانوں سے بہترین کتابیں منگوائیں اور ہمدردان جامعہ سے کوشش کرکے ہزاروں کتابیں وقف کروائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس وقت جامعہ کا کتب خانہ کافی وسیع ہے اور ہر علم وفن کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ کتب خانہ میں موجود ہے۔ زیادہ تر کتابیں عربی۔ فارسی اور اردو میں ہیں۔ انگریزی۔ تلگو۔ کنڑی۔ ملیالم۔ تامل وغیرہ زبانوں کی کتابوں کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔ نادر اور قلمی کتابوں کا بھی معتدبہ مجموعہ ہے ان میں بعض کتابیں تو ایسی نادر ہیں جو سوائے کتب خانہ محمدیہ کے اور کہیں دستیاب ہو ہی نہیں سکتیں۔ کتب خانہ دو حصوں میں تقسیم ہے ایک حصہ صرف درسی کتب کے لئے مخصوص ہے۔ جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کو درسی کتابیں یہیں سے مستعار دی جاتی ہیں۔ دوسرے حصے میں وہ کتابیں ہیں جو مطالعہ کے لئے مخصوص ہیں اس حصہ کی حیثیت پبلک لائبریری کی ہے یہاں سے طلبائے جامعہ کے علاوہ دوسرے شائقین کو بھی کتابیں دی جاتی ہیں اور جو لوگ یہاں پہنچ نہیں سکتے طلب کرنے پر ان کو کتب خانہ کے قواعد وضوابط کے مطابق کتابیں بذریعہ

پارسل بھیجی جاتی ہیں۔ فیس کسی سے کچھ نہیں لی جاتی البتہ پارسل کے ذریعہ کتابیں منگوانے والے شائقین کو پارسل خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

طلبہ کی معلومات میں اضافہ اور ان کو زمانہ حاضرہ کے حالات سے روشناس کرانے کے لئے۔ سہ ماہی ماہانہ۔ پندرہ روزہ۔ ہفتہ وار۔ روزانہ سہ روزہ اخبارات و رسائل بیسیوں کی تعداد میں کتب خانہ کی طرف سے جاری ہیں۔ علاوہ ازیں علمی امداد۔ دارالمطالعہ کا معقول انتظام ہے۔ طلبہ میں تحریر و تقریر کا مادہ پیدا کرنے اور ان کی اس قوت کی نشوونما کے لئے ایک انجمن "جمعیۃ الادب" کے نام سے قائم ہے جس کا ہفتہ واری اجلاس کسی مدرس کی نگرانی میں باقاعدگی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں طلبائے جامعہ اردو۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی وغیرہ میں تقریر و تحریر کی مشق کرتے ہیں۔ نماز پنج وقتہ اساتذہ کی معیت اور نگرانی میں نہایت پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے صبح کے وقت کلام مجید کی تلاوت بھی باقاعدگی کے ساتھ کرائی جاتی ہے۔ بچوں کو ہر وقت پاک و صاف رہنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ صفائی کا بہترین انتظام ہے۔

یہ جامعہ کے مختصر حالات ہیں جو کسی تبصرہ کے محتاج نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو ادارہ قابل اور مستند اہل علم حضرات کی نگرانی میں مذکورہ بالا مقاصد اور حالات کے ماتحت قائم اور چل رہا ہو اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں اور بلا شبہ قوم و ملک کو اس سے عظیم الشان فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس ادارہ کی طرف مسلمان متوجہ ہوں اور ان تمام ضروریات کو جو اس وسیع ادارہ کو اس وقت لاحق ہیں پورا کر کے اپنا فرض ادا کریں۔ مثال کے طور پر اس وقت جامعہ کی سب سے اہم اور لائق توجہ ضرورت "تعمیر دارالاقامہ" ہے۔ جامعہ میں طلباء کے رہنے کے لئے دارالاقامہ کی سخت کمی ہے بخصوصیت کے ساتھ گرمی اور برسات کے دنوں میں طلبائے جامعہ کو سخت تکلیف ہوتی ہے کارکنان جامعہ نے اس تکلیف کو محسوس کیا اور تعمیر دارالاقامہ کے لئے قوم سے روپیہ کی اپیل کی ہے۔ اس اپیل پر کچھ محبان کتاب و سنت نے امداد بھی فرمائی ہے اب تک اس فنڈ میں جو رقم وصول ہوئی ہے اس سے ایک قطعہ زمین دارالاقامہ کی تعمیر کے لئے جامعہ سے متصل ہی خریدی گئی ہے اور پتھر اور لوہے کے گارڈر وغیرہ اور دوسرے عمارتی سامان خریدے گئے ہیں۔ رقم ختم ہوگئی اور آئندہ کے لئے کام رُکا ہوا ہے۔ اس کے لئے امداد کی سخت ضرورت ہے۔ یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ جامعہ میں طلباء سے کسی قسم کی کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ اس کی کوئی جائداد بھی نہیں ہے مستقل آمدنی کے تمام ذرائع سے محروم ہے۔ صرف مسلمانوں کے چندوں پر اس کی آمدنی کا دارومدار ہے۔ اب میں ہفتہ وار "روشنی" بنگلور کے ان الفاظ پر اس داستان کو ختم کر رہا ہوں "آندھرا میں پہلے بھی جہالت و ضلالت کا گھٹاٹوپ اندھیرا تھا اور اب بھی دور دور تک کوئی روشنی نظر نہیں آ رہی ہے۔ البتہ اس اندھیرے میں جامعہ محمدیہ جگنو کی

طرح چمک رہا ہے۔ جامعہ محمدیہ عربیہ رائیڈرگ علم دین کی بے بہا خدمت انجام دے رہا ہے۔ جامعہ محمدیہ کو آندھرا (بلکہ جنوبی ہند) کی ایک مرکزی درس گاہ کہا جا سکتا ہے۔ جامعہ محمدیہ کا فیض آندھرا کے علاوہ صوبہ مدراس کے دوسرے ضلعوں میں بھی جاری ہے دور دور سے شائقان علم جامعہ دارالسلام عمرآباد کی طرح یہاں بھی کشاں کشاں چلے آتے ہیں۔ جامعہ محمدیہ کافی عرصہ (انتیس [۲۹] سال) سے چل رہا ہے اور اس نے اپنی زندگی میں ترقی کے کئی منازل طے کئے ہیں۔ بعض اوقات ایسے مایوس کن حالات سے بھی دوچار ہونا پڑا ہے لیکن یہ اس کا کمال ہے کہ ہر زوال کے موقع پر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا ہے اور اب کامیابی کی منزل کی طرف گامزن ہے۔ جامعہ محمدیہ سے دینی حلقوں کو بڑی توقعات وابستہ ہیں۔" لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

جامعہ لطیفیہ ویلور ویلور کی دوسری عربی درس گاہ جامعہ لطیفیہ ہے جو شمالی آرکاٹ کی سب سے قدیم درس گاہ ہے۔ اس کے چمن میں کبھی بہار آئی ہوئی تھی لیکن اب تو خزاں طاری ہے۔ کیا عجب کہ یہی خزاں ایک نئی بہار کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ لطیفیہ کے سربراہ کار اور قوم اگر توجہ کرے تو کوئی تعجب نہیں کہ لطیفیہ کی بہار رفتہ پھر لوٹ آئے اور علم دین کی جھلملاتی ہوئی مشعل وہاں پھر جگمگا اٹھے۔

معدن العلوم وانمباڑی شمالی ارکاٹ کی ایک اور عربی درس گاہ "مدرسہ معدن العلوم" وانمباڑی ہے یہ بھی ایک قدیم درس گاہ ہے اس نے بھی علماء کا ایک خاص حلقہ پیدا کیا ہے لیکن بدقسمتی سے چلتے چلتے یہ درس گاہ رک گئی تھی اور اس پر کچھ عرصہ دور فترت چھایا رہا لیکن حسن اتفاق سے اس کا دور فترت ابھی قریب میں ختم ہو گیا ہے۔ اور وانمباڑی کے پرجوش مسلمانوں کا خوابیدہ احساس انگڑائیاں لے کر جاگ اٹھا ہے اور انھوں نے حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے یہ طے کر لیا ہے کہ جامعہ معدن العلوم کی تجدید عمل میں لائی جائے۔ اور اسے علوم دین کا مرکز اور معدن بنایا جائے۔ مبارک ہیں وانمباڑی کے فرزندان اسلام جو علم دین کے ایک بجھے ہوئے چراغ کو پھر سے روشن کرنا چاہتے ہیں۔

مدرسہ اشاعۃ الحسنات شمالی آرکاٹ کے ایک مقام پیارم پیٹ میں ایک دینی درس گاہ کچھ عرصہ سے " اشاعۃ الحسنات" کے نام سے قائم اور کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے لیکن ابھی یہ ابتدائی مرحلے میں ہے امید ہے کہ بتدریج ترقی کرتی جائے گی۔

منبع انوار العلوم جنوبی آرکاٹ کے ایک مقام لال پیٹ میں بھی ایک دینی مدرسہ منبع انوار العلوم کے نام سے قائم ہے۔ جسے باقیات صالحات کے ایک سابق استاذ بڑی

خوبی کے ساتھ چلا رہے ہیں اور جہالت کی تاریکی مٹانے کی اپنی سی کوشش کئے جا رہے ہیں۔

روضۃ العلوم مالابار مالابار جنوبی ہند کا ساحلی علاقہ ہے۔ یہاں کی بیشتر آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے تاریخ شاہد ہے کہ سرزمین ہند میں اسلام سب سے پہلے اسی راستہ سے داخل ہوا۔ یہاں کے مسلمانوں میں کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دوسرے مقامات کے مسلمانوں میں کم نظر آتی ہیں۔ موپلا تحریک سے دنیا واقف ہے۔ اور موپلا تحریک میں حصہ لینے والے مسلمانوں پر انگریزی حکومت نے جس قدر وحشیانہ مظالم کئے اس سے بھی دنیا واقف ہے۔ مالابار کا مسلمان بڑا سخت جان ہے وہ گر گر کے ابھرتا ہے اور پست ہو ہو کے اٹھتا ہے۔ اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسے علم دین سے بڑی رغبت ہے وہ بہت شوق اور محنت سے علم دین حاصل کرتا ہے اور پھر اس علم سے واقف ہو کر بڑی سرگرمی کے ساتھ دین کی خدمت بھی انجام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالابار میں چھوٹی بڑی بے شمار دینی درسگاہیں موجود ہیں۔ جن کا تفصیلی تعارف کرنے کیلئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ ہمارے علم میں وہاں کی سب سے بڑی عربی درسگاہ یہی روضۃ العلوم ہے جو کامیابی کے ساتھ فروغ میں چل رہی ہے۔ مالابار کی دوسری عربی درسگاہ جو نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے وہ مدینۃ العلوم ہے۔ یہ حالات ہم نے ہفتہ وار روشنی سے اخذ کئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی جنوبی ہندوستان میں عربی کی درسگاہیں موجود ہیں جیسے کرنول کا مدرسہ اسلامیہ جس کے بانی جناب شمس العلماء استاذ الاساتذہ مولانا محمد عمر صاحب مرحوم و مغفور ہیں۔ حضرت ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ کے دیس میسور میں بھی متعدد جگہ عربی کی چھوٹی چھوٹی درسگاہیں قائم ہیں جو تھوڑی بہت دین کی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ جنوبی ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کی طرف بھی خاصی توجہ پائی جاتی ہے اس خصوص میں وانمباڑی کو دوسرے تمام واقعات پر فوقیت حاصل ہے۔ یہاں خاص کر عورتوں کی تعلیم کے لئے تین بڑی بڑی درسگاہیں قائم ہیں جن کی نگرانی اور تعلیمی خدمات پردہ نشین مسلمان عورتیں ہی کرتی ہیں۔ پہلی انجمن خیرخواہ عام وانمباڑی کی مدرسہ نسواں۔ دوسری مدرسۃ البنات وانمباڑی۔ اس درسگاہ کے بانی وانمباڑی کے ممتاز رئیس ملک التجار عالی جناب متولی ایم۔ ایل حاجی عبدالسلام صاحب مرحوم و مغفور ہیں اب یہ درسگاہ ان کے خلف الصدق جناب عبدالمالک اور ان کے دوسرے فرزندوں کی نگرانی میں اہم خدمت انجام دے رہی ہے۔ تیسری مدرسۃ البنات محلہ جعفرآباد وانمباڑی ہے اس کے بانی مدراس کے مشہور علم پرور رئیس عالی جناب حاجی عبدالعزیز صاحب مالک ماؤنٹ بیڑی فیکٹری ہیں۔ ان تینوں درسگاہوں میں قرآن ناظرہ اور اردو کے علاوہ عربی کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ اور مسلمان بچیوں کو عربی کی اتنی تعلیم دیجاتی ہے کہ وہ عربی سمجھ سکیں اور قرآن حدیث کو سمجھ کر دوسروں کو سمجھا سکیں۔ تفصیل کا وقت نہیں ہے ورنہ میں ان کا نصاب تعلیم اور ان کے انتظامی امور کو آپ کے سامنے پیش کرتا۔ فقط اللہ بس باقی ہوس۔

مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ

(از مولانا شاہ محمد اسمٰعیل دانا پوری فاضل شمسی۔ مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ)

حاجی سید نور الہدیٰ (سی آئی۔ ای) لودی کٹرہ پٹنہ سٹی کے ایک ممتاز خاندان کے فرد تھے آپ کی پیدائش ۱۸۵۲ء میں ہوئی۔ آپ نے انگلینڈ سے ایم اے ایل ایل ایم کی ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل کی ایک مدت سیشن جج کا کام انجام دینے کے بعد ۱۹۱۱ء میں آپ نے پنشن لی، رجب ۱۳۴۵ھ کو آپ نے انتقال کیا۔

۱۹۱۲ء میں آپ نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اپنے والد بزرگوار کے نام پر اس کا نام مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ رکھا۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے مدرسہ کے انتظامات صوبائی حکومت کے سپرد کر دیئے اور نادار طلبہ کی کفالت کے لئے ۲۵ ہزار سالانہ کی جائیداد وقف کر دی۔ اس وقت سے مدرسہ کے اخراجات ریاست بہار کا محکمہ تعلیم برداشت کرتا ہے اور طلبا کے قیام و طعام کا نظم موقوفہ جائیداد سے ہوتا ہے تعلیم مفت ہے۔

ابتدا میں مدرسہ میں مروجہ درس نظامیہ کا نصاب جاری تھا حکومت کے انتظام میں آنے کے بعد درس نظامیہ میں جزوی ترمیم کے بعد نیا نصاب جاری کیا گیا اور حکومت نے مدرسہ اگزامینیشن بورڈ کے نام سے ایک ادارہ قائم کر دیا۔ اس ادارہ سے جو مدرسے ملحق ہوئے انکی نگرانی، امتحانات کے انتظام، مدرسوں کو امداد دینا اسی ادارہ کے ذمہ ہے اس وقت بہار و اڑیسہ کے متعدد مدرسے اس ادارہ سے منسلک ہیں جنہیں کئی مدرسوں کو امداد ملتی ہے۔

۱۹۴۳ء میں نصاب پر نظر ثانی کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے علاوہ دوسرے ماہرین تعلیم شریک تھے۔ عربی مضامین، فارسی اور اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی، حساب، جغرافیہ سائنس وغیرہ کی بقدر ضرورت تعلیم بھی اس جدید نصاب میں شامل کی گئی۔ ۱۵ سال کی تعلیم علیٰ حالہ قائم رہی جماعتوں کی ترتیب یہ رہی تحتانیہ ۳ سال۔ وسطانیہ ۴ سال۔ فوقانیہ (سابق ملا) ۲ سال مولوی ۲ سال عالم ۲ سال فاضل ۲ سال۔ فاضل میں بیک وقت مندرجۂ ذیل مضامین میں سے کسی ایک مضمون کے انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، مولوی، عالم اور فاضل کے امتحانات مدرسہ اگزامینیشن بورڈ کے تحت ہوتے ہیں۔

بانیٔ مدرسہ نے حفظ قرآن کے لئے بھی خاص نظم رکھا تھا اب بھی ایک حافظ، قاری اس خدمت پر مامور ہیں وقف نامہ میں ایک حصہ درجۂ حفظ کے طلبا کے لئے مخصوص ہے۔

جو علماء اس مدرسہ میں تعلیمی خدمت پر فائز رہے وہ منتخب روزگار رہے ہیں جن میں چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مولانا مشتاق احمد کانپوری۔ مولانا محمد سہول عثمانی۔ مولانا مقبول احمد خاں صاحب۔ مولانا محمد الیاس۔ مولانا اصغر حسین بہاری۔ مولانا سید دیانت حسین۔ مولانا حاجی معین الدین موسوی۔ مولانا سید شاہ عبید اللہ قادری۔ مولانا عبد الشکور۔ مولانا حافظ عبد الرحمن بہاری۔ مولانا ظہور الدین صاحب رضوی قادری۔ مولانا عبد الماجد صاحب۔ مولانا عبد السبحان صاحب

اس سر چشمۂ علم سے صوبہ کے ہزاروں فرزند سیراب ہوکر نہ صرف صوبہ کے گوشہ گوشہ میں بلکہ بیرون صوبہ بھی علمی و دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ مولانا محمد ظریف صاحب (کلکتہ) مولانا حبیب الرحمن صاحب (رانچی) مولانا سید شاہ تقی حسین صاحب بلخی (سجادہ نشین خانقاہ فردوسیہ)، مولانا سید شاہ صبیح الحق صاحب عمادی (سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ پٹنہ) مولانا افتخار احمد صاحب (کراچی) مولانا سید محمد ہاشم صاحب (سابق کیٹلاگر خدا بخش لائبریری پٹنہ) مولانا سید احمد صاحب (ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی پٹنہ یونیورسٹی) مولانا مختار الدین احمد آرزو (سابق ایڈیٹر علی گڈھ میگزین۔ ایم اے۔ پی۔ ایچ ڈی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) مولانا سید احمد قادری (استاذ مدرسہ شمس الہدیٰ) مولانا خیر الدین صاحب (اسپیشل افسر برائے محمڈن ایجوکیشن برائے اڑیسہ) مولانا سید عبد العلیم آسی (در بھنگہ) مولانا مسعود الرحمن (ایم۔ ایل اے۔ سابق سکریٹری جمعیۃ العلماء صوبہ بہار) مولانا صدر الدین صاحب (صدر شعبۂ اردو۔ پٹنہ کالج۔ مولانا سید ابراہیم تجمل ایم اے سابق اسسٹنٹ ڈائرکٹر اسلامک ایجوکیشن بہار) مولانا الحکیم عبد الصمد صاحب (پرنسپل طبیہ کالج پٹنہ)

حاجی سید لطف الہدیٰ مرحوم نے پٹنہ طبیہ کالج شفا خانہ کے لئے بھی تقریباً چار ہزار سالانہ کی آمدنی کی جائیداد وقف کی ہے۔ اس کے علاوہ مدرسہ کے احاطہ میں ایک وسیع مسجد سنہ ۱۳۳۰ھ میں تعمیر کی تھی اس کے اخراجات نیز سالانہ مجلس میلاد کے لئے بھی کچھ جائیداد وقف کی ہے۔ جزاہم اللہ عنا وعن سائر المومنین

دار العلوم لطیفی کٹیہار (پورنیہ)

ازا۔ مولانا محمد حسین خطیب، فاضل شمسی

دار العلوم لطیفی ایک دینی ادارہ ہے۔ اسکی بنیاد آج سے تقریباً پندرہ برس پہلے پڑی۔ صوبہ بہار میں ضلع پورنیہ پسماندہ خطوں میں شمار ہوتا ہے اور یہ پسماندگی مسلمانوں کی دینی و مذہبی زندگی پر بھی اثر انداز ہے اسی خیال کے ماتحت ضلع مالدہ (مغربی بنگال) کے ایک علم پرور، اخلاص و ایثار پیشہ صاحب علم و فضل بزرگ حضرت مولانا محمد عابد صاحب مدظلہ نے اسکی بنیاد ایک ایسے موقعہ پر رکھی جو ریلوے کا ایک بہت بڑا مرکز ہے اور بہار و بنگال کے ضلعوں کو آپس میں ملاتا ہے۔ اس انتخاب مقام کا اصل مدعا یہ تھا کہ بالخصوص صوبہ بہار اور بنگال اور بالعموم عالم اسلامی کے تشنہ کامان علم و ہدایت اس سر چشمۂ علوم و فیض سے سیراب و فیضیاب ہوں۔ (باقی مضمون ص ۳۰۶ پر)

مدرسہ احمدیہ ابابکر پور ضلع مظفر پور (بہار)

مدرسہ احمدیہ ابابکر پور ضلع مظفر پور ترہت کمشنری کے ان ممتاز مدارس میں سے ہے، جن سے عرصہ دراز سے عوام کو فیض پہنچ رہا ہے۔ سب ڈویژن حاجی پور کے مسلمانوں کی پستی اور دینی و مذہبی تعلیم سے بیگانگی سے متاثر ہوکر جناب خان صاحب حاجی مولوی احمد میر صاحب کو جو بعہدۂ پرسنل اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل رجسٹریشن بہار واڑیسہ فائز تھے۔ ایک اسلامی اور دینی درسگاہ کی بنیاد ڈالنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور ہزار ہزار شکر ہے خدا کا کہ اس نے ان کے ذریعہ مدرسہ احمدیہ ابابکر پور قائم کر دیا۔

مدرسہ کی بنیاد ۱۹۲۹ء میں پڑی۔ ماشاء اللہ مدرسہ کی عمارت شاندار ہے۔ مدرسہ میں چھ کمرے دو سائبان اور ایک بڑا ہال ہے اور دونوں جانب وسیع صحن ہے، مدرسہ تعلیمی حیثیت سے بہار کے ممتاز مدارس کی صف میں جگہ رکھتا جن ذمہ دار حضرات و افسران نے مدرسہ کا معائنہ کیا ہے اس کی خوش نظمی کی تعریف کی ہے۔ اور ہر طرح اظہار اطمینان کیا افسروں کے معائنے کا باضابطہ ریکارڈ ہے۔

مدرسہ میں عربی زبان دانی، قرآن شریف، حدیث شریف، فقہ، حفظ قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے اور ضروریات زمانہ کے پیش نظر فارسی، اردو، ہندی، انگریزی، حساب تاریخ و جغرافیہ کی تعلیم کا بھی انتظام ہے اور ہر فن کی تعلیم کیلئے لائق اور تجربہ کار مدرسین مقرر کئے گئے ہیں۔ طلبہ کی مشق تحریر و تقریر کے لئے ایک انجمن ہے۔ طلبہ ہفتہ وار اجلاس کرتے ہیں۔ بعض اخبار و جرائد کا بھی انتظام ہے۔ مدرسہ سے متعلق ایک کتب خانہ بھی ہے جس سے طلبہ اور عوام مستفید ہوتے ہیں۔ مختلف علوم و فنون کی کتابوں کی تعداد چھ سات سو کے درمیان ہے۔

علاوہ مدرسہ کے ابتدائی تعلیم کے لئے ایک اپر پرائمری مکتب اور بچیوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسۂ نسواں ہے۔ اس مدرسہ میں مولانا محمد شمس الحق فاضل دیوبند اور دیگر نو تجربہ کار اساتذہ درس دیتے ہیں۔

مدرسہ و مکتب و درجہ حفظ کے متعلمین کی مجموعی تعداد قریب قریب دو سو ہے۔

جاگیر طلبہ مدرسہ کی جانب سے غیر مستطیع طلبہ کے طعام و قیام کا بھی انتظام ہے اور بعض کو نقد وظیفے دیئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حسب گنجائش پوشاک و بہجائی وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ طلبہ سے کوئی فیس نہ لی جاتی ہے۔ بلکہ نادار طلبہ کو مدرسہ کی لائبریری سے کتابیں پڑھنے کے لئے دی جاتی ہیں۔ روشنی وغیرہ کے لئے خرچ دیا جاتا اور حتی الامکان دیگر سہولتیں بہم پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مدرسہ ومکتب کے کل اخراجات ماہانہ پانچ سو روپے ہیں یعنی چھ ہزار سالانہ۔ یہ اخراجات جناب خان صاحب حاجی احمد امیر صاحب مدظلہ کی وقف کردہ جائداد اور سرکاری امداد اور کچھ عطایا سے پورے کئے جاتے ہیں۔ بورڈنگ کا خرچ اس کے علاوہ ہے۔

خرچ مطبخ بورڈنگ کا ماہانہ خرچ ساڑھے تین سو روپے ہے جس کا سالانہ مجموعہ چار ہزار روپے سے زیادہ ہے۔ اس ہوشربا گرانی کے زمانے میں اس خرچ کو پورا کرنے میں زبردست دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس مد میں کوئی مستقل آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے۔ بورڈنگ کے ذرائع آمدنی فطرہ، عشر، چرم قربانی، زکوٰۃ وعطایا ہیں۔

مدرسہ احمدیہ ابابکرپور عرصہ سے دینی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اطراف میں تبلیغی کام جاری ہے اور گاؤں میں بفضلہ تعالیٰ مذہبی شعور پیدا ہو رہا ہے۔ علم دین کی اشاعت ہو رہی ہے۔ ہر سال طلبہ یہاں سے فارغ ہوکر دیگر مدارس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور فارغ التحصیل ہوکر دین کی خدمت اور درس وتدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

خدا سے دعا ہے کہ اس علمی سرچشمہ کو ہمیشہ قائم رکھے اور مسلمانوں کو مستفید فرمائے۔ آمین

(بقیہ دار العلوم لطیفی)

صوبہ بہار و بنگال کے قومی مدارس میں اس ادارہ کا درجہ بہت ہی نمایاں اور بلند ہے اس دینی درسگاہ میں آج کل تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ حدیث، تفسیر، فقہ، ادب، منطق، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ فنون میں تحصیل علم کر رہے ہیں اور انتظامیہ زمانہ کے مطابق دوسرے ضروری فنون کو بھی شامل نصاب کئے جانے کی تدبیریں سوچی جا رہی ہیں۔ تمام طلبہ کے لئے قیام وطعام کے علاوہ مستعار کتابوں، جلانے کے لئے تیل اور سالانہ ایک جوڑا کپڑا ادا کرنے کا مدرسہ متکفل ہے۔ سرپرست دس مدرس تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ابتک طلبہ کی تعلیم ایک قدیم مسجد اور اس سے متصل حجروں میں ہوتی آ رہی ہے اس موقعہ سے کچھ فاصلہ پر تقریباً سات بیگہ زمینوں میں مدرسہ کی نئی عمارتیں زیر تعمیر ہیں اس طرح تقریباً ستر اسی ہزار روپیہ سالانہ کے صرفہ سے یہ مدرسہ ترقی کے تدریجی مراحل کو طے کر رہا ہے۔

مدرسہ کی آمدنی کا مدار قومی چندوں اور موقوفہ جائدادوں پر ہے اس تمام اخراجات کا بار نظم تاحال صرف حضرت بانی مدرسہ کے ضعیف و ناتواں کندھوں پر ہے۔ سال رواں عام اقتصادی بحران سے یہ مدرسہ بھی متاثر ہے اور اصحاب خیر کی توجہ کا مستحق ہے۔

اس مدرسہ سے تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ سند فضیلت حاصل کر چکے ہیں اور وہ مختلف علاقوں میں تعلیمی، اصلاحی اور تبلیغی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

اس مدرسہ کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مختلف عقیدوں اور مسلکوں کے معلم ومتعلم یکجہتی کے ساتھ تعلیم وتعلم میں مصروف ہیں۔ اور اس طرح وہ دوسرے علماء وطلباء کے لئے قابل تقلید مثال اور نمونہ ہیں۔

مدرسہ حنفیہ لغمانیہ دانا پور

(مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب دانا پوری
فاضل۔ مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ)

پٹنہ سے تقریباً بارہ میل پچھم شہر دانا پور آباد ہے عرصہ سے یہاں فوجی چھاؤنی ہے ان دنوں یہ پٹنہ ضلع کا سب ڈویژن ہے یہاں ایک قدیم محلہ ہے جو شاہ ٹولی کے نام سے مشہور ہے جہاں علماء و مشائخ کا ایک قدیم خاندان عرصہ سے درس و تدریس اور رشد و ہدایت کی خدمات انجام دیتا رہا ہے۔ چند بزرگوں کے نام درج ذیل ہیں:۔

مولانا سید عبد الفتاح عرف قاضی سید بڑے (آپ کا وصال عہد اکبری میں ہوا) حضرت سید شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۸۰ھ) حضرت سید شاہ غلام حسین حسینی (۱۲۵۳ھ)، مولانا سید شاہ وحید الدین (۱۲۶۲ھ) حضرت مولانا شمس الدین حسین قادری (۱۲۴۹ھ) مولانا سید شاہ سلطان احمد (۱۲۲۱ھ)، مولانا شاہ حسین علی (۱۲۹۹ھ) مولانا حکیم سید شاہ مراد علی (۱۲۶۰ھ) مولانا حکیم سید شاہ کاظم حسین (۱۲۹۹ھ)

حضرت شاہ قمر الدین حسینیؒ آپ پٹنہ میں قیام پذیر ہوئے محلہ مینن گھاٹ میں آپ کا مزار اور خانقاہ ہے ۱۲۵۵ھ میں انتقال کیا نافع البرکات اور دوسرے چند رسالے آپ کی یادگار ہیں۔

حضرت سید عطا حسین فانیؔ۔ آپ نے گیا قیام کیا محلہ رام ساگر میں آپکی خانقاہ اور مزار ہے آپ کی کافی تصنیفات طبع ہو چکی ہیں۔ کیفیت العارفین۔ کنز الانساب۔ سیرت رسول مقبول۔ مثنوی فانی اور دوسری کتابیں آپ کی تصنیفات ہیں ۱۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا سید شاہ محمد قاسمؒ آپ کا قیام زیادہ تر آگرہ اور الہ آباد میں رہا۔ اس اطراف کے لوگوں نے آپ سے کافی فیض اٹھایا حضرت اکبر الہ آبادی آپ ہی کے مرید تھے اور ان کے والد ماجد آپکے مرید و خلیفہ تھے آپ کی تصنیفات میں اعجاز غوثیہ۔ نجات قاسم وغیرہ ہیں ۱۲۸۱ھ میں رحلت پائی۔

آپکے چھوٹے بھائی حضرت مولانا سید شاہ محمد سجاد ساجدؔ تھے الہ آباد، آگرہ اور پٹنہ میں آپ کا کافی فیض پہونچا ۱۳۰۹ھ میں آپنے انتقال کیا۔ آپ ہی کے صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ محمد اکبر دانا پوری تھے جو صوفیانہ شاعری میں امام وقت تھے دو دیوان تجلیات عشق اور جذبات اکبر کے علاوہ آپ کی متعدد تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ تاریخ اسلام کی تین جلدیں اشرف التواریخ کے نام سے طبع ہوئی ہیں۔ نماز اور فقہی مسائل پر متعدد رسالے اور متفرق د

تذکرۂ علمائے بہار، اوراق اور نذر محبوب وغیرہ کتابیں آپ کی یادگار ہیں سنہ ۱۳۲۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کے پوتے مولانا
سید شاہ ظفر سجاد ابوالعلائی اب داناپور زیب سجادہ اور تبلیغی خدمات میں سرگرم ہیں۔

حضرت شاہ محمد سجاد کے بھتیجے اور مرید حضرت مولانا سید شاہ نذیر حسن ابوالعلائی رح نے حضرت مولانا شاہ خیر محمد بدری
امرتسری کے ایما پر سنہ ۱۳۱۳ھ میں مدرسہ حنفیہ نعمانیہ کی بنیاد رکھی جسمیں حضرت مولانا سلطان احمد قندھاری ثم لکھنوی صدر مدرس
مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا عبد الحق خیرآبادی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ دیگر مدرسین کے علاوہ خود بانی مدرسہ بھی تدریس
کی خدمت انجام دیتے تھے سنہ ۱۳۴۰ھ میں آپ نے رحلت پائی۔ اس کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا سید شاہ واعظ الدین حسین رح
نے اس مدرسہ کے انتظامات سنبھالے اور اپنے بھتیجے مولانا سید شاہ مسعود حسن اور صاحبزادہ مولانا قاری شاہ محمد الیاس صاحب کے
علاوہ دوسرے مدرسوں کی مدد سے مدرسہ کو قائم رکھا آپ نے مولانا سلطان احمد قندھاری، مولانا امیر الدین الہ آبادی، مولانا
حامد علی امیٹھوی اور دیگر ممتاز علما نے تدریس کی تھی اپریل سنہ ۱۹۳۰ء میں آپ نے اس مدرسہ کی ۲۵ سالہ جوبلی کے موقع پر ایک یادگار
علمی جلسہ منعقد کیا جسمیں ہندوستان کے منتخب علما و مقررین شریک ہوئے۔ آپ کی ذات اطراف داناپور کے لئے ایک علمی مرکز کی
حیثیت رکھتی تھی۔ اطراف داناپور میں علم دین کی یہ آخری شمع سنہ ۱۹۴۰ء میں خاموش ہوگئی۔

آپ کی وفات کے بعد مولانا سید شاہ مسعود حسن صاحب نے اپنی زندگی تک اس مدرسہ کو باقی رکھا اور مولانا واعظ الرحمٰن
شرف الدین پوری مدرس مقرر ہوئے سنہ ۱۹۴۲ء میں مولانا شاہ مسعود حسن کی وفات کے ساتھ ہی یہ مدرسہ بھی ختم ہوگیا سنہ ۱۹۴۶-۴۷ء
میں مولانا قاری اور شاہ محمد الیاس صاحب نے اس سلسلہ کو دوبارہ قائم کیا مگر نامساعد حالات نے یہ بھی باقی نہ رہنے دیا۔

اس مدرسہ کے اخراجات بانی مدرسہ کی ذاتی امداد کے علاوہ چندہ سے چلتے رہے جسمیں سب سے بڑا حصہ حاجی ملا رحیم بخش پشاوری
ثم داناپوری کا رہا پھر ان کے صاحبزادگان ملا عبد الغفور و ملا عبد الرحیم صاحبان نے مدرسہ کے ساتھ اپنی دلچسپی باقی رکھی مجملہ
شکوہ معین پورہ داناپور کے رئیس اور اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل مولانا حکیم عبد النعیم صاحب نے بھی ہمیشہ مدرسہ کی مالی
امداد فرمائی۔

اس مدرسہ نے صرف صوبہ بہار بلکہ بنگال کے بھی سیکڑوں طلبا فارغ ہوکر اپنے اپنے علاقوں میں اشاعت علم دین
میں مشغول رہے۔ نواکھالی۔ چاٹگام۔ فریدپور میمن سنگھ اور ڈھاکہ کے طلبا کی تعداد ہر زمانہ میں کثیر رہی۔

محلہ شاہ ٹولی سے متصل ہی ایک محلہ چودھرانہ ہے وہاں ایک دینی جذبہ رکھنے والے بزرگ حشمت داد خاں تھے
آپ نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو تقریباً ۱۲ سال تک جاری رہا اسمیں بھی مولانا سلطان احمد قندھاری صدر مدرس
تھے ۲۱-۱۳۲۰ھ میں مدرسہ ختم ہوگیا۔ اس مدرسہ کے ممتاز متعلمین میں مولانا سید شاہ واعظ الدین حسین۔ مولانا ابوالبرکات
عبد الرؤف داناپوری ثم کلکتوی۔ مولانا حکیم سید شاہ محمد یعقوب داناپوری اور مولانا سید شاہ محمد محسن ابوالعلائی
داناپوری تھے۔

بہار کے چار مشہور دینی مدرسے

مولانا الحاج جناب حکیم محمد ادریس صاحب ڈیانوی۔ دھاری

(۱) **مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ** ضلع پٹنہ میں سب سے قدیم دینی تعلیم گاہ "مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ" ہے جس کی بنیاد ۱۳۱۱ھ میں جناب مولانا عبدالرحیم صاحب (مجاہد فی سبیل اللہ) علیہ الرحمۃ نے رکھی اور بفضلہ تعالیٰ اسوقت تک یہ مدرسہ مذہبی، اسلامی بنیادوں پر قائم ہے اور ان ہی بنیادوں پر اپنی دینی تعلیمی خدمت ابتدا سے انتہائی فارغ التحصیل تک کامیابی کے ساتھ انجام دے رہا ہے۔

حضرت استاذی مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری مولانا حافظ ابومحمد ابراہیم صاحب آروی، مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی، مولانا عبدالغفار صاحب چھپروی، حضرت والد ماجد مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق صاحب ڈیانوی عظیم آبادی۔ مولانا نور احمد صاحب ڈیانوی عظیم آبادی۔ غیرہم اجلّہ علماء و عمائدین اہل علم رحمہم اللہ، مولانا عبدالرحیم صاحب بانیٔ مدرسہ کے خاص رفقاء کار اور مدرسہ کے معاونین و سرپرست تھے۔

اسوقت یہ مسئلہ مولانا الحاج حکیم عبدالجبیر صاحب صادق پوری عظیم آبادی کی سرپرستی میں بحسن و خوبی مذہبی اسلامی درسگاہ ہونے کی خدمت انجام دیرہا ہے، موصوف بانیٔ مدرسہ مولانا عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ کے نواسے ہیں۔

اس خادم کو بھی چند سال اس مدرسہ کے سکریٹری رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

(۲) **مدرسہ احمدیہ آرہ** اس دینی اسلامی مدرسہ کی بنیاد مولانا حافظ ابومحمد ابراہیم صاحب آروی نے ۱۲۹۰ھ میں رکھی جس طرح سرسید علیہ الرحمۃ کو اسکول اور کالج علی گڈھ کے ساتھ غایت شغف اور انتہائی انہماک تھا اور اپنی انتھک کوششوں سے اس کو کمال عروج پر پہونچا دیا اسی طرح سے مولانا ابومحمد ابراہیم علیہ الرحمۃ صاحب کو بھی اس مدرسہ کے لیے غایت شغف اور اسمیں انتہا درجہ کا انہماک تھا۔ جو ذرائع و وسائل سرسید علیہ الرحمۃ کو اسکول و کالج علی گڈھ ترقی دینے کے حاصل تھے اس کا عشر عشیر بھی مولانا علیہ الرحمۃ کو اپنے مدرسہ کی ترقی کے واسطے حاصل نہ تھے۔

مگر مولانا کی اولوالعزمی، بلند ہمتی استقلال اور سب سے بڑھ کر خلاص و خلوص نیت، روحانی طاقت، جذبۂ اسلامی، قوت ایمانی اور اللہ پاک کے فضل و کرم اور اسکی مدد و نصرت سے مدرسہ کو نہایت شاندار ترقی حاصل ہوئی۔

پٹنہ و اطراف پٹنہ، ڈیانواں، نگرنہسہ، بہار شریف، باڑھ، دانا پور، مظفر پور، چھپرہ، دربھنگہ، گیا وغیرہ اضلاع صوبہ بہار کے علاوہ بنگال، یوپی، سی پی، بمبئی، لاہور، امرتسر، کوئٹہ بلوچستان، سیالکوٹ، پٹیالہ، کابل اور حیدرآباد دکن تک کے طالبان علوم دینیہ جوق در جوق آکر اس مدرسہ کے منبع فیض تعلیم سے سیراب ہونے لگے۔ تقریباً ڈھائی سو سے زیادہ طلبا اس میں تعلیم پاتے تھے ان کے لئے قیام و طعام و دوا اور مناسب انتظام تھا کچھ طلبا کو مدرسہ کی طرف سے کھانا اور کپڑا بھی ملتا تھا۔

جامع علوم معقول و منقول استاذی مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری علیہ الرحمۃ اس کے مدرس اول اور ناظم اعلیٰ تھے ہر سال اس کا سالانہ جلسہ نہایت شاندار طریقہ پر ہوتا تھا قرب و جوار کے اور دور دور کے علمائے کرام، عمائدین اہل علم اور وکلاء و بیرسٹران جلسہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی، مولانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیرآبادی، مولانا شیخ حسین عرب محدث یمنی بھوپالی، مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا انور حسین صاحب مونگیری و دیگر جید علماء کرام بالالتزام تکلیف فرما کر تشریف لاتے اور شریک جلسہ ہوتے تھے۔

نواب محسن الملک، جسٹس شرف الدین، مولوی ڈپٹی حبیب اللہ، مسٹر نصیر الدین حسین بیرسٹر وغیرہ عمائدین ملک و ملت کو بھی اس سے خاص دلچسپی اور شیفتگی تھی اور اکثر اس کے سالانہ جلسوں میں شرکت فرماتے اور اپنے مفید مشوروں سے فائدہ پہنچاتے رہے ہیں۔

مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی، مولانا عبدالغفار صاحب چھپروی، مولانا شاہ عین الحق صاحب خلف و جانشین حضرت شاہ علی حبیب صاحب علیہ الرحمۃ سجادہ نشین خانقاہ پھلواری شریف، حضرت والد ماجد مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی اور ان کے علاوہ اکثر علماء صوبہ بہار اور جسٹس بیرسٹران مسٹر سید علی امام صاحب وغیرہ۔ پٹنہ بیرسٹر و سابق مدارالمہام ریاست حیدرآباد و ممبر حکومت برطانیہ و دیگر اکابر و وکلاء و بیرسٹران صوبہ بہار اس مدرسہ کے اور اس کے سالانہ جلسہ کے روح رواں تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

برادر عزیز محترم حاجی مولوی عبدالمنان صاحب بیدل عظیم آبادی ریٹائرڈ پروفیسر پٹنہ کالج کے والد ماجد مولانا محمد سلیمان صاحب ڈیانوی مرحوم، مولانا حکیم نذیر الدین حسین صاحب مرحوم نگرنہسہ پٹنہ اور مسٹر نصیر الدین صاحب بیرسٹر و برادرزادہ مولانا حکیم علیم الدین حسین صاحب نگرنہسوی علیہ الرحمۃ۔ مولانا علی اصغر صاحب برادرزادہ مولانا عبدالغفار صاحب چھپروی۔ مولوی محمد مکی صاحب خلف مولانا عبدالغفار صاحب علیہ الرحمۃ نے تکمیل تعلیم علوم دینیہ و معقولات اسی مدرسہ میں جناب مولانا حافظ عبداللہ کے حلقہ درس میں کیا اور اللہ جل شانہ عم نوالہ نے اس ناچیز بدنام کنندہ نکونامے چند کو بھی اس شرف سے مشرف فرمایا ہے

اللہم لک الحمد والشکر۔

مگر حیف صد حیف کہ مولانا حافظ ابو محمد ابراہیم صاحب بانی و مہتمم مدرسہ احمدیہ آرہ سنہ ۱۳۱۹ھ میں بارادہ حج بیت اللہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہاں اس سال موسم حج میں ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی تھی چنانچہ بتاریخ ششم ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۹ ہجری اپنے تلبیہ حج کے بدلے بارگاہ صمدی میں خود حاضر ہونے کے لئے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس دار فانی سے دارالبقا کو رحلت فرمائی

اور جنت المعلیٰ کی متبرک زمین میں جگہ پائی۔

مولانا نور احمد علیہ الرحمۃ ڈیانوی کے صاحبزادے برادرم مولوی عبدالجبار صاحب بھی اس مبارک سفر میں مولانا کے خادم اور ہمسفر تھے، انھوں نے بھی مولانا کی مفارقت برداشت نہیں کی اور تاریخ ۸ ر ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ ہجری کو یہ بھی مولانا کے رفیق سفر آخرت ہو گئے، اناللہ و انا الیہ راجعون! اللہم اغفرہما وارحمہما رحمۃ واسعۃ واکرم نزلہما ؎

والنحر روحہما بدل الاضاحی قبیل النحر یوما الاضحیان

مولانا کی وفات کے بعد آپ کی اولاد میں کسی نے آپکی جانشینی نہیں کی اور اس طرف کوئی توجہ دل جیسی چاہیئے نہیں کی البتہ مولانا علیہ الرحمۃ کے رفقاء کار اور مدرسہ کے روح رواں علماء نے کچھ مدت تک اس کو سنبھالے رکھا لیکن اوّل تو یہ کہ ہر کارے مردے، دوسرے یہ کہ یہ بزرگان بھی یکے بعد دیگرے رحلت فرماتے رہے یہاں تک کہ مدرسہ رفتہ رفتہ بالکل نسیا منسیا ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(۱۳) **مدرسہ احمدیہ سلفیہ** } لہیریا سرائے دربھنگہ۔ اسکی بنیاد مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی علیہ الرحمۃ نے ڈاکٹر فرید مرحوم کے تحت انتظام مدرسہ احمدیہ آرہ کے انقضاء کے بعد اسی نقش قدم پر رکھی، ڈاکٹر صاحب مرحوم کے انہماک و شغف اور جذبۂ خلوص نیت و حسن عمل اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپکے نظامت و حسن انتظام سے یہ مدرسہ بھی آب و تاب کے ساتھ چلتا رہا۔

لیکن چند سال سے گورمنٹ کے مدارس بورڈ میں الحاق کے باعث اب وہ خوبیاں اور خالص اسلامی تعلیم گاہ ہونے کی لمعانیت ماند پڑ گئی۔ اسوقت اس کے مہتمم و سرپرست ڈاکٹر صاحب مرحوم کے خلف الحاج ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب سلمہ ہیں اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو خالص مذہبی تعلیم گاہ کی حیثیت سے باقی و جاری رکھے اور رفعت و عروج بخشے اور ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب کو اپنے والد ماجد کا صحیح اور سچا جانشین بنائے، موجودہ مکدر فضا کے لحاظ سے یہ بھی غنیمت ہے۔

(۱۴) **مدرسۂ عزیزیہ بہار شریف** } مسماۃ بی بی صغریٰ زوجۂ مولوی عبدالعزیز صاحب مرحوم رئیس اعظم بہار شریف نے بذریعہ وانتظام اپنے داماد مولوی علی احمد صاحب ڈیانوی مرحوم کے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور آپنی کل جائیداد جس کی آمدنی سالانہ ایک لاکھ روپے بتائی جاتی ہے، وقف کر دیا اور اس وقف نامہ کے ذریعے بعد اخراجات ضروری کے منجملہ ۱۶ آنہ آمدنی کے دس آنہ اخراجات مدرسہ کے واسطے اور ۶ ر دیگر صدقات و خیرات کے واسطے مقرر کر دیا اس طرح پر مدرسہ عزیزیہ کا نہایت شاندار طریقے سے افتتاح ہو گیا اور خالص مذہبی اسلامی نصاب تعلیم کے مطابق درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے اور بہت کافی تعداد میں طلبا کے قیام و طعام اور ملبوسات کا انتظام مدرسہ کے خرچ سے ہو رہا ہے

انجمن اسلام مروڈ (جزیرہ)

ماضی حال اور مستقبل

(از جناب سید محمد صدیق سید ابراہیم قادری بی اے آنرز)

شب تاریک و بیم موج و گرداب چنین حائل ★ کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

ریاست جزیرہ ایک قدیم اسلامی ریاست ہے جو بمبئی کے جنوب میں تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جو ۱۹۴۸ء میں صوبۂ بمبئی میں ضم ہوگئی تھی اس ریاست کی حدود میں انجمن اسلام جزیرہ ۱۹۰۷ء سے مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی علمی، ذہنی، جسمانی اور مذہبی ترقی کے سلسلہ میں سہولتیں بہم پہونچانے اور مسلمانوں میں اتفاق واتحاد پیدا کرکے ان کی طرز معاشرت، تہذیب، اخلاق اور تمدن کی اصلاح کی کوشش کرنے کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ سیدی سرول خاں یہ پہلے سیدی سپہ سالار تھے جو سلطنت مغلیہ کی طرف سے ۱۶۱۷ء میں سابق ریاست جزیرہ کے گورنر مقرر کئے گئے۔ اور اس ریاست کے آخری فرمانروا اعلیحضرت نواب سیدی محمد خاں بہادر ہیں جن کو اس وقت حکومت ہند کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے۔ سابق ریاست جزیرہ میں ۱۸۷۳ء سے پہلے خانگی مکاتب کے ذریعہ اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن اس قسم کے خانگی مکاتب بھی معدودے چند تھے۔ ۱۸۷۸ء میں رجنسی کا دخل ہوگیا اور ان ہی ایام میں انجمن تہذیب کے نام سے ایک تعلیمی صیغہ قائم ہوا جس کے زیر اہتمام پہلے پہل تین اردو اور تین مراٹھی مدرسوں کا افتتاح عمل میں آیا۔ ۱۸۸۳ء میں خلد آشیاں نواب سر سیدی احمد خاں بہادر نے مستقل طور پر عنان حکومت اپنے قبضہ اقتدار میں لی۔ مرحوم کو اشاعت علم سے خاص دلچسپی تھی اور اسی علمی شغف کا نتیجہ تھا کہ قلیل مدت میں ریاست کے ہر ایک گاؤں میں ایک مدرسہ کا اجراء ہوگیا۔ ریاست کے دارالسلطنت مروڈ میں ۱۸۸۵ء میں ایک مڈل اسکول قائم کیا گیا جو بہت جلد ہائی اسکول بن گیا۔ لیکن مسلمانان ریاست اپنی غفلت جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے اس چشمۂ علم سے تادیر سیراب نہ ہوسکے۔

سر سید مرحوم کی قائم کردہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے انیسویں سالانہ جلسہ کا انعقاد ۱۹۰۳ء میں بمبئی میں پہلی مرتبہ ہوا۔ اس کانفرنس میں ریاست کے چند مشتاقان علوم نے شرکت کی۔ ایک طرف اس کانفرنس کے گہرے اثرات نے اور دوسری طرف والی ریاست کی کوششوں نے ریاست کے چند بیدار مغز اور زندہ دل بزرگوں کو

اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مسلمانان ریاست کو خواب غفلت سے بیدار کریں۔ چنانچہ اشاعت تعلیم کی غرض سے سنہ ۱۹۰۴ء میں بمقام مہسلہ، سنہ ۱۹۰۵ء میں بمقام سرودھن اور سنہ ۱۹۰۶ء میں بمقام قلعہ جزیرہ اس طرح یکے بعد دیگرے تین انجمنیں وجود میں آئیں ایک چھوٹی سی ریاست میں ایک ہی مقصد کے لئے تین مختلف مقامات پر علیحدہ علیحدہ انجمنوں کا قیام غیر ضروری ہونے کا احساس بہت جلد پیدا ہوا۔ اور یہ تینوں انجمنیں آپس میں ضم ہو کر ریاست کے صدر مقام مروڈ میں ایک ہی انجمن بنام انجمن اسلام ریاست جزیرہ بروز جمعہ مورخہ ۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۸ ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۷ء کو عالم وجود میں آئی اور آج تک ریاست کی حدود میں مسلمانوں کی ہر ممکن خدمت انجام دے رہی ہے۔

ریاست کی جانب سے مدارس کا اجراء ہر گاؤں میں ہو چکا تھا۔ لیکن وہاں صرف ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ ثانوی تعلیم کے لئے پوری ریاست میں صرف ایک ہی اسکول تھا۔ جو دار الریاست مروڈ میں واقع تھا۔ لہذا جب تک مروڈ میں طلباء کی رہائش خورد و نوش اور تربیت کا انتظام نہ کیا جاتا ریاست کے مسلمان لڑکوں کے لئے ثانوی تعلیم کی تحصیل ناممکن تھی۔ الغرض انجمن کے قیام کے ساتھ ساتھ سنہ ۱۹۰۷ء میں ایک مستقل دار الاقامہ کا افتتاح عمل میں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل کا واقعہ ہے لیکن نہیں اسکو ۷۰ سال سے زائد عرصہ ہو گیا۔ اور اس مدت میں اس دار الاقامہ سے آج تک سینکڑوں طلباء مستفید ہوئے آج ریاست کی حدود میں جو تعلیم یافتہ صورتیں دکھائی دے رہی ہیں، وہ سب اسی دار الاقامہ کا طفیل اور اسی انجمن کی کوششوں کا ثمرہ ہیں۔ اللہ کے فضل سے یہ دار الاقامہ اپنے مقصد میں بہت ہی کامیاب رہا۔ اور اسکی کامیابی کو دار الاقامہ کا معائنہ کرنے والی ہندوستان کی مشہور و موقر ہستیوں نے سراہا۔ جن میں حضرت علامہ شبلی نعمانی رح۔ حضرت علامہ راشد الخیری رح۔ بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو۔ جناب مشیر حسین قدوائی بیرسٹر لکھنؤ۔ مسٹر آر جی اگارڈن پولیٹیکل ایجنٹ جزیرہ۔ پروفیسر ظہور الدین صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ جناب حامد علی صاحب پولیٹیکل ایجنٹ جزیرہ۔ جناب عبد القادر صاحب کھٹکھٹے ایڈوکیٹ ہائیکورٹ بمبئی ناظر جامع مسجد بمبئی۔ جناب مقبول حسین صاحب ریونیو کمشنر یو پی۔ جناب سید امین الدین صاحب پولیٹیکل ایجنٹ جزیرہ۔ وغیرہ شامل ہیں۔ اس دار الاقامہ کا افتتاح سنہ ۱۹۰۷ء میں صرف ۲ طلباء سے ہوا تھا۔ شروع میں طلباء کا فراہم کرنا ایک مشکل کام تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ تعلیمی ذوق و شوق اتنا بڑھ گیا کہ سنہ ۱۹۰۷ء سے سنہ ۱۹۱۰ء تک طلباء اوسط بیس رہا۔ سنہ ۱۹۱۱ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک یہ اوسط تیس اور سنہ ۱۹۲۱ء سے سنہ ۱۹۳۲ء تک پچاس رہا۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں طلباء کی تعداد سو سے زیادہ ہو گئی۔ لیکن اب چونکہ مروڈ کے علاوہ سرودھن میں بھی ایک ہائی اسکول کھل گیا ہے۔ نیز اقتصادی حالت کی بنا پر یہ تعداد گھٹ گئی ہے پھر بھی اس وقت اس دار الاقامہ میں ۴۵ طلبا تعلیم و تربیت سے مالا مال ہو رہے ہیں۔

انجمن نے طلباء کی مذہبی تعلیم کی طرف بھی ابتدا ہی سے توجہ دی۔ انجمن کے قیام کے بعد دینیات کا نصاب مرتب کیا گیا اور آج تک اسی نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ دار الاقامہ میں مذہبی تعلیم اور صوم و صلوۃ کی پابندی لازمی کر دی گئی اور اس پر خاص طور سے نگرانی کی جاتی ہے، روز اول سے کارکنان انجمن کے دل و دماغ میں یہ جذبہ پرورش پا رہا تھا کہ

چند علماء کو مذہبی درسگاہوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے روانہ کرنے کا اہتمام کیا جائے تاکہ یہ طلباء فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے حلقہ کے مسلمانوں کی مذہبی ذمہ داری کے متحمل ہوں۔ کارکنان انجمن کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ مذہبی تعلیم کے عام فوائد کے علاوہ مستند یافتہ علمائے باعمل کا تبرک وجود ہی مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی حالت پر اپنا خوشگوار اثر ڈال سکتا ہے۔ چونکہ ہندوستان کی مذہبی درسگاہوں میں ابتدائی تعلیم اور خاطر خواہ نگرانی کا کام نہیں ہوتا اس لئے اس درسگاہوں میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجے جانے والے طلبا کی ابتدائی تعلیم کا انتظام کرنے کی غرض سے ۱۹۴۲ء میں جمعیۃ المسلمین جزیرہ، بمبئی کے ساتھ اشتراک عمل سے احاطہ انجمن میں ایک مدرسہ بنام مدرسہ محمدیہ قائم کیا گیا جس میں تین سالوں تک ابتدائی تعلیم دے کر طلباء کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے ہندوستان کی مذہبی درسگاہوں میں بھیجا جاتا ہے۔

اصلاح معاشرت بھی انجمن کا ایک مقصد ہے۔ اگرچہ اس ضمن میں انجمن کوئی منظم کوشش نہ کر سکی پھر بھی وہ اس اہم ضرورت سے غافل نہیں رہی۔ کارکنان انجمن اپنی تقریروں، تحریروں، مباحثوں اور قراردادوں کے ذریعہ بیہودہ رسومات کی اندھی تقلید سے ہونے والے نقصانات اور شادی و غمی کے موقعوں پر ہونے والے فضول اخراجات کے مہلک نتائج سے قوم کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اور ایسی رسومات سے پرہیز کرنے کی ترغیب و تحریص دیتے رہتے ہیں۔

ریاست جزیرہ کے صوبہ بمبئی میں ضم ہونے سے پہلے ابتدائی مدرسوں میں ذریعہ تعلیم اردو اور مراٹھی تھی اور اسکی مناسبت سے مروڈ اور سرودھن میں واقع ثانوی مدرسوں میں بھی یہی دو زبانیں ذریعہ تعلیم کے لئے رائج تھیں۔ لیکن انضمام ریاست کے بعد ابتدائی مدرسوں میں ذریعہ تعلیم اردو یا مراٹھی ہو گئی اور ثانوی مدرسوں میں ذریعہ تعلیم کے لئے صرف علاقائی زبان یعنی مراٹھی مستعمل ہونے لگی۔ الغرض ابتدائی مدرسوں میں مسلمانوں نے اپنے لئے ذریعہ تعلیم اردو اختیار کرنے کی بنا پر ایک اردو ثانوی تعلیم کے مدرسہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی اور جون ۱۹۵۷ء سے انجمن نے مقام مروڈ ایک ثانوی اسکول کا اجراء کیا۔ جس میں مقامی حالات کے پیش نظر زراعتی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اس اسکول میں ایس۔ ایس سی (سیکنڈری کورس) کے نصاب کے بموجب بذریعہ زبان اردو زراعتی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور لڑکیوں کے لئے زراعت کے عوض امور خانہ داری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جس کے لئے ایک تعلیم یافتہ معلمہ کی خدمات فراہم کی گئی ہیں۔ مسلمان طلباء کے لئے مذہبی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔ اور اس کے لئے ایک مکمل نصاب مرتب کیا گیا ہے۔ جس کے تحت چار سال کی مسلسل تعلیم و تربیت سے ان طلباء میں صحیح معنوں میں مسلمان بننے کی صلاحیت پیدا کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ چونکہ اردو میں ابتدائی تعلیم کے مدرسوں میں مسلمان طلباء کی اکثریت ہوتی ہے اس لئے مذکورہ ثانوی اسکول میں صرف مسلمان طلباء داخل ہوں گے۔ جو اجتماعی اور سماجی زندگی کے نشیب و فراز سے ناواقف ہوں گے۔ اس لئے اسکول میں ایک حصہ بذریعہ مراٹھی تعلیم دینے

کی غرض سے جاری کرنے کی تجویز ہے ۔ لیکن حکومت بمبئی کے محکمۂ تعلیمات کی طرف سے اس کے لئے کم از کم پندرہ طلباء فراہم کرنے کی شرط عائد کی گئی ہے ۔ امید ہے کہ جلد ہی اس شرط کی تکمیل ہوگی ۔ اور مستقبل قریب میں انجمن اسلام زراعتی (ایگریکلچرل) ہائی اسکول مسلمانوں اور غیر مسلمانوں پر مشتمل ہوگا ۔ پی ، ایس ، سی یا فائنل تک بذریعہ اردو تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے لئے اردو ہائی اسکول کی ضرورت نیز خطۂ کوکن میں بسنے والی زراعت پیشہ قوم کی ایک بڑی ضرورت اس اسکول کے قیام سے پوری ہوئی ۔ امسال صرف ایک جماعت (ہشتم) کا اجراء عمل میں آیا ہے ۔ ہر سال مزید ایک جماعت کا اجراء ہوگا ۔ اور اس طرح آئندہ چار سالوں میں یہ اسکول مکمل ہائی اسکول بن جائے گا ۔ امسال جاری کردہ جماعت ہشتم میں ۳۴ طلبا اور ۸ طالبات کل ۴۲ طلباء زیر تعلیم ہیں ۔ مستحق اور نادار طلباء کے لئے حتی المقدور سہولتیں بہم پہونچانے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے ۔ چونکہ دارالاقامہ کا انتظام پہلے سے موجود ہے یہ اسکول قلابہ ۔ تھانہ اور رتناگیری میں اصلاح کی ضرورتوں کا کفیل ہو سکتا ہے ۔

خدا کے فضل سے مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی مذہبی تعلیم کے لئے مقامی جماعتوں کے زیر اہتمام ریاست کی حدود میں ہر مسلمان بستی میں جو مکاتب کھولے گئے ہیں ان میں ایک مشترکہ نصاب تعلیم کی ترویج اور ان کی باضابطہ نگرانی اور تنظیم کی غرض سے انجمن نے حال ہی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ انجمن کے زیر اہتمام ایک مذہبی عالم کا تقرر عمل میں آئے جو وقتاً فوقتاً مختلف مقامات کا دورہ کرکے ان مکاتب کی نگرانی اور اصلاح و ترقی کا کام انجام دے ۔ نیز وہ عالم مختلف مقامات پر اور خصوصاً چھوٹی چھوٹی بستیوں میں قیام کرکے مسلمانوں کی مذہبی اصلاح اور ان میں مذہبی تبلیغ کے فرائض انجام دے ۔ انشاء اللہ مستقبل قریب میں اس تجویز پر عمل درآمد ہوگا ۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ قوم کی حقیقی ترقی بغیر تعلیم نسواں کی ترقی کے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے ۔ مسلم آبادی کے "نصف بہتر" (زنانہ حصہ) کو جسمانی ۔ دماغی اور روحانی تعلیم و تربیت اور نشو ونما سے محروم رکھنا نہ صرف موجودہ مسلم آبادی پر بلکہ آنے والی مسلم نسلوں پر ظلم کرنا ہے ۔ لہٰذا کارکنان انجمن کے سامنے یہ مرحلہ بھی درپیش ہے کہ انجمن کے زیر اہتمام لڑکیوں کے لئے سند یافتہ معلمات کی زیر نگرانی ایک دارالاقامہ قائم کیا جائے ۔ اور اس دارالاقامہ کے احاطہ ہی میں ایک زنانہ ہائی اسکول کا اجراء ہو جس میں لڑکیوں کے لئے سرکاری نصاب کے علاوہ امور خانہ داری اور اعلیٰ مذہبی تعلیم کا انتظام کیا جائے ۔

موجودہ نصاب تعلیم میں امور خانہ داری ایک مستقل مضمون ہے جو لڑکیاں ایس ، ایس ، سی کے امتحان کے لئے دوسرے کسی مضمون کے عوض لے سکتی ہیں ۔ اور اس طرح ان کے سند یافتہ ہونے کے لئے آسانی مہیا ہو چکی ہے ۔ لڑکیوں کا اسکول معہ دارالاقامہ قائم کرنے کے لئے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے ۔ لیکن تعلیم نسواں ایک ایسی ضرورت ہے کہ انجمن نے حالات سازگار ہوتے ہی اپنی اولین فرصت میں اسکی تکمیل کا تہیہ کر لیا ہے ۔

علامہ سید سلیمان ندوی

ایک عظیم مورخ اور محقق — ایک مستقل دائرۃ المعارف

جناب عبدالقوی صاحب دسنوی

علامہ سید سلیمان ندوی کی پیدائش ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں صوبہ بہار کے مشہور و معروف گاؤں دیسنہ میں ہوئی آپکے والد حکیم سید ابوالحسن بڑے متقی و پرہیزگار بزرگ تھے، آپ کے دادا جناب حکیم محمد شیر عرف حکیم محمدی شیخ پورہ ضلع مونگیر میں طبابت کرتے تھے، آپ باکمال حکیم تھے،

سید صاحب کی ابتدائی اردو، فارسی، عربی کی تعلیم آپکے بڑے بھائی مولوی حکیم سید ابو حبیب صاحب نے دی، پھر ایک سال تک پھلواری شریف ضلع پٹنہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے، اس کے بعد چند ماہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (بہار) میں بھی تعلیم حاصل کی، ۱۹۰۱ء میں مولوی محمد احسن صاحب استھانوی کے ہمراہ دارالعلوم ندوہ گئے، اور وہاں چھ سال تک تعلیم کی تکمیل میں لگے رہے، اس وقت "ندوہ" کے اراکین میں مولانا سید علی مونگیری، شاہ سلیمان صاحب پھلواروی، اور مولانا شبلی نعمانی تھے،

۱۹۰۳ء میں نواب محسن الملک مدرسہ تشریف لائے تھے، اس وقت سید صاحب نے اپنا لکھا ہوا عربی قصیدہ پڑھا جسے نواب صاحب کی مدح میں لکھا تھا، نواب صاحب نے بغور سنا اور بے حد مسرور ہوئے، لیکن انھوں نے فرمایا کہ وہ یہاں کے طلبہ کی عربی دانی کے اس وقت تک قائل نہ ہوں گے جب تک ان کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہاں کے طلبہ عربی اخبار سمجھ سکتے ہیں، چنانچہ المؤید یا اللواء کا پرچہ منگوا کر سید صاحب کو دیا گیا اور ایک مضمون پڑھ کر سمجھانے کو کہا گیا، آپنے صحیح پڑھ کر اس کا صحیح مطلب بیان کیا، جس سے نواب صاحب بے انتہا خوش ہوئے، اور اس طرح اراکین مدرسہ کے دلوں میں سید صاحب نے گھر کرنا شروع کیا، اسی لیئے ۱۹۰۵ء میں جب علامہ شبلی نعمانی مدرسہ کے ناظم ہوئے تو انھوں نے سید صاحب کو اپنے دامن تربیت میں لے لیا۔

۱۹۰۶ء میں علامہ شبلی پٹنہ تشریف لائے اس وقت اتفاقاً سید صاحب کے چچا ابو یوسف صاحب سے مولانا کی ملاقات ہوئی دوران گفتگو میں انھوں نے عرض کیا کہ سید سلیمان کو نصیحت فرمائی جائے کہ وہ علم طب پڑھے، تو مولانا نے فرمایا کہ آپ لوگ کیوں ان کو خراب کرتے ہیں۔ ان کو میرے حوالہ کر دیجیئے میں ان کی تربیت کر کے اپنے کام کا بنا لوں گا اور اسی دن سے سید صاحب مولانا کے حوالہ کر دیئے گئے۔

مارچ ۱۹۰۷ء میں سید صاحب اور ان کے رفقاء کی دستار بندی کے سلسلہ میں لکھنؤ میں ایک عام جلسہ ہوا سید صاحب نے

[illegible]

علوم قدیمہ و جدیدہ کے موازنہ پر ایک مضمون لکھ کر پڑھا، حاضرین میں سے کسی صاحب نے فرمائش کی کہ تقریر عربی میں ہونی چاہیئے، تاکہ ندوہ کی عربی تعلیم کا حال معلوم ہو، چنانچہ سید صاحب نے عربی میں تقریر کرنی شروع کی۔ حاضرین متحیر اور مجمع مسحور تھا، لیکن اس شبہ کو دور کرنے کے لیے کہ تقریر پہلے سے تیار شدہ نہیں تھی، علامہ شبلیؒ نے حاضرین سے موضوع انتخاب کرنے کی درخواست کی خواجہ غلام الثقلین نے ایک موضوع "ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہوئی" منتخب کیا، بس پھر بغیر کسی تاخیر کے سید صاحب نے نہایت عمدہ فصیح و بلیغ عربی میں تقریر کی، حاضرین محو حیرت رہ گئے، اور داد و تحسین کے نعرے بلند ہوئے، علامہ شبلیؒ اس قدر محظوظ ہوئے کہ اپنا عمامہ اتار کر شاگرد کے سر پر باندھ دیا، اور یہیں سے سید صاحب کی علمی و ادبی شہرت کی ابتدا ہوئی،

سنہ ۱۹۰۸ء میں آپ دار العلوم ندوہ میں علم کلام اور جدید عربی کے استاد مقرر ہوئے، اس کے ایک سال بعد علامہ شبلیؒ نے اپنے قائم کردہ شعبہ سیرت النبی میں آپ کو اپنا لٹریری اسسٹنٹ بنایا۔

۳۰ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء میں دار العلوم میں ایک جلسہ ہوا، سر آغا خان بھی تشریف لائے تھے، اس جلسہ میں موصوف نے ایک عربی تقریر کی، جس کا موضوع تھا علما کو جدید فلسفہ سیکھنا ضروری ہے، یہ تقریر بعد میں رسالہ "البیان" لکھنؤ میں شائع ہوئی۔

سنہ ۱۹۱۰ء میں مولانا ابو الکلام آزاد کی دعوت پر "الہلال" کی ادارت میں شرکت کی، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بلقان کی لڑائی چھڑی ہوئی تھی، اور مسجد کانپور کے واقعہ نے مسلمانان ہند کو بے حد متاثر کر دیا تھا، "مشہد اکبر" کے عنوان سے سید صاحب نے ایک انقلاب انگیز مضمون سپرد قلم کیا، گورنمنٹ نے اسے ضبط کر لیا، لیکن جب سکون قائم ہو گیا تو آپ ندوہ چلے آئے،

اپریل سنہ ۱۹۱۲ء میں دار العلوم کا اجلاس لکھنؤ میں سید رشید رضا کی صدارت میں ہوا، موصوف نے تصحیح اغلاط تاریخی کی رپورٹ سنائی، اور انگریزی نصاب کی ان غلطیوں کے اقتباسات پیش کیے جن میں پیغمبر اسلام، اسلام، صحابہ کرام، قرآن پاک اور مسلمان بادشاہوں پر الزام لگائے تھے، حاضرین ان غلط بیانیوں کو سنکر بے چین ہو گئے،

سنہ ۱۹۱۳ء میں علامہ شبلی کی خواہش سے دکن کالج پونہ کے پروفیسری کے عہدے کو قبول کیا اور پونہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلی کا انتقال ہوا، مرنے سے قبل سید صاحب کو تار دیکر اپنے وطن اعظم گڈھ بلوایا اور وصیت کی کہ تمام کام چھوڑ کر سیرت کی تکمیل میں لگ جائیں، چنانچہ موصوف نے سرکاری نوکری سے مستعفی ہو کر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل میں لگ گئے، اور علامہ شبلی کے بعد چھ ضخیم جلدوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، جس کا جواب آج دنیا کی کوئی دوسری زبان نہیں رکھتی،

سنہ ۱۹۱۴ء میں دار المصنفین کا قیام عمل میں آیا، جس کے بانی مبانی علامہ شبلیؒ تھے، لیکن ادارہ کو ترقی کے اس منزل تک لانا علامہ سید سلیمان ندویؒ ہی کا کام تھا، اس ادارہ نے اسلامی علوم و فنون، تاریخ نیز اردو زبان کے دیگر شعبوں سے متعلق متعدد کتابیں شائع کرکے اردو ادب کی بڑی خدمت کی ہے، سید صاحب اس ادارے کی ترقی و عروج کے لیے اپنی

زندگی کا تقریباً تمام تر حصہ صرف کرتے رہے۔

۱۹۳۳ء میں شاہ افغانستان کی دعوت پر جو کہ کابل یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں تھا، موصوف ڈاکٹر اقبال اور سر راس مسعود کے ساتھ کابل تشریف لے گئے اور شاہ کے مہمان رہے، وہیں سے آپنے غزنی اور قندھار کا سفر کیا۔

۱۹۳۵ء میں حیدرآباد دکن کے آئین فوجداری کی شرعی تدوین کی خدمت کے لئے سید صاحب ہی کو انتخاب کیا گیا جسے آپ نے بحسن و خوبی انجام دیا۔

۱۹۳۰ء سے آپ خالص علمی و ادبی اور تعلیمی کاموں میں حصہ لینے لگے، اسی سال ہندوستانی اکیڈمی کے جلسہ منعقدہ الہ آباد کی صدارت کی، پھر دارالعلوم ندوہ کے سکریٹری بھی منتخب ہوئے، اسی کے ساتھ ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد، ہندوستانی کمیٹی صوبہ بہار، یونیورسٹی کورٹ علی گڈھ، جامعہ ملیہ دہلی، مدرسہ ایگزامینیشن بورڈ پٹنہ کے ممبر بھی رہے۔

۱۹۱۲ء میں جب ترکوں نے جنگ میں حصہ لیا، تو مسلمانوں کے بڑے بڑے رہنما قید و بند میں ڈالدیئے گئے، مسلمانانِ ہند میں انتشار و گھبراہٹ پیدا ہو چلی تھی ایسے وقت میں مسلمانوں کی قیادت کے لئے جو نیا گروہ آگے بڑھا اس میں ایک شخصیت سید سلیمان ندوی کی بھی تھی،

۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک آپ جناب مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے سیاسی تحریکات میں بڑے انہماک سے حصہ لیتے رہے ۱۹۱۶ء میں مجلس علماء بنگال کا جلسہ منعقد ہوا، جو کہ اپنی نوعیت کا نہایت اہم جلسہ تھا، اس جلسہ کی صدارت کے فرائض کا کام آپ ہی نے انجام دیا،

۱۹۱۵ء میں خلافت کے سب سے پہلے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں شرکت کی، اور پھر ایسی مدلل اور مؤثر تقریر کی کہ علماء اور ارباب سیاست کے اعتراض تقریباً ختم ہوگئے،

۱۹۲۰ء میں خلافت ڈیپوٹیشن یورپ کے لئے روانہ ہوا، مولانا محمد علیؒ کی قیادت میں جانے کے لئے تین ممبروں کا چناؤ ہوا، جنمیں ایک آپ بھی تھے، آپ اس سفر میں اٹلی، فرانس، اور انگلستان کے ارباب سیاست اور مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے رہنماؤں سے ملے، اور حقوق ترکی کے لئے زبان و قلم سے جنگ کرتے رہے، سفر سے واپس آکر ۱۹۲۰ء کے آخر میں کانگریس میں شامل ہوگئے، ترک موالات کے سلسلہ میں دوسرے اکابر اور رہنماؤں کے ساتھ سارے ملک کا دورہ کیا، اسی زمانہ میں خلافت کے سالانہ اجلاس منعقدہ میرٹھ کی صدارت کی۔

۱۹۲۱ء میں کانگریس احمد آباد کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے، اور پھر خلافت اور جمعیۃ علماء ہند کے رکن چنے گئے۔

۱۹۲۴ء میں شریف حسین اور ابن سعود کے درمیان جنگ کی ابتدا ہوئی، حجاز پر ابن سعود قابض ہوگئے، تو سید صاحب کو مسلمانانِ ہند نے ایک گروہ کی قیادت میں حجاز روانہ کیا، وہاں پہنچکر آپ شریف اور ابن سعود سے ملے، اور حجاز

جس طرح یاس (ناامیدی) کفر ہے اسی طرح بے خوف ہونا بھی کفر ہے۔

میں مسلمانانِ عالم کی ایک جمہوری حکومت کے قیام کی تجویز پیش کی، لیکن جب گفتگو کو ناکام ہوتے دیکھا تو مصر پہنچے، مصر کے علما و فضلا، اور سیاست دانوں سے ملے، اور ان سے حجاز کے متعلق گفتگو کی نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ ازہر نے ان تجاویز پر رضامندی ظاہر کی یہ مولانا کی بہت بڑی کامیابی ہوئی، اس زمانہ میں سنگٹھن اور شدھی کا زور تھا، جس کی بنا پر دہلی میں خلافت کا ایک جلسۂ خاص منعقد ہوا، حکیم اجمل خان صاحب کی خواہش پر موصوف نے ہی اس کی صدارت کی، اور ہندو مسلمانوں کے تعلقات کی نسبت مسلمانوں کے خیالات کا اظہار کیا۔

اسی سال دوسرا وفد آپ کی سرکردگی میں حجاز روانہ ہوا، جس کے ممبران محمد علی، شوکت علی اور شعیب قریشی تھے، اس موقع پر سلطان ابن سعود نے مسلمانانِ عالم کا جلسہ مکہ معظمہ میں منعقد کیا تھا، مصر، ترکی، یمن، اور افغانستان و دیگر ممالکِ اسلامی کے نمائندے آئے تھے، آپ کو اکثریت نے اجلاس کا نائب صدر چنا، کئی دنوں تک اجلاس ہوتا رہا، اس درمیان میں اکثر آپ نے صدر کے فرائض انجام دیئے۔

۱۹۳۳ء میں سید صاحب نے آل انڈیا فلسطین کانفرنس جس کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا تھا صدارت کی، اس طرح ۱۹۴۳ء تک سیاست ہند اور سیاستِ اسلامی میں انہماک کے ساتھ مشغول رہے، اس کے بعد سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی، اور خالص علمی، ادبی اور تعلیمی تحریکوں میں حصہ لینے لگے۔

اگست ۱۹۴۹ء میں سید صاحب حج کے لیئے روانہ ہوئے، مدینہ منورہ میں آپ کا قیام کافی دنوں تک رہا، دسمبر کے اخیر میں بمبئی پہنچے، وہاں پہنچکر علیل ہو گئے، صحت یاب ہونے پر بھوپال روانہ ہو گئے۔

۱۹۵۰ء میں آپ کراچی گئے! اور وہیں مقیم ہو گئے۔

مارچ ۱۹۵۲ء میں آپنے ڈھاکہ ہسٹاریکل کانفرنس کی صدارت کی، لیکن وہاں کے طلبہ کی چند نازیبا حرکتوں پر سید صاحب بہت ملول خاطر ہوئے، ڈھاکہ سے کچھ دنوں کے لیئے آپ ہندوستان اپنے منجھلے داماد کے یہاں قیصور آئے، اور پھر کراچی روانہ ہو گئے۔

۱۹۵۳ء کے آخیر میں آپ دل بڑھ جانے کے مرض میں مبتلا ہو گیے، اور اسی سال ۲۲ر نومبر بروز اتوار بوقت ۷ بجے شام حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے رحلت فرما گئے۔

ادبی خدمات:۔ علم و ادب سے سید صاحب کو شروع ہی سے گہرا لگاؤ تھا، پھر خود دسنہ کا علمی ماحول اور پھلواری شریف کی علمی صحبتوں نے اس ذوق کو اور بڑھا دیا، چنانچہ دربھنگہ کے مدرسہ امدادیہ کے داخلہ کے بعد وہاں کے طلبہ کے جلسہ میں ایک تحریر سنائی جو مضمون کے لحاظ سے نہایت ٹھوس اور جامع تھی، مضمون سنکر حاضرین بیحد متاثر ہوئے۔

آپ کا سب سے پہلا مضمون "وقت" کے عنوان سے مخزنِ لاہور میں ۱۹۰۵ء شائع ہوا، اسی سال آپنے ایک دوسرا مضمون "علم اور اسلام" کے عنوان سے تحریر کیا جو اپنے وطن مالوف کی "انجمن الاصلاح" کے سالانہ جلسہ میں پڑھا، جسے اہلِ علم حضرات نے بڑی

قدر کی نگاہ سے دیکھا، اور جو علی گڈھ منتھلی میں شائع ہوا، اسی زمانہ میں ایک مضمون علم حدیث پر تحریر کیا جو کہ "الندوۃ" میں شائع ہوا، مضمون نہایت عمدہ و بہتر یہ میں تھا اور یہی مضمون سید صاحب کی شہرت کا پیش خیمہ ہو۔ مختلف وقتوں میں آپ نے "الندوۃ" کی ادارت بھی کی۔

پہلی مرتبہ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۸ء تک۔ دوسری مرتبہ اگست ۱۹۱۰ء سے فروری ۱۹۱۱ء تک

تیسری مرتبہ اگست ۱۹۱۱ء سے مئی ۱۹۱۲ء تک

اس کے بعد رسالہ مذکور بند ہو گیا۔ جنوری ۱۹۱۴ء سے آپنے رسالہ الندوہ پھر نکالا اور اس کی ذمہ داری اپنے بعض ندوی دوستوں کے سپرد کی۔

۱۹۱۳ء میں موصوف "الہلال" کی ادارت میں شامل ہو گئے۔ اور وہاں رہکر "الہلال" میں جو مضامین آپ نے تحریر کیئے وہ آج اردو ادب کیلئے بہترین نمونہ ہیں۔

۱۹۱۲ء میں ایک مضمون "اسلام اور پردہ" کے عنوان سے تحریر کیا جو اسلامی دنیا میں بے حد پسند کیا گیا،

۱۹۱۵ء میں انجمن ترقی اردو کے سالانہ اجلاس منعقدہ پونہ کے آپ صدر رہے جو خطبۂ صدارت آپنے پڑھا۔ وہ بہت اہم اس وجہ کر ہے کہ تاریخ اردو کا بہترین مواد اس خطبہ میں فراہم کر دیا گیا ہے۔

رسالہ معارف ۱۹۰۹ء سے لیکر ۱۹۰۲ء تک حاجی محمد اسمٰعیل صاحب جان کی ادارت میں نکل کر بند ہو گیا ۱۹۱۶ء سے موصوف نے اس کو دوبارہ جاری کیا اور اس وقت سے دسمبر ۱۹۴۹ء تک آپ اس کے ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے، لوگ جانتے ہیں معارف زبان اردو کا ہندوستان میں بہترین رسالہ ہے، جو تحقیقی، تنقیدی، تاریخی، سیاسی، مذہبی، ادبی و فلسفیانہ مضامین کا بہترین مواد پیش کرتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ مولانا ایک بہت بڑے محقق، عظیم الشان مصنف اور زبردست عالم دین اور مفسر تھے، آپ ایک ہی وقت میں محقق بھی تھے اور مفکر بھی، محدث بھی تھے، فقیہ بھی، بلند پایہ مؤرخ تھے تو فلسفی بھی، اگر اپنے زور قلم کا جواب نہیں رکھتے تھے تو بہترین مقرر بھی تھے، تحقیق پر جسقدر گہری اور وسیع نظر تھی، اتنا ہی شعر و شاعری سے شغف رکھتے تھے، مؤرخ کی حیثیت سے آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا، وسعت معلومات کا یہ عالم تھا کہ مستشرقین بھی آپ کا لوہا مانتے تھے چنانچہ مشہور مؤرخ فلپ ہیٹی نے اپنی تصنیف "تاریخ عرب" میں سید صاحب کا حوالہ دیا ہے، دنیائے اسلام کے بڑے بڑے علماء و فضلاء بھی آپ کے معتقد تھے، شاعر مشرق علامہ اقبالؒ اپنی بہت سی مذہبی الجھنوں کا حل بھی آپ ہی کے یہاں پاتے تھے۔

تصانیف: - آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

۱ - **دروس الادب:** - یہ سید صاحب کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی، اس میں عربی زبان کے دو ریڈرس ہیں۔

شریعت کا یہ حکم ہے کہ ہر کام کی اجرت پہلے طے کر لیا کرو۔

لغات جدیدہ : ۔ یہ عربی زبان کی ڈکشنری ہے جس کو آپ نے علامہ شبلی کے اشارہ پر لکھ کر ۱۹۱۲ء میں شائع کیا۔
ارض القرآن : ۔ یہ کتاب دو جلدوں میں منقسم ہے پہلی جلد ۱۹۱۵ء میں اور دوسری جلد ۱۹۱۸ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی
سیرت حضرت عائشہؓ : ۔ ۱۹۲۰ء میں نواب سلطان جہان والی بھوپال کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی، اس کی سبکے معاوضہ میں سرکار عالیہ نے پانچ سو روپیہ کا انعام آپ کو پیش کیا، کتاب بیحد مقبول ہوئی، اس کتاب کا ترجمہ ترکی و فارسی زبان میں ہو چکا ہے،
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ۔ سیرۃ النبی سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، جسکی چھ جلدیں آپ ہی کی لکھی ہوئی ہیں، یہ جلدیں اسلامی معلومات کا خزانہ ہیں اور کسی دوسری زبان میں اس کا جواب نہیں، عربی، فارسی، ترکی زبان میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔
حیات امام مالکؒ : ۔ یہ کتاب حضرت امام مالکؒ اسلام کے محدث اعظم و فقیہ معظم کی سوانح عمری ہے۔
خطبات مدراس : ۔ یہ سید صاحب کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اسلامی جنوبی کانفرنس کی فرمائش پر ۱۹۲۶ء میں مدراس میں دیئے تھے، یہ مجموعہ بیحد مقبول ہوا، ان خطبات کے معاوضہ میں کانفرنس نے ایک ہزار روپیہ کا عطیہ آپ کو پیش کیا۔
عرب و ہند کے تعلقات ۔ یہ مجموعہ بھی آپ کے محققانہ خطبات کا مجموعہ ہے جسے انھوں نے ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد کی فرمائش پر ۱۹۲۹ء میں پڑھا تھا، اکاڈیمی نے ایک ہزار روپیہ بطور معاوضہ پیش کیا، کتاب مذکور کا ترجمہ انگریزی و ہندی زبانوں میں ہو چکا ہے۔
عربوں کی جہاز رانی : ۔ ۱۹۳۱ء میں گورنمنٹ بمبئی کے محکمہ تعلیم کی سرپرستی میں انجمن اسلام ہال بمبئی میں پڑھا۔ اس پر حکومت بمبئی نے ۵۰۰ روپیہ کا عطیہ پیش کیا، انگریزی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے۔
خیام : ۔ یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندوی کے ان مقالوں کا مجموعہ ہے، جسے انھوں نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس پٹنہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں پڑھا، اور حکیم خیام کے چند غیر مطبوعہ رسائل اور رباعیات کے ساتھ ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔
اس کتاب کی داد غیر ممالک ایران، کابل و یورپ کے علماء و فضلاء نے دی، فردوسی کی ہزار سالہ برسی پر حکومت افغانستان نے جو تحائف ایران کو دیئے اس میں ایک "خیام" بھی تھا، ہندوستانی اکاڈمی نے اس کو سال کی بہترین کتاب قرار دیکر ۵۰۰ روپیہ کا انعام موصوف کو دیا۔
رحمت عالم : ۔ موصوف کی یہ کتاب عورتوں اور بچوں کے مذہبی عقائد کو مضبوط کرنے کے لیئے بہترین کتاب ہے۔
بہادر خواتین اسلام : ۔ یہ کتاب مسلمان عورتوں کی بہادری اور ہمت و استقلال پر روشنی ڈالتی ہے۔
نقوش سلیمانی : ۔ یہ کتاب آپ کی ہندوستانی و اردو ادب کے متعلق تحریروں اور تقریروں کا مجموعہ ہے جو کہ ۱۹۳۹ء

میں نقوش سلیمانی کی صورت میں شائع ہوئی۔

بریدِ فرنگ:۔ یورپ سے آپ نے دوستوں کے نام جو خطوط تحریر کیے، اُن کا مجموعہ ہے۔

حیاتِ شبلیؒ:۔ سید صاحبؒ کی آخری تصنیف ہے۔ اس میں اپنے استاد مکرم کی پوری سوانح عمری قلمبند کی ہے اور ساتھ ساتھ ان کے علمی و عملی کارناموں پر بھی روشنی ڈالی ہے، یہ کتاب ۱۳۶۲ھ میں مطبع معارف اعظم گڈھ سے شائع ہوئی۔

شاعری:۔ سید صاحبؒ کو شعر و شاعری سے بھی کافی دلچسپی تھی، آپ اکثر عربی فارسی اور اردو میں شعر کہا کرتے تھے، لیکن آج بہت ہی کم لوگ انھیں بحیثیت شاعر جانتے ہیں۔ آپ نے اشعار بہت کم کہے لیکن جو کچھ کہا وہ احوال اور واقعات سے متاثر ہو کر کہا۔ چنانچہ اس کا اعتراف اپنے مضمون "سفر گجرات" کی چند یادگاریں" میں کرتے ہیں، "سفر کے اثنا میں جب بھروچ پہنچا اور نربدا کے کنارے آکر کھڑا ہوا، تو تخیل کی آنکھوں نے ۱۲۰۰ برس قبل کی تصویریں آنکھوں کے سامنے کر دیں، اور گو میں شاعر نہیں مگر جذبات کے تلاطم نے موزون ترانہ کی صورت اختیار کر لی" چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نربدا

نربدا، اے نربدا! اے جادۂ بحر عرب	گرچہ تو ہندی ہے لیکن زادۂ بحر عرب
جانتا ہے تو مری تاریخ کا پوشیدہ راز	تیرے دروازہ پہ ٹھہرا تھا مرا پہلا جہاز
تو گذشتہ کاروانوں کا نشانِ راہ ہے	ہند میں اسلام کی تاریخ سے آگاہ ہے
رشتۂ ہند و عرب تجھ سے ہوا تھا استوار	تیرے ساحل کا ہر اک ذرہ ہے اسکی یادگار
ہند میں اسلام کے انجام کا آغاز تو	چار صدیوں تک رہا اسلام و ہم ساز تو
آج کس کو یاد ہے وہ داستانِ پاستان	تیرے ساحل پر جب اترا تھا عرب کا کاروان

دوستی:۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے دوستانہ تعلقات نہ صرف ہندوستان بلکہ ایشیا و یورپ کے دیگر مقامات میں بھی قائم تھے، اگر ہندوستان میں مولانا محمد علیؒ، شوکت علیؒ، مہاتما گاندھی، پنڈت موتی لال نہرو، سروجنی نائیڈو، علامہ اقبالؒ، مولانا ابو الکلام آزاد، و جواہر لال نہرو، وغیرہ سے گہرے مراسم تھے تو دوسری طرف مدینہ منورہ، قاہرہ، کابل، ترکی، فلسطین، و بلقان کے مشہور علماء، فضلاء و شعراء بھی آپ کے گرویدہ تھے، مشہور عالم سید رشید رضا مصری جو دنیا کے بڑے انسانوں میں گنے جاتے ہیں، آپ کے حلقۂ احباب میں سے تھے، اسی طرح پروفیسر آرنلڈ، ایڈورڈ براؤن، مارگولیتھ، نکلسن، اور بہتی، محمد خان عبد الوہاب (پیرس) موسیٰ گنا ہو تھے، اور نیو یارک کے اکثر مشاہیر سے بھی آپ کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔

آخر میں ہم اس مضمون کو موصوف کے ایک عربی قصیدہ کے ایک شعر پر ختم کرتے ہیں جس کو انھوں نے اپنے استاد کی صحتیابی پر کہا تھا۔

جادت یمینک بالاحسان من قلم   به غدی ذرها ماحان مقتنلبا

تیرے ہاتھوں نے تصنیفات کی سخاوت ایک ایسے قلم سے کی۔ جس سے کوڑی بھی رتبہ پاکر موتی بن گئے۔

اساد ۱۰ تک ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

انجمنِ اسلام بمبئی

(جناب اصغر علی صاحب بی اے آنرز)

انجمن اسلام ایسا ادارہ ہے جو بمبئی کے باشندوں کے لئے کسی تعریف کا محتاج نہیں۔ اس نے بمبئی کے مسلمانوں کی ترقی و بہبودی کیلئے تقریباً ۷۵ برسوں سے جو کچھ کیا ہے اس پر کسی بھی سماجی ادارہ کو فخر کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ یہ مضمون انجمن کی تاریخ، اسکی خدمات اور اس کے انتظام کی ایک مختصر سی کہانی ہے جس میں اس عظیم الشان ادارہ کی سرگرمیوں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مضمون دراصل میری ریسرچ رپورٹ کے ایک باب کا ترجمہ ہے جو میں نے "ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشیل سائنس" کے منتظمین کو اپنے ڈپلوما کورس کے لئے پیش کی اور جسے انھوں نے منظور کرلیا۔

انجمن کی کہانی مارچ ۱۸۷۶ء سے شروع ہوتی ہے جب یہ ادارہ زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا نصب العین لے کر قائم کیا گیا۔ ہر ادارہ کے قائم کرنے اور قائم رکھنے میں کچھ ایسی ہستیوں کا شعور ہوتا ہے جو اس کی روح رواں بن کر رہ جاتی ہیں اور جنکے ذکر کے بغیر اس کی تاریخ نامکمل رہتی ہے۔ اگر انجمن کی تاریخ لکھی گئی تو اس میں سر بدرالدین طیب جی اور محمد روگھے کا نام پیش پیش رہیگا جنھوں نے نہ صرف اس کے قائم کرنے میں جانفشانی سے کام لیا بلکہ اسے آپس کے تنازعوں کے تند و تیز آندھیوں کے مقابل ہر صورت پناہ دی ابتداء میں اس کے صدر قمرالدین طیب جی تھے۔ نائب صدر محمد روگھے اور غلام محمد اور غلام محی الدین پٹیکار انجمن قرار دئے گئے تھے۔ گیارہ آدمیوں پر مشتمل ایک مجلس اس کی نگراں تھی اور ان میں سر بدرالدین طیب جی پیش پیش تھے جو آگے چل کر اس کے ناخدا اور رکھوالے ثابت ہوئے، دراصل انجمن کی تاریخ بدرالدین طیب جی کی تاریخ ہے اور بدرالدین کی سوانح عمری میں انجمن کی سرگرمیوں کا ذکر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ انجمن اس فیصلہ پر بہت جلد پہونچ گئی کہ تعلیم کے شعبہ میں مسلمان بہت پیچھے تھے اور اس مسئلہ کو حل کرنا اس کا پہلا فرض تھا۔ انجمن نے ایک خط بمبئی کے گورنر کے نام بھیجا جس میں ان سے درخواست تھی کہ وہ مسلمانوں میں تعلیم کے سوال پر اپنی توجہ خاص دیگر مسلمانوں کو مشکور ہونے کا موقع دیں۔ اس پر ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کی طرف سے اسے جواب ملا کہ حکومت انجمن کی سرگرمیوں کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور اس کی تمام کوششوں کی ہمت افزائی کرنے کے لئے راضی ہے لیکن یہ مسئلہ حل کرنا آسان نہ تھا کیونکہ مسلمان مذہب کے گورکھ دھندے اور رسومات کی بھول بھلیوں میں ایسے کھوئے ہوئے تھے کہ اس موقع پر کچھ بھی کرنا شبہ کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ سر بدرالدین طیب جی نے جامع مسجد میں مسلمانوں کی ایک میٹنگ بلائی جس کا مقصد انھیں انجمن کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کرنا تھا۔ یہ میٹنگ بہت کامیاب رہی اور اس کا ذکر اسوقت کے مقبول اخباروں نے اچھے الفاظ میں کیا۔ اسوقت سے انجمن نے مسلمانوں کی نمائندگی کا بیڑا اٹھایا اور سماجی، تعلیمی اور سیاسی شاخوں میں رہبری اختیار

تھی۔ اس کی کوششیں سیاسی شاخ میں کافی ناکامیوں کا خمیازہ بنیں اور ان ناکامیوں کی وجہ سے انجمن کی زندگی خطرہ میں پڑ گئی

تعلیم کے شعبہ میں انجمن نے مسلمان لڑکوں کیلئے گوکل داس تیج پال اسکول میں ۱۸۸۰ء کے شروع میں ایک کلاس جاری کی اور اس تجربہ سے پتہ چلا کہ مسلمانوں کے لئے الگ اسکول قائم کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ بدرالدین اور محمد روگھے نے کافی قربانیوں کے بعد خاصی رقم جمع کر لی جس کی مدد سے انجمن کا اسکول عمرکھاڑی پر قائم کیا گیا۔ یہ ۱۰ ستمبر ۱۸۸۰ کا واقعہ ہے۔ اس اسکول میں ایک ہیڈ ماسٹر، تین اساتذہ اور ۳۰ بچے تھے۔ کچھ ہی دنوں میں بچوں کی تعداد ۲۷۵ ہو گئی اور اس دن کے بعد سے انجمن نے تعلیم کے شعبہ میں کبھی مڑ کر نہ دیکھا۔ اس دور میں کچھ لوگوں نے یہ کوشش کی کہ انجمن کی یکجہتی کو ختم کر دیں مگر ان کی کوششیں ناکام رہیں۔ اور انجمن دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی رہی۔

اب انجمن کی تاریخ کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جولائی ۱۸۸۸ء میں انجمن کو ایک دعوت نامہ موصول ہوا جس میں اس سے کانگریس کے الہ آباد سیشن میں شامل ہونے کی دعوت تھی۔ انجمن نے اپنے نمائندے بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن اس فیصلہ سے انجمن کے نمائندوں میں پھوٹ پڑ گئی اور اگر بدرالدین طیب جی کے حوصلے کام نہ آتے تو انجمن ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جاتی۔ ۱۵ اگست ۱۸۸۸ سے ۱۰ دسمبر ۱۸۸۹ء کا دور انجمن کی زندگی میں بہت اہم ہے کیونکہ انجمن میں جھگڑوں اور اختلاف کا زور تھا، بدرالدین صاحب ناراض تھے اور محمد روگھے کو صدر بنانے کی تمام کوششیں ناکامیاب ہو رہی تھیں ۱۸۸۹ میں آخرکار محمد روگھے نے صدر بننا منظور کر لیا لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا کیونکہ وہ صدارت قبول کرنے کے کچھ ہی دنوں بعد انتقال فرما گئے۔

۷ فروری ۱۸۹۳ء انجمن کی زندگی میں سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے کیونکہ اس دن انجمن کی نئی عمارت کا افتتاح بمبئی کے گورنر لارڈ ہیرس کے ہاتھوں ہوا۔ اب انجمن کی پالیسی نے ایک خاص صورت اختیار کر لی اور اس کی سرگرمیوں کا مرکز تعلیم بن گئی۔ سیاسی کاموں سے انجمن نے دور رہنا شروع کر دیا اور آخر میں بالکل ہی ترک کر دیا۔ ۱۸۹۳ء سے ۱۹۰۶ء تک انجمن نے بہت ترقی حاصل کی اور بمبئی کے اہم اداروں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ ۱۹۳۲ء میں بمبئی کے ایڈوکیٹ جنرل نے انجمن پر مقدمہ دائر کیا کہ وہ اپنے اسکولوں کا حساب پیش کرے اور ایک مقرر شدہ اسکیم کے تحت ان کی نگرانی کرے۔ ۵ فروری ۱۹۳۳ء کو یہ اسکیم عمل میں آئی اور اسی اسکیم کے ماتحت انجمن اپنی سرگرمیوں کی نگراں ہے۔ ۲۰ نومبر ۱۹۴۹ء کو ایک ایسوسی ایشن قائم کی گئی جس کا نام انجمن اسلام قرار دیا گیا اور انڈین کمپنی ایکٹ کے ماتحت سے رجسٹر کیا گیا۔ اس سے انجمن اسلام نے صابو صدیق ٹرسٹ، انجمن اسلام چیریٹیز، اور بہت سے اطفال مسلمین کی نگرانی کا ذمہ لیا اور یہ اختیار بھی حاصل کیا کہ دوسری چھوٹی چھوٹی چیریٹیز کی مینیجنگ ٹرسٹی بن جائے۔ جون ۱۹۵۳ء میں انجمن کے ماتحت ۷۳ چیریٹیز تھیں اور تعلیم کے شعبہ میں تقریباً ۲۰۰۰ بچے اور بچیاں اس سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔

انجمن کی خدمات میں سب سے پہلے ان اسکولوں کا ذکر کرنا چاہئے جو مسلمانوں میں تعلیم کی کمی کو ایک حد تک پورا کر رہے ہیں۔ انجمن اسلام ہائی اسکول، احمد سیلر ہائی اسکول، انجمن اسلام کرلا۔ انجمن اسلام عبدالستار شعیب اسکول اور انجمن اسلام

سوبانی نائٹ اسکول جس خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے ۔ یہ اسکول مسلمان بچوں کے لئے ہیں حالانکہ دوسری قوموں کے بچوں کے لئے انجمن نے اپنے دروازے بند نہیں کئے ہیں ۔ ۱۹۵۳ء میں ان اسکولوں میں تقریباً ۲۰۰۰ بچے تعلیم پا رہے تھے ۔ ان اسکولوں میں اسکول پارلیمنٹ میں ، ہاؤس سسٹم ہے ۔ بورڈ آف پریفیکٹس ہے اور کورٹ آف آنر ہے ۔ ان کے اپنے اخبار ہیں اور بنک اور کوآپریٹیو سوسائٹی ہیں ۔ انجمن کے اسکول کھیلوں میں نمایاں حصہ لیتے ہیں اور کرکٹ میں انجمن اسلام اسکول نے ایک امتیازی درجہ حاصل کرلیا ہے ۔ انجمن کے اسکول ان بچوں کی ہر صورت میں ہمت افزائی کرتے ہیں جو کھیلوں میں یا تعلیم کے شعبوں میں امتیاز حاصل کرتے ہیں ۔ ان اسکولوں کی نگرانی ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو نہ صرف قابل ہیں بلکہ جن کے دلوں میں مسلمانوں کی فلاح کا جذبہ موجزن ہے اور اسی لئے اس بات کی خوشی ہے کہ ہمارے بچوں کا مستقبل ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے

انجمن نے اس بات کا اندازہ لگاتے ہوئے کہ عورتوں کی تعلیم سے غفلت نہیں برتی جاسکتی ہے اور یہ کہ ہماری قوم کی بچیاں آگے چل کر ہمارے بچوں کی مائیں ہوں گی اور قوم کو تندرست اور قابل بچے دیں گی ۔ دو اسکول لڑکیوں کے لئے قائم کئے ہیں جن میں سے ایک بائکلہ روڈ پر ہے اور دوسرا ماہم پر ۔ ان کی نگرانی بھی انجمن کے تعلیمی بورڈ کے سپرد ہے ۔

ٹیکنیکل تعلیم کے شعبہ میں انجمن دو اسکول چلاتی ہے جو تقریباً ۱۷۵ بچوں کو ہر سال تعلیم دیتے ہیں ۔ کمرشیل تعلیمی شعبہ میں بھی انجمن کے دو اسکول ہیں ۔ ایک انجمن اسلام جان محمد کمرشیل اسکول اور دوسرا انجمن نائٹ اسکول جو بنک اور کامرس میں بچوں کو تعلیم دیتے ہیں ۔ تقریباً ۲۵۰ بچے ان اسکولوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔

انجمن کا سوشیل ورک بورڈ بیت الاطفال المسلمین کی نگرانی کرتا ہے ۔ پہلے یہ بیت اردن ڈسٹرکٹ میں تھا مگر ۱۹۴۸ء میں انجمن نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اورن سے اسے بمبئی میں منتقل کردیا ۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں اس بیت میں ۳۰ بچے تھے اور ان کی نگہداشت ایک سپرنٹنڈنٹ کے سپرد ہے ۔

انجمن ، اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور کریمی لائبریری کی بھی نگراں ہے جس سے بہت سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اردو کی ترقی کے لئے بہت کچھ کر رہا ہے اور اس کے ڈائرکٹر پروفیسر نجیب اشرف ندوی ہیں جن کی ذات بمبئی کے اردو حلقوں کے لئے کسی تعریف کی محتاج نہیں ۔ تیس (۳۰) بچوں سے لے کے ۳۰۰۰ بچوں تک پہونچا کسی بھی ادارے کی ترقی کا ضامن ہے اور انجمن کی ترقی کو تیز نہیں پھر بھی درست راستہ پر ہورہی ہے ۔

انجمن کی نگرانی میں جو ۳۵ چیریٹیز ہیں ان میں سے ۲ کا تعلق تعلیم سے ہے ۔ ایک کا مقصد لڑکوں کے لئے بورڈنگ ہاؤس چلانا ہے ۔ ایک کا ورزش کا اکھاڑہ قائم رکھنا اور چار کا ان اسکولوں کی نگہبانی کرنا جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں ۔ دو چیریٹیز کریمی لائبریری اور اخباروں کے چندے کے لئے الگ کردی گئی ہیں ۔ ان میں سے کئی بچوں کو اسکالرشپ دینے کے لئے ہیں ۔ ایسی کوئی ۲۰ چیریٹیز ہیں جن میں سے ۱۳ اسکول کے بچوں کو اسکالرشپ دیتی ہیں ۔ چھ کالج کے بچوں کو اور ایک دونوں کے لئے ہے اور انجمن کے سکریٹری کے فیصلے پر منحصر ہے ۔

انجمن کا انتظام ایک کونسل کے سپرد ہے جس کے ممبروں کی تعداد ۵۴ ہوتی ہے۔ اس میں سے ۳۰ ممبروں کی تعداد ۵۴ ہوتی ہے اس میں سے ۳۰ ممبروں کا انتخاب انجمن کے ممبروں میں سے الکشن کے ذریعہ ہوتا ہے اور ۵ کا انتخاب بمبئی کی پبلک سوسائٹی کے نمائندوں میں سے ہوتا ہے۔ انجمن کے دستور عمل میں لکھا ہوا ہے کہ انجمن کے ۵ ممبران انجمن کی سالانہ میٹنگ میں ریٹائر ہو جائیں۔ اور ریٹائر ہونے والے ممبران دوبارہ چنے گئے ہیں کا انجمن سے سب سے زیادہ دلوں کا تعلق ہے۔ جنرل کونسل کی صدارت ایک صدر کرتا ہے جس کا انتخاب جنرل کونسل کرتی ہے۔ یہ کونسل تین مہینے میں ایک بار ملتی ہے اور جنرل سکریٹری کو جو انجمن کا تنخواہ دار ملازم ہے مینیجنگ بلانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ انجمن کا انتظام اس کے قائم شدہ بورڈ کرتے ہیں۔ ان میں بچوں کی پرائمری تعلیم کا بورڈ، سیکنڈری تعلیم کا بورڈ، سوشیل ورک کا بورڈ، ریسرچ کا بورڈ اور قانونی معاملات کا بورڈ ہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے الگ بورڈ مقرر ہے اور صنعتی تعلیم کا بورڈ الگ ہے۔ انجمن کا جنرل سکریٹری اپنے اسٹاف کی مدد سے ان بورڈ کا کام چلاتا ہے اور ان بورڈ کے ممبران کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے اور انھیں لوگوں کا انتخاب کیا جاتا ہے جنھوں نے ان شعبوں میں کچھ کام کیا ہے۔

اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ انجمن کا انتظام اور اس کی خدمات نہ صرف تعریف کی مستحق ہیں بلکہ اس قابل ہیں کہ اس کی ہر ممکن صورت سے اعانت کی جائے۔ اسکی کونسل میں وہ لوگ ہیں جو دوررس نگاہیں رکھتے ہیں اور اسی لئے یہ ہمیشہ وقت کے آگے چلنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی کمزوریاں اور خامیاں بھی ہیں جو ہر ادارہ میں ہوا کرتی ہیں مگر جو کچھ کام انجمن نے اس ۷۵ سال کے عرصہ میں کیا ہے اور جو کچھ خدمات اس نے بمبئی کے مسلمانوں کے لئے انجام دی ہیں۔ وہ اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ اس ادارہ نے اس نصب العین کو ہمیشہ سامنے رکھا ہے جسے وہ لے کر چلا تھا۔ اور وعدوں کو بہت حد تک پورا کیا ہے جو اس نے سنہ ۱۸۷۶ء میں مسلمانوں سے کئے تھے۔



دی مغل لائن لمیٹڈ

ہندوستان کی سب سے پرانی جہازراں کمپنی

ہندوستان، پاکستان اور سعودی عرب کے مابین بحری سیاحت

خصوصًا بمبئی، کراچی اور چٹاگانگ کے "عازمین حج" کے لئے

بمبئی سے

عدن، جیبوتی، پورٹ سوڈان، جدّہ اور مصر

کے لئے ایک مستقل اور قابل اطمینان ذریعۂ سفر

مطالبہ کرنے پر دوسری بندرگاہوں کے لئے بھی اس کی توسیع کی جاسکتی ہے۔

سفر کا کرایہ۔ سامان کا کرایہ۔ اور دوسری تمام معلومات کے لئے پتہ ذیل پر لکھیئے:۔

دی مغل لائن لمیٹڈ

ٹرنر موریسن اینڈ کمپنی لمیٹڈ

۱۶۔ بنک اسٹریٹ بمبئی

تار کا پتہ۔ مغل

ٹیلیفون نمبر ۲۶۵۶۱

ایجنٹ برائے چٹاگانگ
ٹرنر موریسن اینڈ کمپنی لمیٹڈ

ایجنٹ برائے کراچی:
محمد ہاشم ٹریڈنگ کمپنی (پاکستان) لمیٹڈ

اسماعیل بیگ محمد ہائی اسکول

از جناب داؤد صاحب پرنسپل بیگ محمد ہائی اسکول

یہ اسکول اسماعیل بیگ محمد صاحب مرحوم کے وقف کردہ سرمائے سے جون ۱۹۳۶ء میں قائم ہوا اور تقریباً ۱۹ سال سے اپنی ذاتی عمارت (واقع محمد علی روڈ) میں مسلم طلبہ کو فیض و فائدہ پہونچا رہا ہے۔

اس ادارہ کا اولین مقصد یہ ہے کہ مسلم طلبہ کے مفاد کی خاطر اس قسم کی تعلیم و تربیت بہم پہونچائی جائے جو مذہب اسلام اور اسلامی معاشرت و تہذیب سے روشناس کرنے کے ساتھ مروجہ علوم اور جدید طریقۂ تدریس کی حامل ہو۔ علاوہ ازیں ہونہار اور مستحق طلبہ کے لئے تعلیمی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ چنانچہ تیس فیصدی تک مستحق طلبہ کی فیس معاف کردی جاتی ہے۔ اور نادار طلبہ کو نصاب کی کتابیں، کاپیاں اور یونیفارم مفت مہیا کیا جاتا ہے۔

اسکول کی تعلیم دو شعبوں میں منقسم ہے۔ پرائمری یعنی ابتدائی تعلیم، جماعت اول سے جماعت چہارم تک اور سکنڈری یعنی ثانوی تعلیم، پانچویں جماعت سے میٹرک تک۔ تعلیم سرکاری نصاب کے مطابق دی جاتی ہے، ذریعہ تعلیم اردو ہے، طلباء کی تعداد تقریباً چھ سو ہے۔

ابتدائی درجوں میں مذہبی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ قرآن شریف اور مذہبی معلومات کی طرف خاص توجہ دی جاتی ہے۔ اور کوشش کی جاتی ہے کہ بچوں میں صحیح اسلامی ذوق پیدا ہو جائے۔

آٹھویں جماعت سے بطور زبان ثانی عربی اور فارسی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

اسکول کی چند امتیازی خصوصیات :۔

۱۔ بچوں کی پارلیمنٹ

۲۔ مجلس مباحثہ اور دیگر دلچسپ علمی اور معاشرتی مشاغل۔

۳۔ جغرافیائی معلومات کے لئے خاص کمرہ۔

۴۔ بوائے اسکاؤٹ

۵۔ مختلف قسم کے کھیلوں کا انتظام اور مخصوص کمرہ۔

۶۔ سینما اور میجک لینٹرن کے ذریعہ تعلیم۔

۷۔ ایک بڑا کتب خانہ اور ہر جماعت میں اس کے معیار کے مطابق کتب خانے۔

بچوں کے لئے دو لائبریریاں قائم ہیں ۔ ایک جماعت اول سے جماعت چہارم تک کے بچوں کے لئے، دوسری پانچویں جماعت سے میٹرک تک کے طلبہ کے لئے۔ لائبریریوں میں معیار کے مطابق دینی ۔ اخلاقی ۔ اور معلوماتی کتابوں کے علاوہ متعدد رسالے بھی مہیا کئے جاتے ہیں ۔ تاکہ بچے اساتذہ کی رہنمائی میں کتابوں اور رسالوں کے مطالعہ سے اچھے ذوق علمی، معلومات، قابلیت اور دینی شوق کو بڑھائیں۔

صحیح تربیت اور انفرادی توجہ :-

کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، ان میں علم کا شوق پیدا کرنے اور ان کی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے انفرادی توجہ سے کام لیا جاتا ہے ۔ اساتذہ طلبہ کی مشکلات کو حل کرنے، ان کی مدفون قوتوں کو ابھارنے اور خفتہ صلاحیتوں کے بیدار کرنے میں کوشاں رہتے ہیں ۔ تاکہ وہ اسکولوں سے نکلنے کے بعد ایک اچھے شہری ثابت ہوں اور مسلم سماج کے سچے خادم ۔

انجمن اسلام جان محمد قاسم ہائی اسکول آف کامرس

سنڈھرسٹ روڈ بمبئی ۹

جناب عبدالرزاق [illegible] پرنسپل ہائی اسکول آف کامرس

اس اسکول کا افتتاح [illegible] میں ہوا۔ یہ اپنی قسم کا بمبئی میں سب سے پہلا اسکول ہے۔ ایک عرصہ سے لوگوں کو ضرورت کو محسوس کر تعلیم اس قسم کی دی جائے کہ طلبا جب فارغ ہو کر نکلیں تو وہ اپنی سند کو لیکر مارے مارے نہ پھریں۔

اس اسکیم کو انجمن اسلام نے قوم کی موجودہ ضرورتوں کو دیکھ کر فوراً عملی جامہ پہنایا۔ حاجی جان محمد قاسم ٹرسٹ کے ٹرسٹی صاحبان نے امداد دینے کا انتظام کیا۔ اور اسکول شروع ہوگیا۔

اس اسکول میں انگریزی، اردو گجراتی۔ ریاضی۔ تاریخ۔ جغرافیہ کے علاوہ بک کیپنگ اور دیسی نامہ۔ ٹائپ رائٹنگ اور شارٹ ہینڈ اور کامرس کے جزئیات بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ یہاں کے طلباء دوسرے اسکولوں کی طرح ایس، ایس، سی کے امتحان میں شریک ہوتے ہیں۔ علاوہ ایس، ایس، سی کے گورنمنٹ ڈپلوما اور لندن چیمبر آف کامرس میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

پاس ہو جانے والے طلبا کو کامرس کالج میں فرسٹ ایر کامرس میں آسانی سے داخلہ مل جاتا ہے۔ مگر عام طور سے زیادہ طلبا کالج میں جاتے ہیں۔

اب تک اس اسکول کا کوئی طالب علم بے کار نہیں رہا ہے۔ بلکہ اکثر تجارتی اداروں سے ان کی مانگ رہتی ہے۔ اور بہت سے اچھے اچھے دفتروں میں یہاں کے پرانے طلباء اپنا کام نہایت حسن وخوبی سے انجام دے رہے ہیں۔

اسکول کا نتیجہ شروع سے نہایت اچھا رہا ہے۔ ۷۵ فیصدی سے کبھی کم نہیں ہوتا۔ اور ہر سال قریب قریب دو ایک انعامات بھی اس اسکول کو آتے ہیں۔

گذشتہ سال ایس، ایس سی امتحان میں ۲۳ طلبا بیٹھے جن میں سے گیارہ فرسٹ کلاس میں پاس ہوئے اور ۹ سکنڈ کلاس میں۔ دو طلباء نے صوبہ میں سب سے زیادہ نمبر لئے۔

اس وقت اس اسکول میں ۱۵۵ طلباء ہیں۔

دینی تعلیم

اہم ہے مگر...

جناب ظل عباس صاحب عباسی امروہوی

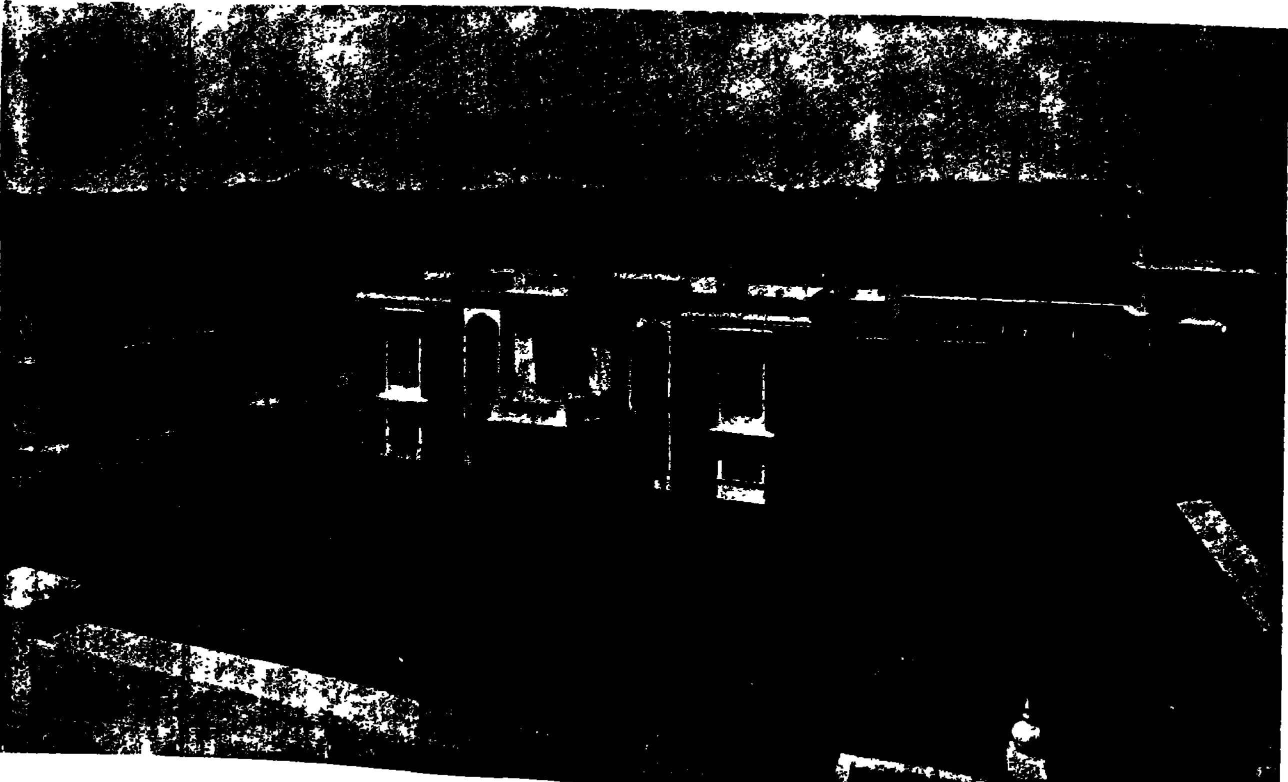
دینی تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کے مطابق تو البلاغ کے اکثر و بیشتر صفحات پر مختلف علمائے کرام کے مضامین اور خیالات سے آپ استفادہ کریں گے۔ مگر میں آپ کی توجہ دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم کو لازمی قرار دینے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس سے میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان میں جو دینی مدارس ہیں ان میں اس قسم کی تعلیم کا بھی بندوبست کرنا چاہیے جسے حاصل کر کے طلباء کو کسب معاش میں سہولت مل سکے۔ مختلف ہنر ہیں، متعدد پیشے ہیں، طرح طرح کی گھریلو صنعتیں اور دستکاریاں ہیں، غرضکہ کسب معاش کے لئے ان میں سے بہت سی چیزوں کی تعلیم و تربیت دی جاسکتی ہے۔ اور دی جانی چاہیے۔

اگر ہم نے طلباء کو صرف دینی تعلیم دی اور کوئی ہنر یا کسب معاش کے لئے کسی پیشہ کی تربیت نہ دی تو اس طرح ہم ایک بڑے خطرہ کو مول لیں گے اور اس بات کا بھی اندیشہ رہے گا کہ کہیں طالب علم معاشی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کریں جو دینی تعلیم کے مقصد ہی کو فوت کردے یا عملی زندگی میں قدم رکھ کر وہ حصول معاش کے سلسلہ میں اپنے آپ کو بے دست و پا پاکر دین ہی سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ یہ بات تو بالکل مسلّمہ ہے کہ "بھوک کفر سے قریب کردیتی ہے" یعنی پیٹ بھرنے کے لئے اگر جائز ذرائع باقی نہ رہیں اور ہر طرف معاشی دروازے بند ہو جائیں تو انسان بھٹک جاتا ہے۔ اور حالات کا جبر اسے ایسے طریقے اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو غیر مذہبیت یا لادینیت کی طرف لے جاتے ہیں۔

اگر ہم نے طلباء کے معاشی مسئلہ کو حل کرنے کی طرف پوری توجہ صرف نہ کی تو دینی تعلیم کا جو مقصد ہے وہ نہ صرف فوت ہو جائے گا بلکہ اس کا ردعمل غیر دینی تعلیم سے زیادہ دلچسپی اور دینی تعلیم سے فرار کی صورت میں نمودار ہوگا۔ اور جیسا کہ آج کل بھی اس حقیقت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ دینی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت سے انکار یا اسے کم ظاہر کرنا ہے بلکہ اصل مقصود دنیوی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کو نظر انداز کرنے سے روکنا ہے۔ میرے نزدیک دینی اور دنیوی تعلیم کو ہر دینی مدرسہ میں لازم و ملزوم کردیا جانا چاہیے تاکہ دینی مدارس پر مفکر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ کو یہ طنز نہ کرنا پڑے ؎

به این مکتب به این دانش چه نازی ... که نان برکف نه داد و جان ز تن برد



صابو صدیق ٹیکنیکل انسٹی ٹیوشن بمبئی

مسلمانانِ ہند کی ایک صنعتی تربیت گاہ

محمد حاجی صابو صدیق ٹیکنکل انسٹی ٹیوشن - بمبئی

از جناب سید شہاب الدین صاحب دسنوی پرنسپل صابو صدیق انسٹی ٹیوٹ

بمبئی کے ایک مشہور مخیر تاجر محمد حاجی صابو صدیق مرحوم کے وقف کردہ سرمایہ سے ۱۹۳۶ء میں مرحوم کے نام سے موسوم ایک صنعتی ادارے کا قیام عمل میں آیا۔ اس میں ۱۲۵ روپے لے کر ... کے طلباء کی تعلیم کی گنجائش رکھی گئی تھی اور اس کا مقصد نچلے درجہ کی صنعتی ٹریننگ کا تھا جسمیں معمولی پڑھے لکھے داخل کئے جاتے تھے۔

۱۹۴۹ء میں اس ادارے کی از سر نو تنظیم کی گئی۔ مختلف مروجہ کورس کو سرکاری طور پر منظور کرایا گیا۔ نئے کورس کھولے گئے جس میں نچلے درجہ کے علاوہ ہائی اسکول کی تعلیم داخل کئے ہوئے طلباء کے داخلہ کی گنجائش رکھی گئی۔ ۱۹۴۵ء میں ٹکنیکل ہائی اسکول کا شعبہ کھولا گیا جو ساری ریاست بمبئی میں بلکہ شاید ہندوستان بھر میں اپنی نوعیت کا پہلا غیر سرکاری اسکول تھا۔ اس کے بعد سے انسٹی ٹیوشن دو شعبوں پر منقسم کر دیا گیا ہے۔

پہلا شعبہ ٹکنیکل ہائی اسکول کا ہے جس میں پانچویں سے گیارہویں جماعت تک تعلیم حاصل کر کے طلباء سکنڈری اسکول سرٹیفکیٹ کے امتحان میں شریک ہوتے ہیں۔ ٹکنیکل ہائی اسکول کی خصوصیت یہ ہے کہ آٹھویں جماعت سے طلباء اردو، انگریزی، ریاضی، اور سائنس کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ وغیرہ کے بجائے انجنیرنگ مضامین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں آئندہ انجنیرنگ یا ٹکنیکل تعلیم میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

دوسرا شعبہ ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ کہلاتا ہے جس کے مختلف کورسوں میں داخلہ کے لئے تعلیمی معیار کی شرط مختلف ہے۔ بعض کورس ایسے ہیں جن میں آٹھویں جماعت کے پڑھے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جن میں ہائی اسکول تک کی تعلیم کی شرط ہے۔ انسٹی ٹیوشن میں جو کارخانے قائم ہیں ان میں میکانیکل، موٹر انجنیرنگ، ریڈیو، الکٹرک ٹکسٹائل، ویلڈنگ کے کارخانوں میں ٹریننگ کے مکمل سامان موجود ہیں۔ وقت کے تقاضے کو محسوس کرتے ہوئے منتظمین نے انسٹی ٹیوشن کی عمارت میں مزید توسیع کے لئے تقریباً تین لاکھ کی لاگت کا کام شروع کیا ہے۔ اس وقت تقریباً ۵۰۰ طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مستحق طلباء کو فیس کی معافی یا رعایت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چند طلباء کو نقد وظیفے بھی دیے جاتے ہیں۔ انسٹی ٹیوشن کے کورس اور قواعد و ضوابط کی تفصیل حسب ذیل پتہ سے حاصل کی جا سکتی ہے:-

پرنسپل محمد حاجی صابو صدیق انسٹی ٹیوشن رسٹیفرڈ روڈ۔ بمبئی نمبر ۸

ادارۂ تعلیم اسلام ممبئی

جناب مہتمم صاحب ادارۂ تعلیم اسلام ممبئی

ملک کے بچوں کو مذہبی تعلیم دینے کی صدا کئی بار اٹھی۔ لیکن کوئی ایسی سکیم وجود میں نہ آسکی جس پر بآسانی عمل کیا جاتا اور جو عوام کے تقاضوں کو پورا کرتی اس سلسلہ میں اگر کوئی عملی قدم اٹھایا بھی گیا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ کسی نے کوئی تعلیمی نصاب مرتب کیا، یا کسی نے انفرادی حیثیت سے کوئی درسی کتاب شائع کی۔ لیکن ایسی تحریکیں کیوں کامیاب نہ ہوئیں اس کی خاص وجوہات یہ ہیں :

۱۔ اچھے کام کرنے والے اداروں کی کمی۔

۲۔ مالی مشکلات۔

۳۔ اس حقیقت سے بے توجہی کہ دنیا آج کس دور سے گذر رہی ہے۔ اور اس امر سے ناواقفیت کہ دینی تعلیم کی زندگی گذارنے کے طریقہ پر کس حد تک اثر انداز ہو سکتی ہے۔

مندرجہ بالا وجوہات میں پہلے دو کی وضاحت ضروری نہیں ہے۔ لیکن تیسری قابل غور ہے۔ اس پر کچھ روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ جب کوئی شخص انفرادی طور پر یا کوئی ادارہ اجتماعی کوشش سے دینی تعلیم کے نصاب کو ترتیب دیتا ہے، تو اس حقیقت پر نظر نہیں ہوتی کہ موجودہ زمانہ مشغولیت میں، بالخصوص شہری زندگی پر مذہب یا مذہبی جذبات کی قدر و قیمت کم ہوتی جارہی ہے۔ اقتصادی بدحالی، سیاسی تغیرات اور سماجی گتھیاں وغیرہ چند ایسے اہم مسائل ہیں جو گذشتہ کئی سالوں سے لوگوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص اپنی طرف منعطف کئے ہوئے ہیں۔

والدین کے لئے اب یہ ایک مشکل مرحلہ بن چکا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کریں یا پانچ سال سے پہلے جبکہ اسکول میں داخلہ نہ ہوا ہو دینی تعلیم کے لئے کسی مکتب میں بھیجیں۔

بچوں کی دینی تعلیم کے سلسلہ میں جن پرانے اور روایتی طریقوں کو استعمال کیا جاتا ہے، ان سے کم و بیش مذہب ایک بے جان سی چیز بن کر رہ جاتا ہے اور مذہب میں وہ غیر معمولی قوت باقی نہیں رہتی جو ان کی زندگی میں ایک ہیجان بپا کر سکے۔ اس کے علاوہ موجودہ سماجی اور سیاسی ماحول میں کچھ ایسی قوتیں کارفرما ہیں، جو ہمارے مذہبی رجحانات کو قریب لانے کے بجائے اور دور لے جاتی ہیں۔

اب تک ان مشکلات کا صحیح اندازہ نہ والدین کو ہوا ہے، اور نہ عوام کو۔ درحقیقت انہی نامناسب حالات کی بنا پر ہمیں نصاب تعلیم اور طریق تعلیم کے اہم سوالوں پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی۔ اور بمبئی میں "ادارۂ تعلیم اسلام" کا قیام عمل میں آیا۔ ادارۂ ہذا کے پیش نظر حسب ذیل اہم مقاصد ہیں۔

(۱) اس ادارہ کے تحت صرف بنیادی مذہبی تعلیم کا انتظام ہوگا۔ اور ۵ سے ۱۸ سالہ عمر کے بچوں کو انہیں ان باتوں کو جو مطلق ان پڑھ ہیں، بنیادی دینی تعلیم دی جائے گی۔

(۲) دینی تعلیم دینے کا اصل مقصد یہ ہوگا کہ روحانی مسرت اور اطمینان قلب نصیب ہو۔

(۳) اس تعلیم کی بنیاد عملی و سماجی زندگی پر تعمیر ہوگی۔

(۴) یہ دینی ہدایات ایک بہتر شہری بنانے میں مدثابت ہوں گی۔

(۵) اسلامی تعلیم کے مطابق یہ ہدایات کبھی قوت بازو کی قدر و منزلت سے او اصول مساوات سے روشناس کریں گی۔

مدرسہ کی مختلف جماعتوں کی تشکیل میں کوئی امتیاز نہ رکھا جائے گا بلکہ عمر کی مناسبت سے طلبا ء کے مختلف گروہ بنائے جائیں گے ہر گروہ میں ۵ ۳ یا ۴۰ سے زائد طالب علم نہ ہوں گے۔ یہ گروہ ہفتہ میں دو بار صرف ڈیڑھ گھنٹہ کے لئے مسجدوں میں اکٹھا ہوگا۔ درسگاہوں کے لئے دن اور اوقات مقامی حالات دیکھتے ہوئے مقرر کئے جائیں گے۔

مسجدوں میں درسگاہوں کے قیام کی وجوہات مالی اسباب کے علاوہ نفسیاتی نقطۂ نظر سے یہ ہیں :-

(۱) درسگاہیں پاکیزہ اور کشادہ مقامات پر ہوں گی۔

(۲) بچے چھوٹی عمر ہی سے مسجد میں حاضر ہونے پر آمادگی ظاہر کریں گے اور اس جگہ سے مانوس ہوں گے۔

نصاب تعلیم کا مسئلہ نہایت ہی نازک مسئلہ ہے۔ اس میں تنازعہ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ لیکن اس ضمن میں چند ایسے بنیادی حقائق موجود ہیں، جن سے کسی کو اختلاف نہیں۔ اور جو بآسانی نصاب میں شامل کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً تعلیم ہر ممکن طریقہ پر قرآن پاک کی سورتوں اور آیتوں کے مطالب و معانی تک محدود ہو سکتی ہے۔ "ادارہ" اپنے لائحۂ عمل میں صرف ناظرہ قرآن پاک پڑھانے کا قائل نہیں ہے۔ لہٰذا اس بات کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے کہ قرآن پاک کے کتنے پارے پڑھ جائے گئے، زیادہ توجہ اس حقیقت پہ دی جائے کہ اس کی مختلف آیتوں کے معانی و مطالب سے کس حد تک آگاہی ہوئی۔

تعلیم کو سہل بنانے کے لئے بچوں کی عمر اور ان کے ذوق تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن پاک میں سے نہایت حکمت و تدبر کے ساتھ سورتوں اور آیتوں کا اس طریقہ سے انتخاب کیا جائے کہ بچوں کے ذہن میں قرآن پاک کے مختلف مضامین اخلاق بتدریج محفوظ ہوتے رہیں اور اس طرح ان کی اخلاقی اور معاشرتی زندگیوں پر براہ راست اثرانداز ہو۔

نصاب تعلیم میں جو دوسری چیز شامل کرنا ضروری ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کا مطالعہ ہے۔ جس سے ظاہر ہو کہ ہماری روزمرہ زندگی پر آپ کے حسن اخلاق اور اسوۂ حسنہ کے اثرات کہاں تک پائے جاتے ہیں۔

کوئی مذہبی تعلیم صحیح معنوں میں کامیاب نہیں ہو سکتی، تا وقتیکہ اس تعلیم کے ساتھ چند ایسے مشاغل نہ پیدا کئے جائیں جن سے بچوں کی دلچسپی قائم رہے۔ اس لئے یہ مناسب ہوگا کہ جب کبھی کسی گروہ کی نشست ہوئی، وہ تقریباً آدھ گھنٹہ مندرجہ ذیل مشاغل پر صرف کرے گا۔

(۱) عملی طور پر احکام مذہبی ادا کرنے کے طریقوں سے روشناسی۔

(۲) درس و تدریس کے دوران میں مختلف مضامین پر بات چیت اور سوالات و جوابات۔

(۳) قرأت کلام مجید اور حمد و نعت کا خوش الحانی سے پڑھنا۔

(۴) ان مختلف تعلیمی گروہ کے زیر نگرانی بعض اہم دن، مثلاً یوم عید میلاد النبی، عید الفطر، عاشورہ وغیرہ منانا۔
یہ ضروری ہے کہ ان ایام کے انعقاد کے لئے مناسب ذرائع بہم پہنچائے جائیں اور طلبا کو ایسی معلومات دی جائے کہ ان ایام کی اہمیت و خصوصیت ان پر واضح ہو۔ اس سلسلہ میں باقاعدہ پروگرام بھی بنایا جا سکتا ہے تاکہ اس پر عمل کیا جا سکے۔

اگر بچوں میں دینی تعلیم کی اس اسکیم کو کامیاب بنانا ہے تو بالغ طبقہ کو بھی اس اسکیم کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے اگرچہ یہ ایک مشکل مسئلہ ہے کہ بالغ طبقہ کو درسگاہوں میں آنے کے لئے مجبور کیا جائے یا ان کے لئے جماعتوں کا انتظام کیا جائے، لیکن "ادارہ" کے تحت اس مقصد کے پیش نظر مختصر رسائل، پمفلٹ اور مناسب لٹریچر کی سلسلہ وار نشر و اشاعت سے اس کام کو بخوبی انجام دیا جا سکتا ہے۔

اساتذہ کا انتخاب ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر پورے احتیاط کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔ یہ کہا بے جا نہ ہوگا کہ کامیاب معلمین کی خدمات حاصل کرنا ضروری ہیں۔ ایسے معلمین جو وسیع الخیال ہوں، بچوں کے ساتھ شفقت و ہمدردی سے پیش آئیں، اور سخت کلامی اور ترش روئی سے احتراز کریں۔

مندرجہ بالا اسکیم کو مدنظر رکھتے ہوئے بمبئی میں "ادارہ تعلیم اسلام" کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کا دستور العمل مرتب کیا گیا اور ایک باقاعدہ کمیٹی تشکیل پائی۔ اور حسب ذیل حضرات "ادارہ" کے صدر و معتمد اعزازی منتخب ہوئے:۔

صدر :- جناب حاجی حسن علی پی ابراہیم صاحب

اعزازی جنرل سکریٹریز:- (۱) جناب سید شہاب الدین دسنوی صاحب

(۲) " محمد محسن بھائی جی صاحب

اس کمیٹی میں ہر طبقۂ خیال کے حضرات شریک ہیں۔ اس کے تحت ایک تعلیمی بورڈ بنایا گیا ہے، جس میں ماہرین تعلیم اور علمائے دین شامل ہیں۔ جو نصاب تعلیم تیار کیا جا رہا ہے، اس کی نگرانی اس بورڈ کے ذمہ ہے۔
کمیٹی کے اجلاس وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔ اور کمیٹی نے حسب ذیل کتابیں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جو "ادارہ" کے مجوزہ نصاب میں شامل ہوں گی:۔

(۱) "اسلامی سبق" کے نام سے سلسلہ وار پانچ کتابیں ترتیب دی جائیں گی جن میں قرآن پاک اور سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنیاد قرار دے کر اخلاقی و دینی ہدایات پر دلچسپ اسباق ہوں گے:

(۲) "اسلامی سبق" کی پانچ کتابوں کو جس انداز میں پڑھا جائے، اس پر ایک علحدہ کتاب "ہدایات برائے اساتذہ"

مرتب کی جائے گی، جو معلمین کے لئے مخصوص ہوگی۔

(۳) نماز میں سورۃ الحمد شریف کے ساتھ پڑھی جانے والی سورتوں کا ایک مجموعہ مع سلیس ترجمہ و تشریح۔

(۴) نعتوں اور نظموں کا مجموعہ۔ جو آسان ہوں، اور بچوں میں ذوق پیدا کریں۔

(۵) بالغوں کے لئے اخلاقی اور مذہبی لٹریچر۔

ادارہ کی پہلی پانچ کتابیں اور "ہدایات برائے اساتذہ" کو ترتیب دینے کے لئے ملک کے مشہور ادیب و مصنف مولانا مقبول احمد صاحب سیوہاروی کی خدمات حاصل کی گئیں۔

خدا کا شکر ہے کہ ادارہ کی یہ کوشش بارآور ثابت ہوئی۔ "اسلامی سبق" کی پہلی کتاب چھپ کر آچکی ہے۔ عنقریب دوسری کتابیں بھی شائع ہو جائیں گی۔ اس سلسلہ میں تمام اراکین متعلقہ طور پر کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

سیفی ہائی اسکول بمبئی

جناب سکریٹری صاحب سیفی ہائی اسکول

قوم بوہرہ کی ایک یادگار دینی تعلیمگاہ

سیفی ہائی اسکول: ۔ یہ ادارہ ۱۹۴۳ء کے ماہ جون میں قائم ہوا۔ اس اسکول کا نام سیفی ہائی اسکول جناب سیدنا ابو محمد ڈاکٹر سیدنا مولانا طاہر سیف الدین کے نام سے موسوم ہے۔ سیدنا و مولانا طاہر سیف الدین صاحب قوم بوہرہ کے قائد و رہبر ہیں آپ فاطمی امام کے نائب ہیں آپ عہدۂ نیابت پر سرفراز ہوئے اس کے بعد کے کئی سال کی گنتی کے حساب سے جو سلور جوبلی منائی گئی اس سلور جوبلی کی یادگار میں یہ اسکول قائم کیا گیا ہے۔

یہ اس زمانہ میں قائم ہوئی جبکہ ہندستان میں نصاریٰ برسر اقتدار تھے اور ان کا مقصد تو لین عیسائی مذہب کی تبلیغ اور انکی فرنگی تہذیب کی تلقین کرنا تھا اس زمانہ میں یہ بات اشد ضروری سمجھی گئی کہ اسلامی تہذیب کو برقرار رکھنے کے لئے اور ہندوستانی تمدن کو سمجھنے کے لئے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے ساتھ ہی ساتھ یہ غرض و غایت تھی کہ نونہالان قوم صدق صفا معرفت الٰہی اور راہ ہدایت کو چھوڑ کر راہِ ضلالت کی طرف مائل نہ ہوجائیں۔ بچوں پر کیا بڑے بڑے عقلمند انسانوں پر بھی ماحول کا اثر ضرور پڑتا ہے اس لئے یہ خیال بھی پیش نظر تھا کہ اسلامی ماحول میں تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے۔

اسکول کا افتتاح ۱۹۴۳ء میں عالیجناب تقدس مآب سیدنا و مولانا طاہر سیف الدین صاحب کے دست [illegible] اس وقت طلباء کی تعداد تقریباً ۲۵۰ تھی اور دہم سے چہارم تک جماعتیں تھیں۔ دوسرے سال میٹرک کی تعلیم [illegible] سرکاری طور پر مستند تسلیم کر لیا گیا۔

اسکول کی خوش قسمتی کہنا چاہیئے کہ شروع ہی سے اسکول کمیٹی کے ممبران نہایت ذی فہم مدبر اور تجربہ کار [illegible] جن کے تدبر کی وجہ سے اسکول ترقی کرتا رہا۔ معزز و محترم جناب محمد علی اللہ بخش صاحب اس کمیٹی کے [illegible] اور ان کے بعد معزز و مکرم جناب ڈاکٹر صالح بھائی عبد الغنا در صاحب نے اس کرسی کو زینت بخشی اور جناب سولیسیٹر اور ان کے بعد جناب اسحٰق بھائی صاحب بندوق والا اور جناب عباس بھائی حکیم سکریٹری کے عہدہ [illegible] جو اس وقت قابل تعریف خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس اسکول کے پرنسپل پہلے دو سال مسٹر اے ڈی ورے اس کے بعد جناب حاتم بھائی ایم اے ایل ایل [illegible]

پرنسپل مقرر ہوئے ۔ اگرچہ موصوف علی گڈھ سے فارغ ہو کر سیدھے سیفی ہائی اسکول میں اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے لیکن
آپ نے جس خوبی سے اس فرض کو انجام دیا ہے وہ قابل ستائش ہے آپ نے آکر اس اسکول کی شکل ہی بدل دی اور آہستہ
آہستہ اس ادارہ کو اتنی بلندی پر پہونچا دیا کہ آج اوّل درجہ کے مدارس میں اس کا شمار کیا جاتا ہے موصوف نے اس ادارہ کو
بالکل اس طرح سنبھالا ہے جس طرح ایک قابل اور ہوشیار ترین ملّاح اپنے جہاز کو طوفانی سمندر سے نکال کر ساحل کی طرف لے
جاتا ہے ۔

نیا ہائی اسکول پورے عروج پر ہے اور بہت جوش و خروش سے کام چل رہا ہے ۔ کمیٹی کے ممبران، پرنسپل اور اساتذہ جن کی
تعداد چالیس ہے باہمی تعاون سے مل کر کام کر رہے ہیں ۔ ابتداً یہ اسکول بوہرہ قوم کے بچوں کے لئے مخصوص تھا مگر جب ملک
غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو گیا تو اسکول کمیٹی نے اس نشیب کو ختم کر کے اسکول کے دروازے ہر قوم و ملت کے بچوں پر
کھول رکھے ۔

قابل ذکر امر یہ ہے کہ اسکول ۵۰۰ طلباء کی تعداد سے شروع ہوا وہ تعداد اب بڑھ کر ایک ہزار تک پہونچ چکی ہے ۔ دو
سال ہوئے اس ادارہ نے ایک نئی کروٹ بدلی وہ یہ کہ پہلے اسکول میں چہارم یا یازدہم میٹرک تک جماعتیں تھیں اب اوّل
سے یازدہم تک جماعتیں ہیں ۔ اسکول چہار منزلہ بلڈنگ میں ہے لیکن وقت نے طلباء کی گنجائش نہ ہونے کی بنا پر اسکول دو حصوں میں
تقسیم کیا گیا صبح میں ایک سکنڈری اسکول یعنی پنجم تا میٹرک اور دوپہر ڈیڑھ بجے پرائمری اسکول اوّل تا چہارم
کے لئے تعلیم کے اوقات مقرر کئے گئے ۔ ایک بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ پہلے سال کے سوا نتیجہ پچاس فی صدی میٹرک کا
نتیجہ تھا ہر سال آج تک میٹرک کا نتیجہ ۷۵ فی صدی سے زیادہ رہا کرتا ہے ۔

(بقیہ صفحہ ٣٤٧) لائبریری میں معیار کے مطابق دینی ۔ اخلاقی اور معلوماتی کتابیں فراہم کی جاتی ہیں تاکہ بچے اساتذہ کی رہنمائی
میں کتابوں کے مطالعہ سے اپنے ذوق علمی معلومات ، قابلیت اور دینی شوق کو بڑھا سکیں ۔
بچوں کو دیندار بنانے کی خاطر روزانہ صبح کلام مقدس کی تفسیر کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے ۔ اسکول شروع
ہونے سے قبل قرآنی تفسیر ہوتی ہے اور بعد ازاں حمد ۔ پھر اسکول کا کام جاری ہوتا ہے ۔ ساتھ ہی بچوں کی تمام
کلاسوں میں نماز کمیٹیاں قائم ہیں جو بچوں کے نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے کا خیال رکھتی ہیں اور نماز کے لئے بچوں کی
توجہ بھی مبذول کراتی رہتی ہے ۔ اور اس نیک کام میں اساتذہ کا پورا پورا تعاون انہیں حاصل ہے ۔
کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے ۔ اور ان میں
علم کا شوق پیدا کرنے اور ان کی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے انفرادی توجہ سے کام لیا جاتا ہے ۔ اساتذہ طلباء
کی مشکلات حل کرنے ، ان کی اندرونی قوتوں کو ابھارنے اور پوشیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں کوشاں رہتے
ہیں ۔ تاکہ اسکول سے نکلنے کے بعد وہ ایک اچھے شہری اور سچے مسلمان ثابت ہو سکیں ۔

انجمن اخوۃ الاسلام اسکول

کولسہ محلہ بمبئی ۳

جناب عبد الکریم صاحب کاپڑیا ہیڈ ماسٹر

یہ اسکول کولسہ محلہ کی جماعت کے چند بہی خواہوں نے آج سے پچپن برس قبل چھوٹے سے دینی مدرسہ کے طور پر قائم کیا تھا۔ شروع میں اس مدرسہ کی بنیاد ایک چھوٹی کھلی جگہ میں ڈالی گئی تھی اور عرصہ دراز تک یہ مدرسہ اسی جگہ قائم رہا بعد ازاں قوم کے بہی خواہوں نے توجہ دی اور مدرسہ کی اپنی عمارت جو فی الحال موجود ہے تعمیر کرالی۔ اور پھر دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ابتدائی دنیوی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا۔ لیکن ۱۹۵۲ء تک کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ اور ۱۹۵۲ء میں حاجی سلیمان آباحسین صاحب نامی ٹرسٹی کے مستعفی ہو جانے کے بعد جب ٹرسٹ بورڈ میں قوم کے سچے ہمدرد جناب حاجی احمد حاجی عبداللہ غریب صاحب، حاجی محمد یوسف حاجی اسماعیل صاحب، حاجی میاں احمد حاجی قاسم صاحب، حاجی ولی محمد حاجی غنی موتی والا صاحب جیسی نامور ہستیاں شامل کی گئیں تو فوراً اسکول کی کایا پلٹ ہو گئی۔ اور بحمد اللہ اب مدرسہ ایک مڈل اسکول ہو گیا ہے۔ اور اس میں دینی تعلیم خاص طور سے نمایاں طور پر دی جا رہی ہے۔ اسکول کی کایا پلٹ ہونے کے بعد مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب۔ حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب اور نائب وزیر مالگذاری حکومت بمبئی جناب مصطفےٰ فقیہہ صاحب جیسے اعلیٰ داعون نے اسکول کا معائنہ کیا اور مطمئن ہوئے۔

اس ادارہ کا اولین مقصد یہ ہے کہ مسلم طلباء کے مفاد کی خاطر اس قسم کی تعلیم و تربیت بہم پہونچائی جائے جو مذہب اسلام اور اسلامی معاشرت و تہذیب سے روشناس کرنے کے ساتھ ساتھ مروجہ علوم پر جدید طریقۂ تدریس کی حامل ہو۔ علاوہ ازیں ہونہار اور مستحق طلباء کے لئے سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ۱۵ فیصدی تک مستحق طلباء کی فیس معاف کر دی جاتی ہے۔ اور تقریب ۵۰ فیصدی بچوں کی فیس کا انتظام دوسرے ٹرسٹوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے اور نادار طلباء کو کتابیں۔ کاپیاں اور یونیفارم مفت مہیا کیا جاتا ہے۔ اسکول کی دینی تعلیم جمعیت کے نصاب کے مطابق اور دنیوی تعلیم سرکاری نصاب کے مطابق دی جاتی ہے۔ ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ طلباء کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے۔ اسکول میں تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی دلچسپی کے سامان بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔ پورا اسکول چھ ہاؤسوں میں منقسم ہے۔ ہر ہاؤس کا کھیل کود اور عام معلومات کے سلسلہ میں آپس میں مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ اور بچے دلچسپی کے ساتھ ساتھ عام سلجھی ہوئی معلومات سے مستفید ہوتے ہیں۔ بچوں کے لئے ایک لائبریری قائم ہے۔ ......

باقی صفحہ ۳۶۹ پر

انجمنِ اسلام عبدالستار شعیب اسکول

بیمن واڑہ روڈ بمبئی

(جناب عبداللہ داؤد صاحب ہیڈ ماسٹر مدرسہ)

سنہ ۱۹۴۲ء میں انجمن اسلام حاجی جان محمد کمرشیل ہائی اسکول کی رسم افتتاح مرحوم قائد اعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں انجام پائی مسلم عوام میں تجارتی علم وفن کو فروغ دینے کیلئے اس اسکول کا قیام عمل میں آیا تھا مگر اس زمانہ کے عوام صرف ثانوی تعلیم کی قدر کرتے تھے صنعتی اور تجارتی تعلیم کی اہمیت سے قطعاً ناآشنا تھے۔ اسلئے مذکورہ کمرشیل اسکول میں جو آٹھویں سے ایس ایس سی تک تعلیم دیتا تھا بچوں کا داخلہ نہایت محدود رہا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے سنہ ۱۹۴۴ء میں انجمن اسلام عبدالستار شعیب اسکول کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس اسکول میں پانچویں سے ساتویں جماعت تک ثانوی اسکولوں کی طرز پر تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ ساتویں پاس کرنے والے لڑکوں کو کمرشیل اور ٹیکنیکل تعلیم کی طرف رغبت دلاکر انجمن اسلام کمرشیل ہائی اسکول اور صابو صدیق ٹیکنیکل ہائی اسکول میں آٹھویں میں داخل کیا جاتا تھا۔ اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ گویا شعیب اسکول ایک لحاظ سے کمرشیل اسکول کا معاون ہے۔

سنہ ۱۹۴۹ء سے اس اسکول میں ابتدائی ٹیلرنگ کا کورس بھی شروع کیا گیا ہے جو طلبا، اور عوام میں کافی پسندیدہ نظروں سے دیکھا جارہا ہے بفضل خدا پچھلے دو سال سے یہاں آٹھویں جماعت کا بھی اضافہ کیا گیا ہے اور امید ہے کہ اگر عمارت کا انتظام ہوجائے تو یہ اسکول ترقی کرکے ہائی اسکول بن جائے گا۔ اور اس علاقہ کے اردو داں عوام کی ضروریات کو پورا کرنے میں کامیاب ہوگا

اگرچہ یہاں دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے مگر یہ کہنا پڑے گا کہ سرکاری پابندیوں کی وجہ سے دینی تعلیم کا دائرہ نہایت محدود ہے کیونکہ حکومت نے اسکول کے اوقات میں اس کی کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے۔

ہ کی بہت سی عظیم الشان کتابیں ہندستان اور مصر میں چھپوا کر شائع کیں مثلاً نصب الرایۃ التخریج احادیث الھدایۃ۔ فیض الباری، شرح البخاری۔ التفہیمات۔ شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ وغیرہ' افسوس کہ یہ ادارہ بھی حالات کی نذر ہوگیا اور اس کا فیض بند ہوگیا یہ دونوں ادارے مجلس علمی سملک اور جامعہ اسلامیہ ڈھابیل ایک زمانہ میں ہندستان کے بین الاقوامی دینی اور علمی ادارے تھے اور ان کی علمی شان و شوکت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ہمیں توقع ہے کہ جامعہ اسلامیہ ڈھابیل اپنے نئے نظام کے ساتھ پھر وہی اپنی پرانی علمی شان پھر حاصل کرے گا۔

بمبئی عظمیٰ میں سماجی تعلیم

دنیا کے ممالک کی خواندگی

جناب بی ایم کاپڑیا صاحب

ممالک	خواندگی	ممالک	خواندگی
سوئیڈن	۱۰۰ فی صدی	سیلون	۶۰ فی صدی
فن لینڈ	۹۹ " "	برما	۵۶ " "
برطانیہ	۹۹ " "	پرتگال	۵۲ " "
کناڈا	۹۸ " "	چین	۵۰ " "
فرانس	۹۸ " "	میکسیکو	۵۰ " "
یو-ایس-اے	۹۷ " "	برازیل	۵۰ " "
زیکوسلوواکیا	۹۵ " "	ترکی	۴۰ " "
نیوزی لینڈ	۹۵ " "	مصر	۲۰ " "
آسٹریلیا	۹۵ " "	ہندستان	۱۷ " "
اٹلی	۸۰ " "	انڈونیشیا	۱۵ " "
اسپین	۷۰ " "	ایران، افغانستان اور عراق	۱۰ فیصدی
بلغاریہ	۶۵ " "	افریقہ	۳ فیصدی سے ۱۰ فیصدی تک

ہندستان کی ریاستوں میں خواندگی (بمطابق مردم شماری ۱۹۵۱ء)

ریاست	خواندگی	ریاست	خواندگی	ریاست	خواندگی
آسام	۱۸٫۱ فیصدی	جموں اور کشمیر	۱۰٫۰ فیصدی	بہار	۱۲٫۲ فیصدی
بمبئی	۲۴٫۲ "	پیپسو	۱۲٫۰ "	مدراس	۱۹٫۳ "
اڑیسہ	۱۵٫۸ "	اجمیر	۲۰٫۱ "	اترپردیش	۱۰٫۸ "
حیدرآباد	۹٫۲ "	کرگ	۲۷٫۳ "	مدھیہ بھارت	۱۰٫۸ "

میسور	۲۰٫۳ فیصدی	کچھ	۱۷٫۰ فیصدی	راجستھان	۸٫۴ فیصدی
ٹراونکور کوچین	۴۶٫۴ ,,	وندھیا پردیش	۶٫۱ ,,	دہلی	۳۸٫۴ ,,
ہماچل پردیش بلاسپور	۷٫۷ ,,	مدھیہ پردیش	۱۳٫۵ ,,	تری پورا ۱۵٫۵	پنجاب ۱۶٫۱

ہندستان کی ۸۴ فیصدی آبادی اب بھی ان پڑھ ہے۔ عورتوں میں ناخواندگی کا اوسط اس سے بھی زیادہ ہے۔ تقریباً ۹۰ فیصدی۔ جہالت ہندستان کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ خواندگی اور سماجی تعلیم کے بغیر قومی ترقی نہیں ہوسکتی ہے۔ ہندستان اب آزاد ہے اور مرکزی اور ریاستی حکومتیں اس بات کی کوشش کر رہی ہیں کہ ہندستان کا مقام سیاسی، معاشرتی اور تمدنی لحاظ سے دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں ہو۔

عوام پر قوم کی بنیاد ہے اور جمہوریت میں درحقیقت عوام ہی کی آواز حرف آخر ہے۔ اگر یہ بنیاد کمزور ہے اور عوام ان پڑھ جاہل اور مفلس ہیں تو کوئی قوم مضبوط اور خوش حال نہیں رہ سکتی۔ اس لئے وقت کی پکار سماجی تعلیم ہے۔

تعلیم بالغان کا مقصد صرف خواندگی ہی نہیں بلکہ سماجی تعلیم بھی ہے۔ سماجی تعلیم میں عوام کو شہریت حفظان صحت اور صفائی کے اصول اور قومی تمدن کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ ان کو اچھا اور لائق شہری بنایا جائے اور وہ صحت مند اور کامیاب زندگی بسر کرسکیں اور ہندستان کے آزاد شہری کی حیثیت سے اپنے حقوق اور فرائض کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور اپنے وطن کی صحیح معنوں میں خدمت کرسکیں۔

تعلیم کی کمی ملک کی اقتصادی اور سماجی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر ہم کو دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کے دوش بدوش چلنا ہے تو سب سے پہلے ملک سے ناخواندگی کو جلد سے جلد ختم کرنا ہوگا۔

ناخواندگی کے نقصانات

(۱) ان پڑھ شخص کو اپنی روزمرہ زندگی میں بے شمار مشکلات پیش آتے ہیں مثلاً صحیح ٹرام یا بس یا ٹرین کا پلیٹ فارم معلوم کرنا۔ چھٹی وغیرہ کے لئے عرضیاں لکھنا۔ منی آرڈر لکھنا یا بھیجنا۔ کرایہ کا بل اور بیمہ نوٹ پڑھنا اور اس پر دستخط کرنا۔ اس کو دستخط کرنے کے بجائے انگوٹھا لگانا پڑتا ہے۔

(۲) اس کو اپنے راز کو دوسرے کو بتانے پر مجبور ہونا پڑتا ہے جبکہ دوسروں سے اس کو خط لکھوانا پڑتا ہے۔

(۳) اس کو بہت آسانی سے دھوکا دیا جاسکتا ہے۔

(۴) وہ دنیا کے حالات سے بالکل بے خبر رہتا ہے۔

(۵) کسی بات پر فیصلہ کرنے کے لئے وہ دوسروں کی رائے سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے کیونکہ ناخواندگی اور لاعلمی کی وجہ سے اس کو خود اپنے پر بھروسہ نہیں رہتا۔

(۶) وہ اپنی تمام طاقتوں کو اپنے اہل وعیال کی پرورش کے لئے صرف نہیں کرسکتا اور اس کو اپنی ضرورت کے لئے بھی کم ملتا ہے۔

(۷) ایک نوکر کی حیثیت سے اپنے مالک کے لئے رکاوٹ کا باعث ہے ۔
(۸) اس کا خود اپنا ہی نقصان نہیں ہے بلکہ ملک اور قوم کی ترقی کے راستے میں ایک روڑا ہے ۔
(۹) ایک ان پڑھ آدمی قوم اور جمہوریت کے لئے زبردست خطرہ ہے ۔
(۱۰) ترقی کرنے کی اس کی تمام کوششیں ناکام اور زیادہ تر بے اثر رہتی ہیں، کیونکہ وہ کتابیں، اخبار، رسالے اور پوسٹر وغیرہ پڑھ نہیں سکتا ہے ۔ علم کے دروازے ایک بڑی حد تک اس پر بند رہتے ہیں ۔

خواندگی کے فوائد

(۱) ایک خواندہ شخص کو آسانی سے سماجی تعلیم دی جاسکتی ہے ۔
(۲) ایک خواندہ اور سماجی تعلیم اور اصول سے واقف انسان ملک اور قوم کا سرمایہ ہے ۔
(۳) وہ خود اپنے لئے ایک کامیاب انسان ہے اور اپنے ملک کے لئے بڑی مدد کا باعث ہوتا ہے ۔
(۴) وہ زندگی کے لین دین میں زیادہ کامیاب رہتا ہے اپنے حساب کو رکھ سکتا ہے ۔ اپنے خطوط لکھتا ہے ۔ منی آرڈر بھیجتا ہے ۔ چھٹی وغیرہ کے لئے عرضیاں لکھتا ہے ۔ وہ پڑھ سکتا ہے اور خود سوچ سکتا ہے ۔ کاغذات کی وصولیابی کے وقت خود اپنے دستخط کرسکتا ہے ۔
(۵) اس سے لوگ ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور وہ باقاعدگی کے ساتھ ترقی کرتا ہے ۔
وہ اپنی معلومات کو کتابیں اور اخبارات پڑھ کر بڑھا سکتا ہے ۔ خواندگی کی وجہ سے اس پر علم کے دروازے کھل جاتے ہیں ۔
(۶) وہ ایک صحت مند اور کامیاب زندگی گذار سکتا ہے ۔ نوکر کی حیثیت سے وہ مالک کی کافی مدد کرسکتا ہے ۔
(۷) وہ ایک لائق اور جانا بوجھا شہری ہوتا ہے جو ملک کی ترقی میں کافی حصہ لے سکتا ہے ۔

نشر و اشاعت کی ضرورت

(۱) سماجی تعلیم ایک نیا تجربہ ہے ۔ لیکن اس کی اہمیت ہر شخص نہیں سمجھتا اس لئے تحریر و تقریر کے ذریعہ اسکول اور کالجوں کے ذریعہ اور سینما شو اور ادبی جلسوں کے ذریعہ اس کی نشر و اشاعت کی ضرورت ہے ۔
(۲) سماجی تعلیمی کلاسیں :- ابتدائی ۔ ثانوی اور کالج کی کلاسوں سے بالکل مختلف ہیں کیونکہ والدین اپنے بچوں کو خود ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے لئے بھیجتے ہیں اس لئے ان کلاسوں کے لئے پروپگنڈہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے مگر سماجی تعلیمی کلاسوں میں بالغ خود بخود نہیں آتے ۔ کیونکہ ان میں تعلیم کا کم شوق ہوتا ہے، اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ نشر و اشاعت اور پروپگنڈہ کے ذریعہ ان کو کلاس میں داخل ہونے اور پڑھنے کی ترغیب دلائی جائے ۔
(۳) سماجی تعلیم کا نصاب چار مہینے میں ختم ہوتا ہے اس لئے ہر چار مہینے کے بعد نئے ان پڑھ بالغوں کی تلاش کرنی پڑتی ہے جو نئے سیشن میں کلاسوں میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کریں ۔ اس لئے ہر چال ہر بلڈنگ ہر سڑک پر پروپگنڈے کی سخت ضرورت ہے ۔

بمبئی شہر سماجی تعلیم کمیٹی نے کیا کیا؟

(۱) دس سالہ منصوبہ :- کمیٹی نے حکومت بمبئی سے منظور شدہ ایک دس سالہ منصوبہ تیار کیا ہے جس کے مطابق ۱۸ سال سے ۴۵ سال کے درمیان بالغوں کو ۷۵ لاکھ روپیہ کے خرچ سے دس سال کی مدت میں پڑھا لکھا بنایا جائے۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق تقریباً ۱۰ لاکھ بالغ اس عمر کے درمیان ان پڑھ ہیں اور یہی مزدور آبادی کی بنیاد ہیں اور ان کو تعلیم دینا نہایت ہی ضروری ہے۔

(۲) نیا نظریہ :- کمیٹی نے دس سالہ منصوبہ کو ایک نئے نظریہ کے تحت پیش کیا ہے اور کمیٹی فی الحال اس نئے نظریہ کے مطابق کام کر رہی ہے جس کی وجہ سے کلاسوں کی تنظیم، معائنہ اور تعلیم میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ اور اس طرح سے اس کے نتائج ہر صورت سے بہتر ہوں گے۔

(۳) کمیٹی کے کارنامے :- گزشتہ ۱۵ سال کی مدت میں کمیٹی نے ۳ لاکھ سے زیادہ بالغوں کو تعلیم دیا جس میں ۶۰ ہزار عورتیں ہیں اور اس طرح سے بمبئی میں خواندگی کی اوسط جو ۱۹۴۱ء میں ۲۵ فیصدی تھی ۱۹۵۱ء میں ۵۰ فیصدی ہوگئی۔

(۴) ہمارا اہم کام :- اب بھی ۸ لاکھ سے زیادہ بالغ ان پڑھ ہیں جن کی عمر ۱۴ سال سے زیادہ ہے۔ بمبئی میں مختلف زبانیں رائج ہیں اس لئے کمیٹی ہندی، مراٹھی، گجراتی، اردو اور تلگو میں کلاسیں چلاتی ہے۔

سماجی تعلیمی کارروائیاں :-

سماجی تعلیم کے مقصد کے مطابق ہر سال تقریباً ۲۵۰۰ سماجی تعلیمی سنٹرز (کلاسیں) چلائے جاتے ہیں ہر چار مہینہ ۸۰۰ سے زائد کلاسوں کی تنظیم کی جاتی ہے، اور ہر سال تقریباً ۶۰ ہزار مرد اور عورت کو ان کلاسوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔

۱- مردوں کی کلاسیں :- سالانہ ۲ ہزار

(ا) خواندگی کلاس (پہلی جماعت) ان کلاسوں میں ۱۴ سال سے ۵۰ سال کی عمر کے لوگ داخل کئے جاتے ہیں۔ یہ کلاسیں عموماً رات کو مزدوروں کی چال میں چلتی ہیں۔ چار مہینے کے بعد امتحان لیا جاتا ہے اور کامیاب طلبہ کو سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے۔ طلبہ کو کتابیں سلیٹ وغیرہ مفت دی جاتی ہیں۔

(ب) خواندگی کلاس (دوسری جماعت) ان کلاسوں میں پہلی جماعت کے کامیاب طلبہ اور وہ بالغ داخل کئے جاتے ہیں جو پہلی جماعت کی لیاقت رکھتے ہیں۔

(ج) گرانٹ ان ایڈ کلاسیں :- ان کلاسوں میں کمیٹی ہر پاس ہونے والے طالب علم پر ۴ روپیہ گرانٹ دیتی ہے۔ ایک کلاس پر زیادہ سے زیادہ ۴۰ روپیہ گرانٹ دیا جاتا ہے۔

(د) والنٹیری کلاس :- ان کلاسوں میں مدرس اعزازی کام کرتا ہے۔ کتابیں سلیٹ اور دیگر سامان طلبہ کو کمیٹی کی طرف سے مفت دیا جاتا ہے۔

(ہ) مل اور فیکٹری کلاسیں :- یہ کلاسیں مل اور فیکٹریوں میں چلتی ہیں۔ ان کلاسوں کا کل خرچ مل یا فیکٹری کے

مالکان برداشت کرتے ہیں۔ یہ کورسیں کمیٹی کے ہدایات کے مطابق چلتی ہیں۔

(۲) عورتوں کی کلاسیں :- سالانہ ۵۰۰ کلاسیں۔ یہ کلاسیں بھی مردوں کی کلاسوں کی طرح چلائی جاتی ہیں۔

(۳) سینما شو :- کھلی جگہوں پر تعلیمی فلمیں دکھائی جاتی ہیں ہر سال تقریباً ۵۰۰ فلم شو دکھائے جاتے ہیں۔

(۴) ادبی جلسے :- ہر سال تقریباً ۲۵۰ چھوٹے بڑے ادبی جلسے ہوتے ہیں۔

(۵) متحرک لائبریری :- پوسٹ لٹریسی کلاسوں میں لائبریری بکس دئے جاتے ہیں۔ ان بکسوں میں مرہٹی، گجراتی، ہندی، اردو اور تلگو کتابیں ہوتی ہیں۔ یہ صندوق ایک کلاس سے دوسری کلاس میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

(۶) کمیٹی ایک پندرہ روزہ مرہٹی سالہ نکالتی ہے جس کا نام "شاکشر دیپ" ہے۔
اردو اور ہندی میں پندرہ روزہ بھی نکلتا ہے جو تمام کلاسوں میں پڑھا جاتا ہے۔

(۷) کمیونٹی ریڈیو سیٹس :- ۴۰ عدد ریڈیو مزدور حلقہ میں لگائے گئے ہیں۔

کمیٹی کی مالیات :-

(۱) مالیات :- بالغوں کو تعلیم بالکل مفت دی جاتی ہے۔ کتابیں، سلیٹیں بھی مفت دی جاتی ہیں۔

کمیٹی ہر سال تقریباً چار لاکھ روپیہ خرچ کرتی ہے۔ حکومت بمبئی جس نے اس کمیٹی کو مقرر کیا ہے پچاس فیصدی خرچ برداشت کرتی ہے اور تقریباً ۷۰ ہزار روپیہ سالانہ بمبئی میونسپلٹی سے گرانٹ ملتا ہے باقی ۳ لاکھ روپیہ کمیٹی بمبئی کے فیاض شہریوں سے چندہ کی صورت میں جمع کرتی ہے۔

(۲) ایک بالغ کا تعلیمی خرچ دس روپیہ ہے :- ایک سماجی تعلیمی کلاس کا خرچ سالانہ چند اخراجات کو الگ کرکے ۲۵۰ روپیہ ہے۔

آپ کیا کرسکتے ہیں :-

ہر پڑھے لکھے مرد اور عورت کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ ہر سال کم سے کم ۵ بالغوں کو پڑھا لکھا بنائے اور جو اس نیک کام میں حصہ لے رہے ہیں ان کی مدد کی جائے۔ ہم کو چین سے جو اب تک ہمارے ملک کی طرح پست ملک کہا جاتا تھا، بہت کچھ سیکھنا ہے۔ چین کے طالب علموں نے دس سالہ جنگ کے دوران میں بھی اپنی قوم کے لوگوں کو لکھایا پڑھایا اور اب چین کی خواندگی کا اوسط ۸۰ فیصدی ہے کیا ہم یہی کام امن کے زمانے میں نہیں کرسکتے۔ اور کیا بمبئی کے بڑے، ترقی یافتہ اور دولت مند شہر میں یہ کام زیادہ آسانی سے نہیں ہو سکتا؟ جن کو خدا نے آنکھیں دی ہیں ان کا فرض ہے کہ اندھوں کو راستہ دکھائیں۔ تعلیم یافتہ تعلیم دیں یہی ہمارا مقصد ہونا چاہیے۔ (مزید معلومات کے لئے سکریٹری سے ملاجائے)

بی۔ ایم کا پڈیا
سکریٹری و سوشل ایجوکیشن آفیسر

۱۵ نومبر ۵۴ء

حضرت مولانا احمد حسین مبارکپوری اعظمی

ہندوستان میں عربی کے مشہور ادیب و شاعر

از جناب مولانا ابوالعلا محمد یحییٰ بن مولانا حسین احمد اعظمی

آپ کی ولادت اور زمانہ تحصیل آپ کی ولادت سنہ ۱۳۰۲ھ میں بمقام رسول پور متعلقہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی۔ والدین کے دامنِ عاطفت میں پرورش پائی۔

قرآن مجید، فارسی، صرف اور نحو کی کتابیں میرے نانا جناب حافظ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مبارکپوری سے پڑھیں اس کے بعد اپنے برادر معظم مولانا ابوالمجد عبد العلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس اول چشمہ رحمت کالج غازی پور سے نور الانوار اور میبذی تک پڑھا۔ اسی زمانہ میں مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے شافیہ، قطبی، تلخیص المفتاح اور سبعہ معلقہ پڑھا۔ اس کے بعد فی سنہ ۱۳۰۸ھ میں مدرسہ حنفیہ جونپور میں مولانا ہدایت اللہ خان صاحب رامپوری مرحوم سے ملا حسن، ملا جلال، میر زاہد رسالہ مع غلام یحییٰ حاشیہ بحر العلوم اور دیگر کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں سنہ ۱۳۱۱ھ میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر جلالین، مشکوٰۃ شریف، بخاری شریف، مسلم شریف اور ہدایہ کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں سنہ ۱۳۱۶ھ میں ریاست رام پور تشریف لے گئے۔ اور مدرسہ عالیہ میں داخل ہو کر مولانا عبد الحق صاحب خیرآبادیؒ سے سلم الثبوت مع شرح مولانا موصوف حمد اللہ اور شمس بازغہ پڑھیں، اور مدرس دوم مولانا ظہور الحسین صاحب رام پوری فاروقی اور مدرسِ اوّل عرب صاحب محمد طیب مکی متوفی سنہ ۱۳۲۳ھ (صاحب نفحۃ الاجلیہ فی الصّلات النعلیہ) رحمہما اللہ سے بقیہ کتب درس نظامیہ اور ان کے علاوہ دیگر کتابیں پڑھیں، اور حدیث کی باقی کتابیں اور موطا امام محمد حافظ وزیر احمد رحمۃ اللہ علیہ محدث رامپوری سے پڑھ کر سند و اجازت حاصل کی۔ اسی اثنا میں طب کی مروجہ کتابیں حکیم محمد حسین خاں صاحب کشمیری مرحوم سے پڑھیں اور مطب کر کے سند طب حاصل کی، عربی علم و ادب کی مشق مدرس اول عرب صاحب سے کی، عربی نظم و نثر لکھ کر اصلاح لیتے رہے، آپ ہی کی فرمائش سے اس سال عرب صاحب نے سند تحصیل درس نظامیہ نظم میں لکھی اور آپ کی سند پر اپنے قلم سے یہ شعر لکھ کر مہر و دستخط کیا ؎

احمد حسین اجزتہ لکمالہٖ وعلیہ مہری شاھد وکتابتی

اسی دوران میں آپ نے ایک کرہ تیار کیا جس میں دوائر عظام و صغار کے علاوہ عرض اور طول کے درجے بھی قائم کیے ہیں۔

بڑی خوبی یہ ہے کہ آسمان کی اڑتالیس اشکال بھی جو صور الکواکب کے نام سے مشہور ہیں بنائی ہیں۔ یوں تو آپ کو بہت سی دستکاریوں سے دلچسپی ہے مگر خصوصیت کے ساتھ خوش نویسی اور فن کتابت نسخ و نستعلیق کے ماہر اور قابل فخر استاذ تھے۔

بعد علوم و فنون سے فراغت کے بعد ریاست رامپور میں شیخ وقت مولانا ضیاء النبی صاحب رامپوری نور اللہ مرقدہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل ہوئے۔ اور ۱۳۱۱ھ میں مدرسہ عالیہ ریاست رامپور سے فارغ التحصیل ہو کر وطن تشریف لائے۔

زمانہ تعلیم و تدریس | چند ماہ کے بعد مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں طلبہ کے امتحان سالانہ کے لیے طلب کیے گئے، بعد امتحان ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں علاوہ اہل شہر کے بیرونی علماء بھی مدعو تھے۔ اسی شب میں آپ نے ایک عربی قصیدہ لکھا اور صبح کو جلسہ میں سنایا۔ اسی ماہ آپ اس مدرسہ میں معلم مقرر کیے گئے۔ تین سال یہاں تعلیم دینے کے بعد آپ کے برادر معظم مولانا ابو الامجد محمد عبد العلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں بلا لیا، اور یہاں درس دینے لگے۔

اسی اثنا میں ڈھاکہ مشرقی بنگال سے آپ کی طلبی میں کئی خطوط و ٹیلیگرام آئے تو ۱۳۲۶ھ میں آپ ڈھاکہ تشریف لیگئے اور مدرسہ حسنیہ ڈھاکہ میں بعہدہ صدر المدرسین تعلیم دیتے رہے، مدرسہ حسنیہ سے ترک ملازمت پر اس کے سپرنٹنڈنٹ تحریر فرماتے ہیں۔

"بر ترک تعلق ایشان بدل ما انگشت بدندان گرفتیم و بصد حسرت وداع کردیم و دولت گرانمایہ گم نمودیم۔ ما وجملہ کارکنان مدرسہ بدرستکاری و گذاری ایشان شہادت میدہیم"

اس کے بعد مدرسہ حمادیہ ڈھاکہ و مدرسہ دار العلوم ڈھاکہ میں مدرس اول رہے، بعد و ہگلی مدرسہ عالیہ میں ایک سال مدرس اول کی جگہ تعلیم دی، یہ جگہ کسی وجہ سے آپ کو ناپسند تھی۔ اس لیے ہگلی سے مستعفی ہو کر مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ میں بعہدہ نظامت متعین ہو کر چار سال تک درس دیا، اسی اثنا میں ۱۳۲۲ھ میں بزمانہ شریف مکہ حج بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے۔ اس کے بعد گورکھپور مدرسہ انجمن اسلامیہ میں چھ سال تک بعہدہ صدر المدرسین تعلیمی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۵۰ھ تک ۲۰ سال مسلسل آپ نے تعلیمی خدمت کی ہیں اس درمیان میں ایک روز بھی سلسلۂ ملازمت سے خالی نہیں رہے۔ جب ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں طلب کیے گئے تو بعد تقرری اس طرح علیحدہ ہوئے کہ کل وہاں پڑھایا اور آج یہاں پڑھایا۔

آپ کے تلامذہ : | آپ کی تعلیم و تدریس کا بیشتر زمانہ مشرقی بنگال میں گذرا، وہاں ہر سال جماعت اولیٰ سے ستر اسّی طلبہ فارغ التحصیل ہو کر نکلتے رہے، اور ایک سال ایک سو تئیس طلبہ فارغ التحصیل ہو کر نکلے، اس وجہ سے مشرقی دیار میں آپ کے شاگرد علماء بہت زیادہ ہیں، کوئی شہر، قصبہ اور دیہات ایسا نہیں جہاں آپ کے شاگرد نہ ہوں اور ان میں سے اکثر مختلف مقامات پر مدرسہ، اسکول اور کالج میں مدرس و پروفیسر ہیں اور کتنے آپ کی سفارش سے عہدۂ قضا پر مامور ہیں آپ ہمیشہ اپنے تلامذہ کو نہ صرف اسلامی احکام اور ان کے دقائق و نکات سمجھاتے رہتے اور ان کے خیالات کو اعلیٰ

دوام سے کم ملنے میں راحت ہے۔

کرنے اور عمل کی ترغیب دیتے رہتے، اور ان کے عادات و اخلاق کی نگرانی بھی سختی سے فرماتے تھے، ان وجوہ سے آپ کے اکثر و بیشتر تلامذہ دیندار، متشرع اور عالم باعمل ہیں۔ اور ان کو ہمیشہ دعائے خیر سے یاد فرماتے رہے، آپ کے شاگردوں کا مقولہ ہے کہ ہم کو ایسا شفیق، ناصح، اور مخلص دوسرا استاذ نہیں ملا، سند فراغ دیتے وقت آپ ان کو چند کلمات سے نصیحت فرماتے اور النصائح المفیدہ کے عنوان سے چھپوا کر دیدیتے۔

آپ کی مطبوعہ تالیفات | تعلیم و تدریس اور کثرت مشاغل سے آپ کو تالیف و تصنیف کا زیادہ موقع نہیں ملا، تاہم اس کا سلسلہ بھی آپنے جاری رکھا، فرائد علم معانی میں ملا محمود جونپوری کی بہت بہتر مگر دقیق کتاب ہے، آپنے اس کی شرح عربی میں لکھی، اور سمط الفرائد نام رکھا، پھر طلبہ کے اصرار سے ان کی سہولت کے لئے فارسی میں شرح کی اور اس کا نام القلائد من الفرائد فی شرح الفرائد رکھا، امام ابراہیم حلبی کی بہترین کتاب ملتقی الابحر بقدر نصاب کی تحشی کی۔ قصیدہ بردہ، و قصیدہ فرزدق کا حاشیہ لکھا۔ سبیل الاخرۃ اردو زبان میں عالم برزخ کے حالات میں لکھی ہے، اس میں موت و قبر اور برزخ کے تمام حالات نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں ۰۰ صفحات کی کتاب ہے، دوبار چھپ کر شائع ہونے کے بعد جناب مولانا حافظ سید محمد علیؒ صاحب الہ آبادی نے سیوطیؒ کی شرح الصدور کا ترجمہ کرنا شروع کیا کافی مقدار میں ترجمہ کر چکے تھے کہ سبیل الآخرۃ آپ کی نظر سے گذری آپنے اپنا ترجمہ موقوف کر کے سبیل الآخرۃ کو سہ بارہ چھپوا کر شائع کیا، مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ

"ایک معتد بہ حصہ اس ترجمہ کا ہوا تھا کہ اتفاقاً سبیل الآخرۃ مؤلفہ مولوی احمد حسین صاحب مبارکپوری کی دستیاب ہوئی جس میں مولوی صاحب نے روایات معتبرہ شرح الصدور سے نیز دیگر معتبر کتابوں سے جمع کیا تھا، مولوی صاحب موصوف کے لیے دل سے دعا نکلی کہ انھوں نے ہمارا کام ہلکا کر دیا چنانچہ میں نے مستقل ترجمہ کے کام کو بند کر دیا۔"

شیخ احمد مکی کی احسن المبرات فی ھدیۃ الاحیاء الی الاموات کا ترجمہ اردو زبان میں کیا، تحفۃ الاحباء فی فضل المدینۃ و مناقب سید الشہداء کا ترجمہ اردو زبان میں کیا، اس کی چوتھائی قیمت فقرائے مدینہ پر وقف تھی۔ مجربات احمدی علم طب کا رسالہ ہے جس میں آپنے مجرب نسخے درج کیے ہیں۔

غیر مطبوعہ تالیفات | المخطب المنبریہ من الحکم العلیہ تالیف کیا، اس میں اسرار احکام شرعیہ کا حصہ غالب ہے اور اکثر عبارت از قسم نثر عاری اور بعض مسجع ہے۔ التحصیل والتکمیل طریقۂ تعلیم و تعلم میں لکھی ہے، سلم العلوم، سلم الثبوت، اور ترمذی پر بھی حواشی لکھے ہیں۔ مگر تینوں نامکمل ہیں، لغت میں آپنے ایک کتاب جدید طرز پر تحریر فرمائی تھی، جس میں صرف یہ چھ سات ابواب اختیار کیے تھے، اسماء الرجال۔ اسماء النساء۔ اسماء الانس، اسماء الاعضاء وغیرہ۔ ۔ ۔ اور ایک ایک لفظ کے تقریباً چار چار ہزار مترادفات جمع کر کے ترتیب دیا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ الفاظ مترادف نہ تھے، کیونکہ ہر لفظ میں وصفی اختلاف ضرور ملحوظ رہتا تھا، جس کو ہر لفظ کے ساتھ تحریر فرما دیا تھا، بالغرض

صدقہ جاریہ قبر کے اندھیرے میں نور ہے

طباعت اس کی کتابت بھی آپ خود ہی فرما رہے تھے، اس کی ابتدا یوں کی تھی،

الجملۃ الاولیٰ فی اسماء الرجال التی تخصصہم باختلاف نعوتہم باالالف الخ

جملہ اولیٰ ص ۲۰ پر پہنچکر ختم ہوگیا۔ اور اس کے بعد جملۂ ثانیہ اس طور پر شروع کیا۔

الجملۃ الثانیۃ فی اسماء النسوۃ التی تخصصن باختلاف نعوتھن۔ باب الالف الخ۔

ابھی صرف صفحہ ۰ تک کتابت ہو چکی تھی کہ کسی بدقسمت نے کتاب کا اصل مسودہ ہی غائب کر دیا، اور یہ بہترین کتاب طباعت سے رہ گئی۔ اس کے علاوہ آپ کے عربی اشعار کا دیوان بھی مرتب ہو کر رکھا ہے۔

افتاء، وعظ اور خصوصیت فن | فتویٰ نویسی میں بھی آپ کو پوری مہارت حاصل تھی، ہمیشہ تعلیمی خدمات کے ساتھ آپ نے افتاء کی خدمات بھی انجام دیں، بڑے بڑے اور اہم مسائل کو نہایت آسانی سے حل کر دیتے تھے، اور جب کسی مسئلہ کی بابت علماء میں اختلاف پڑ جاتا تو آپ مدعو کیے جاتے اور نہایت سہولت اور عمدگی سے اختلاف کو مٹا کر حق واضح کر دیتے۔ جس مسئلہ کی بابت ذرا بھی شبہہ ہوتا تو احتیاط سے کام لیتے اور بغیر کتاب کے اس کو بیان نہیں فرماتے۔

آپ کا وعظ علمی ہوتا تھا، جو کچھ بیان فرماتے، احادیث، تفاسیر، اقوال محدثین ومفسرین سے ماخوذ ہوتا، لایعنی باتیں قطعاً نہیں ہوتیں۔

آپ ہر علم وفن کی یکساں تعلیم دیتے رہے۔ مگر چند فن میں آپ کو خاص دستگاہ تھی، فن تفسیر میں بہت زیادہ دخل تھا۔ معالم التنزیل، مدارک، بیضاوی اور خازن پر کافی عبور تھا، ان کتابوں کے ونیز دیگر تفاسیر کے اقتباس بھی لکھے ہیں، فقہ میں بھی آپ کو خصوصیت حاصل تھی، اس فن میں نہایت تحقیق کے ساتھ درس دیتے، اور فرماتے کہ فقہی مسائل کا سمجھنا مشکل ہے اور ان کے ماخذ کا جاننا سخت مشکل ہے، معانی وبیان میں بھی اچھی قدرت تھی، آپ کی نظم ونثر خود اس پر دال ہیں، علم ادب تو ادیب کی معلم عصری سے حاصل کیا یہ آپ کا حصہ تھا۔ نثر عاری، نثر مسجع، نثر مرجز بے تکلف لکھتے تھے، نظم کی یہ حالت تھی کہ ہر مضمون کو برجستہ نظم کر دیتے تھے، البتہ قصائد میں کچھ لیے اہتمام کرتے،

آخری لمحات اور وفات | آپ ہمیشہ سے محنت کے عادی تھے، اور من جدّ وجد کے عامل تھے، کسی وقت بیکار بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے، اپنی عمر کے اٹھترویں سال میں بھی دن کے علاوہ شب کو بھی کتب بینی کیا کرتے۔

آپ کے ایک مخلص دوست اپنے کسی مریض کے علاج کے سلسلہ میں آپ کو مقام دوہری مبارک گنج لے گئے تھے، واپسی میں ایک شب سین پور میں اپنے ایک قدیمی اور مخلص دوست مولانا عبدالرحمن صاحب کے یہاں قیام کیا، صبح ہوتے ہوتے دو دست آئے، طبیعت قدرے سست ہوگئی، آپ نے فرمایا میں عظمت گڑھ جاؤں گا آپ کے دونوں مخلصین آپ کو بذریعہ یکہ عظمت گڈھ اسٹیشن لے گئے، دن بھر دست آتے رہے، شب گذر کر صبح کو ۶ بجے ۱۰ رجب ۱۳۵۵ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ پھر آپ کا جنازہ اصل مولد رسول پور کاندھون

تلاوت قرآن قبر کی مونس ہے۔

پر منتقل کیا گیا، جو وہاں سے چھ میل دور تھا، اور ٹھیک چار بجے شام کو اپنے آبائی باغ میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کی وفات پر مبارک پور کے مشہور اسماعیلی عالم وادیب ملا رحمت علی مرحوم نے یہ مرثیہ لکھا تھا۔

و الحقاصرف الزمان الا نکد	یبغی لنا فقد الفرید الاوحد
لعفی علیٰ فقد العلیم المتقی	السرتقی احمد حسین الازہد
فی الدین والدنیا سعید اعاش قد	مات شہید ابالقضاء الاسعد
قد مات فی عظمت گڈھ ثم نقل	نحو رسول پور مکان المولد
فی الیوم ظل ناد یا فی قبرہ	یا للیل اسریٰ عبدہ فی المسجد
اخلف نجلا واحدا یحیی بہ	یبقی لہ اذکیٰ ثناء سرمدی
یا رب قد سر وحہ والطف بہ	و اغفر لہ یا لمصطفیٰ محمد

جس وقت آپ پر مرض کا شدید حملہ ہوا تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ آپ کو انجکشن دیا جائے، مگر جب اجازت طلب کی گئی تو آپ نے یہ کہکر انکار فرمادیا کہ زندگی بھر انگریزی دوا جسم میں نہیں گئی تو اس وقت بھی اس کی ضرورت نہیں ہے انجکشن کی دوائیں خصوصیت سے مشتبہ ہوتی ہیں، کیا معلوم اب زندگی باقی ہے یا نہیں، اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔

آپ کا جنازہ مبارک پور اور اطراف کے مسلمانوں کا مرجع بن گیا تھا، اور ایک جم غفیر نے آپ کے جنازہ کی نماز میں شرکت کی۔

عام حالات و عادات آپ نہایت متشرع، باوضع اور خلیق انسان تھے، اپنے متعلقین اور دوستوں سے ہمیشہ تعلقات قائم رکھتے تھے، پیدل چلنے کے بہت عادی تھے، رات کے ہر حصہ میں بلاتکلف تن تنہا سفر کیا کرتے تھے۔ گرمی، جاڑے اور برسات کے زمانوں میں عام طور سے آدھی رات اور پچھلے پہر کو آس پاس کے گاؤں، یا بہار کیوں آتے جاتے تھے، گرمی کی راتوں میں عام طور سے بستر سرہانے رکھ کر چارپائی پر سو جاتے تھے، گھر میں کبھی بیکار نہ بیٹھتے، کتب بینی مطالعہ، وواسازی محبوب ترین مشاغل تھے، کوئی کام نہ ہوتا تھا تو چارپائیوں کے پائے اور ان کی رسیاں ہی ٹھیک کیا کرتے تھے، گھر کے اندر زیادہ تر سادگی سے رہتے تھے مگر جب باہر نکلتے تو بڑی مہری کا پائجامہ، انگرکھا، عمامہ یا گول ٹوپی کے ساتھ، کندھے پر رومال ضرور رکھتے تھے، ہاتھ میں موٹا چھڑی بھی ہوا کرتی تھی، جبا بھی پہنتے تھے۔

درویشوں اور اہل اللہ کی تلاش، اور ان سے ملاقات کا خاص شوق تھا، اور ہمیشہ ارباب صلاح کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے، ڈھاکہ کے مشہور معمر بزرگ حضرت شاہ عبداللہ صاحب ساکن رمنہ سے آپکے دوستانہ تعلقات تھے، ویسے بھی علم طب کے سلسلے میں سنیاسیوں اور فقیروں سے بہت سی کرشمی چٹکلے اور نسخہ جات معلوم کرتے تھے، کشتہ جات میں آپ کو خاص مہارت تھی، علم الطب کے ساتھ علم الادویہ سے آپ خوب واقف تھے،

یتیم بچوں کی پرورش آپ کی خاص عادت تھی، چنانچہ متعدد یتیم بچے اور بچیاں آپ کے یہاں رہ کر تعلیم اور پرورش سے بہرہ ور ہوئیں۔ غریبوں اور مسکینوں کی خبر گیری کے لئے تاکید کرتے تھے، اور خود بھی محتاجوں کی خبر گیری کرتے تھے۔

پوری زندگی میں کسی آدمی سے سخت کلامی نہ کی اور سب سے محبت اور پیار سے ملتے رہے۔ تقویٰ، دیانت داری اور پارسائی آپ کی زندگی کے لیے زیور تھی، آپ کی ذات مصلح کل تھی، آپ کا گھر دار العلم تھا جہاں سے پورے رسول پور اور اطراف میں علم پھیلا، آج یہاں کے ادھیڑ اور بوڑھے مردوں اور عورتوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو والد ماجد مرحوم و اللہ عمر سے شرف تلمذ نہ رکھتا ہو۔

آپ کی عربی شاعری اور ادبی ذوق مجلہ معارف اعظم گڑھ بابت مارچ ۱۹۵۸ء میں جناب ابو محفوظ الکریم صاحب معصومی استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ نے "ہندوستان کے عربی شعراء پر ایک نظر" کے عنوان سے ایک طویل مقالہ لکھا تھا جس میں موصوف نے حضرت علامہ احمد حسین اعظمی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

> احمد حسین اعظمی رسول پور، اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، لمبا قد، چھریرا بدن، گندمی رنگ، ناک کھڑی، طبیعت میں شاعرانہ ظرافت، بے حد چست و چالاک، بے لوث و بے نفس انسان تھے، موصوف نے رامپور اور خیرآباد میں تحصیل علم کی، علامہ طیب کی ۱۳۲۳ھ سے شرف تلمذ تھا، مشرقی پاکستان کے دار السلطنت ڈھاکہ میں ایک مدت تک رہے، مدرسہ حمادیہ کے صدر المدرسین رہے، ۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء میں اپنے عہدہ سے مستعفی ہو کر وطن لوٹ گئے اخیر زمانہ میں دوستوں کے اصرار پر دوبارہ ڈھاکہ تشریف لائے، پھر پٹنہ جا کر اپنے طبی تجربات سے خدمت خلق کرتے رہے، کم و بیش پچھتر سال کی عمر میں اپنے وطن میں بہ عارضہ اسہال وفات پائی سن وفات ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء یا ۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء ہے، عربی ادب میں خاص دستگاہ رکھتے تھے ان کے کلام کی خصوصیت ذیل کے اشعار سے واضح ہو جائے گی، ایک خط میں فرماتے ہیں۔

و اخبرنی ریح الصبا عن جنا بکم	بما سال اخوانی و زاد سہاد و دری
فاصبح صدری فاسمحا لعل ضیقۃ	و اصلح قلبی فاسرحا بو فو سری
و نبأ الاحباء لعل طول لقائھم	کروح سری فی المیت لعل دھور
نسیم الصبا ان زرتھم بلغی لھم	تحیۃ من قد قام لعل نشور

آپ کے دست خاص کا لکھا ہوا ایک ٹکڑا رہ گیا ہے جس کے دونوں طرف چھ چھ اشعار ہیں، ان میں سے ایک قصیدہ لامیہ تھا، اور دوسرا نونیہ، اس ٹکڑے میں جتنے اشعار ہیں، قصیدہ نونیہ کے ہیں، ایک جانب کے اشعار یہ ہیں۔

لولا الھوی خفرت عھود بنی الحجی	ایل الکروب علی ذوی الاتھمان

شرم و حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

ولما تعارفت النفوس محلها	والسرب جوزرها مدلا وان
ترمی فوارس بها السهام فما سهت	وتعود طاعتها من المتقان
فتصاب من ذالك الحمام ولم تمت	وتقش هذا الشرف لتبيان
لولا الهوی لم يذكر المعشر	للذين خلوا ولم يفتح لهم بلسان
وهو الكريم تعنصا لحياتنا	وحياة من قد دب في القيعان

دوسری طرف یہ اشعار ہیں،

هيهات اخفى الله فيها بلى ء اسمه	دحفت عليها نبات شهوان
وغدا احذوقى الناس جز سفهيهم	وحلى الفقر ودماسلوق الانسان
وشوا وا تنول العود سيفا بأثر	وسوا اجيادة مقتل الشجعان
ضرب الحلاجل القينو عبادة	والكفر قد سموه بالايمان
ويا تعون انا ميم عمدا بأ	يا نهم ارسطا ليس والنعمان
اذ انهم صمو واعينهم عمی	وتلو بهم عمد من الطغيان

مذکورہ بالا اشعار سے ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کے کہنے والا عربی شاعری کا کتنا ستھرا مذاق رکھتا تھا

تلك انا رنا تدل علينا فانظروا بعدنا الى الآثار

(معارف اعظم گڈھ مارچ ۱۹۵۱ء ص ۲۰۱ تا ص ۲۰۴)

اس مضمون میں علامہ مرحوم کے جن اشعار کو پیش کیا گیا ہے، وہ اور دوسرے بہت سے قصائد کو آپ کے نواسے مولوی قاضی اطہر مبارکپوری سلمہ اللہ تعالیٰ نے بڑی تلاش وجستجو سے ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اس مجموعہ میں آپ کے کئی سو عربی کے اشعار ہیں، جو آپ کی عربی شاعری کی بہترین یادگار ہیں۔ انشاء اللہ آپ کا دیوان قاضی اطہر سلمہ اللہ تعالیٰ بہت جلد شائع کریں گے۔

عربی اشعار کے علاوہ آپ کے عربی خطبات بھی پائے گئے ہیں جو علم البدیع اور بلاغت کے شاہکار ہیں۔ کسی خطبے بے نقط حروف کے ہیں، ایک خطبہ بے نقط کی ابتدا یوں فرماتے ہیں۔

الحمد لله مولى الكرم الواحد الصمد المولى الاول لا والد له ولا ولد، سلام مصور سامع الاسود له الاحوال العلى مالك ملك ما سواه احد سمك السماك ولا عماد احكمه وارسى ما مال، لا ماد دوسره اودعه سره وامره اعادوهى، مهد المهاد وسوّى الخ

له كذا في الاصل وفي البيت اقواء

مولانا مرحوم نے ایک مرتبہ اپنا مشہور قصیدہ میمیہ اپنے استاذ علامہ طیب صاحب کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش فرمایا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

کفی بالمرء معتبرا الحمام — یحول حماہ بابن الانام

تو عرب صاحب نے اپنے شاگرد رشید کے بارے میں اپنے دست خاص سے یہ عبارت تحریر فرماکر قصیدہ کو واپس فرما دیا،

قد تصفحت ما کتبتہ ایہا الفاضل الادیب زاد اللہ بک العربیۃ بہاء و رونقا فوجدتہ متین الحصون بعفاق الفہم مع حسن الاسلوب

محمد طیب ۱۲ رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

اس تحریر سے ناظرین کرام مولانا احمد حسین صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی عربیت اور ان کی عربی شاعری کا بخوبی اندازہ فرما سکتے ہیں،

آپ کے کئی اولاد ہوئی، مگر آخر وقت میں صرف دو رہ گئی تھی، ایک لڑکی حمیدہ رحمۃ اللہ علیہا متوفیہ سہ شنبہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ جس کے بطن سے قاضی اطہر سلمہ اللہ تعالیٰ ہیں، دوسرا محمد یحییٰ راقم الحروف ہے، خدا کا فضل ہے کہ ان دونوں کو آپ کی عربیت کا ورثہ ملا ہے، اور دونوں عربی نظم و نثر پر قدرت رکھتے ہیں۔

بقیہ مضمون ص ۴۰۵

علم و فن کا گلستان بنا رہا کرتا تھا۔ بعد میں یہاں پر دائرہ حمیدیہ" کے نام سے ایک ایسا ادارہ قائم کیا گیا تھا جو مولانا فراہیؒ مرحوم کی تصانیف کو شائع کرتا تھا اس ادارہ کا ذاتی پریس بھی تھا اور "الاصلاح" نامی ایک ماہوار رسالہ بھی شائع ہوتا تھا۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں علامہ شبلیؒ اور علامہ فراہیؒ کے خلاف بعض لوگوں نے فتنہ تکفیر اٹھایا، جس میں ان کو ناکامی ہوئی۔

غالباً سنہ ۱۹۴۶ء سے مدرسہ اصلاح کے پرانے اساتذہ میں سے اکثر اس سے الگ ہوگئے یا الگ کر دیئے گئے اب بھی یہ مدرسہ نہایت حسن و خوبی سے چل رہا ہے۔

بقیہ مضمون ص ۳۹۵

دیگر متعدد اہم ضروریات کے لئے ایک رقم خطیر درکار ہے۔ سوسائٹی کی یہ آرزو بھی ہے کہ اس کا اپنا ابتدائی مدرسہ ہو اور ہائی اسکول میں تجارتی و صنعتی اور کاروباری تعلیم کے لئے ایک الگ شعبہ ہو۔ تعلیم بالغان۔ تعلیم نسواں، اعلیٰ دینی تعلیم اور اس قسم کے دوسرے مفید کام بھی پیش نظر ہیں۔ جن کے لئے کافی سرمایہ اور اہل خیر کے تعاون و امداد کی ضرورت ہے۔ اسکول رفتہ رفتہ ترقی کر رہا ہے اور امید ہے کہ تعداد طلبا میں عنقریب معتدبہ اضافہ ہوگا۔ اللہ اسکو اور ترقی عطا کرے۔

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر ضلع اعظم گڈھ اور دائرہ حمیدیہ

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈھ ہندوستان کی ان درسگاہوں میں سے ہے جو قرآنی علوم اور عربی ادب کے قدیم وجدید اسلوب کی ترویج میں اپنا خاص مقام رکھتی ہیں، ہم نے مدرسہ کے حالات کے لئے خطوط لکھے مگر وقت کی قلت کے شکوہ اور آیندہ کے وعدہ پر ہمیں محرومی ہوئی، اس لئے ذیل میں مختصر طور سے اس مشہور درسگاہ کے حالات پیش کئے جاتے ہیں۔ (قاضی اطہر مبارکپوری)

۱۳۲۱ھ میں ضلع اعظم گڈھ کے اطراف و دیار کے باہوش اور روشن دل مسلمانوں نے انجمن اصلاح قوم و برادری ضلع اعظم گڈھ کے نام سے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی، اس مجلس کے تقریباً بارہ اصلاحی جلسے قرب وجوار کے دیہاتوں میں ہوئے تھے۔

یہی مجلس اصلاح قوم ترقی کر کے مدرسہ اصلاح المسلمین سرائے میر کی شکل میں منتقل ہوگئی، اس مجلس کے روح رواں اور بانی مولانا محمد شفیع صاحبؒ سیدپا اور مولانا عبد الاحد صاحبؒ فاضل دیوبند تھے۔

مدرسہ اصلاح المسلمین کا سنگ بنیاد ۱۳۲۷ھ کے موسم بہار میں حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب دیوبندی مرحوم شاگرد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ نے اپنے ہاتھ سے رکھا۔ غالباً یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ مدرسہ جامع مسجد جونپور میں مدرس تھے۔ مولانا مرحوم نے سنگ بنیاد رکھتے وقت رو رو کر مدرسہ کی ترقی و کامیابی کیلئے دعا فرمائی، اسی مدرسہ اصلاح المسلمین سرائے میر کا نام اب مدرسۃ الاصلاح ہے، جو ایک پُر فضا میدان میں واقع ہے اس کے بعد علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے اس مدرسہ کے ابتدائی اغراض و مقاصد، نصاب تعلیم، و طریقہ کار کا خاکہ تیار کیا اور مفسر قرآن حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں کے ابتدائے قیام سے لے کر اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک بحیثیت ناظم اس کی خدمت فرمائی اور اس کے تمام شعبوں کی تکمیل کی، آپ نے اپنی زندگی ہی مدرسۃ الاصلاح کی فلاح و ترقی کے لئے وقف فرما دی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت مولانا فراہیؒ نہایت باوقار عالم تھے، قرآن حکیم کے مسلم عالم اور مفسر اور اس میں ایک خاص فکر رکھتے تھے مرحوم کی تصنیفات میں الرأی الصحیح فی من ھو الذبیح، الامعان فی اقسام القرآن اور تفسیر نظام القرآن خاص طور سے مشہور ہیں۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کے دوستوں اور قابل شاگردوں نے مدرسہ کو اسی شان سے چلایا جن میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اور مولانا شبلی صاحب متکلم بہت مشہور ہیں۔ ہند اور بیرون ہند کے طلبہ اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور یہ میدان

باقی ص ۴۸۴ پر

بھٹکل کی علمی سرگرمیاں

محی الدین منیری

بھٹکل کی تاریخی اہمیت

بھٹکل ہندوستان کے مغربی ساحل پر ایک تاریخی مقام ہے۔ آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے جب ہندوستان کے ساحل پر عربوں کے قافلے اترے تو ان میں ایک قافلہ بھٹکل کے قریب اترا اور وہیں بس پڑا۔ بھٹکل اور اس کے گرد و نواح میں تقریباً بیس ہزار مسلمان ہیں جن کو "نوایت" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ ساری آبادی انہیں عربوں کی اولاد ہے۔ چونکہ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے اس لئے بھٹکل کو مرکز بنا کر کئی صدی تک اپنی تجارت کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کا پیغام آس پاس کے علاقوں تک پہونچاتے رہے۔

بھٹکل صوبۂ بمبئی کا جنوبی سرا ہے، اور مسلم آبادی کے لحاظ سے ضلع شمالی کنارا کا اہم مقام ہے۔ چونکہ بندرگاہ بھی ہے اس لئے جغرافیائی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔

مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ بھی بھٹکل پہونچے تھے۔ انھوں نے اپنے سفرنامہ میں وہاں کے کچھ حالات درج کئے ہیں۔ خلاصۂ تحفۃ النظار یعنی سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ[1] میں لکھا ہے:-

"گرا سے دوسرے دن وفد ہونور[2] پہونچا جو ایک آبنائے پر واقع ہے۔ پشکال یعنی بارش کے موسم میں یہاں سخت طوفان ہوا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے چار ماہ تک یہاں صرف مچھلیاں مارنے کی کشتیاں چل سکتی تھیں۔ پردیسی کے جہازوں کا چلنا قطعاً ناممکن ہوجاتا تھا۔ اس نواح کی تمام عورتیں صرف ایک ساڑی سے اپنا جسم ڈھانپتی تھیں۔ خوبصورت اور باعصمت تھیں ناک میں سونے کی نتھ پہنتی تھیں۔ ان کو قرآن مجید ازبر یاد تھا۔ ہونور میں لڑکیوں کے ۱۳ اور لڑکوں کے ۲۲ مدرسے دیکھے گئے۔ ملابار کے کسی اور شہر میں اتنے مدرسے نہیں پائے گئے۔ اس شہر کے سلطان کا نام جمال الدین تھا۔ بہت نیک اور بہادر تھا۔ اس کی فوج چھ ہزار سوار اور پیادوں ... ملابار کے باشندے اسکو سالانہ ایک معین رقم بطور جزیہ دیا کرتے تھے۔

---

[1] صہ ۱۳۸ [2] ہونار بھٹکل سے بیس میل پر واقع ہے۔ سیاق و سباق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے لفظ ہونور کو استعمال کر کے بھٹکل ہی کے حفظ کرلیا ہے۔ ہوناور کوئی خاص مسلم آبادی نہیں ہے۔

پر مشتمل تھی۔ یہاں روٹی نہیں کھائی جاتی تھی۔ سب لوگ ہمیشہ چاول کھایا کرتے تھے ــــــــــ"

مندرجۂ بالا حالات آٹھویں صدی ہجری کے ہیں۔ مؤرخ اسلام مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم اپنی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات صفحہ ۲۰۰ پر رقمطراز ہیں کہ :ــــــــــ

"جسکو مونور کہتے ہیں اور جو اب بھی احاطہ بمبئی میں شمالی کنارا کے ضلع میں ہے یہ سلطان جمال الدین کا اصل مرکز تھا۔ یہاں ابن بطوطہ کو شیخ محمد ناگوری نام کے ایک صاحب خانقاہ بزرگ ملے۔ اور فقیہ اسمٰعیل[۵] سے جو قرآن پاک کے استاد تھے اور نور الدین علی قاضی سے اور ایک امام سے ملاقات ہوئی۔ شہر میں اس نے عجیب بات یہ پائی کہ یہاں عورتوں اور مردوں سب میں تعلیم کا برابر چرچا تھا۔ شہر میں ۱۳ مکتب لڑکیوں کے اور ۲۳ لڑکوں کے دیکھے۔ باشندوں کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ یہاں ابن بطوطہ کو ایک مسلمان جوگی کا ایک پیام اور تحفہ ملا۔ باشندے امام شافعی کے پیرو تھے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عرب تھے یا ان کی اولاد تھے ــــــــــ"

مندرجۂ بالا اقتباس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام علم وفن کا مرکز تھا۔ اور چونکہ علماء بھی تھے، اس لئے لوگ دور دور سے آکر استفادہ بھی کرتے تھے۔

جب ریاست میسور اور اس کے اکناف میں ٹیپو سلطانؒ کی حکومت ہوئی تو یہ علاقہ بھی ان کے حدود سلطنت میں آیا تھا۔ یہاں کے بعض افراد سلطان کے مصاحبین میں تھے۔ سلطان کی فوجیں بھی یہاں رہا کرتی تھیں۔ انگریزوں کی آمد نے اس شہر کو سلطانی سرپرستی سے محروم کردیا۔ سلطان کے فرمان خاص سے تعمیر کردہ ایک مسجد اب بھی بھٹکل میں موجود ہے، اور سلطانی مسجد ... کے نام سے مشہور ہے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال سے ہندوستان پر جو عام مایوسی اور پریشانی چھائی تھی اس سے یہ علاقہ بھی متاثر ہوا۔ اور ایک حد تک علمی ذوق ختم ہوگیا۔

صدیق لائبریری

بیسویں صدی کے شروع میں جبکہ ہندوستان کے سارے مسلمان اپنا مستقبل بنانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ جنگ بلقان کے اثرات نے سارے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کردیا تھا ہندوستان کے حالات سے متاثر ہوکر ایک درد مند مسلمان محترم جناب اسمٰعیل صاحب صدیقی مرحوم نے اپنے وطن میں علمی ذوق کے ذریعہ زندہ دلی پیدا کرنے کا خیال لئے ہوئے ۱۹۱۲ء میں ایک لائبریری کی بنیاد ڈالی، جو آج بھی اپنے بانی کے نام سے "صدیق لائبریری" معروف ہے۔ اور وہاں کے مسلمانوں کو مستفید کررہی ہے۔

اس وقت اس لائبریری میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں جو علمی، تاریخی، مذہبی اور ادبی معلومات پر مشتمل ہیں۔ سارے علاقہ

---

[۵] یہ بڑے عالم باعمل بزرگ تھے۔ اور اس زمانہ میں جامع مسجد کے خطیب وامام تھے۔ مزار بھٹکل میں ہے۔

کرناٹک میں مسلمانوں کے پاس اتنا بڑا علمی ذخیرہ اور لائبریری نہیں ہے۔ بھٹکل کے مسلمانوں میں علمی ذوق پیدا کرنے کے لئے اس کتب خانے نے بڑا کام کیا ہے۔

مجلس اصلاح و تنظیم بھٹکل صدیق لائبریری کا انتظام یہ مجلس کرتی ہے، اس مجلس نے اصلاح رسوم اور لوگوں میں علمی ذوق پیدا کرنے کا جو کام کیا ہے وہ بھٹکل کی تاریخ میں ایک بڑا یادگار کارنامہ ہے۔ محترم محمد اسماعیل صاحب صدیقی مرحوم کئی سال تک بحیثیت صدر اس مجلس کی سرپرستی کرتے رہے ہیں آج کل جناب جے، ایچ شمس الدین صاحب ایڈوکیٹ اس کے صدر ہیں۔ جناب دامدا عبدالقادر باشا صاحب ۸ سال سے بحیثیت سکریٹری کے اس مجلس کی خدمت کر رہے ہیں۔ جناب سید عمر صاحب بیآ ور معاون سکریٹری ہیں۔

انجمن حامی مسلمین بھٹکل ۱۹۱۹ء کا زمانہ ہے، خلافت تحریک اپنے پورے شباب پر ہے۔ ترک موالات نے انگریزوں سے جذبۂ نفرت پیدا کر دیا ہے۔ اور ہر طرف مسلمانوں میں ایک مدگی اور مستقبل کو شاندار بنانے کی فکر ہے، بھٹکل میں بھی اس کے اثرات ہیں۔ در قوم کی علمی نشو ونما کے لئے مدرسے کا قیام ضروری محسوس کیا جانے لگا ہے۔ چنانچہ جناب ایف، اے محمد حسن صاحب اور جناب ایم، ایم صدیق صاحب مرحومین نے اسی فکر میں اپریل ۱۹۱۹ء کو ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ نظریہ یہ تھا کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مغربی تعلیم کا انتظام کیا جائے، اسی سال ستمبر میں اس انجمن کی طرف سے ایک ابتدائی مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ ایک سال کے اندر اسکو ثانوی مدرسہ بنا دیا گیا اور ۱۹۴۲ء میں یہ مدرسہ ہائی اسکول کے درجہ تک پہونچا۔ شروع ہی سے اس مدرسہ میں دینیات کا خاص اہتمام رکھا گیا تھا۔ بلکہ عربی بھی ابتدائی درجہ سے پڑھائی جاتی تھی۔ شروع شروع میں اس مدرسہ کا الحاق جامعہ ملیہ دہلی سے تھا، اور وہیں کا کورس پڑھایا جاتا تھا۔

انجمن والوں کے پاس شہر کے تمام بچوں کی ابتدائی تعلیم بھی۔ اس وقت اپنا کورس پڑھایا جاتا تھا۔ ابتدائی مدرسوں میں تقریباً چھ سو طلبا رہا کرتے ہیں۔ اب مدرسہ کا انتظام لوکل بورڈ کرتا ہے۔ مگر انجمن کی طرف سے دینیات کے اساتذہ مقرر ہیں۔ جو تعلیمی اوقات ہی میں جاکر قرآن و فقہ کی تعلیم دیتے ہیں۔

انجمن حامی مسلمین بھٹکل درحقیقت بھٹکل اور اس کے گرد و نواح کے مسلمانوں کی علمی سرپرست ہے۔ اس کا فیضان صرف بھٹکل کے مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ کرناٹک کے دوسرے اضلاع کے مسلمان طالب علموں نے بھی کافی فائدہ اٹھایا ہے۔

اس انجمن کو ترقی دینے کے لئے جناب ایم، ایم، صدیق صاحب کا ایثار و قربانی ایک یادگار چیز ہے۔ مرحوم نے اپنی جان کھپا کر اس انجمن کو پروان چڑھایا ہے۔ محترم جناب اسمٰعیل صدیقی صاحب مرحوم نے ہر موقع پر جناب ایم، ایم، صدیق صاحب مرحوم کا ساتھ دیا، مرحوم اسمٰعیل صاحب صدیقی ضلع کاروار کے پہلے مسلمان گریجویٹ تھے۔ جو دینی خدمات اور تعلیمات کے لحاظ سے

ایک اہم شخصیت تھے۔ اس انجمن کے مدرسہ کی تقریباً بیس سال تک آپ نے صدارت کی اس دوران میں اپنی قوم کی تعلیمی پرورش کے لئے بڑی بڑی سرکار کی پیش کردہ ملازمتوں کو لات مار دیا۔ ان محترم دونوں بزرگوں نے اپنی قوم کی علمی حالت کو سدھارنے کے لئے ہر اس چیز کو برداشت کیا جو ایک عام مسلمان کے بس کی بات نہیں تھی۔

اس انجمن کے بانیوں میں عالی جناب ایس حاجی حسن صاحب' جناب ابو عبدالرحمان صاحب داموَدی اللہ کے فضل سے بقید حیات ہیں۔ جناب حاجی حسن صاحب کی اس علمی انجمن سے دلچسپی ایک مثال ہے۔ آپ شروع ہی سے اس انجمن کے صدر ہیں اور اس سے بڑی انس و محبت رکھتے ہیں۔ جناب ابو عبدالرحمان صاحب داموَدی کافی مدت تک اس انجمن کے معتمد رہے ہیں۔ انجمن کے پاس کافی جائیداد ہے۔ جائیداد کی آمدنی کے علاوہ عطیات اور چندہ سے اس کا خرچ پورا کیا جاتا ہے۔ ایک ہوسٹل اور زنانہ مدرسہ بنانے کا کام زیر غور ہے۔ انجمن کا اوسط خرچ سالانہ ۲۵ ہزار روپے ہیں۔ بھٹکل کے اہل خیر حضرات ہمیشہ اس انجمن پر توجہ فرماتے رہے ہیں۔

یسرس ایس لے' ایم' ایچ عبدالقادر صاحب مولانا کمپنی نے ایک عالیشان عمارت تعمیر کر کے انجمن کو دی ہے جہاں انجمن کا آفس اور مدرسہ ہے۔ اس کے ساتھ ایک ہال بھی ہے۔ جسے مولانا ہال کہتے ہیں۔ اور اپنی شان کے اعتبار سے بہت مشہور ہے۔ جناب ایم' ایچ' اسماعیل صاحب نے ایک عمارت اور جناب ایس' ایم' سید محمد صاحب برادرس نے ایک عمارت تعمیر کر کے انجمن کو دی ہے۔ ان دونوں عمارتوں میں مدرسے ہیں۔

انجمن کے موجودہ عہدیدار یہ ہیں:-

صدر:- جناب ایس حاجی حسن صاحب۔ نائبان صدر:- جناب ایم' ایچ اسماعیل صاحب ۲۔ جناب ایس' ایم' حاجی سید محمد صاحب۔ جنرل سکریٹری:- جناب ایس' ایم' سید محی الدین صاحب۔ سکریٹری:- جناب جے' ایچ شمس الدین صاحب ایڈوکیٹ۔ خازن جناب ابو عبدالرحمان صاحب داموَدی۔ محاسب:- محی الدین منیری۔

انجمن کے سرپرستوں کے نام یہ ہیں:-

جناب ایس' ایم' سید ابوبکر صاحب مولانا ۲۔ جناب ایس' ایم' سید جعفر صاحب مولانا۔ ۳۔ جناب ایم' ایچ' اسماعیل صاحب ۴۔ جناب ایس' حاجی حسن صاحب۔ ۵۔ جناب ایس' ایم' سید حسن صاحب۔ ۶۔ جناب ایس' ایم' سید محمد صاحب ۷ جناب ڈی' اے' ابوبکر اسماعیل صاحبان۔

اس انجمن کی مجلس انتظامیہ کے چالیس اراکین ہیں۔ عہدہ داروں کے علاوہ بعض ارکان یہ ہیں:-
مولانا خواجہ بہاء الدین صاحب اکرمی۔ جناب عبدالقادر حافظکا صاحب بی' اے۔ جناب ایس حاجی شمس الدین بادشا صاحب۔ جناب ابوالحسن صاحب قاضیا۔ جناب سید عمر صاحب برماور۔ جناب ڈاکٹر علی صاحب ملپا۔ جناب دامدا ابوابوبکر جناب دامدا ابو اسماعیل صاحب۔ جناب معلم عبدالقادر صاحب۔ جناب مصباح عبدالغفور صاحب۔ جناب ایس' ایم' سید علی صاحب

سید عبدالقادر رڈرا پا صاحب۔ جناب دامدا ابو محمد حسن صاحب، جناب قاضیا محمد حسن صاحب
سید میران صاحب۔ جناب ایس، ایم سید محی الدین سید فقیہ صاحب۔ جناب دامدا حسن
آر ایس، حمید صاحب۔ محتشم عبدالقادر جیلانی صاحب۔ ایس جے سید برہان الدین صاحب۔
صاحب جناب ایس ایم سید یہ لی صاحب جناب کا سرکوڑ ابو محمد صاحب، جناب تسکری قادر میران صاحب

ہائی اسکول بھٹکل

جیساکہ کہا گیا کہ ۱۹۴۲ء میں یہ مدرسہ ہائی اسکول بنا۔ ایس، ایس سی امتحان کے لئے زبان ثانی عربی پڑھائی جاتی ہے۔ دینیات پڑھانے کا
ہے۔ شعبۂ دینیات وعربی کی تعلیم جناب مولانا شریف محی الدین صاحب اکرمی کے تحویل میں ہے۔ جناب
اس مدرسہ کے فارغ اور سب سے پرانے استاد ہیں۔ بعض درجوں میں دینیات کی تعلیم آپ کی تحویل میں ہے
شیخ محمود صاحب خیال۔ جناب ابوبکر صاحب عبدالغنی۔ جناب شاہ الحمید صاحب کرمیشو۔ جناب شمس
جناب محی الدین صاحب مومن۔ اور جناب ایس، ایم سید حسین شبیر صاحب۔ مسٹر سادات اور جناب
بتور ہیں۔ مسٹر لوی، ایل بھٹ اس مدرسہ کے صدر مدرس ہیں۔ محترمی جناب عبدالحمید صاحب ندوی سابق
دس سال تک اس مدرسہ کے شعبۂ دینیات کے صدر رہ چکے ہیں۔ آپ کا طریقۂ تدریس اور افہام و تفہیم ایک
تعلیمی چرچا ہے زیادہ تر اسی مدرسہ کا طفیل ہے۔ مدیر البلاغ بھی اسی مدرسہ کا ایک فارغ طالب علم
گورنمنٹ کی طرف سے ایڈ ملتی ہے۔ باقی تمام اخراجات انجمن برداشت کرتی ہے۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند میلادالنبی کے سلسلہ میں بھٹکل تشریف لائے تھے
اسکول کا بھی معائنہ کیا اور اپنے تاثرات کو مندرجۂ ذیل لفظوں میں اسکول کے وزٹ بک پر لکھا:۔

نحمدہٗ ونصلی

تاریخ ۸ ردسمبر ۱۹۵۲ء احقر نے اسلامیہ ہائی اسکول بھٹکل کا معائنہ کیا۔ ہر ہر درس گاہ میں
ہوئی۔ جناب محترم شمس الدین صاحب وکیل جن کی ذمہ داری کے تحت اسکول جاری
درجے کا تعارف کراتے رہے۔ جناب ہیڈ ماسٹر صاحب اور دوسرے ذمہ دار حضرات بھی ساتھ
اسکول میں دینیات کا خاص اہتمام ہے، اور اس کے لئے ایک ٹرسٹ بھی ہے، مجھے
کہ بچوں میں مذہبی روح موجود ہے۔ ذمہ داران اسکول کی اسامر اسکول کو حلقۂ عام

پوری دلچسپیوں کے ساتھ اسکول کو ترقی دینے میں لگے ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ ان کی دلچسپیاں کامیابی کا جامہ پہنتی رہیں گی۔ میں ممدوح اور جناب ہیڈ ماسٹر اور دوسرے ذمہ داروں کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے مجھے اسکول میں حاضر ہونے کی دعوت دی۔ تفصیلی معائنہ کرایا اور حق دعوت ادا کرتے ہوئے میرے خیالات کو سمع قبول کے ساتھ سنا۔ دعا ہے کہ یہ اسکول ترقی کرے اور اپنے بنیادی نصب العین کو ہر وقت اپنے سامنے رکھ کر آگے بڑھتا رہے۔

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مورخہ ۸ نومبر ۱۹۵۲ء

دینی تعلیم کے پرائیویٹ ادارے

آج سے پچیس سال پہلے تک یہاں کے بہت سے گھر مدرسے بنے ہوئے تھے۔ عام طور پر بیوہ عورتیں اپنے گھروں پر بچوں کو لے کر بیٹھ جاتی تھیں اور قرآن ناظرہ اور فقہی مسائل پڑھاتی تھیں۔ اگرچہ یہ سلسلہ جاری ہے۔ مگر رفتہ رفتہ اس میں کمی ہوتی جارہی ہے۔ اس کی افادیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بھٹکل میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں قرآن پڑھا اور سنا نہ جاتا تھا اس طرح کے مدرسے دینی ذہن بنانے میں بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ باوجود اس قدر علمی چرچا ہونے کے بڑے افسوس کی بات ہے کہ بہت عرصے سے بھٹکل میں کوئی حافظ نہیں دیکھا گیا۔ اب الحمدللہ بھٹکل کے ایک نوجوان محمد اقبال بن عبدالقادر صاحب مولوی نے حفظ کرلیا ہے۔ ختم قرآن پر بستی کے بڑے بڑے علماء نے اس بچہ کو مبارکباد دی ہے۔ بھٹکل کے گھریلو مکتبوں کے علاوہ مولوی اسماعیل صاحب اکرمی بھی اپنے گھر پر بچوں کو درس دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دارالمطالعہ خلیفہ محلہ کی جانب سے چھوٹے اور بڑے لڑکوں کے لئے تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔

خاتمۂ کلام

انجمن حامی مسلمین بھٹکل کو آل انڈیا دینی تعلیمی کونشن بمبئی کے کام میں تعاون کرنا چاہئیے۔ اس کے بعض ارکین ماشاءاللہ بڑے ذی فہم لوگ ہیں۔ اور اگر یہ چاہیں تو اپنے اثرات سے کرناٹک کے تمام علاقوں میں علم دین کے پھیلانے میں معاون ہو سکتے ہیں۔ بھٹکل مسلم آبادی کے اعتبار سے ایک ممتاز شہر مانا جاتا ہے مگر بھٹکل یا اس کے گردونواح میں سینکڑوں میل تک دینی تربیت گاہ نہیں ہے۔ والدین اپنے بچوں کو دینی تعلیم کی طرف لگانا چاہیں تو بھی قریب میں کوئی دینی مدرسہ نہ ہونے کی وجہ سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ اس علاقہ میں ایک دینی درسگاہ کا قیام دور دور تک دین اسلام کی سرسبزی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ہندوستان کے انقلاب نے مسلمانوں کو ایک بڑی آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے حالات بتارہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے دینی تعلیم کا انتظام نہ کیا تو پھر (معاذاللہ) آئندہ نسلوں میں اسلام کے بقا کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آل انڈیا دینی تعلیمی کونشن اسی فکر کی وجہ سے منعقد ہو رہا ہے۔ بھٹکل کے اہل فکر اور اہل زر حضرات توجہ کریں تو ایک دینی درسگاہ کا قیام کوئی مشکل امر نہیں ہے یہ چند جملے انجمن کے صاحب فکر حضرات کے لئے دعوت فکر ہیں۔ ع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

تعلیمی واخلاقی مرکز — دہلی

(ایم۔ اے۔ صدیقی)

یہ مرکز جناب شفیق الرحمٰن قدوائی صاحب (مرحوم) وزیر تعلیم دہلی کی یادگار ہے۔ آپ ہی کے مشورے سے یہ تعلیمی کام چند نوجوانوں نے مل کر اپریل ۱۹۵۰ء سے شروع کیا۔ اگست ۱۹۵۳ء تک یہ دوسری جگہ دوسرے نام سے جاری تھا۔ لیکن حالات اور وقت کے تقاضے کی وجہ سے اس کا نام اور مقام دونوں بدل دیئے گئے۔ اس مرکز میں ان پڑھ بالغ اور بچوں کے علاوہ اسکول کے مڈل تک کمزور طلبا بھی اپنی کمزوری دور کرنے کے لئے شام کے وقت آتے ہیں۔ ان طلبا کو جو مرکز میں آتے ہیں نہ صرف دنیاوی تعلیم ہی سے روشناس کرایا جاتا ہے بلکہ دینی تعلیم سے بھی اور بزرگان دین کے حالات سے بھی باخبر کیا جاتا ہے، تاکہ وہ طلبا جو اپنے دین اور بزرگان دین سے ناواقف ہیں علم سے بہرہ ور ہو جائیں، اور کوشش کی جاتی ہے کہ ان کو آسان زبان میں تہذیب و تمدن اور تربیت وغیرہ سکھائی جائے۔

اس مرکز کے تحت ایک ہفتہ وار دیواری اخبار شائع کیا جاتا ہے۔ جو کہ جمعہ کے روز مقامی طور پر ایک جگہ لگایا جاتا ہے۔ جس میں بچوں اور بڑوں کے لئے دلچسپ اور اثر آموز مضامین لکھے جاتے ہیں۔ ڈائرکٹر صاحب اور خاکسار کے مضامین عام طور سے شائع ہوتے ہیں۔

ویسے تو بہت سی تحریکات ہیں۔ جن میں خاص طور سے ایک تحریک "نونہال انجمن" ہے۔ یہ ایک کلب ہے جو کہ بچوں سے متعلق ہے۔ اس کا جلسہ جمعہ کو بچے خود ہی کرتے ہیں۔ اپنے تمام انتظامات بھی خود ہی کرتے ہیں۔

کارکنان مرکز اس بات کی بھی کوشش کر رہے ہیں کہ ایک ٹرافی جاری کی جائے۔ جس میں مختلف اسکولوں کے طلبا حصہ لیں اور اس طرح آپس میں زیادہ سے زیادہ ربط قائم ہو۔ ٹرافی کا نام شفیق ٹرافی رکھا جائے گا۔ ابھی اس کا چند دن انتظار کرنا پڑیگا

جناب ایم۔ اے صدیقی صاحب
ڈائرکٹر تعلیمی واخلاقی مرکز

آپ کا پورا نام محبت علی صدیقی ہے اور شاہ آباد ضلع ہردوئی کی پیدائش ہے لیکن عرصہ سے دہلی میں مقیم ہیں۔ یوں تو کم عمر ہیں۔ لیکن دس گیارہ سال کی عمر سے جناب شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی مرحوم وزیر تعلیم صوبہ دہلی کے ساتھ ادارہ تعلیم وترقی کے تعلیمی مرکز قرولباغ میں ۱۹۴۷ء کے فسادات تک سوشل ورکر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس لحاظ سے آپ کا تعلیمی تجربہ کافی پرانا ہوتا جا رہا ہے۔ فسادات میں لوگ اپنے وطن تشریف لے گئے پھر جب زمانہ سازگار ہوگیا یعنی ۱۹۴۸ء میں جامع مسجد کے حلقہ میں دوبارہ تشریف

لائے۔ یہاں چھ روز بعد مٹیا محل میں مرکز جاری کیا گیا اور ایک شعبہ نوجوان کلب کھولا گیا جس کا صدر آپ کو چن گیا اور تقریباً چار سال تک آپ صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اپریل ۱۹۵۲ء میں جب مرکز ختم کئے گئے تو مجبوراً ایک نیا مرکز شروع کرنا پڑا جیسا کہ مرکز کی تاریخ سے ظاہر ہے۔

اپریل ۱۹۵۵ء سے میرے ساتھ ساتھ کام کرتے رہے ہیں جیسے کہ مرکز کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی ۹ اگست ۱۹۵۳ء کو ایک شاندار جلسہ ہم دو افراد کی کوششوں سے منعقد ہوا۔ اور اس کے بعد یہ مرکز [illegible] میں آیا جس کی تاریخ اور تحریکات درج کی گئی ہیں۔

آپ شعر و شاعری سے زیادہ ذوق رکھتے ہیں۔ گاہ بگاہ آپ کی نظم اور غزل ہمارے مرکز کے اخبار میں شائع ہوتی رہی ہیں اور ویسے تو آپ بچوں کے لئے بھی چھوٹے چھوٹے دلچسپ مضامین لکھتے ہیں اس وقت آپ بچوں کے مربی کی حیثیت سے بھی کام کر رہے ہیں۔ اگر زندگی باقی رہی تو نہ معلوم آپ آئندہ کیا کریں گے ہماری صرف یہی التجا اور خواہش ہے کہ خدا ہم کو ہمارے کام اور ارادوں میں کامیاب کرے۔ آمین۔ (ایس۔ ایس حسین سکریٹری)

ایس۔ ایس حسین جنرل سکریٹری

آپ کا پورا نام سید شاہد حسین ہے۔ بمقام بڑتھ کا نسخہ عرف پٹھیڑہ کلاں ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ دہلی میں بچپن ہی سے اپنے والد صاحب کے ساتھ رہے۔ آپ کے والد بزرگوار مدرس ہیں اس لئے آپ کو بھی تعلیمی کام سے کافی دلچسپی ہے۔ شروع ہی سے بچوں کی انجمن وغیرہ کی تحریکیں بھی آپ چلاتے رہے جس کے منتظم آپ ہی چنے جاتے۔

فسادات ۱۹۴۷ء سے پہلے آپ کشمیری گیٹ کے علاقے میں تعلیم دیتے اور حاصل کرتے تھے۔ فسادات سے مجبور ہو کر آپ کلاں محل میں سکونت پذیر ہوتے اور اس طرح تعلیمی مرکز جامعہ کا کام شروع ہوا۔ ۱۹۵۱ء سے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس کے بعد اپریل ۱۹۵۲ء سے میرے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ جیسے کہ مرکز کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ مرکز کے عہدیدار ہونے کے ساتھ ساتھ طلباء کو بھی تعلیم دیتے ہیں۔ جولائی ۱۹۵۴ء میں انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ پوسا کالج نئی دہلی سے لیدر گڈس میں سکنڈ ڈویژن میں ٹریننگ پاس کی۔

آپ اردو ادب کے دلدادہ ہیں۔ بچوں کے لئے مضامین بھی لکھتے ہیں۔ اگر آپ کی یہی حالت رہی تو انشاء اللہ آگے چل کر ایک اچھے ادیب اور افسانہ نویس کہلائیں گے۔ اور آئندہ کافی ترقی کریں گے۔

ہو علم اگر نصیب تو تحصیل بھی کر
دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر
اللہ کرے عطا جو عظمت تجھ کو
جو اہل نہیں اس کے آگے تعظیم بھی کر

اینگلو اردو ہائی اسکول سورت



ایک معیاری درس گاہ

اینگلو اردو ہائی اسکول، سورت

از جناب سید حفیظ الدین صاحب شوقی ہیڈ ماسٹر اینگلو اردو ہائی اسکول سورت

جون ۱۹۳۵ء میں کرایے کی ایک مختصر اور تنگ عمارت میں شہر کے ایک پیر سال مگر جوان ہمت بزرگ جناب حاجی سید حمید الدین سورتی حمید صاحب مرحوم اور اُن کے چند سرگرم تعلیم دوست رفقاء کار کی ان تھک کوششوں سے زیر نگرانی سورت ڈسٹرکٹ مسلم ایجوکیشن سوسائٹی (رجسٹرڈ) جاری ہوا۔ ابتداءً پانچویں سے ساتویں تک صرف تین جماعتیں، ۲۲ طلباء اور چار اساتذہ تھے۔ بعد ازاں ہر سال ایک نئی اعلیٰ جماعت کا اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ جون ۱۹۴۲ء میں یہ مکمل ہائی اسکول ہو گیا۔ اور مارچ ۱۹۴۳ء میں اسکول کے امیدوار پہلی بار بمبئی یونیورسٹی کے میٹریکولیشن امتحان میں شریک ہوئے۔ اس وقت سے ہر سال طلباء شریک امتحان ہوتے رہتے ہیں۔ اور نتائج اطمینان بخش ہوتے ہیں۔ فی الحال اسکول میں تیرہ جماعتیں، پونے چار سو طلباء اور بیس اساتذہ ہیں۔ گذشتہ سال سوسائٹی نے بصرف کثیر ایک شاندار وکشادہ عمارت تعمیر کرائی جس میں اسکول نومبر ۱۹۵۲ء میں منتقل ہو گیا۔

اسکول میں اکثریت مسلم طلباء کی ہے۔ اگرچہ ہر قوم کا طالب علم اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ تعلیم سرکاری نصاب کے مطابق ہوتی ہے۔ لازمی مضامین کے علاوہ دستکاری، ڈرائنگ، انگریزی، اردو، گجراتی، ہندی، عربی، فارسی، سنسکرت، اردو، مگدھی اور شہریت کی تعلیم کا بھی بندوبست ہے۔ اور جسمانی تعلیم اور غیر درسی مشاغل پر بھی کافی توجہ دی جاتی ہے۔ دینی تعلیم کا بھی خاص انتظام کیا گیا ہے۔ جو دو سال قبل تک اوقات مدرسہ ہی میں ہوتی تھی۔ اب خارج اوقات میں دو معلم دینیات صبح و شام درس دیتے ہیں۔

۱۹۴۹ء تک بیشتر مضامین اردو میں پڑھائے جاتے تھے، لیکن علاقائی جامعات کے کھل جانے سے اور تبدیل شدہ حالات کے پیش نظر ۱۹۵۰ء سے گجراتی بطور ذریعۂ تعلیم اختیار کر لی گئی ہے۔ تاہم ابتدائی تین جماعتوں میں گجراتی کے علاوہ اردو بھی ذریعۂ تعلیم ہے۔

اسکول ہنوز خود مکتفی نہیں ہو سکا ہے۔ سرکاری امداد اور فیس کی آمد مصارف کی کفالت نہیں کر سکتی۔ ماہانہ تقریباً ساڑھے چار ہزار روپے کا خرچ ہے جس کا ایک ثلث سے زیادہ خود سوسائٹی کو مہیا کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں جدید عمارت میں فرنیچر، سائنس کے آلات و اسباب، تاریخ جغرافیہ اور ڈرائنگ کے نقشہ جات، کتب اور

باقی ص ۴۰۳ پر

مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم جمیڑی تھانہ

جناب ناظم صاحب مدرسہ ہذا

قصبہ جمیڑی ضلع تھانہ جس کا اسلامی نام اسلام آباد ہے، قدیم زمانہ سے مسلمانوں کی بستی رہا ہے۔ اور یہاں سے اچھے اچھے علماء پیدا ہوئے ہیں۔ مگر رفتار زمانہ کے ساتھ یہاں بھی علم دین سے بے توجہی عام تھی۔ اور مسجدوں کے چند معمولی مکتبوں کے علاوہ یہاں دینی تعلیم کے لئے کوئی باقاعدہ مدرسہ نہیں تھا۔ ان حالات میں یہاں ایک عظیم الشان اسلامی درس گاہ قائم کرنے کی تجویز آئی۔ سب سے پہلے یہاں کے چند معزز مسلمانوں کو جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری نے بمبئی سے بار بار آکر اس پر توجہ دلائی۔ اور قیام کے بعد ہر دو ہفتہ کے بعد پابندی سے اسکی نگرانی کے لئے آتے رہے اور آپ نے حالات کی ناسازگاری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چند مخلصوں کو آگے کرکے ایک مدرسہ کا اجراء کیا۔ ۱۱ رجمادی الثانیہ سنہ ۱۳۷۱ھ کو ایک کمرے میں ایک مدرس، میں طالب علم بٹھائے گئے۔ اور مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم کا افتتاح ہوا۔ ایک صاحب نے مدرس کے قیام و طعام اور دوسری جملہ ضروریات کی ذمہ داری لی۔ دو حضرات نے پچیس پچیس کی رقم تنخواہ کے لئے دینی منظور کی۔ اور مدرسہ چل پڑا۔ اس وقت پلسے۔ کلام مجید، اردو اور فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔

اس کے بعد یہ مدرسہ مکتب کی شکل میں چلتا رہا اور یکم ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۲ھ کو اس کا دوسرا دور شروع ہوا۔ جبکہ ایک دوسرے مدرس تشریف لائے اور اب طلبہ کی تعداد بیس سے بڑھ کر پچاس ہوگئی۔ اور باقاعدہ فارسی، عربی کے ساتھ قرأت کا بھی انتظام ہوا۔ محرم سنہ ۷۳ھ میں طلباء کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے کمرہ تنگ ہوا۔ اور یہ مدرسہ ہندوستانی میں لایا گیا یہاں پر آنے کے بعد طلباء کی تعداد ۸۵ سے بڑھ کر ایک سو ہوگئی۔ اور مزید دو مدرس کا اضافہ کیا گیا اور دو مخیر حضرات کے علاوہ کچھ اور دردمندوں نے مدرسہ کی مالی مدد شروع کی۔

طالب علموں کی روز افزوں ترقی اور جگہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے ان ہی چار چھ دردمندوں نے مدرسہ کی مستقل عمارت کی فکر کی اور اس کے لئے ہندوستانی سے متصل زمین تجویز کی گئی۔ چنانچہ صفر سنہ ۱۳۷۴ھ میں اس مدرسہ کے لئے ایک عظیم الشان عمارت کی بنیاد رکھی گئی۔ اور سنگ بنیاد کے وقت ایک عظیم الشان جلسہ کیا گیا جس میں کئی علماء اور کئی اعیان شریک ہوئے اور صرف تین پرانے مخلصوں نے سترہ ہزار کی رقم تعمیر مدرسہ کے لئے دی۔ اس کے بعد دوسرے حضرات نے بھی دل کھول کر چندہ دیا۔

اس مدرسہ کی روح رواں جمیڑی کے چار حضرات ہیں۔ جنھوں نے مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی دعوت پر لبیک

رکھتے ہوئے اپنی پوری توجہ اس مدرسہ کی طرف دی۔ اور ہر طرح سے دلچسپی لی۔

آج اس مدرسہ میں پونے دو سو بچے بچیاں اور بڑے طالب علم تعلیم دین حاصل کرتے ہیں۔ فارسی، عربی کا معقول انتظام ہے۔ اور قراءت کی تعلیم نہایت اعلیٰ پیمانہ پر دی جاتی ہے۔ دن کو کام کرنے والے نوجوان رات کو عربی زبان اور قراءت کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

انشاء اللہ یہ مدرسہ چند سالوں میں بمبئی کے اطراف میں ایک عظیم الشان دینی درسگاہ بن جائے گا۔ اور اس سے ان اطراف میں دین اور علم کی روشنی پھیلے گی۔

اس مدرسہ کے متولی و نگران مندرجۂ ذیل حضرات ہیں:۔

جناب مولانا قاضی اطہر مبارکپوری صاحب۔ جناب حاجی ولی اللہ جان محمد صاحب۔ جناب حاجی محمد صابر صاحب جناب عبدالغنی رحیم اللہ صاحب۔ جناب محمد مبین عبدالغفور صاحب۔

جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام آنند

جناب مولانا عبدالحمید صاحب قاسمی ناظم جامعہ عربیہ آنند ۔ ضلع کھیڑا

وسط گجرات کا ضلع کھیڑا گجرات کے دیگر اضلاع کے اعتبار سے جہالت اور گمراہی میں بہت ہی بڑھا ہوا تھا اور یہاں کے مسلمان اسلامی تعلیمات میں بہت پسماندہ تھے ان حالات کے مدنظر علوم دینیہ کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس ضلع کے موضع تاراپور کے متوطن حضرت مولانا غلام نبی صاحب مدظلہ العالی نے ۱۹۱۹ء میں اس مدرسہ کی بنیاد اپنے ہی وطن تاراپور میں رکھی ۔ پانچ سال تک مدرسہ مذکور تاراپور ہی میں رہا لیکن بیرونی طلبہ کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی ۔ موضع تاراپور ایک چھوٹا سا گاؤں ہونے کی وجہ سے بیرونی طلبہ کی آمد و رفت قیام و طعام کی بہت تکلیف ہونے لگی اس لئے مدرسہ مذکور ایسی جگہ منتقل کرنے کا خیال پیدا ہوا جہاں بیرونی طلبہ کو ہر طرح کی آسائش و سہولت میسر ہو چنانچہ بعض اصحاب خیر کے ایما سے آنند کو پسند کیا ۔ کیونکہ آنند مذکور ضلع کے وسط میں ریلوے کا بڑا جنکشن ہے اور یہاں کی آب و ہوا اچھی اور آمد و رفت کی سہولت کے علاوہ ضلع مذکور کا مرکزی مقام اور علوم دینیہ کی اشاعت کے لئے بہترین جگہ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر مذاہب والوں نے اپنے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے مشنریاں یہاں پہلے ہی سے قائم کر رکھی ہیں پس ۱۹۲۴ء میں ریلوے سٹیشن کے قریب مدرسہ قائم کرنے کے لئے زمین خریدی اس کی بنیاد مرحوم و مغفور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے مبارک ہاتھ سے رکھی گئی اور طلبا کے رہنے سہنے کے لئے کمرے اور تعلیم کے لئے درسگاہیں اور نماز کے لئے مسجد مانس وغیرہ کی پکی عمارت بنا کر ۱۹۲۵ء میں مدرسہ مذکور کو تاراپور سے آنند منتقل کر دیا گیا ۔ مدرسہ مختلف حوادثات کے باوجود اسلامی اشاعت اور علوم دینیہ کی ترویج کرتا رہا اور مدرسہ میں اردو فارسی عربی حفظ قرآن اور درجۂ قرأت کی تعلیم ہوتی رہی آخر میں حضرت مولانا صاحب موصوف بانی مدرسہ نے اپنی کبرسنی کی وجہ سے ۱۹۴۶ء میں اس مدرسہ کے انتظام کو ایک مجلس شوریٰ کا انتخاب کر کے ان کے سپرد کر دیا مجلس شوریٰ نے نظام تعلیم کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کے مشوروں کے مطابق درس نظامی کو درجۂ تکمیل تک پہنچایا اور حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کی مخصوص دعاؤں اور روحانی توجہات کی بنا پر یہ مدرسہ روز افزوں ترقی کرتے کرتے جامعہ تک پہنچ گیا ۔ الحمد للہ علیٰ ذالک ۔ (اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرماوے آمین ثم آمین)

جامعہ مذکورہ میں علاوہ علوم دینیہ کے ضروریات دنیوی کا لحاظ رکھتے ہوئے سرکاری قانون کے مطابق گجراتی کی تعلیم فائنل تک اور ہندی ، ہندوستانی تعلیم دی جاتی ہے نیز صنعت و حرفت میں خیاطی اور جلد سازی کا کام سکھایا جاتا ہے اس وقت جامعہ مذکورہ میں اساتذہ اور ملازمین کی تعداد بائیس ہے اور بیرونی طلبہ جو دارالاقامہ میں رہتے ہیں ان کے خورد و نوش و دیگر ضروریات کا کفیل جامعہ ہے ان کی تعداد ۱۵۰ اور مقامی طلبہ کی تعداد ۱۵۰ کل تین سو طلبہ کی تعداد ہے ۔

جامعہ مذکورکا سالانہ خرچ چالیس ہزار روپیہ کا ہے اور ذرائع آمدنی کا اکثر حصہ اصحاب خیر کے دست کرم و توکل علی اللہ ہے
جامعہ مذکور کا مستقل احاطہ ہے جس کے اندر دارالاقامہ، درسگاہیں، کتب خانہ، مطبخ اور مسجد وغیرہ موجود ہیں اور بجلی و پانی کا کافی انتظام ہے جامعہ مذکور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روز افزوں ترقی پر ہے۔

نیز جامعہ کی مخصوص خدمت یہ بھی ہے کہ جامعہ کے محترم اساتذہ اور قابل طلبہ وقتاً فوقتاً اطراف و جوانب میں تبلیغی اور اصلاحی دورہ کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے گجرات کے مسلمانوں کو عام طور پر اور ضلع کے مسلمانوں کو خاص طور پر کافی نفع پہنچ رہا ہے۔

اس وقت مجلس شوریٰ کے سترہ اراکین جن کے صدر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب صدیقی راندیری اور جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا غلام محمد صاحب مدظلہ العالی اور صدر مدرس حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی ہیں اور مدرسہ کے اوقاف کا انتظام ٹرسٹ بورڈ کے سپرد ہے جس کے صدر حضرت مولانا غلام نبی صاحب نازیوری ہیں۔



آنند کا مدرسہ



آنند کا مدرسہ

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی تالیفات

ہمایوں نامہ اکبر بادشاہ کے باپ ہمایوں بادشاہ کے حالات اسکی بہن گلبدن کے لکھے ہوئے ۱۲ر

صولت شیر شاہی شیر شاہ جیسے اولوالعزم اور زبردست بادشاہ کے حالات ۱۳ر

حیات محسن محسن الملک بہادر، وقار حیات وقار الملک بہادر (قیمت کاغذ کے فرق سے ۱۴ اور ۱۲)

حیات رضا۔ سرسید کے ابتدائی معاون اور دوست سید رضا حسین بہاری عمر

مذہب و عقلیات۔ جدید تعلیم یافتگان کے لئے خاص طور پر سبق آموز ۱۲ر

یاد ایام۔ (گجرات کی نہایت دلچسپ اور سبق آموز تاریخ نوشتہ مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوہ) عگر

سلاطین معبر عمر۔ ملیبار عمر جنوبی ہند کے ان مقامات کی اسلامی تاریخ کے نہایت دلکش اور سبق آموز باب

تحفۃ المجاہدین عمر دعلی ہذا فطرت الاطفال عمر التربیت الاستقلالیہ للعہ ر (بچوں کی ابتدائی فطرت کو سمجھنے اور آئندہ کے لئے ان کی تعلیم و تربیت کرنے میں معین ہونے کے لئے نہایت مستند اور معیاری)

تعلیم جدید ہے ر (کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے نہایت مفید)

اللغات والامثال عگر (عربی کے قدیم و جدید الفاظ و محاورات کے متعلق نہایت عمدہ لغت)

خطبات عالیہ للعہ (کانفرنس کے سالانہ خطبات صدارت مع صدروں کے مستند حالات اور ہاف بلاک فوٹوؤں کے تین جلدوں میں مختلف شعبوں کے صدروں اور دوسرے علماء و فضلا نے جو خطبے دیے وہ جدا کتاب کی شکل میں ہیں جس کی قیمت ایک روپیہ ہے۔

اصلاح تمدن۔ عمر آنریبل مسٹر جسٹس سر شاہ محمد سلیمان جیسے مفکر اور فاضل کا خطبہ)

مسلمانوں کے افلاس کا علاج ۱۰ر

اردو کی کتاب عمر (دو حصوں میں بچوں کو اردو سکھانے اور مذہب اور اخلاق اور آداب کی واقفیت بہم پہنچانے کے لئے نہایت عمدہ۔

اتالیق ۱۰ر (علی ہذا مگر با تصویر)

لوریاں پہیلیاں ۶ر اردو میں اپنی قسم کی نادر کتاب

گنجینۂ اسکاؤٹنگ

آہنگ عمل ۴ر درد پنہاں ۴ر نوائے انقلاب ۲ر

پیغام حالی ۲ر یہ چاروں کتابیں نظم میں پہلی تین تیسر نیرنگ کی اور چوتھی مولانا حالی کی نہایت دلہ انگیز۔

جامعہ اُردو علی گڈھ

معتمد اعزازی جامعہ اردو بمبئی سنٹر

جامعہ کا قیام | بزم اقبال آگرہ ۱۰ مئی ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کی یادگار میں قائم کی گئی تھی۔ اس دانائے راز نے اپنے نفس گرم کی آمیزش سے اُردو کے پیکر میں خونِ تازہ دوڑا دیا تھا اور اس کے مردہ اسالیب کو حیاتِ نو عطا کی تھی۔ اس لئے "پیامِ اقبال کی تعمیم" کے ساتھ بزم کا ایک مقصد "اردو کی تبلیغ و اشاعت" قرار پایا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے بزم اقبال کی مجلس انتظامیہ میں جناب محمد طاہر فاروقی صاحب معتمد اعزازی نے ۲۲ مئی ۱۹۳۸ء کو یہ تحریک پیش کی کہ پنجاب یونیورسٹی کے سالانہ امتحانات کے مانند یہاں بھی اُردو زبان وادب کے چند امتحانات جاری کئے جائیں جن کا مقصد زبان اُردو کی ترقی اور ترویج ہو۔

اس تحریک نے شرف قبول پایا اور مجلس کی فرمائش کے مطابق معتمد اعزازی نے ۴ ستمبر ۱۹۳۸ء کو ایک مبسوط اسکیم مجلس کے سامنے رکھی جو غور و خوض اور بحث و تمحیص کی مختلف منزلوں سے گزرنے کے بعد منظور کی گئی اور طے پایا کہ اسے بروئے کار لانے کیلئے جامعہ اُردو کے نام سے ایک مستقل ادارہ قائم کیا جائے چنانچہ مجوزہ آئین کے مطابق ۲ اپریل ۱۹۳۹ء کو "جامعہ" کی مجلس منتظمہ کا پہلا جلسہ منعقد ہوا جس میں آئین و ضوابط اور قواعد و نصابات کے خاکہ کو مناسب کمی و بیشی کے بعد منظور کیا اور فیصلہ کیا گیا کہ "جامعہ" کے ماتحت تین امتحانات نومبر ۱۹۳۹ء سے شروع کئے جائیں۔

نظام | "جامعہ اردو" کا نظام یونیورسٹیوں کے آئین و اسلوب پر ترتیب دیا گیا ہے۔ اپنے آئین کے لحاظ سے یہ ایک مستقل آزاد اور جمہوری ادارہ ہے۔ یوپی کی تمام یونیورسٹیوں کے اُردو شعبوں کے صدر، جامعہ ملیہ دہلی کے شیخ الجامعہ اور انجمن ترقی اُردو ہند، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ہندستانی اکیڈمی الہ آباد۔ دار المصنفین اعظم گڈھ، یوپی، پراونشل منیجرس ایسوسی ایشن اور یوپی سکنڈری ایجوکیشن ایسوسی ایشن وغیرہ کے نمائندے جامعہ کی مجلس منتظمہ میں شامل ہیں (اور اسے فضیلت آب سعید الملک کرنل نواب ڈاکٹر سر حافظ محمد احمد سعید خان صاحب بہادر آف چھتاری۔ کے سی ایس آئی۔ کے سی آئی ای۔ ایل ایل ڈی۔ سابق گورنر یوپی وصدر اعظم دولت آصفیہ حال پرو چانسلر مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ وعالی جناب رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو پی سی کے سی ایس آئی۔ ایل ایل ڈی آنجہانی وڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب ڈی لٹ (عالی جناب الحاج مولوی ابوالحسن صاحب آئی سی ایس و جناب معلی القاب سرشانتی سروپ صاحب بھٹناگر او بی ای۔ ڈی ایس سی۔ ایف آر ایس۔ ڈائرکٹر ایمپیریل سائنٹیفک انسٹی ٹیوٹ منسٹری آف نیچرل ایسوریسرچ وصدر یونیورسٹی گرانٹس کمیٹی نئی دہلی وجناب پنڈت راج ناتھ صاحب کنزرد آگرہ اور عالی جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی جیسے مقتدر و برگزیدہ ارباب علم

کی سرپرستی سے استحکام اور وقار حاصل ہے۔

رجسٹری | ماہ اگست ۱۹۴۲ء میں سوسائیٹیز رجسٹریشن ایکٹ ۲۱ بابت ۱۸۶۰ء کے ماتحت "جامعہ اُردو" کی رجسٹری ہوچکی ہے۔

مقبولیت | یہ امر موجب اطمینان و مسرت ہے کہ ہمدردان اُردو نے ہر مقام پر جامعہ اُردو کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اُردو اخبارات نے جامعہ کے نمایاں کارناموں کو سراہا اور بہی خواہان زبان نے انفرادی اور اجتماعی طور پر جامعہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمایا اور امتحانات کی اشاعت و ترویج میں امداد دی۔

بعض درس گاہوں نے جامعہ کے امتحانوں کی تعلیم کے لئے مستقل طور پر درجات قائم کرکے امیدواروں کے لئے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہونچائیں۔

منظوری امتحانات | (۱) راجپوتانہ بورڈ نے حسب حکم نمبری ۲۵۶۴ مورخہ ۴ ہر فروری ۱۹۲۹ء "جامعہ" کے امتحانات کو حصول ملازمت کیلئے کافی تسلیم کرلیا۔

(۲) یوپی بورڈ نے اپنی فہرست "ضروری قابلیت برائے حصول ملازمت" ہائرسکنڈری اسکول تصحیح شدہ تا مئی ۱۹۵۰ء شائع کردہ یوپی گزٹ میں جامعہ کے امتحانات "ادیب کامل" کو انٹرمیڈیٹ تک اُردو ٹیچر ہونے کے لئے اور ادیب ماہر کو ہائی اسکول تک اُردو ٹیچر ہونے کیلئے کافی تسلیم کرلیا۔

(۳) بورڈ آف ہائر سکنڈری ایجوکیشن نے اپنے جلسہ بورڈ منعقدہ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۳ء نے جامعہ اُردو کے امتحانات "ادیب" و "ادیب ماہر" و "ادیب کامل" کے لئے حسب ریگولیشن ۱۱ چیپٹر ۱۲۔ بورڈ ریگولیشن اس بات کی اجازت دی ہے کہ ان امتحانات کو پاس کرنے کے بعد صرف انگریزی میں ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا جاسکتا ہے۔

(۴) مسلم یونی ورسٹی میں یہ مسئلہ ۱۹۴۷ء سے زیر غور رہا اور بار بار اکیڈمک کاؤنسل سے کسی نہ کسی ادارہ کے لئے کمیٹیوں کے سپرد کیا گیا بالآخر ۵ فروری ۱۹۵۴ء کو جو کمیٹی کہ اکیڈمک کاؤنسل نے منظوری امتحانات کے لئے بنائی تھی مندرجہ ذیل تجاویز منظور کرکے اکیڈمک کاؤنسل میں بھیج دیں۔

(الف) وہ امیدوار جو ادیب کا امتحان پاس کرلے وہ مسلم یونی ورسٹی کے ہائی اسکول کے امتحان صرف انگریزی میں امتحان دینے کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔

(ب) وہ امیدوار جو ادیب ماہر کا امتحان پاس کرلے اور جس نے ہائی اسکول کا امتحان صرف انگریزی میں پاس کرلیا ہو وہ انٹرمیڈیٹ میں صرف انگریزی کا امتحان دینے کا مستحق قرار دیا جائے۔

(ج) وہ امیدوار جس نے ادیب کامل کا امتحان پاس کرلیا ہو اور صرف انگریزی کا امتحان انٹرمیڈیٹ میں

پاس کرلیا ہو۔ بی اے میں صرف انگریزی کا امتحان دینے کا مستحق قرار دیا جائے۔

(د) وہ امیدوار جس نے ادیب کامل کے امتحان کے ساتھ ساتھ صرف انگریزی کا امتحان بی اے کا پاس کرلیا ہو وہ ایم اے (اردو) میں داخلہ کا مستحق قرار دیا جائے۔

(ہ) تکمیل الطب کالج لکھنؤ جو ایک قدیم اور مقتدر طبی ادارہ ہے، اس نے اپنے شرائط داخلہ کے لئے جامعہ اردو کے سند یافتہ افراد کو کافی قرار دیا ہے۔

تبادلہ | جامعہ اردو کی بنیاد اولاً ۱۹۳۹ء میں آگرہ میں پڑی تھی اور عالی جناب محمد طاہر فاروقی صاحب اس کے سب سے پہلے رجسٹرار منتخب ہوئے تھے جو اسے اپنی انتھک کوششوں سے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ ۱۹۴۷ء تک چلاتے رہے ۱۹۴۸ء میں صاحب موصوف نے اپنی خرابی صحت اور کم فرصتی کی بناء پر بورڈ منتظمہ کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کرتے ہوئے جناب سید ظہیر الدین علوی صاحب، ایم اے، ایل ایل بی پروفیسر اردو مسلم یونیورسٹی کا نام پیش کیا اور امتحانات چھ ماہ کے لئے چارج دلایا۔ اسی درمیان میں نئے انتخاب کا وقت آیا اور بزم اقبال آگرہ نے پروفیسر موصوف کو رجسٹرار منتخب کیا۔ چونکہ علوی صاحب مسلم یونیورسٹی میں ملازم تھے اس لئے "جامعہ اُردو" آگرہ سے منتقل ہوکر علی گڑھ آگیا اور اس وقت سے یہ ادارہ علوی صاحب کے ہاتھوں میں ہے۔

امتحانات | جامعہ اُردو کے امتحانات ہر سال ماہ دسمبر میں ہوا کرتے ہیں جس کے تین درجے قائم کئے گئے ہیں۔ ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل۔ جو افراد امتحانوں میں کامیاب ہوتے ہیں ان کو صداقت نامہ یا سندیں عطا کی جاتی ہیں۔ جامعہ نے اپنے طلبہ اور طالبات کی دشواریوں کے پیش نظر جو ادیب میں شرکت کی صلاحیت نہیں رکھتے ۱۹۵۴ء سے "ابتدائی" کا آغاز کیا تاکہ مڈل اسکول اور مبتدی طالب علم بھی ان سے مستفید ہوسکیں۔ ۱۹۵۴ء کے امتحان میں اگرچہ جامعہ اُردو کے بڑے سنٹروں نے اس چھوٹے سے امتحان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی پھر بھی دو سو پچاس [۲۵۰] طلبہ اور ایک سو تینتیس [۱۳۳] طالبات اس امتحان میں شریک ہوئیں۔

ان اعداد و شمار سے معلوم ہوگا کہ جامعہ کے امتحانات میں ۱۹۳۹ء میں ۱۵۸ امیدوار سولہ [۱۶] سنٹروں سے شریک ہوئے اور ۱۹۵۴ء میں ۲۸۶۹ امیدوار ۱۱۶ سنٹروں سے شریک ہوئے۔ اس طرح سولہ سال کے عرصہ میں شرکاء امتحان کی تعداد اٹھارہ گنی اور سنٹروں کی تعداد سات گنی ہوگئی جو نہایت امید افزا ہے۔ یہ اضافہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ جامعہ اُردو کے امتحانات روز بروز مقبول ہوتے جارہے ہیں اور ایسی ہستیاں جنھیں اُردو سے شغف ہے اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہیں اور ہوتی جارہی ہیں۔

انعامات | ہر سال امتحانات میں اول آنے والے کو بشرطیکہ وہ درجہ اول یا درجہ دوم میں کامیاب ہوا ہو ایک تمغہ انعام دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے انعامات بھی دئے جاتے ہیں۔

مراکز | جامعہ اردو اس اعتبار سے ہندوستان کا سب سے بڑا تعلیمی اور تدریسی سنٹر ہے کہ اس کے امتحانات بیک وقت ہندوستان کے ایک سو سولہ سنٹروں میں ہوتے ہیں اور اس طرح ایسے ایسے مقامات پر اردو زبان کی تبلیغ ہوتی ہے جن کے نام بھی ہندوستان کے جغرافیہ میں جناب مولوی عبدالحق صاحب نے نہ پڑھے ہوں گے ۱۹۵۳ء میں جامعہ کے ، سنٹر تھے سنہ ۱۹۶۲ء میں ان کی تعداد ۱۱۶ ہو گئی جو درج ذیل ہیں۔ اجمیر شریف۔ آسارہ (مظفر نگر) آگرہ۔ آگرہ (تاج گنج) الہ آباد۔ امراؤتی (برار) امروہہ (مراد آباد) اندور (مدھیہ بھارت) اجین (مدھیہ بھارت) اودے پور (میواڑ) اودیپورہ (بھوپال) اونی (راجستھان) اوچھادر (بھوپال) باڑی (بھوپال) باندہ (یوپی)۔ برسیہ (بھوپال) بجنور۔ بجوایاں (راجستھان) بدایوں۔ برہان پور (مدھیہ پردیش) بریلی۔ بستی۔ بلند شہر۔ بمبئی۔ بہرائچ، بھوپال۔ بھیلواڑہ (راجستھان) پرتاب گڑھ (اودھ) پوربندر (سوراشٹر) پیلی بھیت۔ تلہر (شاہجہاں پور) ٹانڈہ (فیض آباد) ٹونک (راجستھان) جون پور۔ جھنجنون (راجستھان) جے پور (راجستھان) چاند پور (بجنور) چتور گڑھ (راجستھان) حیدرآباد دکن۔ خیر آباد (سیتاپور) دلدار نگر (غازی پور) دہرہ دون۔ دہلی۔ دھولپور (راجستھان) دیواس (مدھیہ بھارت) دیوبند (سہارن پور) دیوی شریف (بارہ بنکی) دورا (بھوپال) رامپور۔ رام پورہ (مدھیہ بھارت) رائے بریلی۔ رائسین (بھوپال) سرائے ترین (مراد آباد) سرونج (راجستھان) سرینگر (طلبہ) سرینگر (طالبات) سندیلہ (ہردوئی) سوائے مادھوپور (راجستھان) سورت۔ سہارن پور۔ سہسوان (بدایوں) سیانہ (بلند شہر) سیکر (راجستھان) سیوہارہ (بجنور) شاہجہاں پور۔ شیخوپورہ (بلند شہر) شیوپورہ کلاں (مدھیہ بھارت) علی گڑھ (طلبہ) علی گڑھ (طالبات) غازی پور۔ فتح پور۔ فتح پور تحصیل (بارہ بنکی) فتح گڑھ (فرخ آباد) فیروز آباد (آگرہ) فیض آباد۔ کاس گنج (ایٹہ) کاکاپورہ (کشمیر) کاکوری (لکھنؤ) کان پور۔ کرت پور (بجنور) کلکتہ، کوٹہ (راجستھان) کھنڈوہ (مدھیہ بھارت) کھیری (لکھیم پور) گلاوٹھی (بلند شہر) گورکھپور۔ گونا (مدھیہ بھارت) گونڈوہ۔ لشکر (گوالیار۔ مدھیہ بھارت) لکھنؤ (طلبہ) لکھنؤ (طالبات) محمد آباد گہنہ (اعظم گڑھ)۔ مراد آباد۔ مسولی (بارہ بنکی) مکن پور (کان پور) ملک (رام پور)۔ موانہ کلاں (میرٹھ) مہدپورہ (مدھیہ بھارت) متھرا۔ مئو (مدھیہ بھارت) میرٹھ (طلبہ) میرٹھ (طالبات) میسور۔ مودھار ہمیر پور ناگ پور (مدھیہ پردیش) نجیب آباد (بجنور) نگینہ (بجنور) نوگانواں سادات (مراد آباد) نہٹور (بجنور)۔ نیپال گنج (بہرائچ) نیما ہیڑہ (مدھیہ بھارت) نیمچ (مدھیہ بھارت) وارنگل (حیدرآباد دکن) ہانسوٹ ہبلی (کرناٹک) ہمیر پور۔

ممتحین | یہ جامعہ اردو کی خوش قسمتی ہے کہ یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں کے ۔۔۔ مقتدر اہل علم جو مختلف امتحانات کے ممتحن رہتے ہیں اور علمی و ادبی حلقوں میں امتیازی حیثیتوں کے مالک ہیں۔ اس لسانی خدمت ۔۔۔ جامعہ سے تعاون کر کے ممتحن بننے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں۔ یہ ان ہی حضرات کی توجہ تھی کہ جامعہ اردو ۔۔۔ ہو سکا کہ جامعہ کے امتحانوں کا معیار بلند رکھا جا سکے۔

حسابات | جامعہ کے آئین کی رو سے رجسٹرڈ آڈیٹر ہر سال کے اختتام پر جامعہ کے حسابات کی جانچ کرتے ہیں۔ جامعہ کے محاسب نے حسابات کی جانچ کے بعد حسابات کو قابل اطمینان اور درست پایا۔ جامعہ اردو کی اس تمام اسکیم کے سلسلہ میں چندہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ کل اخراجات فیسوں کی آمدنی سے پورے کئے جاتے ہیں اور یہ بات قابل اطمینان ہے کہ فیس بہت کم مقرر کئے جانے پر بھی جامعہ کے ضروری اخراجات کو کفایت کرتی ہے۔

طالبات | جامعہ اردو کے امتحانات طالبات میں بھی کافی مقبول ہیں اور ان کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ۱۹۳۵ء میں طالبات کی تعداد صرف ۷ تھی۔ ۱۹۴۱ء میں ۲۱ ہوگئی۔ ۱۹۵۰ء میں ۲۶۲، ۱۹۵۳ء میں ۳۸۱ اور ۱۹۵۴ء میں ۷۹۷ طالبات مختلف امتحانات میں شریک ہوئیں۔ امید ہے کہ ۱۹۵۵ء میں یہ تعداد بارہ تیرہ سو ہو جائے گی۔
۱۹۵۳ء کے شائع شدہ نتائج پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے بعض شہروں میں طالبات کی تعداد طلبہ سے زیادہ ہے مثال کے طور پر "ادیب" کا نتیجہ ملاحظہ ہو۔

نام شہر	طلبہ	طالبات	کل
آگرہ	۱	[illegible]	۶
بدایوں	۲	۳	۵
بھوپال	۶	۹	۱۵
جے پور	۲	۱۱	۱۳
چاندپور	۸	۱۰	۱۸
سیوہارہ	۲	۶	۸
علی گڑھ	۶	۲۶	۳۲
کانپور	۴	۱۳	۱۷

جامعہ اُردوٗ کے امتحانات اور مسلم یونی ورسٹی اسناد

جامعہ اُردوٗ کے امتحانات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طلبہ اور طالبات صرف انگریزی کے پرچے میں امتحان دے کر میٹرک، انٹرمیڈیٹ اور بی اے پاس کر سکتی ہیں اس کے بعد ایم اے اور پی ایچ ڈی میں داخلہ لے سکتی ہیں اس کے متعلق رجسٹرار صاحب جامعہ اُردوٗ علی گڑھ اطلاع دیتے ہیں۔
ادیب پاس کرنے کے بعد ہائی اسکول کا امتحان صرف انگریزی میں دیا جا سکتا ہے۔
ادیب ماہر و ادیب کامل صرف انگریزی یا پورے مضامین میں ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد صرف انگریزی میں انٹرمیڈیٹ

کا امتحان دیا جا سکتا ہے۔

(۳) ادیب کامل اور صرف انگریزی یا پورے مضامین میں انٹرمیڈیٹ پاس کرنے کے بعد صرف انگریزی میں بی اے کا امتحان دیا جا سکتا ہے۔

(۴) ادیب کامل اور صرف انگریزی میں بی اے پاس کرنے کے بعد ایم اے پریویس اور فائنل دو سال میں یہ مضمون انگریزی، اردو، فارسی یا ہندی کیا جا سکتا ہے۔

مسلم یونی ورسٹی کے امتحانات میں صرف انگریزی میں شرکت کرنے کے لئے حسب ذیل فیس مقرر کی گئی ہے۔ (۱) ہائی اسکول پانچ روپیہ (۲) انٹرمیڈیٹ پانچ روپیہ (۳) بی اے دس روپیہ۔ فیس امتحان کے علاوہ ایک بار انرولمنٹ فیس مبلغ پانچ روپیہ لی جاتی ہے۔ رجسٹریشن فیس مبلغ تین روپئے بھنئے امتحان پر چارج کی جاتی ہے۔

جو طلبہ نومبر کے امتحانات جامعہ میں شرکت کرتے ہیں وہ اپنے یونی ورسٹی فارم اور فیس ۱۵ر نومبر تک بنام رجسٹرار مسلم یونی ورسٹی کو بھیج سکتے ہیں ایسے تمام فارم مشروط طریقہ پر قبول کر لئے جاتے ہیں اور جامعہ اُردو کے نتائج شائع ہونے پر کامیاب امیدوار یونی ورسٹی امتحانات میں شرکت کر سکتے ہیں۔

مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ کے علاوہ اجمیر بورڈ آف ہائر سکینڈری ایجوکیشن نے بھی جامعہ اردو کے امتحانات کو تسلیم کر لیا ہے اور طلبہ و طالبات ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ اجمیر سے پاس کر سکتی ہیں۔

بمبئی سنٹر کا قیام

جناب سید جمیل الدین صاحب کے پیہم اصرار اور جناب مولوی فضل اللہ صاحب فاروقی لائبریرین انجمن اسلام اُردو ریسیرچ انسٹی ٹیوٹ کی مسلسل کوششوں سے جناب ڈاکٹر سید عبدالعلیم صاحب نامی سندیلوی (ایم اے۔ بی ٹی۔ پی ایچ ڈی و ریسیرچ اسکالر برائے ڈی لٹ کیمبرج یونی ورسٹی) نے جامعہ اُردو کا بمبئی سنٹر ۲ر اگست ۱۹۵۳ء کو قائم کیا چونکہ فیس بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۵ر اگست تھی اور ۵ر اگست کو فارم موصول ہوئے تھے اس لئے یہ سمجھا گیا کہ اگر دس دن میں دس طالب علم مل جائیں تو دستور جامعہ کی اٹھارہویں شرط پوری ہو جائے گی اور بمبئی سنٹر قائم ہو جائے گا لیکن مسلسل بارش کے باوجود جس نے گذشتہ سو سال کا ریکارڈ توڑ دیا پہلے ہی سال میں ۷۵ (+ ۹ = ۶۶) طلبہ اور طالبات کا ایک گروپ جس میں ۱۱ برس کے طالب علم سے لے کر ۴۶ برس کے طالب علم تک اور ۳۰ روپیہ ماہوار کمانے والے سے ۱۱۸۵ روپیہ ماہوار کمانے والے شامل تھے، برائے امتحان ۱۹۵۴ء پیش کر دیا گیا۔

سنٹر قائم ہوتے ہی پرنسپل ضیاء الدین صاحب کی اجازت سے انجمن اسلام ہائی اسکول میں "ادیب" کی کلاسیں قائم کر دی گئیں جس میں ڈاکٹر نامی، سید جمیل الدین صاحب اور مولانا فاروقی صاحب ۶-۷ تک درس دیتے رہے۔ اس کے علاوہ

ڈاکٹر نامی اپنے مکان پر صبح و شام ۸ سے ۱۰ تک ادیب ماہر اور ادیب کامل کے طلباء کی دستگیری کرتے رہے۔

"گشتی کتب خانہ" کا کام سید جمیل الدین صاحب کے سپرد کیا گیا۔ جسے اپنی انتہائی مصروفیتوں کے باوجود انھوں نے بحسن و خوبی انجام دیا۔ ہر نصاب کے ۲۔۲ ، ۳۔۳ سیٹ منگوائے اور ۶۔۷، ۸۔۸ گھنٹے طلباء کی اعانت کرتے رہے بمبئی سنٹر کو جو کامیابی نصیب ہوئی اس میں سید جمیل الدین صاحب کی خدمات کو دخل ہے۔

جب ڈاکٹر نامی نے یہ محسوس کیا کہ اس کام کو شہر بمبئی میں کامیابی کے ساتھ انجام دینے کیلئے ایک با اثر مخلص اور درد مند شخصیت کی سرپرستی کی ضرورت ہے، تو ان کی نگاہ عالی جناب حاجی حسن علی پی ابراہیم صاحب کی ذاتِ گرامی کی طرف گئی۔ اور بمبئی سنٹر کی خوش قسمتی کہ جناب حاجی صاحب موصوف نے اس اسکیم کو پسند فرمایا۔ آپنے تجویز کیا کہ اس مفید کام کو با قاعدگی کے ساتھ جاری رکھنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔ چنانچہ آپ کی ایماء پر شہر بمبئی کے چند علم دوست حضرات کے نام ایک گشتی مراسلہ بھیجا گیا اور ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں ڈاکٹر نامی نے اس تعلیمی اسکیم پر اور بمبئی سنٹر کی کارگذاری پر روشنی ڈالی۔ اور خصوصیت کے ساتھ عالی جناب حاجی حسن علی صاحب کی ہمت افزائی کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے مالی اعتبار سے بھی بمبئی سنٹر کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں وقتاً فوقتاً امداد بہم پہنچائی اس جلسہ میں حسب ذیل اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی کا تقرر ہوا۔

صدر:۔ جناب حاجی حسن علی پی ابراہیم صاحب ۔ پرنسپل و سکریٹری:۔ ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نامی

خازن:۔ جناب محمد عمر کوکل صاحب ۔ نائب سکریٹری:۔ جناب محمد سعید رضوانی صاحب

اراکین کمیٹی:۔ (۱) مسز خدیجہ شفیع طیب جی صاحبہ (۲) جناب سید شہاب الدین دسنوی صاحب (۳) جناب عبدالقادر حافظکا صاحب (۴) جناب اے۔ یو لوٹا والا صاحب (۵) جناب محمد محسن بھائی جی صاحب (۶) جناب ہاشم پریم جی صاحب (۷) جناب کے۔ اے۔ پٹھان صاحب (۸) جناب آدم عادل صاحب (۹) جناب ذاکر حسین فاروقی صاحب (۱۰) جناب طیب بھائی نعمان بھائی دیوان جی صاحب ایڈوکیٹ (۱۱) جناب محمد ابراہیم فطرت صاحب۔

کمیٹی نے امتحانات ۱۹۵۱ء کی نگرانی کے لئے جو امتحانی بورڈ مقرر کیا تھا وہ مندرجۂ ذیل حضرات پر مشتمل تھا۔

(۱) جناب محمد عمر کوکل صاحب (۲) جناب آدم عادل صاحب (۳) جناب کے اے پٹھان صاحب (۴) جناب ذاکر حسین فاروقی صاحب

دستور کے مطابق جو شخص سنٹر کو دو سو پچاس روپئے عطا کرے وہ سنٹر کا سرپرست سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ حاجی صاحب موصوف نے سب سے پہلے سنٹر کو یہ رقم ادا کی۔ نہ صرف یہ بلکہ جب امتحان کیلئے فارم علی گڈھ جا رہے تھے، اور بعض نادار طلباء اپنی فیس ادا کرنے سے مجبور تھے، حاجی صاحب نے ایسے گیارہ طلباء کی فیس مبلغ اٹھاسی روپئے ادا کی۔

طلباء کی تعلیمی دشواریوں کے پیش نظر ڈاکٹر نامی نے یہ بھی طے کیا ہے کہ وہ "درس" ماہنامہ علی گڈھ کے اصول پر بمبئی سے ایک ماہنامہ بنام "ادیب" شائع کریں

طلباء بمبئی سنٹر کی ہمت افزائی کے لئے کمیٹی کا خیال ہے جو طالب علم اپنے درجہ میں اول آئے اس کو بطور انعام کچھ

+ رقم دی جائے۔ یہ بھی خیال ہے کہ انعامات کے علاوہ تقریباً دس نادار طلباء اور بیس طالبات کی فیس ہر سال سنٹر کی

جامعہ اسلامیہ ڈھابیل (سورت)

اور مجلس علمی سیملک

جامعہ اسلامیہ ڈھابیل ضلع سورت اور مجلس علمی سیملک ضلع سورت ہندستان کے دو ایسے دینی اوارے ہیں جن کا تذکرہ نہ آنا بہت ہی نامناسب ہے ہم نے جامعہ اسلامیہ کے موجودہ ارباب حل وعقد کو بار بار لکھا مگر افسوس کہ ہمیں اس بارے میں کوئی معلومات نہیں پہنچائی گئیں لہذا ہم اپنے طور پر اس کا مختصر تعارف کرا دیتے ہیں۔

قاضی اطہر مبارک پوری

شعبان ۱۳۲۶ھ میں ڈھابیل ضلع سورت (گجرات) میں چند مخلصوں نے مدرسہ تعلیم الدین کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی جو ۱۳۴۵ھ تک ایک علاقائی مکتب کی حیثیت سے کام کرتی رہی۔ اس مکتب کے قیام میں مولانا محمد علی مرحوم نے بہت کوشش فرمائی۔ یہ زمانہ وہ تھا جبکہ مولانا محمد علی مہاراجہ گائیکواڑ (بڑودہ) کی طرف سے نوساری تعلقہ کے منتظم تھے جس میں ڈھابیل اور سیملک واقع ہیں مولانا نے مدرسہ کے لئے زمین حاصل کرنے میں بڑی کوشش فرمائی تھی اس واقعہ کو مجھ سے نوساری کے ایک معمر عالم نے ۱۹۴۹ء میں بیان دیا جو یہاں ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں اور انھوں نے نوساری میں زندگی گذاری ہے بسنہ ۱۳۴۵ھ کے بعد یہ مکتب ہندستان میں اسلامی علوم و فنون کی ایک بڑی یونیورسٹی بن گیا جبکہ حضرات اساتذہ دیوبند میں سے حضرت مولانا شاہ محمد انور صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسے یکتائے دوراں اور فاضل روزگار اور شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی صاحب فتح الملہم رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث و فقیہہ اور متکلم اسلام نے اس درسگاہ کو اپنے وجود سے فیض بخشا اور یہاں پر علم و فضل کی بساط بچھائی اس کے بعد مدرسہ تعلیم الدین کا نام "جامعہ اسلامیہ" رکھا گیا اور اس کے شایان شان کتب خانہ، درسگاہیں، مسجد، دار الاقامہ اور دار الاساتذہ کی عمارتیں بنائی گئیں۔ اس کا کتب خانہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہندستان کے معدودے چند کتب خانوں میں سے ایک ہے اس درسگاہ میں بڑے بڑے فضلائے زمانہ اور علمائے وقت نے تعلیم دی ہے اور دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ کے طلبا نے یہاں سے علم دین حاصل کیا۔ مگر افسوس یہ عظیم الشان یونیورسٹی باوجود مالی فراوانی کے اس شان پر باقی نہ رہ سکی۔ معلوم ہوا ہے کہ اس نظام کے ماتحت اسکی نشاۃ ثانیہ ہونے والی ہے خدا کرے ایسا ہی ہو۔

راقم الحروف نے بھی کچھ دنوں اس درسگاہ میں استاذ الادب والتاریخ کی حیثیت سے کام کیا ہے۔

مجلس علمی سیملک } ڈھابیل سے متصل سیملک کی آبادی ہے یہاں سے جامعہ اسلامیہ سے متعلق چند ارباب علم و فضل نے ایک ادارہ بنام "مجلس علمی" قائم کیا تھا جس نے تھوڑے سے عرصہ میں متقدمین و متاخرین

باقی ص ۴۹۱ پر

انگریزی عہد کا ایک دینی مدرسہ
مدرسۂ عالیہ کلکتہ ۱۷۸۰ء سے ۱۹۵۷ء تک

از مولانا محبوب الرحمان صاحب۔ فاضل ازہر یونیورسٹی قاہرہ عربی لیکچرار مدرسۂ عالیہ کلکتہ :

ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد کے ایک مشہور و معروف گورنر جنرل لارڈ ہسٹینگس نے اپنے ملک و قوم کے اقتدار کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کیلئے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ تاریخ ہند میں اس کا عہد اپنی نمایاں خصوصیتوں کے ساتھ ایک مستقل باب کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے اس کے عہد تک مسلمانوں میں تعلیم کے پرانے طریقے رائج تھے حکومت مغلیہ کی طرف سے علماء اور معلمین کی سرپرستی کی جاتی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط کے بعد ظاہر ہے کہ فرنگیوں کو اسلامی تعلیم سے کیا دلچسپی ہوتی جبکہ مسلمانوں ہی کو وہ اپنا حقیقی دشمن تصور کرتے تھے ۔

لارڈ ہسٹینگس کے عہد میں کلکتہ کے مسلمانوں نے مولانا مجد الدین صاحب عرف مولوی مدن کی موجودگی سے فائدہ اٹھانے کے لئے گورنر موصوف کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی کہ مسلمانان کلکتہ کے بچوں کے لئے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے۔ اسوقت کے طور و طریق کے مطابق قوم کی نظریں سب سے پہلے حکومت ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ شاید اس لئے کہ کمپنی سے پہلے حکومت ہی علماء اور مدارس کی سرپرست تھی یا یہ کہ جو کام حکومت انجام دیگی اس کام کو استقلال اور پائداری نصیب ہو سکے گی یا پھر قوم کو یہ خیال ہوگا کہ تعلیمی تحریک کہیں کمپنی بہادر کی نظروں میں بغاوت کے رنگ میں نہ پیش ہو جائے۔ بہرحال وجہ کچھ بھی ہو مسلمانان کلکتہ کا ایک گروہ لارڈ ہسٹینگس سے اسی مقصد کیلئے پیش ہوا جس کا تذکرہ خود بانیٔ مدرسہ لارڈ ہسٹینگس نے بورڈ آف ریونیو کی کارگذاری مورخہ ۱۷ اپریل ۱۷۸۱ء میں قلمبند کیا ہے :-

"ستمبر ۱۷۸۰ء میں چند مسلمان اکابرین اور اہل قلم حضرات ایک وفد کی شکل میں میرے پاس آئے اور ایک عرضی پیش کی جس میں درخواست کی گئی تھی کہ ایک تعلیمی ادارہ کے قیام کے لئے میں مولانا مجدالدین نامی ایک شخص کو جو حال ہی میں وارد صوبہ ہوئے تھے اس پر آمادہ کروں کہ وہ یہاں رہ کر نوجوان طالب علموں کو قوانین اسلامی و دیگر علوم جو مسلم اداروں میں سکھائے جاتے تھے سکھائیں اور یہ کہ مولانا موصوف کی شخصیت علمی اعتبار سے عدیم المثال ہے۔ اراکین وفد نے اس پر زور دیا کہ مدرسہ یا کالج کے قیام کے لئے یہ ایک نہایت مناسب موقع ہے اور مولانا مجدالدین جیسے لائق و فائق بزرگ اس کی تشکیل اور صحیح رہنمائی کیلئے نہایت موزوں ثابت ہونگے"

وارن ہیسٹنگس کے سامنے وفد نے یہ بات بھی واضح کی کہ آئندہ چل کر حکومت کی مشینری کے لئے مدرسہ کے فارغین بہت کارآمد ثابت ہوں گے اور حکومت کی زیر نگرانی تعلیم وتربیت کی بنا پر قابل اعتماد بھی ہوں گے۔ خود وارن ہیسٹنگس ملکی حالات کا جائزہ لینے کے بعد اسی غور وفکر میں مبتلا تھا کہ ایک غیر قوم کو قابو میں لانے کے لئے جب تک خود اسی قوم کے افراد تعاون نہ کریں گے حکومت کا کام نہیں چل سکے گا۔ خصوصاً مسلم قوم جو اسوقت حاکم گروہ سے تعلق رکھتی تھی اس کی مدد اور تعاون کی بہت زیادہ ضرورت تھی چنانچہ مولانا مجد الدین صاحب کو طلب کیا گیا اور مجوزہ عہدہ پیش کیا گیا۔ مدرسہ کی ابتداء اوائل اکتوبر ۱۷۸۰ء سے ہوئی۔ اس وقت مدرسہ کے کل مصارف یعنی ۶۲۵ روپے خود ہی پورے کرنے کا وعدہ کیا۔ اور چھ سات مہینے تک خود لارڈ موصوف ان اخراجات کو برداشت کرتے رہے۔ اس تھوڑے سے عرصہ میں مولانا مجد الدین صاحب کی سرگرمیوں اور پرخلوص کوششوں سے مدرسہ کو کافی کامیابی اور شہرت حاصل ہوگئی تھی جس کے پیش نظر ہیسٹنگس نے ۱۸ اپریل ۱۷۸۱ء کو مدرسہ کا معاملہ بورڈ آف ریونیو کے سامنے پیش کیا اور ساتھ ہی شہر کے علاقہ پدو پکھر میں ایک قطعہ زمین خرید کر ہندوستانی طرز تعمیر کی مربع عمارت کی بنیاد ڈالی اور بورڈ سے خواہش ظاہر کی کہ جس ادارہ کو اب تک وہ خود اپنے ذاتی خرچ سے چلا رہے ہیں اسے براہ راست حکومت اپنی نگرانی میں لیکر مذکورہ قطعہ زمین پر ۱۵ ہزار کے خرچ سے ایک عمارت بنوائے۔ بورڈ نے ان تمام باتوں کو منظور کرتے ہوئے اپنی سفارشات کے ساتھ کورٹ آف ڈائرکٹرس کے سپرد کردیا اور اپریل ۱۷۸۲ء سے پہلے مدرسہ کے لئے حکومت کے خزانہ سے کوئی رقم منظور نہ ہوسکی وجہ سے ہیسٹنگس خود مدرسہ کے تمام مصارف پورے کرتے رہے۔ منظوری میں تاخیر ہیسٹنگس کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہوئی تھی اس مدت میں لارڈ ہیسٹنگس بنارس گئے ہوئے تھے۔

اپریل ۱۷۸۲ء میں ہیسٹنگس نے مدرسہ کے مصارف کی تفصیل کرتے ہوئے پندرہ ہزار روپے مدرسہ کے اخراجات کے لئے اور ۱۵ ہزار روپے زمین کے لئے سرکاری خزانہ سے حاصل کرنے کے ساتھ ہی ساتھ بورڈ نے مدرسہ کی بقاء وتحفظ کے لئے مدرسہ محال کی آمدنی سے مزید بارہ سو روپیہ ماہانہ دینا منظور کیا۔

شروع میں مدرسہ میں پرانے طرز پر عربی فارسی کی تعلیم ہوتی تھی اور مولانا مجد الدین صاحب کے بعد دوسرے علماء کرام اور بزرگان دین مدرسہ میں تعلیم کے لئے مقرر ہوتے رہے۔ انتظام کے لئے فوج کے اعلیٰ افسر جو عربی، فارسی میں مہارت رکھتے تھے مدرسہ کے پرنسپل مقرر ہوتے رہے۔ مدرسہ سے جو طالب علم فارغ ہوتے تھے ان کو منصفی وقاضی عدالت یعنی ڈپٹی مجسٹریٹ کا عہدہ ملتا تھا۔ اُس وقت چونکہ تمام عدالتی کارروائی فارسی میں ہوتی تھی اور ہندو بھی فارسی میں کافی مہارت رکھتے تھے اس لئے مدرسہ کے فارغین کے سامنے معاش کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔

کلکتہ کی آبادی ابتداء میں اس جانب زائد تھی اس لئے مدرسہ کی قدیم عمارت اسی علاقہ میں قائم کی گئی۔ آبادی بڑھنے کی وجہ سے شہر کی صفائی کا خاطر خواہ انتظام نہیں تھا جس سے آب وہوا خراب ہوتی چلی گئی جو دماغی کام کرنے والوں اور طالبعلموں کے لئے خاص طور پر انتہائی مضر ثابت ہوئی۔ دوسری طرف انگریزوں کے صاف ستھرے مکانات اور کوارٹرز کی تعمیرات کا سلسلہ

دکھن کی جانب بڑھ رہا تھا اس لئے بھی مدرسہ کو کھلی جگہ میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی۔

جون ۱۸۲۳ء میں کلکتہ سنسکرت کالج کے طرز پہ مدرسہ کی عمارت بنوانے کا منصوبہ تیار کیا گیا اس کام کے لئے ایک لاکھ چالیس ہزار روپے زمین کی خریداری اور نئے مدرسہ کی تعمیر کیلئے منظور کئے گئے۔ آج جس جگہ مدرسہ ہے اس قطعہ زمین کا انتخاب کیا گیا اس عمارت کا سنگ بنیاد ضروری تکلفات کے ساتھ ۱۵ رجولائی ۱۸۲۴ء کو رکھا گیا اور ۱۸۲۷ء میں جبکہ مدرسہ کی عمارت مکمل ہوگئی تو مدرسہ کو باقاعدہ اس نئی عمارت میں منتقل کیا گیا۔

۱۸۳۵ء تک مدرسہ نے حکومت وقت کی بہت کافی مدد کی اور سرکاری ملازمین کی تعداد میں مدرسہ کے فارغین ہی زیادہ تر نظر آتے تھے اگر مدرسہ کا مقصد صرف معاش حاصل کرلینا ہی مان لیا جائے تو اس پچپن سالہ زندگی میں مدرسہ اپنے مقاصد میں انتہائی کامیاب رہا اور چونکہ مدرسہ کے فارغین کی تعداد حکومت کے محکموں میں زیادہ تھی اس لئے مدرسہ کا مفاد بھی محفوظ رہا اور مدرسہ کو بھی ہر قسم کی زائد سے زائد امداد اور سرپرستی ملتی رہیں اور عوام کا رجحان بھی معاش کی کفالت کی وجہ سے مدرسہ کی طرف بڑھتا رہا۔

مذکورہ بالا مدت میں مدرسہ کا تعلیمی نظام پرانے طرز کا تھا اور صرف عربی، فارسی علوم اور دینیات کی تعلیم تک محدود تھا دینیات میں بھی وہ حصہ جو مسلمانوں کو جہاد کیلئے ابھار سکے خارج نصاب تھا۔ اس کے بعد حکومت وقت نے مناسب سمجھا کہ مدرسہ میں علوم عربیہ کے ساتھ انگریزی کو بھی شامل کیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ تھا کہ مدرسہ کو دو شعبوں پر مشتمل کیا گیا ابتک جو کچھ کام ہو رہا تھا اس کا نام شعبۂ عربی ہوگیا اور ایک اور شعبہ کا اضافہ کیا گیا جس کو اینگلو پرشین ڈیپارٹمنٹ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ موخر الذکر شعبہ میں ہائی اسکول کی تعلیم جاری کی گئی اور اس کی ابتدا ۱۸۵۷ء میں ہوئی۔ یہ شعبہ اپنے نظام تعلیم کے اعتبار سے کلکتہ یونیورسٹی سے تعلق رکھتا تھا لیکن انتظامی امور میں اس کا تعلق کلکتہ مدرسہ ہی سے تھا۔ اس وقت طالب علموں کو جو وظائف استحقاق ملتے تھے ان میں شعبۂ انگریزی کا کوئی حصہ نہیں تھا بلکہ تمام وظائف صرف شعبۂ عربی کے طالب علموں کے لئے خاص تھے۔ یہاں تک کہ ۱۸۶۸ء میں مدرسہ کمیٹی نے بعض وظائف شعبہ انگریزی کے طالب علموں کو بھی دیئے جو شعبۂ عربی کے طالب علموں سے کم کر دیئے گئے تھے۔

۱۸۶۴ء میں پرنسپل مدرسہ کرنل لیس صاحب نے گورنر جنرل لارڈ لارنس کو مدرسہ میں لاکر اس وقت کے اعتبار سے بہت بلند اعزاز بخشا اور اس طرح کرنل لیس صاحب نے حکومت اور عوام کی نظروں میں اپنا مقام مضبوط کرتے ہوئے مدرسہ کے نصاب میں کافی تبدیلی کی۔ بعض کتابوں کو جو مفید تھیں نصاب سے خارج کیا جن کو دوبارہ ۱۸۷۱ء میں ایک کمیٹی کی سفارش پر داخل نصاب کیا گیا۔ اس کمیٹی کو لفٹننٹ گورنر کیمبل کی سرپرستی حاصل تھی اور اس کو تعلیمی نظام کی اصلاح کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

اب تک تمام مدارس عربیہ کی طرح کلکتہ مدرسہ کے شعبۂ عربی میں جمعہ کے دن چھٹی ہوتی تھی اور اتوار کے دن تعلیم جاری رہتی تھی لیکن شعبہ انگریزی کا تعلق چونکہ کلکتہ یونیورسٹی سے تھا اس لئے اس شعبہ میں اتوار کو چھٹی ہوتی تھی۔ مذکورہ

بالاکمیٹی نے جنوری ۱۸۷۲ء سے اس چھٹی کے نظام میں تبدیلی کردی اور دونوں شعبوں میں یکسانیت کا خیال کرتے ہوئے شعبہ عربی میں بھی اتوار کو چھٹی ہونے لگی اور جمعہ کے دن تعلیم کے اوقات صبح سے قبل جمعہ تک ترتیب دیئے گئے۔

اس اصلاحی کمیٹی نے حکومت وقت کا لحاظ کرتے ہوئے مدرسہ میں انگریزی کی تعلیم لازم قرار دیدی اور صوبہ کی مادری زبان بنگلہ کو بھی ایک لازمی مضون کے طور پر داخل نصاب کیا جس کے بعد مدرسہ میں دو مدرس انگریزی پڑھانے کے لئے اور ایک پنڈت بنگلہ کی تعلیم کے لئے مقرر کیے گئے۔ انگریزی کا روزانہ ایک گھنٹہ اور بنگلہ کے لئے تین گھنٹے ہفتہ وار مقرر ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مدرسہ میں غیر مسلم مدرس تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ اس اقدام کے طور پر چار سو طالب علموں میں سے تقریباً تین چوتھائی طالب علم مدرسہ چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے اور طالب علموں نے لفٹننٹ گورنر کیمبل صاحب اور ڈائرکٹر تعلیمات کے پاس درخواست پیش کی کہ مدرسہ سے انگریزی تعلیم کو ختم کر دیا جائے تاکہ مدرسہ صرف علوم عربیہ ہی کیلئے خاص رہے۔ ڈائرکٹر تعلیمات نے معاملہ کی تحقیق کی اور مدرسہ کا معائنہ بھی کیا اس کے بعد لفٹننٹ گورنر خود بھی معائنہ کے لئے آئے اور بالآخر کیمبل صاحب نے حکم دیا کہ مدرسہ سے انگریزی تعلیم بجائے لازمی کے اختیارات کردی جائے۔ چنانچہ طالب علموں نے مدرسہ میں دوبارہ داخلہ لینا شروع کر دیا اور جلد ہی مدرسہ میں طلبہ کی تعداد سابق حد تک پہونچ گئی۔

اس واقعہ نے مدرسہ سے انگریزی تعلیم کا لازمی ہونا تو ختم کر دیا صرف انگریزی تعلیم ایک اختیاری مضون کی حیثیت سے جاری رہی۔ حکومت انگلشیہ اس سے زائد اور کر بھی کیا سکتی تھی لیکن اس واقعہ نے انگریزوں کو اسلامی علوم کے ساتھ اپنی زبان کی تعلیم شامل کرنے کا ایک دوسرا منصوبہ تیار کرنے کے لئے غور کرنے پر مجبور کر دیا کہ بجائے ایک لازمی مضون کے اس کو اختیاری رکھا جائے اور اس کے لئے اتنے مالی وظائف رکھے جائیں کہ لالچ میں طالب علم خود ہی اس مضون کو اختیار کریں ساتھ ہی مدرسہ کی سند فراغت میں نمایاں طور پر اس کا ذکر کیا جائے کہ طالب علم نے انگریزی مضون کے ساتھ امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے پھر ایسے طالب علموں کو جنھوں نے انگریزی میں امتحان دیا ہو ان کو مختلف ملازمتوں میں ترجیح بھی دی جاتی تھی۔ انھی مراعات کی وجہ سے مدرسہ میں انگریزی کی تعلیم جاری رہ سکی اور وہ بھی بہت ہی محدود تعداد میں یعنی جتنے وظائف ہوتے تھے اسی کے لگ بھگ تعداد میں انگریزی پڑھنے والے طالب علم رہتے تھے۔

مذکورہ بالا حادثہ کے بعد ۱۸۷۲ء میں جب لفٹننٹ گورنر کیمبل صاحب مدرسہ کے معائنہ کے لئے آئے تھے تو انھوں نے پرنسپل مسٹر مٹکلف اور ہیڈ ماسٹر بلاحسین کے مشورہ سے مدرسہ میں ورزشی کھیل کود جاری کئے اور اس ضرورت کیلئے مدرسہ کا درمیانی صحن استعمال میں لایا گیا۔ ان کھیلوں میں شروع میں عربی کے طالب علموں نے کم حصہ لیا پھر رفتہ رفتہ ان کی شرکت بڑھنے لگی۔

کیمبل صاحب کو مسلمانوں سے کچھ خاص تعلق تھا خصوصاً مدرسہ کے معاملات میں دلچسپی لیتے ہوئے انھوں نے مدرسہ کے فارغین کے لئے کچھ راہیں نکالیں۔ اس سلسلہ میں مولوی عبداللہ صاحب سابق مدرس دوم مدرسہ محسنیہ ڈھاکہ اپنی تالیف "تواریخ کلکتہ" میں رقمطراز ہیں۔

لفٹننٹ گورنر کیمبل صاحب نے مسلمانوں کی ابتری اور خراب حالت دیکھ کر اور مسلمانوں پر مہربانی کر کے سنہ ۱۸۶۱ء کے بعد عہدہ سب رجسٹراری نکالا، اسمیں انگریزی اور غیر انگریزی داں سب مقرر ہو گئے۔

ایک دوسری جگہ اور تحریر فرماتے ہیں:۔

۔ خاص مسلمانوں کی نوکری کیلئے سب رجسٹری کا عہدہ نکالا تھا، پاس کی کچھ ضرورت نہ تھی سنہ ۱۸۷۲ء میں بہت سے مولوی اور تھوڑی انگریزی جاننے والے مسلمان لوگ عہدہ سب رجسٹری میں مقرر ہو گئے تھے۔

سنہ ۱۸۷۵ء میں لفٹننٹ گورنر صاحب کے مکان میں نکاح و طلاق، رجسٹری کرانے کا عہدہ قائم کرنے کیلئے جلسہ ہوا، مدرسہ کی سینئر جماعتوں کے مدرسین اور شہر کے دوسرے علماء اس جلسہ میں شریک ہوئے۔ پہلے یہ بات پیش ہوئی کہ گورنر صاحب اس عہدہ کو قائم کرنا چاہتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ یہ رجسٹری بالجبر ہو، تمام علمائے نے بالاتفاق کہا کہ بالجبر ہونے سے شریعت کے حکم کے خلاف ہوگا کیونکہ اگر کسی عورت سے ایک مرد نے بغیر رجسٹری نکاح کیا پھر اسی عورت نے دوسرے مرد سے رجسٹری کراتے ہوئے نکاح کیا تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ پہلا نکاح صحیح اور دوسرا باطل اور اگر رجسٹری بالجبر ہوگی تو اس کا حکم قانوناً برعکس ہو جائے گا یعنی دوسرا نکاح صحیح اور پہلا غیر معتبر۔ لہذا بالجبر کی شرط ختم کر دی گئی۔ دوسری بات یہ پیش ہوئی کہ صاحب عہدہ کو قاضی کا لقب دیا جائے جس کے جواب میں مدرسہ کے ہیڈ مولوی صاحب نے کہا کہ شریعت میں قاضی حاکم کو کہتے ہیں اور رجسٹری کرنے والا حاکم نہیں ہو سکتا لہذا اس عہدہ والے کا نام مسلم میرج رجسٹرار قرار پایا جو آج تک صوبہ میں جاری ہے۔

انگریزی دور حکومت میں معمول تھا کہ اگر کوئی انگریز فوت ہو جائے جس کی جائداد ہندوستان میں ہو تو اس کی جائداد کا دسواں حصہ خیراتی کاموں میں خرچ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ سر ڈیوڈ اینڈ کے انتقال کے بعد ان کی جائداد میں خیراتی حصہ ۵۶ لاکھ روپیہ تھا جس کو انگریز اپنی مشنریوں کے لئے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسوقت کے بعض ارباب اقتدار نے تمام رقم مشنریوں کو دینے کی مخالفت کی اور اس رقم کا چوتھائی حصہ یعنی ۱۴ لاکھ روپیہ تعلیمی امور میں صرف کرنے پر زور دیا یہ چودہ لاکھ روپے حاصل ہونے پر ایک بار پھر انگریزوں نے کوشش کی کہ یہ کل رقم یورپین اسکولوں اور کالجوں کو ملے لیکن اس رقم کو برابر کے تین حصوں میں اسطرح تقسیم کیا گیا کہ ایک حصہ یورپی تعلیم کیلئے دوسرا حصہ ہندو تعلیم کیلئے اور تیسرا اسلامی تعلیم پر خرچ کیا جائے۔ مسلم تعلیم کے لئے جو رقم خاص تھی اسمیں سے ڈھائی لاکھ روپیہ سے مدرسہ کے حدود میں مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال تعمیر کرایا گیا جو مدرسہ کی زمین پر مفاد عامہ کیلئے ایک پبلک ادارہ ہے اور مدرسہ کے عام جلسے اسی ہال میں منعقد کئے جاتے ہیں۔

کلکتہ مدرسہ وقتاً فوقتاً سرکاری تحقیقاتی کمیٹیوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے جو ضروری اصلاحات اور دیگر تبدیلیوں کے متعلق حکومت کے سامنے اپنی سفارشات پیش کرتی رہی ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۹ء میں جو تعلیمی نصاب مقرر کیا گیا تھا وہ اوائل سنہ ۱۹۲۶ء تک جاری رہا جس میں ٹائٹل کا موجودہ درجہ حدیث و تفسیر جاری کیا گیا تھا اور اس نصاب میں انگریزی کو اختیاری مضمون رکھا گیا تھا جس کے بالمقابل

دوسرا مضمون سینئر جماعتوں میں فارسی اور جونیئر جماعتوں میں بنگلہ تھا۔ انگریزی کا معیار آخری جماعت میں میٹرک کے مساوی تھا۔ انگریزی مضمون پڑھنے والے طالب علم کامیاب ہونے کے بعد کالج میں داخلہ لے سکتے تھے۔ یہ خصوصیت اس وقت صرف کلکتہ مدرسہ ہی کو حاصل تھی کہ یہاں کے فارغین علوم عربیہ کے ساتھ انگریزی میں بھی اتنی ہی مدت میں میٹرک پاس کر لیتے تھے اس کے بعد اس نظام کو ہندوستان کے بعض دوسرے مدارس نے بھی اختیار کیا ان میں تھوڑا سا فرق رہ گیا کہ دوسرے مدارس کے فارغین کو ایک سال میں میٹرک امتحان پاس کرنا ہوتا تھا جبکہ کلکتہ مدرسہ کے فارغین ایک سال بچا لیتے تھے۔ یہ فرق بھی اس لئے تھا کہ دوسرے مدارس نہ تو سرکاری تھے اور نہ گورنمنٹ سے ان کی سندیں منظور شدہ تھیں۔

۱۹۲۷ء میں بنگال کے وزیر تعلیم نے مدرسہ کے پرنسپل کے عہدہ پر بجائے کسی انگریز کے کسی قابل مسلمان کو مقرر کرنا چاہا جو انھیں صلاحیتوں کا حامل ہو۔ کلکتہ مدرسہ تاریخ میں ایک بدعت تھی جس کو کم از کم انگریز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن وزیر تعلیم کی معقول منطق کے سامنے کسی کی نہ چل سکی اور بالآخر سب سے پہلے مسلم پرنسپل شمس العلماء مولانا کمال الدین صاحب مقرر ہوئے اس تقرری کے سلسلہ میں ڈائرکٹر تعلیمات اور سکریٹری محکمہ تعلیم (جو کہ انگریز تھے) ملازمت سے برطرف ہو گئے ساتھ ہی آخری انگریز پرنسپل ہارلے نے جو بعد میں اسلامیہ کالج کے پرنسپل ہو گئے .... اسلامیہ ہاؤس کو مدرسہ سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی۔ اسلامیہ ہاؤس مدرسہ کے سامنے راستہ کے دوسری جانب ایک خوشنما بنگلہ کا نام ہے جو پرنسپل کلکتہ مدرسہ کی رہائش کے لئے خاص ہے۔ ہارلے کے بعد چونکہ مسلم پرنسپل بنگال کے مفز شہری ہوتے تھے جو اپنے ذاتی مکان میں رہتے تھے اور ان کو گورنمنٹ کی طرف سے کرایہ مکان کی مد میں ایک اچھی رقم ملتی تھی اس لئے بھی اسلامیہ ہاؤس ایک مدت تک پرنسپل اسلامیہ کالج کے قبضہ میں رہا یہاں تک کہ ۱۹۴۹ء میں مدرسہ کے دوبارہ اجراء کے سلسلہ میں موجودہ پرنسپل کلکتہ مدرسہ کو بجائے کرایہ مکان کے فری کوارٹر کے طور پر رہائش کے لئے دیا گیا۔

کلکتہ مدرسہ کا تعلق صرف شہر کلکتہ ہی سے نہیں تھا بلکہ پورے صوبہ بنگال میں اس سے ملحق مدرسوں اور مکتبوں کا جال بچھا ہوا تھا اور زیادہ تر عربی مدرسہ صوبہ کے مشرقی حصے میں تھے جن کے امتحانات کیلئے سنٹرل مدرسہ اگزامنیشن بورڈ مقرر تھا۔ اس بورڈ کا رجسٹرار کلکتہ مدرسہ کا پرنسپل ہوتا تھا جس کے ذریعہ تین پبلک امتحانات عالم، فاضل اور ٹائٹل ہوتے تھے۔ عالم کا امتحان آٹھ سال کی تعلیم کے بعد ہوتا تھا اور اس کے بعد دو دو سال کے وقفہ سے دوسرے دونوں امتحان بالترتیب ہوتے تھے۔

بنگال میں مسلم وزارت نے ۱۹۲۷ء کے قریب خاص طور پر مسلمانوں میں تعلیم بڑھانے کے لئے مدرسوں کے ذریعہ وقتاً فوقتاً کوششیں کیں اور عربی تعلیم کے ساتھ انگریزی کو رواج دینے کی جو کوششیں اب تک ناکام رہی تھیں ان کو ایک نئی اسکیم کے ماتحت بروئے کار لایا گیا جس کا نام ہی اب تک نیو اسکیم مشہور ہے۔ اس اسکیم کا خلاصہ یہ ہے کہ کلکتہ یونیورسٹی کے میٹرک امتحان کے مساوی ایک امتحان ہائی مدرسہ کے نام سے جاری کیا گیا جس میں جغرافیہ انگریزی، مادری زبان اور ریاضیات کا معیار ہائی اسکول کا ہے۔ تاریخ میں ایک حصہ تاریخ اسلام کا شامل کیا گیا اور اس کے ساتھ ہم پرچے عربی ادب اور دینیات کے رکھے گئے۔ جو طلبہ اس امتحان کو پاس کر لیتے ہیں ان کو کالج میں داخلہ کا حق ہے

اس کے بعد اسی نئی اسکیم میں اسلامک انٹرمیڈیٹ کا نصاب بھی بڑھایا گیا، اس کے نصاب میں بھی انگریزی کے ساتھ عربی ادب دینیات اور تاریخ اسلام کی تعلیم رکھی گئی تھی جس میں کامیابی کے بعد بی۔ اے میں داخلہ لیا جا سکتا تھا۔ بظاہر اس اسکیم کا مقصد یہ تھا کہ جو طلبہ عربی مدارس میں کسی وجہ سے تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں ان کو انگریزی ہائی اسکول کے مضامین کے ساتھ ہی ادب عربی اور دینیات کا کچھ حصہ پڑھا دیا جائے، ساتھ ہی یہ بھی کوشش کی گئی تھی کہ اگر مسلمانوں کا رجحان اس نصاب کی طرف زائد ہوا تو انگریزی اسکولوں کو جن کو مقبولیت حاصل ہے ختم کر دیا جائے۔ اور پورے صوبہ میں ہائی اسکولوں کی جگہ ہائی مدرسوں کو دیدی جائے۔

نیو اسکیم جاری ہونے کے بعد صوبہ میں مدارس کی دو قسمیں ہو گئیں۔ ایک عربی مدارس جن میں قدیم نصاب پڑھایا جاتا ان کو سینیر مدارس کہا جاتا تھا۔ دوسرے ہائی مدرسے جن میں نیو اسکیم کا نصاب جاری ہو گیا۔ ہائی مدرسوں کے امتحانات کے لئے ڈھاکہ میں بورڈ قائم تھا جو ہائی مدرسہ اور اسلامک انٹرمیڈیٹ کے امتحان ترتیب دیتا تھا جبکہ کلکتہ مدرسہ کا سنٹرل مدرسا اگزامنیشن بورڈ قدیم نصاب کے امتحانات کا منتظم تھا۔ قدیم نصاب کے مدرسے زیادہ تر صوبہ کے مشرقی حصے میں تھے اور ہائی مدرسوں کی تعداد زیادہ تر صوبہ کے مغربی حصے میں تھی۔ کلکتہ مدرسہ اور ملحقہ قدیم نصاب والے مدارس کی صحیح تعداد اعداد و شمار میں تو نہیں معلوم ہو سکی لیکن اس نصاب کے امتحان میں شریک ہونے والوں کی تعداد صرف عالم میں ایک ہزار سے زائد ہوتی تھی۔

قدیم نصاب میں ابتدائی تعلیم چھ سال کی تھی جس کو جونیر کہا جاتا ہے۔ اس مدت میں عربی ادب، صرف، نحو، فارسی، اردو بنگلہ یا انگریزی، ریاضی، منطق، تاریخ، جغرافیہ، تجوید اور فقہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس کے بعد دو سال درجہ عالم کے ہیں پھر درجہ فاضل کے دو سال ہیں جن کو سینیر کہا جاتا ہے اور اس مدت میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، عربی ادب، تاریخ اسلام، منطق، حکمت انگریزی یا فارسی اور اردو کی تعلیم ہوتی ہے۔ درجہ فاضل پاس کر لینے کے بعد دو گروہ ہو جاتے ہیں ایک صحاح ستہ، تفسیر اور تاریخ اسلام کی اعلیٰ تعلیم ہے اور اس کا امتحان ممتاز المحدثین کے نام سے دو سال میں ہوتا ہے، دوسرا گروہ فقہ اور اصول فقہ کا ہے جس کا امتحان ممتاز الفقہاء بھی دو سال کا ہے۔ آخر الذکر دونوں امتحانوں میں کوئی ایک بھی پاس کر لینے کے بعد دوسرا مساوی امتحان صرف ایک سال میں بھی دیا جا سکتا ہے۔

۱۹۴۷ء میں جبکہ مدرسہ اپنے شباب پر تھا صوبہ کی تقسیم ہو گئی اور کلکتہ مدرسہ کا شعبۂ عربی ڈھاکہ منتقل ہو گیا جس کی وجہ سے صوبہ کے مغربی حصہ کے مسلمانوں کا بہت بڑا تعلیمی نقصان ہوا۔ تمام ملحقہ مدارس اپنی جائے وقوع کے اعتبار سے تقسیم ہو گئے کلکتہ مدرسہ کا شعبۂ عربی تو ختم ہی ہو چکا تھا صرف دو سینیر مدرسے جن میں قدیم نصاب کی تعلیم ہوتی تھی ضلع ہوگلی اور ضلع چوبیس پرگنہ میں ہونے کی وجہ سے مغربی بنگال میں باقی رہ گئے۔ نیو اسکیم کے آٹھ ہائی مدرسے ضلع مرشد آباد، ہوگلی اور ۲۴ پرگنہ میں اور ایک اسلامک انٹر کالج ہوگلی میں جاری رہے۔ باقی تمام مدارس مشرقی پاکستان میں ہونے کی وجہ سے ڈھاکہ بورڈ سے ملحق ہو گئے۔ مغربی بنگال کے مدارس مشرقی پاکستان میں ہونے کی وجہ سے ڈھاکہ بورڈ سے ملحق ہو گئے۔ مغربی بنگال کے مدارس کے امتحانات کے لئے گورنمنٹ مغربی بنگال نے مدرسہ اگزامنیشن بورڈ قائم کیا جس کا مرکز ہوگلی محسن کالج تھا۔ اس بورڈ نے دو سال امتحانات کا انعقاد کیا جس کے بعد ہوگلی محسن کالج ختم ہو گیا اور اسکی

جگہ صرف ہوگلی ہائی مدرسہ رہ گیا۔ محسن کالج ختم ہونے سے مغربی بنگال میں اسلامک انٹر کی تعلیم اور امتحان بھی ختم ہوگیا۔

بہرحال ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو حکومت مغربی بنگال نے ذیل کا حکم جاری کیا:-

"سپریشن کونسل کے فیصلہ کے مطابق کلکتہ مدرسہ کے شعبۂ عربی کو اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم صوبہ کے ساتھ مشرقی پاکستان منتقل کردیا گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر حکومت سے درخواست کی گئی کہ وہ اسے دوبارہ جاری کرنے کے لئے ضروری اقدام کرے۔ حکومت کے پاس مسلمان رہنماؤں اور عالموں کی طرف سے اور بھی درخواستیں پہونچیں جن میں یہ کہا گیا تھا کہ ثقافتی اور تعلیمی اسباب کے پیش نظر کلکتہ مدرسہ کو دوبارہ کھول دینا چاہئے کیونکہ اس صوبہ کے مسلمان اس ادارہ کے مشرقی پاکستان منتقل ہوجانے کی وجہ سے اعلیٰ مذہبی تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہوگئے ہیں اور اس کا نصاب تعلیم وہی رکھا جائے جو تقسیم ملک سے پہلے رائج تھا"

یہاں پر یہ بات واضح کرنا حق شناسی ہے کہ "مسلم رہنماؤں اور عالموں" سے مراد جمعیۃ علماء ہند کے کارکن ہیں اور یہ کہ اس وقت صرف مدرسہ کو جلد از جلد دوبارہ جاری کرنے کے لئے تقسیم ملک سے پہلے کا نصاب جاری کرنے کی سفارش کی گئی تھی ورنہ حالات کی تبدیلی کا تقاضا تو یہی تھا کہ نئے ماحول اور نئے حالات میں ایک نیا نصاب تیار کیا جائے جو بدلے ہوئے حالات میں ملک اور قوم کے لئے مفید ہے۔ لیکن چونکہ نصاب کی تیاری اور اس کی منظوری کے کام میں کافی مدت کی ضرورت تھی اور مدرسہ کو جلد از جلد جاری کرنا تھا اس لئے نصاب کا معاملہ موخر کردیا گیا اور ۴ر اپریل ۱۹۴۹ء کو مدرسہ میں دوبارہ تعلیم جاری ہوگئی۔ مدرسہ کا شعبہ انگریزی اپنے نصاب تعلیم کی وجہ سے ہمیشہ کلکتہ یونیورسٹی سے ملحق رہا ہے اس لئے اس مدت میں بھی برابر جاری رہا۔ اور شعبۂ عربی کے چند مدرسوں نے پاکستان جانا پسند نہیں کیا ان کو شعبۂ انگریزی میں منتقل کردیا گیا تھا۔ اب شعبہ انگریزی کا تعلیمی نصاب سکنڈری ایجوکیشن بورڈ کا منظور کردہ ہے

مدرسہ کے دوبارہ جاری ہونیکے بعد مغربی بنگال مدرسہ اگزامینیشن بورڈ کی دوبارہ تشکیل عمل میں آئی اور اس کا نام مغربی بنگال مدرسہ ایجوکیشن بورڈ ہوگیا۔ نام کی تبدیلی اس بات کی طرف خود اشارہ کرتی ہے کہ سابق بورڈ صرف امتحانات کے انصرام کے لئے مقرر تھا اور نیا بورڈ امتحانات کے انتظام کے ساتھ صوبہ میں پھیلے ہوئے سینیئر اور ہائی مدرسوں کی دیکھ بھال اور مدرسہ ایجوکیشن (عربی تعلیم) کی تمام ذمہ داریاں بورڈ ہی پر ہیں۔

صوبہ کے اس بورڈ نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ مغربی بنگال میں عربی تعلیم کو نئے حالات میں نئے طرز سے جاری کرنیکے سلسلہ میں عربی طرز تعلیم کی خامیوں کو دور کرتے ہوئے عربی سندوں کو گورنمنٹ اور پبلک میں مقبول بنانے پر غور و خوض کیا۔ اور نصاب تعلیم کیلئے ایک سب کمیٹی مقرر کی جس نے مذکورہ مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک نئے نصاب کی سفارش کی جس کی بنیاد آزاد کمیٹی کا تیار کردہ نصاب تھا جو تقریباً اس سے چند ماہ قبل شائع کیا گیا تھا اور یہ نصاب حکومت یو، پی کی مقرر کردہ تعلیمی کمیٹی نے زیر صدارت وہدایت مولانا آزاد وزیر تعلیم حکومت ہند مرتب کیا تھا۔ بلکہ یہ واقعہ ہوگا اگر اعتراف کیا جائے کہ آزاد کمیٹی کا نصاب ہی رکھا گیا۔ صرف اسکو صوبہ بنگال کی ضروریات کے پیش نظر مادری زبان اور انگریزی میں بہتر بنانے کی کوشش کی گئی۔

ملک کے موجودہ حالات میں بنیادی تعلیم (بیسک ایجوکیشن) لازمی قرار دی جا چکی ہے جس کی مدت پانچ سال مقرر ہو رہی ہے اس کے بعد چھٹے سال سے آنا (نصاب) میں عربی فارسی شروع کی گئی۔ عربی کی ابتدائی تعلیم میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ عربی فارسی شروع کی گئی۔ عربی کی ابتدائی تعلیم میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ عربی کو فارسی کی مدد سے نہ پڑھایا جائے جیسا کہ اب تک درس نظامی میں ہوتا ہے۔ اور بنیادی تعلیم کے بعد پانچ سال میں ہائی مدرسہ کا امتحان رکھا گیا ہے جس کے لازمی مضامین دینیات، عربی ادب انگریزی، مادری زبان اور ریاضیات ہیں۔ ہائی مدرسہ کا امتحان پاس کر لینے کے بعد طالب علم کو حق ہے کہ وہ کالج میں داخل ہو کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرے یا دینی تعلیم ہی کو جاری رکھتے ہوئے مدرسہ کالج میں داخل ہو کر عالم و فاضل درجہ کے معیار میں بالترتیب انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے برابر (ہیں) کی تعلیم حاصل کرے اور ملازمتوں میں بھی کالج کے فارغین کے ساتھ دوش بدوش کام کر سکے۔ اس کے بعد درجات کامل کے تین شعبے کر دیئے گئے ہیں۔ کامل دینیات، کامل ادب، کامل تاریخ۔ کامل دینیات میں صحاح ستہ، تفسیر اور تاریخ اسلام، کامل ادب میں اعلیٰ عربی ادب قدیم وجدید، تاریخ ادب عربی اور تاریخ اسلام، کامل تاریخ میں تاریخ اسلام تاریخ ہند اور تاریخ یورپ کی تعلیم رکھی گئی ہے۔ کامل کی سند ہر حیثیت سے ایم۔ اے کی سند کے مساوی ہے۔ اس کے بعد سفارش کی گئی ہے کہ طالب علم کو علمی تحقیق کا بھی موقع دیا جائے اور اس مدت کے لئے ریسرچ اسکالرشپ بھی پیش نظر ہیں۔ یہ نصاب اگرچہ ابھی تک گورنمنٹ مغربی بنگال سے منظور نہیں ہو سکا لیکن جلد ہی منظوری کی امید ہے اور اپنی تفصیلات کے ساتھ سامنے آنے پر امید ہے کہ ہر طبقہ خیال کی طرف سے اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

کلکتہ مدرسہ کے بارے میں مضمون انتہائی نا تمام رہے گا اگر حاجی محسن صاحب کا ذکر نہ کیا گیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ حاجی محسن صاحب نہ صرف کلکتہ مدرسہ بلکہ مغربی بنگال میں مسلمانوں کی تعلیم کے بہت بڑے محسن ہیں اور ان پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے فی الحال وقت اور صفحات کی تنگی کے پیش نظر کسی دوسرے موقع کے لئے اسکو ملتوی کیا جاتا ہے۔ بہرحال حاجی محسن صاحب بنگال کے ایک معزز دولتمند شخص تھے جنہوں نے صوبہ بنگال میں مسلمانوں کی تعلیم کے لئے بہت بڑی جائداد وقف کی تھی۔ آج بھی اس صوبہ میں "محسن فنڈ" کے نام سے بہت سے وظائف مسلم طالب علموں کے لئے ہیں۔ یہ وظائف صرف عربی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے خاص نہیں بلکہ دوسرے شعبوں میں بھی "محسن فنڈ" کے وظائف مقرر ہیں۔ محسن فنڈ کی رقم کئی لاکھ سالانہ ہے۔ تقسیم صوبہ کا اثر اس فنڈ پر بھی پڑا اور اس کے املاک کا بعض حصہ مشرقی پاکستان میں واقع ہونے کی وجہ سے اسطرف منتقل ہو گیا۔ اس کے علاوہ ضلع ہوگلی میں محسن کالج تھا پہلے اس کالج میں اسلامک انٹر کی تعلیم تھی اب صرف انٹرمیڈیٹ کی تعلیم ہوتی ہے۔ کلکتہ شہر میں اس فنڈ کا ایک بورڈنگ ہاؤس بھی ہے۔

کلکتہ مدرسہ کے فارغین اور اساتذہ کی فہرست اگر مکمل طور پر لکھی جائے تو اس پونے دو سو سال کے عرصہ میں بہت بڑی تعداد ہو گی جس کی ایک مختصر سے مضمون میں گنجائش نہیں۔ بالخصوص ۱۹۴۹ء میں دوبارہ اجراء کے بعد سے جن لوگوں کا تعلق رہا ہے وہ اس عہد کے مشہور و معروف چیدہ اشخاص رہے ہیں بلکہ اس سے قبل بھی کلکتہ مدرسہ کو ہندوستان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص ملتے رہے ہیں شاید اس

دارالعرفان

ادارہ امتحانات قرآن و سیرۃ النبیؐ حیدرآباد

(محترم جناب محمد فصیح الدین صاحب ایم اے صدر ادارہ)

لال ٹیکری حیدرآباد دکن میں ایک ادارہ دارالعرفان کے نام سے قائم ہے جو اسلامی علوم کی ترویج اور اشاعت کے سلسلہ میں گوناگوں مساعی کا حامل ہے اس ادارہ کے پیش نظر یہ مسئلہ بطور خاص موجود ہے کہ ایسے طلباء کے لئے جو سرکاری مدارس میں تعلیم پاتے ہیں ایسے مواقع پیدا کئے جائیں کہ بغیر کسی خاص بار کے وہ ضروری اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ نہ رہنے پائیں۔

سرکاری مدارس میں تعلیم پانے والے طلباء کا معیار تعلیم جبتک وہ تعلیم پاتے رہتے ہیں روز بروز بلند ہوتا جاتا ہے اس حیثیت سے پیش نظر اسکی ضرورت ہمیشہ موجود رہتی ہے کہ وہ اپنے بڑھتے ہوئے معلومات کے ساتھ ساتھ دینی علوم میں بھی اپنا معیار بلند کرتے جائیں۔ سرکاری مدارس میں تعلیم پانے کی وجہ سے ان میں اتنی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ اکثر دینی کتب کا مطالعہ وہ بلا کسی استاد کی مدد کے خود کرلیں لیکن بالعموم اس چیز کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کسی امتحان کی تیاری کے لئے کتب کا مطالعہ نہ کیا جائے۔ دوسری طرف مذہبی درس گاہوں میں تعلیم پانے والے طلباء عام طور پر ان دنیوی علوم سے ناواقف رہتے ہیں جنکی تعلیم سرکاری مدارس میں دیجاتی ہے

اس لئے ایک ایسے امتزاج کی سخت اور فوری ضرورت ہے کہ مسلمان طلباء دینی اور دنیوی علوم سے حسب ضرورت واقفیت پیدا کریں۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے دارالعرفان کے تحت ایک خالص امتحانی ادارہ قائم کیا گیا ہے جس کی جانب سے مختلف معیار کے امتحانات قرآن پاک، سیرت پاک، حدیث شریف اور دیگر اسلامی علوم کے مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ فی الوقت جن امتحانات کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے ان کا اجمالی تذکرہ درج ذیل ہے۔

۱۔ امتحانات قرآنی

(۱) امتحان قرآنی ابتدائی درجہ
(۲) امتحان قرآنی تحتانی درجہ
(۳) امتحان قرآنی وسطانی درجہ

ہر ایک امتحان حسب ذیل تین گروپ پر مشتمل ہے۔

گروپ اول۔ قرآن خوانی •
گروپ دوم قرآن دانی

(۴)	امتحان خوانی	فوقانی درجہ	گروپ سوم قرآن فہمی
(۵)	امتحان قرآنی	امتیازی درجہ	اس امتحان کے لئے قرآن مجید کے علاوہ دیگر آسمانی کتب سے متعلق بھی تقابلی سوالات رہیں گے ۔

امتحانات سیرت النبیؐ وتاریخ اسلام

(۱)	امتحان سیرت النبیؐ	ابتدائی درجہ	ہر ایک امتحان حسب ذیل تین گروپوں پر مشتمل ہے
(۲)	امتحان سیرت النبیؐ	تحتانی درجہ	گروپ اوّل (سیرت شمائل و اخلاق نبوی و تعلیمات اسلامی)
(۳)	امتحان سیرت النبیؐ	وسطانی درجہ	گروپ دوم (حدیث شریف ونعت)
(۴)	امتحان سیرت النبیؐ	فوقانی درجہ	گروپ سوم (تاریخ اسلام)
(۵)	امتحان سیرت النبیؐ	امتیازی درجہ	امتیازی امتحان میں مضامین بالا کے علاوہ اسلامی علوم سے متعلق مضمون نگاری بھی رہے گی ۔

بحمد اللہ نہایت قلیل عرصہ میں ادارہ ہذا کے منعقد کردہ امتحانات نے کافی مقبولیت حاصل کرلی ہے اور ملک کے مختلف حصوں میں ان کے مراکز قائم ہو چکے ہیں، کثیر تعداد میں طلباء اور طالبات کے علاوہ معمر و کاروباری اشخاص و خواتین بھی اپنی صلاحیت کے لحاظ سے شریک امتحانات ہو کر اسناد حاصل کر رہے ہیں اور اس طور پر ایک منظم نصاب تعلیم کے ذریعہ اسلامی علوم سے واقفیت حاصل کر رہے ہیں ۔

ادارہ ہذا کی ان مساعی کی بابت الحاج علامہ مناظر احسن صاحب گیلانی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ کی گراں قدر رائے کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائے جا سکتے ہیں ۔

"قرآن وسیرت کی تبلیغ واشاعت کا اتنا بڑا ادارہ جس کا نظم ونسق بھی بڑے بڑے ذمہ دار بزرگوں کے ہاتھ میں ہے اور جس کی تعریف ہر وہ شخص کر رہا ہے جو حیدرآباد سے شمالی ہند آتا ہے ۔ حال ہی میں صدق اخبار میں یوپی حکومت کے سابق پارلیمنٹری سکریٹری مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی نے غیر معمولی الفاظ میں حیدرآباد کے مسلمانوں کی اولوالعزمی کی تعریف اس سلسلہ میں کی ہے ۔

ان حالات میں بھی دینیات کی تعلیم کے احیاء کی امنگیں آپ لوگوں کے قلوب میں زندہ ہیں اس احساس نے دیر تک ارحم الراحمین کے قدموں پر سر جھکا دیا ۔ نصاب کو پڑھا گیا ۔ آپ جانتے ہیں کہ نصاب کا مسئلہ میرے نزدیک قابل توجہ نہیں رہا بلکہ پڑھانے والے کون ہیں اس کو اہمیت دیتا ہوں لیکن جو صورت حال اس وقت پیش آگئی ہے کہ خود پڑھ کر امتحان دینا ہوگا اس کے لحاظ سے ان کتابوں کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے جن کے مطالعہ کی سفارش کی گئی ہے جہاں تک میرا خیال ہے ممکنہ حد تک ادارہ کا مجوزہ نصاب جامع بھی ہے اور مانع بھی ہے ۔ قرآن کے ترجمہ کے ساتھ دینیات کا اتنا

مطالعہ سب کافی و وافی ہے۔ اپنی نیک تمناؤں کے سوا اور کس چیز کو پیش کروں۔ حق تو یہ ہے کہ سرکاری انتظام سے زیادہ بہتر اور مستحکم بنیادوں پر مسلمانان دکن کی دینی زندگی کے اسباب و ذرائع کا الہام آپ لوگوں کو ہوا۔ حق سبحانہ تعالیٰ اس میں برکت فرمائے"

جناب والا کو اسلامی علوم سے جو دلچسپی ہے اس کے مدنظر ادارہ ہذا کے اراکین یہ معلوم کرنے کے متمنی ہیں کہ جناب والا متذکرہ ذیل کن صورتوں میں خاص طور پر ادارۂ ہذا کے کام میں شرکت فرما سکتے ہیں۔

(۱) ادارۂ مذکور کے امتحانات میں بطور خود یا اپنے عزیز و اقارب احباب کی شرکت۔
(۲) امتحانات کی تیاری کے لئے کتب کی فراہمی لکچروں و تدریس کا انتظام۔
(۳) امتحانات میں امتیاز سے کامیاب ہونے والے امیدواروں کو تعلیمی انعامات۔
(۴) امتحانات کے لئے نئے مراکز کا قیام اور اپنے حلقۂ اثر میں امتحانات کی تشویق و ترغیب
(۵) ادارۂ مذکور کے استحکام اور توسیع کی غرض سے مالی و دیگر وسائل کی امداد۔

منسلکہ نمونہ کے مطابق اگر بعجلت ممکنہ جواب عنایت فرمایا جائے تو باعث تشکر ہوگا۔

صدر ادارہ	معتمد ادارہ	مہتمم امتحانات
محمد نصیر الدین ایم اے کنٹب	علی الدین احمد	محمد علی
سابق ناظم تعلیمات		

ڈیڑھ ہزار طلباء کا مرکز
مدرسہ اشرفیہ نیا بھوجپور بہار

مولانا محمد ارشاد صاحب ناظم مدرسہ

یوں تو صوبہ بہار علمی اعتبار سے تاریخی جگہ ہے مگر اس وقت جبکہ ہر اعتبار سے دنیا انقلاب پذیر ہے اس کے کافی اثرات صوبۂ بہار پر پڑے اور ہر ادارے رو بانحطاط ہوئے الا چند اداروں کے جو اپنی بساط کے مطابق صحیح خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ مدرسہ قاسمیہ گیا اور ان سب میں اعلیٰ خدمات مدرسہ اشرفیہ نیا بھوجپور ضلع آرہ شاہ آباد اپنی جہالت اور الحاد و زندقیت میں بے مثال زندگی کا مالک تھا۔ اور صدیوں سے یہ زمین علوم نبوت کی پیاسی تھی کہ قدرت کا کرم جوش میں آیا اور اپنی عادت کی بنا پر شخصے از غیب بروں آمد کے اصول قائم کئے اور جناب مولانا عبد الرشید بھوجپوری ابن عبد الغفور خاں علیہ الرحمہ کو اس جہالت کے مرکز میں پیدا فرما کر احسانات کی بارش کی اور اس اللہ کے بندہ نے بعد تحصیل علوم ظاہر

ہر چیز کا وجود ہی اس کے فنا کی تمہید ہے

کے صغر سنی میں ہی علوم باطن کی طرف توجہ کیا اور منازل سلوک کو طے کرنے کے لئے حضرت قطب الاقطاب حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی طرف رشتہ منسلک کر لیا بعدہ اس مرکز جہالت کی طرف خاص توجہ کی اور ایک دینی ادارہ کی بنیاد ڈالی ۱۳۴۱ھ میں اور نام مدرسہ اشرفیہ بایمائے حضرت تھانوی رکھا۔

بزرگوں کی دعاؤں سے اس نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی اور یہیں تک نہیں کہ اس ادارہ سے بھوجپور یا اطراف بھوجپور میں علم الٰہی کی روشنی پھیلی بلکہ یوپی، بنگال، بہار کے اکثر و بیشتر اضلاع کے لئے روشن آفتاب مہیا کر دیا۔

جنوبی بہار کا وہ صحرائی علاقہ جہاں سلمان لفظ اللہ سے بھی نا آشنا تھا مولانا موصوف وہاں تشریف لے گئے اور اپنی ذمہ داری پر وہاں چھ سات مکاتب کا قیام کیا مولوی اپنے پاس سے دیا تنخواہیں اپنی سعی سے دیں۔ الحمد للہ کہ وہ علاقہ بھی آج تہذیب و تمدن میں عربیت کا نمونہ بن گیا ہے۔

گویا اس طرح علاوہ مرکزی مدرسہ یعنی اشرفیہ کے بارہ ایسے مکاتب و مدارس کو چلا رہا ہے جسمیں امت کا بہت فائدہ رہا اور دعا ہے کہ خدا اس کو باقی رکھے۔ باورچی خانہ کتب خانہ کا معقول نظم فرمایا۔ آج بھی ان تمام اداروں میں مل کر ڈیڑھ ہزار طلبہ علوم الٰہیہ حاصل کر رہے ہیں اور تکمیل مرکز میں آکر کرتے ہیں۔ مرکز میں ساٹھ ستر غیر اضلاع کے بچوں کے قیام طعام کا کفیل مدرسہ ہی ہے۔

جواب یا ضروری گفتگو مرکز کے پتہ پر ہی کی جائے یعنی مدرسہ اشرفیہ نیابھوجپور ضلع آرہ شاہ آباد (بہار)

جنوبی ہند میں دینی علوم کا سرچشمہ

مدرسہ باقیات صالحات ویلور

(مولانا ابو السعود احمد علی)

مدرسہ باقیات صالحات ویلور جنوبی ہندوستان کا پہلا مرکزی دینی مدرسہ ہے جس کی مرکزی شان کو سو سال سے نہ صرف باقی ہے بلکہ ترقی پذیر ہے بانیٔ مدرسہ اعلیٰحضرت شمس العارفین وشمس العلماء مولانا الحاج شاہ عبدالوہاب صاحب قادری قدس سرہ ورحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص کا نتیجہ ہے کہ باوجود انقلاب حالات زمانہ یہ مدرسہ علوم عربیہ دینیہ کی خدمت مسلسل انجام دیتا رہا اور آج بھی اس کے چشمۂ فیض سے طالبان علوم دینیہ فیضیاب ہو رہے ہیں جنوبی ہندوستان میں عموماً اور صوبہ مدراس میں خصوصاً کئی ایک مدارس عربیہ دینیہ اس مرکزی درس گاہ کے فیضان سے عالم وجود میں آئے اور الحمد للہ ہمیشہ ان مدارس کے اکثر و بیشتر اساتذہ اسی درسگاہ کے فارغ التحصیل علماء ہوا کرتے ہیں۔

بانیٔ مدرسہ کے علاوہ مولانا مولوی نور احمد صاحب۔ مولانا مولوی غلام محی الدین صاحب مولانا مولوی محمد عبدالقادر بادشاہ صاحب مولانا مولوی محمد عبدالجبار صاحب۔ مولانا مولوی شاہ زماں خان صاحب۔ مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب۔ مولانا مولوی محمد عبدالصمد صاحب علی

مولانا مولوی عبد الصمد صاحب ویلوری ۔ مولانا مولوی محمد حسن باشاہ صاحب نور اللہ مضجعہم ورفع درجاتہم نے حضرت اور بہت سے دیگر علمائے کرام نے عموماً مدرسین کی حیثیت سے اعلیٰ تعلیمی خدمت انجام دی ۔ علمی دنیا میں ان بزرگان دین کے نام ہمیشہ یادگار رہیں گے ۔

سابق اساتذہ میں سے مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب آمائی اور مولانا مولوی عبد العلی صاحب کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں اول الذکر اس وقت جامع عربیہ منبع الانوار لال پیٹ کے صدر مدرس اور ثانی الذکر مدرسہ انوار المحمدیہ کے صدر مدرس ہیں ۔

مدرسہ کے موجودہ اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں ۔

حضرت مولانا مولوی شیخ آدم صاحب مفتی اعظم و ناظر مدرسہ

مولانا مولوی سید محمد سعید صاحب ۔ مولانا مولوی شیخ حسن صاحب مولانا مولوی محمد ابوبکر صاحب ۔ مولوی محمد میران صاحب انصاری ۔ مولوی عبد العزیز صاحب ۔ مولوی پیش عبد الوہاب صاحب ۔ مولوی سید عبد الجبار صاحب ۔ مولوی رئیس الاسلام صاحب (نائب ناظر) مولوی جعفر حسین صاحب ۔ حضرت مولانا قاری السید محمد المدنی (ادام اللہ فیوضہم ومتع المسلمین بطول حیاتہم)

بانی مدرسہ اعلیٰ حضرت شمس العلماء مولانا الشاہ عبد الوہاب صاحب قادری قدس سرہ کے بعد مدرسہ کے نگران کار و سرپرست آپ کے اکلوتے فرزند اعلیٰ حضرت خان بہادر مولانا مولوی الحاج ضیاء الدین محمد صاحب تھے عرصہ دراز تک مدرسہ آپ کی سرپرستی میں پھلتا پھولتا رہا آپ کے بعد حضرت مولانا مولوی الحاج عبد الرحیم صاحب ناظر مدرسہ تھے ۔ موجودہ ناظر مدرسہ اعلیٰ حضرت علامہ مولانا مفتی شیخ آدم صاحب ہیں (متعنا اللہ والمسلمین بطول حیاتہ)

چند سال پہلے مدرسہ میں طلبہ العلوم کی تعداد دو سو پچاس ہوا کرتی تھی ۔ موجودہ ہوشربا گرانی کی وجہ سے طلبا کی تعداد صرف ایک سو ساٹھ ۱۶۰ ہے جن کے قیام و طعام اور تعلیم کا انتظام خاص مدرسہ کی جانب سے ہے اس کے علاوہ مقامی بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ کے زیر اہتمام ایک ابتدائی مدرسہ جاری ہے جس میں دو سو بچے تعلیم پاتے ہیں ۔

مدرسہ کے ہزاروں فارغ التحصیل علماء اور تعلیم یافتہ جنوبی ہندستان کے علاوہ برما ملایا ۔ انڈونیشیا ۔ جزائر محلدیپ وغیرہ میں مدارس دینیہ کے قیام اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں مدرسہ کا سالانہ خرچ بابت ۱۹۵۳ء ساٹھ ہزار آٹھ سو اٹھائیس روپیہ ہے 60828/-/-

مدرسہ باقیات صالحات
ویلور ۱۰ ؍ دسمبر ۱۹۵۴ء

احقر ابو السعود احمد عفی عنہ
مہتمم مدرسہ

مدرسہ امدادیہ دارالعلوم بمبئی

جناب مولوی زین العابدین صاحب مونگیری

بمبئی ہندوستان کا عظیم الشان شہر ہے اور دوسری قوموں کی طرح یہاں مسلمان بھی بڑی تعداد میں آباد ہیں، اور ان سے ہندوستان کے دینی مدارس کو مدد ملتی ہے۔ مگر یہ افسوس ناک بات تھی کہ اس عظیم الشان شہر میں کوئی ایسا معیاری دینی مدرسہ نہیں تھا، جو شہر بمبئی کے شایان شان ہو، اس چیز کا احساس کرتے ہوئے، چند دردمندوں نے مدرسہ امدادیہ دارالعلوم بمبئی کی تشکیل کی، اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے اس عظیم الشان درس گاہ کا افتتاح کرایا۔

اس مدرسہ کی تشکیل اور بقا میں اس کے صدر المدرسین اور بمبئی کے مفتی حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بہاری صدر جمعیۃ العلماء صوبہ بمبئی کی ذات کو بڑا دخل ہے۔ آپ کے ساتھ دوسرے اراکین مدرسہ بھی نہایت محنت اور اخلاص سے کام کرتے ہیں۔ محترم الحاج ولی محمد بھر موچہ صاحب ناظم اعلیٰ اور مولانا محمد دوست صاحب نائب ناظم وغیرہ اس مدرسہ کو نہایت حسن وخوبی سے چلاتے ہیں۔ یہ دوٹانکی پر نمازی منزل کی بلڈنگ میں جاری ہے۔

مدرسہ کے پہلے سال میں عربی کے ۲۵ طلبا تھے جن میں کئی ایک یہاں سے دارالعلوم دیوبند گئے اور اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ فی الحال مدرسہ میں ساٹھ ستر لڑکے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور نحو، صرف، عربی، فارسی، اردو اور قرآن شریف سے لیکر مشکوٰۃ اور جلالین تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ افتاء کا اگرچہ کوئی مستقل شعبہ نہیں ہے مگر محترم مولانا مفتی عبدالعزیز بہاری افتاء کا کام بھی کرتے ہیں اور اہل شہر کے دینی مسائل کے جوابات لکھتے ہیں۔

اس مدرسہ کو ملک کے مشاہیر علماء نے دیکھا ہے اور اس کے بارے میں گرانقدر آراء تحریر فرمائی ہے۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب ناظم ندوۃ المصنفین دہلی، حضرت مولانا فضل اللہ صاحب صدر دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد وغیرہ نے اس کا معائنہ فرماکر اچھی رائے تحریر فرمائی ہے۔

امدادیہ کا ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں ہر علم وفن کی کتابیں ہیں جو طلبہ اور مدرسین کے کام آتی ہیں، فی الحال اس درسگاہ میں چار مدرس کام کرتے ہیں اور اپنی محنت سے طلبہ کو علمی فیض پہنچاتے ہیں۔

یہ مدرسہ ماشاء اللہ ہندوستان میں کافی شہرت پاچکا ہے اور ملک کے طلبہ یہاں آتے ہیں، افسوس کہ جگہ کی قلت کے باعث ان کو واپس کردیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ یہ مدرسہ بہت جلد ترقی کرکے اپنے اصلی مقصد کو حاصل کرے گا۔ ضرورت ہے کہ اہل بمبئی اس عظیم الشان دینی درس گاہ کی طرف توجہ کریں۔

بسم اللہ الرب النافع الملک الرحمن الرحیم

قطعہ تاریخ انعقاد بمقام بمبئی بنیادی مذہبی تعلیمی کل ہند لاجواب کنونشن

۱۹۵۵ء ۱۹۵۵ء

بصدارت ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب بالقابہ صدر شعبہ فلسفہ بجامعہ عثمانیہ حیدرآباد

۱۹۵۵ء ۱۹۵۵ء

مولانا ادریس صاحب نسیم دہلوی!

نسیم گلشن دینی وطن میں چلی ۔۔۔ جہاں میں پھیل گئی ہے گلوں کی شمیم
مقام فکر افاضل ہے قیصر باغ ۔۔۔ ہر ایک جن میں ہے دانا عقیل و فہیم
یہ اجتماع عجب ہے بزیر فلک ۔۔۔ شہیر ان میں بہت ہیں بفکر سلیم
فروغ دین حقیقی ہے پیش نظر ۔۔۔ کہ ہند میں ہو تو کیسے ہو اب تعلیم
لبوں پہ آئی نکل وقت کی یہ پکار ۔۔۔ جو گامزن ہوئے ہیں یہ رہبران قدیم
خدا کا ہاتھ ہے سر پر جماعت کے ۔۔۔ ہوئے جو دین کے ماہر شریک و سہیم
خوشا اکابر ارکان استقبال ۔۔۔ ہیں جنمیں یوسف و غازی، غریب و حکیم

سنا سنین یہ کن دین گلشن کے نسیم
فروغ دین خدا یا چراغ نعیم

۱۹۵۵ء ۱۳۷۴ھ

نتیجہ فکر نسیم دہلوی ۱۹۵۵ء

از حق پژوہ محمد ادریس نسیم دہلوی تاریخ گو، مکان احاطہ جمن بی بی متصل فراشخانہ دہلی

۱۹۵۵ء ۱۹۵۵ء

تنقید و تبصرہ

از:- قاضی اطہر مبارکپوری

اردو عربی ڈکشنری

جناب مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ صاحب بلیاوی، فاضل دارالعلوم دیوبند و استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ملک کے ان مشہور ادیبوں میں ہیں، جنھوں نے "مصباح اللغات" نامی عربی، اردو کی بہترین اور بسیط لغت لکھ کر ارباب علم و فن سے داد حاصل فرمائی۔ زیر تبصرہ کتاب بھی مولانا موصوف کی دوسری اہم کتاب ہے، جو اردو زبان میں اپنی افادیت کے اعتبار سے پہلی کتاب کہی جائے گی۔ اس کتاب میں جدول بنا کر پہلے اردو زبان کے اسماء لکھے گئے ہیں، پھر ان کے عربی اسماء لکھے گئے ہیں، اور پھر واحد اور جمع لکھا گیا ہے۔ اردو اسماء اور صفات کا یہ سلسلہ صفحہ ۳۰۶ پر ختم ہوتا ہے، پھر اسی ترتیب سے حروف تہجی پر اردو کے افعال و مصادر کو لکھا گیا ہے، پھر ان کی عربی بنائی گئی ہے اور ساتھ ہی ابواب اور صلات بھی بیان کئے گئے ہیں، ابتدا میں مذکر و مونث کے بعض احکام اور جانوروں اور چیزوں کی کیفیتیں بھی بیان کی گئی ہیں، یہ کتاب مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ و تلامذہ کے لئے یکساں مفید ہے، اور اپنے موضوع پر واحد کتاب ہے۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ، متوسط سائز کے ۴۰۸ صفحات میں قیمت مجلد مع کور چھ روپے۔ ملنے کا پتہ:- صغیر احمد، دارالعلوم ندوۃ العلماء بادشاہ باغ لکھنؤ

معلم القرآن

جناب مولانا محفوظ الرحمن صاحب سابق پارلیمنٹری سکریٹری یو، پی "قرآن پڑھو اور پڑھاؤ" کی مقدس تحریک کے شیدائی لوگوں میں ہیں۔ آپ نے "مفتاح القرآن" کے نام سے قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کے لئے ایک جامع اور کامیاب نصاب مرتب فرمایا ہے، جو ملک کے بہت سے مقامات پر رائج ہے۔ اور مسلمان اس سے دینی استفادہ کر رہے ہیں۔ معلم القرآن بھی مولانا نے اس سلسلہ میں نہایت مفید کتاب لکھی ہے۔ جو گویا اس تحریک کا تعارف اور مفتاح القرآن کے طریق تدریس کے لئے ہدایت ہے۔ نیز اس کتاب میں نحو و صرف، قرارت اور اسماء اور صیغہ جات کی مفید بحثیں بھی آگئی ہیں، یہ کتاب عربی زبان حاصل کرنے والوں اور قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے والوں کے لئے ایک نادر اور مفید تحفہ ہے، اس کتاب کی افادیت پر تجربات گواہ ہیں۔ یہ کتاب "مفتاح القرآن" کے معلمین کے لئے خصوصیت سے بہت مفید اور ضروری ہے،

(باقی صفحہ ۔۔۔ پر)

کل صفحات ۱۲۸ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔ ملنے کا پتہ۔ منیجر مکتبہ ترجمہ قرآن، بہرائچ، یو۔پی)

مسلمان تبصرہ نگار ایک رسالہ ہے جو درحقیقت "رسالۃ الامام مالک الی ہارون الرشید" کا چربہ ہے، جس کو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ ہارون رشید کے نام لکھا تھا۔ اور جو دینی اور اسلوب زندگی کا ایک بہترین لائحہ عمل تھا۔ رسالہ "مسلمان" میں اسی رسالہ کو سامنے رکھ کر احادیث و آثار کا انتخاب کیا گیا ہے، اور اسی کی روشنی میں نہایت سادہ الفاظ میں توضیح و تشریح کی گئی ہے۔ آخر میں امام بخاریؒ کی کتاب ادب المفرد سے بھی کچھ مضامین لئے گئے ہیں۔ اسے جمعیۃ المسلمین جزیرہ (بمبئی) نے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ کتابت و طباعت اور کاغذ عمدہ۔ کل صفحات ۶۴ قیمت ۸ ر (آٹھ آنے) ملنے کا پتہ:- جمعیۃ المسلمین مدینہ فوٹو مارٹ، بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۳ - اور انجمن خدام النبی صابو صدیق مسافر خانہ بمبئی ملا۔

ایک اور مشرقی کتب خانہ مرتبہ جناب عبد القوی دسنوی صاحب

دسنہ ضلع پٹنہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کا مولد و منشاء ہے، یہاں پر ایک عظیم الشان کتب خانہ قدیم زمانہ سے قائم ہے۔ جس میں اردو مخطوطات، اور عربی و فارسی مخطوطات اور اخبارات و رسائل بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اور یہ کتب خانہ اس نوعیت سے ہندوستان کے مشہور کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب میں اس عظیم الشان کتب کی کتابوں اور مخطوطات کی تفصیلی فہرست دی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی دسنہ کی مختصر تاریخ دسنہ کے اہل علم و ارباب کمال، اور کتب خانہ الاصلاح دسنہ کے تحت بہترین علمی اور تاریخی مضامین جمع کئے گئے ہیں، پھر اردو مخطوطات اور فارسی و عربی مخطوطات اور اخبارات و رسائل کی تفصیلی فہرست بیان کی گئی ہے، اور ہر نسخہ کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ کتاب لکھائی چھپائی اور کاغذ کے اعتبار سے بھی عمدہ ہے۔ کل صفحات ۱۲۸ ہیں۔ اسے جمعیۃ الطلباء دسنہ ضلع پٹنہ کے ہونہار ممبروں نے اپنی طرف سے شائع کیا ہے۔ قیمت درج نہیں ہے۔

نئی راہ "قرآن نمبر" جناب ظل عباس صاحب عباسی ادارہ نئی راہ سے رہ رہ کر قوم کے سامنے علمی تحفہ پیش فرمایا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ "قرآن نمبر" بھی نئی راہ کا ایک خاص نمبر ہے۔ جس میں قرآن حکیم کے مختلف پہلوؤں پر بہترین مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ ان کے لکھنے والے ملک کے مشاہیر ارباب علم و فضل ہیں۔ اس کتاب میں مولانا ابو الکلام آزاد۔ علامہ رشید رضا مصری۔ علامہ جوہری طنطاوی۔ علامہ [illegible] مولانا محمد علی ایم، اے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم، اے۔ پروفیسر احمد خاں ایم، اے۔ [illegible] سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ اور قاضی اطہر مبارک پوری وغیرہ کے مضامین و مقالات موجود [illegible] ۱۷۰ صفحات پر لکھائی، چھپائی کاغذ بہتر۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے، ملنے کا پتہ:۔ ادارہ نئی [illegible] ناگپاڑہ بمبئی ۸

غیر مسلموں کی نظر میں پیغمبر اسلام یہ رسالہ بھی "نئی راہ" کا

ظل عباس صاحب نے نہایت تحقیق و تلاش سے اکثر و بیشتر مشرقی اور مغربی مفکروں کے ان اچھے خیالات و مقالات کو جمع کر دیا ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور اسلام کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔ ابتداءً اس نامۂ مبارک کا عکسی فوٹو بھی دیا گیا ہے جسے آنحضرتؐ نے شاہ مصر مقوقس کے نام روانہ فرمایا تھا۔ یہ رسالہ درحقیقت سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر اغیار کے خیالات و تاثرات کا بہترین البم ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کا پیغمبر دنیا کا پیغمبر کاآخرالزمان ہے۔ یہ خاص نمبر متوسط سائز کے ۱۰۶ صفحات پر مشتمل ہے، چھپائی، لکھائی اور کاغذ بہتر، قیمت باختلاف کاغذ ایک روپیہ، سوا روپیہ۔ مذکورۂ بالا پتہ سے یہ رسالہ مل سکتا ہے۔

جدید آسان لغات القرآن

مرتبہ جناب عبدالکریم پارکھ ناگپوری۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس کتاب میں قرآن حکیم کے الفاظ و لغات کی تشریح کی گئی ہے۔ اور معمولی اردو خواں حضرات کی قرآنی رہنمائی کے لئے آسانی فراہم کی گئی ہے۔ ہر لفظ کو لکھ کر ترجمہ کی مناسبت سے ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ یہ طرز لغات نویسی قرآن فہمی کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں ہے، اور اس سے کوئی بصیرت پیدا نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی جو کوشش کی گئی ہے لائق تحسین ہے۔ قرآن کے تیس پاروں کی لغت متوسط سائز کے ۱۳۲ صفحات میں بیان کر دینا ظاہر ہے کہ محققانہ رنگ میں نہیں ہو سکتا جبکہ اردو زبان میں بھی لغات القرآن کے نام سے متعدد جلدوں میں کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ بہرحال یہ لغت مبتدی حضرات کے لئے مفید ہے اور مصنف کی کوشش کامیاب ہے۔ کل صفحات ۱۳۲ ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ بہتر قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ:۔ عبدالکریم پارکھ، المشر



نقشہ جامع مسجد شاہی مئو جس میں مفتاح العلوم واقع ہے

مفتاح العلوم مئو کے متعلق تفصیلی معلومات صـ۹ پر ملاحظہ فرمائیں

انجمن خدام النبی کے چالیس سالہ کارنامے

حجاج بیت اللہ کی واحد خدمتگار انجمن اور اسکی یادگار خدمات

انجمن خدام النبی ایک خالص دینی ادارے کی حیثیت رکھتی ہے جو چالیس سال سے حجاج کرام کی مخلصانہ اور بیغرضانہ خدمت انجام دیتی رہی ہے۔ ایک عبادت جو تمام عمر میں ایک بار فرض ہے۔ پھر اس عبادت کے ارکان سے عام بے خبری سرکاری ضابطوں اور قاعدوں سے ادھلی۔ تین ماہ کا سفر وہ بھی بحری، بری، فضائی، ہزارہا انسانوں کے سینکڑوں قافلے اور ہر انسان کی صورت، سیرت اور مزاج جدا! تن تنہا ایک عبادت تمام عبادتوں اور روحانی ریاضتوں کا مجموعہ، مختصر یہ کہ عبادت آسان ہے حج کرنا آسان نہیں۔ انجمن خدام النبی نے یہی کام اللہ کے نام پر کچھ کم نصف صدی سے اپنے ذمہ لے رکھا ہے جس کی بے شمار خدمات کے ذخیرے میں سے چند کارنامے یہاں درج ہیں:۔

۱۔ خدام النبی کی ابتدا ایسے وقت میں ٹھنڈا پانی پلانے سے ہوئی کہ گودی پر پانی مفقود تھا۔

۲۔ دوسرا قدم حاجیوں کو گودی سے مسافرخانے لانے اور لے جانے کے لئے لاریوں بسوں اور موٹروں کے انتظام کی صورت میں ہوا

۳۔ مسافرخانہ سے لے کر میدان عرفات تک حجاج کی ہمدردانہ رہبری۔

۴۔ غریب الوطن اور بیمار حاجیوں کی تیمارداری اور علاج و معالجہ۔

۵۔ پانی کے جہازوں کے ٹکٹ کے لئے حجاج کی رہنمائی اور ہوائی جہاز چارٹر کرنے کا انتظام۔

۶۔ گودی میں ہلکا کھانا کچھ فروٹ کچھ سموسہ اور برف پانی کا بے قیمت اور بے منت اہتمام۔

۷۔ انجکشن۔ ٹیکہ۔ ٹیکس وغیرہ کے قانونی معاملات میں حجاج کی اخلاقی امداد۔ حکومت اور سرکاری ڈاکٹروں کو حجاج کی مشکلات سے باخبر کرنا۔

۸۔ حج کے مسائل پر رسائل کی اشاعت، علماء حق کے مواعظ حسنہ، لاؤڈ اسپیکر اور حج کے تعلیمی سلائیڈس کا انتظام، اور حجاج کے ترجمان **البلاغ** کا اجراء۔

۹۔ مدیران جرائد اور عام جریدہ نگاروں کے لئے حج کی خبروں اور خاص اعلامیوں کی اشاعت۔

۱۰۔ جدہ۔ حرم مکہ معظمہ اور میدان عرفات میں حاجیوں کی ممکن خدمات۔

۱۱۔ غلہ۔ کپڑا اور شکر کی قلت کے زمانہ میں راشن کا انتظام اور حجاز مقدس میں اسکی تقسیم۔